تفسیر نور الثقلین
مفسر
محدث جلیل العلامۃ الخبیر الشیخ عبد علی الحویزی
مترجم
حجۃ الاسلام علامہ محمد حسن جعفری
نظر ثانی
حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم
ادارہ منہاج الصالحین لاہور

مفسر

محدث جلیل العلامۃ الخبیر الشیخ عبد علی
بن جمعۃ العروسی الحویزی قدس سرہٗ

مترجم

حجۃ الاسلام علامہ محمد حسن جعفری حفظہ اللہ

تصحیح و نظر ثانی

حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری مدظلہ العالی
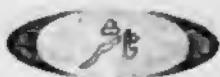
ادارہ منہاج الصالحین (رجسٹرڈ)

جناح ٹاؤن ٹھوکر نیاز بیگ لاہور۔ فون 5425372

نام کتاب : تفسیر نور الثقلین (جلد اوّل)

مفسر : محدث عبد علی بن جمعۃ العروسی الحویزی

مترجم : حجۃ الاسلام علامہ محمد حسن جعفری

نظر ثانی : حجۃ الاسلام علامہ ریاض حسین جعفری

پروف ریڈنگ : غلام حیدر چودھری

اشاعت : ستمبر ۲۰۰۵ء

صفحات : ۶۰۰

ہدیہ : 600 روپے

ملنے کا پتہ

ادارہ منہاج الصالحین (رجسٹرڈ)

فرسٹ فلور دوکان نمبر 20 الحمد مارکیٹ غزنی اسٹریٹ اردو بازار لاہور فون۔ 7225252

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

فہرست

○○○

عرض ناشر

اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے ادارہ منہاج الصالحین اپنا ارتقائی سفر طے کر رہا ہے اور گذشتہ آٹھ سالوں میں دوصد کتب مختلف موضوعات پر مومنین کی نظر کر چکا ہے، جس سے پوری دنیا کے تشنگانِ علم اپنی علمی پیاس بجھا رہے ہیں۔ جہاں ہماری کوشش رہی کہ بڑے بڑے محققین اور دانشوروں کی کتب کو سلیس اُردو میں پیش کریں وہاں ہمیں یہ فکر بھی دامن گیر رہی کہ اپنے قارئین کے سامنے ایسا مواد پیش کیا جائے جس میں فضائلِ آلِ محمدؐ کی جھلک نظر آئے۔ اس سلسلہ میں ہم نے بڑی بڑی ضخیم کتب چھاپ کر اپنے محترم قارئین سے دادِ تحسین حاصل کی ہے۔ اس کی زندہ و تابندہ مثال مشہور و معروف کتاب ''مدینۃ المعاجز'' ہے کہ جس کا اُردو زبان میں چار جلدوں میں ''معجزاتِ آلِ محمدؐ'' کے نام سے ترجمہ کیا جو کہ آلِ محمدؐ کے فضائل و مناقب کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔

زیرِ نظر تفسیر ''نور الثقلین'' بھی اسی جذبہ کی ایک جھلک ہے۔ اسی مودّت کے سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ قرآن مجید فرقانِ حمید حضور سرورِ کائناتؐ کا وہ زندہ و تابندہ معجزہ ہے جو صبحِ قیامت تک اپنی فصاحت و بلاغت، صوری و معنوی اثر آفرینی کے ساتھ چہار عالم میں ضوفشانی کرتا رہے گا، اور جادۂ حق سے بھٹکنے والے راہی کو نشانِ منزل دکھاتا رہے گا۔ اس زندہ جاوید کتاب کا یہ حُسن ہے کہ جن مفسرین و مولفین نے اپنے اپنے ذوقِ سلیم کے مطابق اس کے مفاہیم و مطالب کو درک کرنا چاہا یہ کتاب ہر کسی کے نقطۂ نظر پر پوری اتری۔ یہی وجہ ہے کہ اس کتاب کی گوناگوں تفاسیر لکھی گئیں۔ کسی مفسر نے اس کتاب کو ادب کی سان پر پرکھا، کسی نے نحو و صرف کو موضوع بحث بنایا، اور کسی نے علمِ کلام کی گتھیاں سلجھائیں۔ گویا کہ

قرآن کا یہ کمال واعجاز ہے کہ اس پر جس جہت سے تحقیق کی جائے' نئے نئے مطالب ومفاہیم سامنے آتے جائیں گے۔

تفاسیر دو طرح کی لکھی گئیں۔ بعض مفسرین نے جو کچھ سمجھا' سوچا وہ زیب قرطاس کر دیا۔ یہ تفسیر نہیں ہے۔ تفسیر نام ہے جو کچھ قرآن کہے اسے واضح کرے۔ ہر مفسر کو چاہیے کہ وہ اپنے آپ کو قرآن کے سپرد کر دے اور اس سے درسِ ہدایت لے۔ مفسر کو قرآن کا متعلم ہونا چاہیے نہ کہ معلم۔

آغازِ اسلام سے آج تک ہمارے بڑے بڑے محققین اور مفسرینِ قرآن نے فہم قرآن کے لیے بڑی بڑی زحمتیں اٹھائی ہیں۔ پوری دیانت داری' عرق ریزی اور انہماک سے تفہیم القرآن کے لیے کوشاں رہے۔

انہی میں سے ایک عالم ربانی' محدث اعظم فقیہ زمان اور مفسر قرآن جمعہ اسدی رحمۃ اللہ علیہ کا اسم گرامی ہے کہ جنہوں نے قرآن کی منفرد اسلوب میں تفسیر لکھی۔ آپ نے اہلِ بیت عصمت وطہارت علیہم السلام کی روایات کے آئینہ میں قرآن مجید کی تفسیر لکھی۔ آپ نے پوری تحقیق وجستجو کی اور ہر آیت کے ضمن میں روایت پیش کی۔ اپنی طرف سے ایک حرف لکھنے کی سعی ناتمام نہ کی۔ اگر آپ کو پوری تحقیق وتفتیش کرنے کے بعد کوئی روایت نہیں ملی تو آپ نے اس آیت کی تفسیر ہی نہیں کی' گویا کہ آپ کی خواہش رہی ہے کہ آپ قرآن کے طالب علم کی حیثیت سے اس سے استفادہ کریں۔ آپ معلم قرآن نہیں بنے۔

قرآن قصیدہ ہے اہلِ بیت علیہم السلام کا۔ ہماری کئی سالوں سے کوشش تھی کہ قرآن کی تفسیر کی جائے' لیکن کافی عرصہ گزر گیا اس سوچ بچار میں کہ کون سا مفسر اور کون سی تفسیر؟ چونکہ برصغیر پاک و ہند کے مسلمانوں میں محبت اہلِ بیتؑ کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی ہے۔ لہٰذا ہماری کوشش رہی کہ ایسی تفسیر پیش کی جائے کہ جو آلِ محمدؐ کے مناقب وفضائل کا پرتو ہو۔ ہم نے اس سلسلہ میں علماء علام اور بزرگانِ دین سے مشاورت بھی کی۔ اکثریت کا مشورہ تھا کہ تفسیر نورُ الثقلین کا ترجمہ کر کے چھاپ دیا جائے۔ اس سے عوام الناس کے لیے تفہیم القرآن سہل ہو جائے گی اور وہ اس روائی تفسیر سے خوب استفادہ کر سکیں گے۔

کتاب کا انتخاب تو ہو گیا لیکن سوال یہ ہے کہ اس مشکل ترین کام کی ذمہ داری کس کے سر پر ڈالی جائے۔ عربی زبان سے اُردو میں ڈھالنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اور پھر روایات کا ترجمہ کرنا بھی ہر کسی کے بس کی بات نہیں بلکہ اس کے لیے ایک باصلاحیت شخص کی تلاش تھی کہ جو صلاحیت کے باوجود تفسیری وتوضیحی کام کا جذبہ صادقہ بھی رکھتا ہو۔ اس قحط

الرجال زمانہ میں کسی علمی ادبی شخصیت کا ملنا نہایت مشکل کام ہے۔ ہمارے علماء کرام نے تحریر و تحقیق اور تالیف و تدوین کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ آسان راستے ڈھونڈ لیے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ مجالس کا راستہ ڈھونڈ لیا ہے جس سے بھاری بھرکم نذر و نیاز وصول ہوتی ہے' اور عوام الناس قبلہ و کعبہ کے القاب سے موسوم کرتی ہوئی نظر آتی ہے۔ یہ ملت کی زبوں حالی کا زمانہ ہے کہ جب مکتب کے راہنما اپنی مکتبی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ نہ ہوں۔ بہرکیف اس اہم کام کے لیے ہماری نگاہ اپنے باصلاحیت رفیق اور جذبہ مودّت سے سرشار دوست حجۃ الاسلام علامہ محمد حسن جعفری صاحب قبلہ پر پڑی۔ ہم نے اس اہم کام کے لیے ان کی خدمات حاصل کیں۔ آپ نے دفورِ محبت کے ساتھ جذبہ آلِ اطہارؑ سے سرشار ہو کر اس اہم کام کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ اس طرح پہلی جلد کا ترجمہ قارئین کے سامنے ہے۔ اگر کوئی ہم سے سہواً غلطی ہوگئی ہو تو امید ہے کہ قارئین اس کی نشاندہی فرمائیں گے۔

دعا ہے کہ پروردگار عالم بحق محمدؐ و آلِ محمدؐ ہماری توفیق خیر میں اضافہ فرمائے کہ ہم اس اہم اور کٹھن منصوبہ کو پورا کر سکیں۔ پروردگار اس کتاب مقدس کے صدقہ میں ہماری آخرت بخیر فرما اور ساتھ ہی قارئین کتاب کی دنیاوی اور اخروی مشکلات آسان فرما۔ آمین ثم آمین!

والسلام مع الاکرام

دعا گو!

ریاض حسین جعفری فاضل قم

سربراہ ادارہ منہاج الصالحین' لاہور

عظمتِ قرآن بزبان امیرالمومنین علیہ السلام

ثُمَّ اَنزَلَ عَلَیهِ الکِتَابَ نُورًا لَا تُطفَأُ مَصَابِیحُهُ وَسِرَاجًا لَا یَخبُو تَوَقُّدُهُ وَبَحرًا لَا یُدرَكُ قَعرُهُ وَمِنهَاجًا لَا یَضِلُّ نَهجُهُ وَشُعَاعًا لَا یُظلِمُ ضَوءُهُ وَفُرقَانًا لَا یَخمُدُ بُرهَانُهُ وَتِبیَانًا لَا تُهدَمُ اَرکَانُهُ وَشِفَآءً لَا تُخشٰی اَسقَامُهُ وَعِزًّا لَا تُهزَمُ اَنصَارُهُ وَحَقًّا لَا تُخذَلُ اَعوَانُهُ فَهُوَ مَعدِنُ الاِیمَانِ وَبُحبُوحَتُهُ وَیَنَابِیعُ العِلمِ وَبُحُورُهُ وَرِیَاضُ العَدلِ وَغُدرَانُهُ وَاَثَافِیُّ الاِسلَامِ وَبُنیَانُهُ وَاَودِیَةُ الحَقِّ وَغِیطَانُهُ وَبَحرٌ لَا یَنزِفُهُ المُستَنزِفُونَ وَعُیُونٌ لَا یَنضِبُهَا المَاتِحُونَ وَمَنَاهِلُ لَا یُغِیضُهَا الوَارِدُونَ وَمَنَازِلُ لَا یَضِلُّ نَهجَهَا المُسَافِرُونَ وَاَعلَامٌ لَا یَعمٰی عَنهَا السَّائِرُونَ وَاٰکَامٌ لَا یَجُوزُ عَنهَا القَاصِرُونَ جَعَلَهُ اللّٰهُ رِیًّا لِعَطَشِ العُلَمَاءِ وَرَبِیعًا لِقُلُوبِ الفُقَهَاءِ وَمَحَاجَّ لِطُرُقِ الصُّلَحَاءِ وَدَوَاءً لَیسَ بَعدَهُ دَاءٌ وَنُورًا لَیسَ مَعَهُ ظُلمَةٌ وَحَبلًا وَثِیقًا عُروَتُهُ وَمَعقِلًا مَنِیعًا ذِروَتُهُ وَعِزًّا لِمَن تَوَلَّاهُ وَسِلمًا لِمَن دَخَلَهُ وَهُدًی لِمَنِ ائتَمَّ بِهِ وَعُذرًا لِمَنِ انتَحَلَهُ وَبُرهَانًا لِمَن تَکَلَّمَ بِهِ وَشَاهِدًا لِمَن وَفَلجًا لِمَن حَاجَّ بِهِ وَحَامِلًا لِمَن حَمَلَهُ وَمَطِیَّةً لِمَن اَعمَلَهُ وَاٰیَةً لِمَن تَوَسَّمَ وَجُنَّةً لِمَنِ استَلأَمَ وَعِلمًا لِمَن وَعٰی وَحَدِیثًا لِمَن رَوٰی وَحُکمًا لِمَن قَضٰی۔ (اقتباس از خطبہ ۱۹۶ نہج البلاغہ)

"پھر اللہ تعالٰی نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایسی کتاب بھیجی جو (سراپا) نور ہے۔ جس کی قندیلیں گل نہیں ہوتیں، ایسا چراغ ہے جس کی لو خاموش نہیں ہوتی۔ ایسا دریا ہے جسے تھاہ نہیں لگائی جاسکتی۔ ایسی شاہراہ ہے جس میں راہ پیمائی بے راہ نہیں کرتی۔ ایسی کرن ہے جس کی چھوٹ مدہم نہیں پڑتی۔ وہ ایسا (حق و باطل میں) امتیاز کرنے والا ہے جس

کی دلیل کمزور نہیں پڑتی۔ ایسا کھل کر بیان کرنے والا ہے جس کے ستون منہدم نہیں کیے جاسکتے' وہ سراسر شفا ہے (جس کے ہوتے ہوئے روحانی) بیماریوں کا کھٹکا نہیں۔ وہ سرتاسر عزت و غلبہ ہے جس کے یار و مددگار شکست نہیں کھاتے۔ وہ (سراپا) حق ہے جس کے معین و معاون بے مدد چھوڑے نہیں جاتے۔ وہ ایمان کا معدن اور مرکز ہے۔ اس سے علم کے چشمے پھوٹتے اور دریا بہتے ہیں۔ اس میں عدل کے چمن اور انصاف کے حوض ہیں۔ وہ اسلام کا سنگِ بنیاد اور اس کی اساس ہے۔ حق کی وادی اور اس کا ہموار میدان ہے۔ وہ ایسا دریا ہے کہ جسے پانی بھرنے والے ختم نہیں کرسکتے۔ وہ ایسا چشمہ ہے کہ پانی الچنے والے اسے خشک نہیں کرسکتے۔ وہ ایسا گھاٹ ہے کہ اس پر اترنے والوں سے اس کا پانی گھٹ نہیں سکتا۔ وہ ایسی منزل ہے کہ جس کی راہ میں کوئی راہرو بھٹکتا نہیں۔ وہ ایسا نشان ہے کہ چلنے والے کی نظر سے اوجھل نہیں ہوتا۔ وہ ایسا ٹیلہ ہے کہ حق کا قصد کرنے والے اس سے آگے گزر نہیں سکتے۔ اللہ نے اسے عالموں کی تشنگی کے لیے سیرابی' فقیہوں کے دلوں کے لیے بہار اور نیکوں کی رہ گزر کے لیے شاہراہ قرار دیا ہے۔ یہ ایسی دوا ہے کہ جس سے کوئی مرض نہیں رہتا۔ ایسا نور ہے جس میں تیرگی کا گزر نہیں۔ ایسی رسّی ہے جس کے حلقے مضبوط ہیں۔ ایسی چوٹی ہے جس کی پناہ گاہ محفوظ ہے۔ جو اس سے وابستہ ہو تو اس کے لیے سرمایہ عزت ہے اور جو اس کے حدود میں داخل ہو اس کے لیے صلح و امن کا پیغام ہے۔ جو اس کی پیروی کرے اس کے لیے ہدایت ہے جو اسے اپنی طرف نسبت دے اس کے لیے حجت ہے اور جو اس کی رو سے بات کرے اس کے لیے دلیل و برہان ہے اور جو اس کی بنیاد پر بحث و مناظرہ کرے اس کے لیے گواہ ہے اور جو اسے حجت بنا کر پیش کرے اس کے لیے فتح و کامرانی ہے۔ جو اس کا بار اٹھائے یہ اس کا بوجھ بٹانے والا ہے۔ جو اسے اپنا دستور العمل بنائے اس کے لیے مرکب (تیز گام) ہے۔ یہ حقیقت شناس کے لیے ایک واضح نشان ہے۔ (جو ضلالت سے ٹکرانے کے لیے) سلاح بند ہو اس کے لیے سپر ہے۔ جو اس کی ہدایت کو گرہ میں باندھ لے اس کے لیے علم و دانش ہے۔ بیان کرنے والے کے لیے بہترین کلام اور فیصلہ کرنے والے کے لیے قطعی حکم ہے"۔

○○○

امیر المومنین علیہ السلام کی زبانی قرآنی علوم کا خاکہ

وَخَلَّفَ فِيكُمْ مَا خَلَّفَتِ الْأَنْبِيَاءُ فِي أُمَمِهَا إِذْ لَمْ يَتْرُكُوهُمْ هَمَلًا بِغَيْرِ طَرِيقٍ وَاضِحٍ وَلَا
عَلَمٍ قَائِمٍ كِتَابَ رَبِّكُمْ فِيكُمْ مُبَيِّنًا حَلَالَهُ وَحَرَامَهُ وَفَرَائِضَهُ وَفَضَائِلَهُ وَنَاسِخَهُ
وَمَنْسُوخَهُ وَرُخَصَهُ وَعَزَائِمَهُ وَخَاصَّهُ وَعَامَّهُ وَعِبَرَهُ وَأَمْثَالَهُ وَمُرْسَلَهُ وَمَحْدُودَهُ
وَمُحْكَمَهُ وَمُتَشَابِهَهُ مُفَسِّرًا مُجْمَلَهُ وَمُبَيِّنًا غَوَامِضَهُ بَيْنَ مَأْخُوذٍ مِيثَاقُ عِلْمِهِ وَمُوَسَّعٍ
عَلَى الْعِبَادِ فِي جَهْلِهِ وَبَيْنَ مُثْبَتٍ فِي الْكِتَابِ فَرْضُهُ وَمَعْلُومٍ فِي السُّنَّةِ نَسْخُهُ
وَوَاجِبٍ فِي السُّنَّةِ أَخْذُهُ وَمُرَخَّصٍ فِي الْكِتَابِ تَرْكُهُ وَبَيْنَ وَاجِبٍ بِوَقْتِهِ وَزَائِلٍ فِي
مُسْتَقْبَلِهِ وَمُبَايَنٌ بَيْنَ مَحَارِمِهِ مِنْ كَبِيرٍ أَوْعَدَ عَلَيْهِ نِيرَانَهُ أَوْ صَغِيرٍ أَرْصَدَ لَهُ
غُفْرَانَهُ وَبَيْنَ مَقْبُولٍ فِي أَدْنَاهُ مُوَسَّعٍ فِي أَقْصَاهُ (نہج البلاغہ خطبہ اوّل سے اقتباس)

''آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تم میں اسی طرح کی چیز چھوڑ گئے جو انبیاءؑ اپنی اُمتوں میں چھوڑتے چلے آئے تھے اس لیے کہ وہ طریق واضح اور نشان محکم قائم کیے بغیر یوں ہی بے قید و بند انھیں نہیں چھوڑتے تھے۔ پیغمبر نے تمھارے پروردگار کی کتاب تم میں چھوڑی ہے۔ اس حالت میں کہ انھوں نے کتاب کے حلال و حرام' واجبات و مستحبات' ناسخ و منسوخ' رخص و عزائم' خاص و عام' عبر و امثال' مقید و مطلق' محکم و متشابہ کو واضح طور سے بیان کر دیا ہے۔ مجمل آیتوں کی تفسیر کر دی۔ اس کی گتھیوں کو سلجھا دیا۔ اس میں کچھ آیتیں وہ ہیں جن کے جاننے کی پابندی عائد کی گئی ہے' اور کچھ وہ ہیں کہ اگر اس کے بندے ان سے ناواقف رہیں تو مضائقہ نہیں۔ کچھ احکام ایسے ہیں جن کا وجوب کتاب سے ثابت ہے' اور حدیث

سے ان کے منسوخ ہونے کا پتہ چلتا ہے اور کچھ احکام ایسے ہیں جن پر عمل کرنا حدیث کی رُو سے واجب ہے' لیکن کتاب میں ان کے ترک کی اجازت ہے۔

اس کتاب میں بعض واجبات ایسے ہیں جن کا وجوب وقت سے وابستہ ہے اور زمانہ آئندہ میں ان، کا وجوب برطرف ہو جاتا ہے۔ قرآن کے محرمات میں بھی تفریق ہے۔ کچھ کبیرہ ہیں' جن کے لیے آتشِ دوزخ کی دھمکیاں ہیں اور کچھ صغیرہ ہیں جن کے لیے مغفرت کے توقعات پیدا کیے ہیں۔ کچھ اعمال ایسے ہیں جن کا تھوڑا سا حصّہ بھی مقبول ہے اور زیادہ سے زیادہ اضافہ کی گنجائش رکھی ہے۔

○○○

حرفِ نخستین

علامہ اقبالؒ نے کہا تھا:

گر تو می خواہی مسلمان زیستن
نیست ممکن جز بہ قرآن زیستن

''اگر تو مسلمان بن کر زندہ رہنے کا خواہش مند ہے تو پھر تو قرآن کے بغیر بحیثیت مسلمان زندہ نہیں رہ سکے گا''۔

قرآن مجید انسانیت کے نام پر اللہ کا آخری پیغام ہے جو روزِ قیامت تک باقی رہے گا اور مرورِ زمانہ اور امتدادِ ایام سے اس کی رہنمائی اور ہدایت میں کوئی فرق نہیں آئے گا اور انسانیت ہمیشہ اس قندیلِ نور سے کسبِ فیض کرتی رہے گی۔

قرآن مجید نے عرب جیسی جاہل قوم کی کایا پلٹ دی اور انھیں قعرِ مذلت سے نکال کر اوجِ ثریا پر پہنچا دیا۔ عرب کا وہ بدو جو اپنی سگی بیٹی پر رحم نہیں کرتا تھا اور اسے زندہ درگور کر دیتا تھا وہ قرآن کی تعلیم کے نتیجے میں دوسروں کی بیٹیوں کی عزت و ناموس کا محافظ بن گیا۔ اُونٹ چرانے والے دنیا کے شہنشاہ بن گئے۔ قرآن حکیم نے انسانیت کو وقار بخشا اور آدمیت کو افتخار عطا کیا۔

علمائے دین نے ہر دور میں قرآن مجید کی خدمت کی اور اس کے مفاہیم کو آسان الفاظ میں سمجھانے کی کوششیں کیں' اور قرآن حکیم کے مفاہیم کو آسان زبان میں بیان کرنے کا دوسرا نام تفسیر ہے۔

علمائے اسلام میں سے کچھ حضرات نے قرآن مجید کے ادبی حوالوں پر اپنی گفتگو کو مرکوز رکھا۔ بعض حضرات نے اسے صرف ونحو کے قواعد کے میزان پر تولا۔ کچھ حضرات نے اس کے شفا بخش پہلو کو مدنظر رکھ کر آیات شفا کی نشان دہی کی۔ غرض جس کسی کو کسی فن میں کمال حاصل تھا اس نے اس فن کے ذریعے سے قرآن حکیم کی خدمت کی اور اسے اپنے

لیے ذریعہ سعادت ونجات سمجھا۔ اس کے برعکس بعض محدثین علماء نے غوامضِ قرآنی کے حل کے لیے رسول اکرمؐ اور ہادیانِ علیہم السلام کی احادیث کونقل کیا۔ چنانچہ ایسے ہی مفسرین میں علامہ محدث شیخ عبدعلی بن جمعہ کو ایک خصوصی مقام حاصل ہے۔ انھوں نے قرآن مجید کی تفسیر کے لیے صرف احادیث پیغمبر اور ہادیان دین علیہم السلام کے فرامین پر انحصار کیا۔ چنانچہ کتاب ہذا ان کی اسی کاوش کی مظہر ہے۔

تفسیر نور الثقلین قرآن مجید کی ایک بہترین تفسیر ہے اور اس کے مؤلف نے پوری کتاب میں اپنا قول پیش کرنے کی جسارت نہیں کی اور اس احتیاط پسندی کی حد یہ ہے کہ جن آیات کے متعلق ان کو معصومین کی احادیث نہ مل سکیں انھوں نے وہ آیات ہی نقل نہیں کیں، کیونکہ وہ یہ سمجھتے تھے کہ اگر انھون نے اپنی فہم وفراست سے آیاتِ مجیدہ کی تفسیر کی تو وہ تفسیر بالرائے ہوگی اور تفسیر بالرائے ممنوع ہے۔

مگر ہم اس ترجمہ میں ان کی ترتیب سے اختلاف کرتے ہوئے تمام آیات کونقل کریں گے اور ان کا ترجمہ پیش کرنے کی سعادت حاصل کریں گے البتہ تفسیری بیان نور الثقلین سے ہی نقل کریں گے۔

اس مقام پر ہم اپنے قارئین کو یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ تفسیر ہذا میں بہت سے مقامات پر تطبیق کو تفسیر کے تحت بیان کیا گیا ہے، جب کہ قرآن مجید کے متعلق علمائے دین کا یہ متفقہ فیصلہ ہے۔ **تحمل النصوص علی ظواھرھا** ''نصوص کو ظاہر پر محمول کیا جائے''۔

لہٰذا اگر دورانِ مطالعہ آپ کو کہیں ''تطبیق''، ''تفسیر'' کے روپ میں نظر آئے تو اسے قرآن حکیم کی تنزیل کی بجائے تاویل سمجھ کر قبول کریں، کیونکہ قرآن مجید کا ایک ظاہر ہے اور اس کے ستر باطن ہیں اور ائمہ ہدیٰ علیہم السلام کے علاوہ کوئی بھی شخص اس کے باطن سے واقف نہیں ہے۔

اہلِ علم اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ تفسیر نور الثقلین اچھی خاصی ضخیم تفسیر ہے اور اتنی بڑی کتاب کو اس دور میں لکھنا اور شائع کرانا آسان کام نہیں ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ میں اس سعادت کو حاصل کرنے کا مدت سے خواہش مند تھا، لیکن کوئی بھی ادارہ اتنی بڑی کتاب کو شائع کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے احسان کیا کہ ادارہ منہاج الصالحین کے مدیر اور مروج الاحکام حجۃ الاسلام والمسلمین حضرت علامہ ریاض حسین جعفری صاحب نے بندہ کو اس کارِ خیر کی ترغیب دی اور انھوں نے کہا کہ میں ہر قسم کے نفع ونقصان سے بے نیاز ہوکر خدمت قرآن کرنا چاہتا ہوں لہٰذا آپ اسی عظیم القدر تفسیر کا اُردو زبان میں ترجمہ کریں۔

یقیناً قحط الرجال کے دور میں ایسے افراد کا وجود کسی نعمت سے کم نہیں ہے اور کتاب ہذا کی اشاعت ان کی زندگی کا عظیم کارنامہ ہوگا۔ خداوند عالم سے دعا ہے کہ وہ ہمیں کتاب کے ترجمہ کی سعادت عطا فرمائے اور عظیم اشاعتی ادارے منہاج الصالحین کے مدیر سرکار علامہ ریاض حسین جعفری صاحب کو اس کی نشر و اشاعت کی توفیق عنایت فرمائے اور اہل ایمان کو اس تفسیر سے مستفید ہونے کی صلاحیت عطا فرمائے اور خداوند عالم اس کارِ خیر کو قبول فرمائے اور اسے ہماری دنیا و آخرت کی کامیابی کا ذریعہ بنائے اور اسے ہماری مغفرت کا وسیلہ قرار دے۔

این دعا از من و از جملہ جہاں آمین آباد

والسلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

احقر عباد اللہ

محمد حسن جعفری

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمدللّٰہ الذی نزل الفرقان علی عبدہ لیکون للعلمین نذیرا وشھد علیھم امۃ وسطا قد جعلھم اللّٰہ ھداۃ وقمرا منبرا ومنارا لمن اراد ان یذکر او اراد شکورا وصلی اللّٰہ علی محمد وعترتہ الحجۃ ما اذھب عنھم الرجس وطھرھم تطھیرا – المطعمین الطعام علی حبہ مسکینا ویتیما واسیرا – انما نطعمکم لوجہ اللّٰہ لا نرید منکم جزاء ولا شکورا –

حمد وثنا اور درود شریف کے بعد بندہ گناہ گار اپنی خطاؤں کا اقرار کرنے والا عبد علی بن جمعہ العروسی الحویزی عرض کرتا ہے کہ میں نے کتاب اللہ کے خدمت گاروں اور حق الٰہی کے نور سے اقتباس کرنے والوں کو مختلف راستوں پر چلتا ہوا محسوس کیا۔ میں نے یہ دیکھا کہ کچھ مفسرین نے صرف حل لغت کو اہمیت دی۔ کچھ حضرات نے تراکیب نحویہ پر زور دیا۔ بعض حضرات نے صرفی مسائل کے استنباط کو اپنا مقصود ٹھہرایا اور کچھ دیگر افراد نے اعراب وتصریف کی مباحث پر زور بیان صرف کیا۔ کچھ افراد نے علم لغت واشتقاق کے بیان کو تفسیر کلام اللہ قرار دیا' اور کچھ حضرات نے علم معانی وبیان کو مدنظر رکھ کر سارا زور اسی پر صرف کیا۔ اس کے علاوہ کچھ اور حضرات نے مختلف فنون کے بیان کو تفسیر قرآن کا شاہکار بتایا۔

اسی لیے میں نے بھی یہ کوشش کی ہے کہ قرآن مجید کی کچھ آیات کی تفسیر محمد وآل محمد علیہم السلام کے فرامین کی روشنی میں پیش کی جائے' تاکہ مسلمانوں کو کمالِ تنزیل کے ساتھ اسرارِ تاویل کا بھی علم حاصل ہو سکے۔

میری اس کتاب میں آپ کو بعض روایات ایسی بھی دکھائی دیں گی جو مذہب حقہ کے اجماع کے خلاف ہوں گی۔ میں نے ان روایات کو عقیدہ وعمل کے بیان کی غرض سے نقل نہیں کیا۔ میں نے ایسی روایات کو صرف اس لیے نقل کیا ہے' تاکہ ہمارے ناظرین کو معلوم ہو سکے کہ یہ روایت کس نے نقل کی اور کس سے نقل کی۔ ایسے مقامات پر میں نے اپنے قارئین کو

ورطۂ حیرت میں نہیں ڈالا۔ چنانچہ ایسی روایات کے پہلو بہ پہلو میں نے اس کی متضاد روایات بھی نقل کرنے کا اہتمام کیا ہے۔

اس کے علاوہ مجھے اس کتاب کے قارئین سے ایک ضروری گزارش یہ کرنی ہے کہ ہم نے ہر آیت کے ضمن میں روایات نقل کی ہیں اور ہر روایت کے لیے اس کتاب کا حوالہ بھی دیا ہے' لیکن اس حوالہ کا یہ مقصد نہیں ہے کہ آپ اس حوالے کو مذکورہ کتاب میں سے اسی ہی آیت کے ضمن میں تلاش کریں' جس میں ہم نے اسے نقل کیا ہے۔ وہ حوالہ ممکن ہے اس آیت کے ضمن میں نہ ہو' بلکہ کسی اور آیت کے ضمن میں موجود ہو۔

میں نے ایک طویل عرصہ تک اس کتاب پر محنت کی ہے اور اس کے لیے مجھے مشکلات ومصائب کا بھی سامنا کرنا پڑا ہے۔ چنانچہ میں نے اپنی علمی تقصیر کا اعتراف کرتے ہوئے اور خدا کے فضل وکرم پر بھروسہ کرتے ہوئے اس کتاب کا نام "نُورُ الثَّقَلَین" رکھا ہے اور میری خواہش ہے کہ اس میں کتاب اللہ اور عترت اہلِ بیتؑ کے نور کی تجلیات نظر آنی چاہئیں اور میں خداوند عالم سے ملتمس بہ دعا ہوں کہ وہ اس عاجزانہ کوشش کو اپنی بارگاہ میں قبول فرمائے اور اسے میرے لیے آخرت کی نجات کا وسیلہ قرار دے۔

چنانچہ میں خدا سے توفیق اور صراطِ مستقیم کی ہدایت کا سوال کرتا ہوں اور ہر غلطی اور خطا سے بچنے کے لیے اسی پر بھروسہ کرتے ہوئے عرض کرتا ہوں۔

ooo

سورة الفاتحة مكيه وهى سبع آيات

''سورہ فاتحہ مکہ میں نازل ہوئی اور اس کی سات آیات ہیں''

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ ۙ﴿۱﴾ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۙ﴿۲﴾ مٰلِکِ یَوۡمِ الدِّیۡنِ ؕ﴿۳﴾ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ؕ﴿۴﴾ اِہۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ ۙ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ ۬ۙ غَیۡرِ الۡمَغۡضُوۡبِ عَلَیۡہِمۡ وَ لَا الضَّآلِّیۡنَ ٪﴿۷﴾

شروع اللہ کے نام کا جو کہ رحمن ورحیم ہے۔

"تمام تعریفیں اللہ کے لیے مخصوص ہیں جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ وہ مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ وہ بدلے کے دن کا مالک ہے۔ پروردگار! ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور صرف تجھ سے ہی مدد چاہتے ہیں۔ ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت فرماتا رہ، جو اُن لوگوں کا راستہ ہے جن پر تو نے انعام کیا ہے۔ ان کا راستہ نہیں جن پر غضب نازل ہوا ہے اور نہ ہی بھٹکے ہوئے ہیں"۔

سورہ حمد کی تفسیر وفضائل

۱۔ تفسیر مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ انھوں نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے رسولؐ خدا سے روایت کی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے فاتحۃ الکتاب' آیت الکرسی' آیت شَهِدَ اللّٰهُ اور آیت اللّٰهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ ... بِغَيْرِ حِسَابٍ ○ کو نازل کرنے کا ارادہ کیا تو یہ عرش سے چمٹ گئیں۔ ان کے اور خدا کے درمیان کوئی حجاب حائل نہیں تھا۔ انھوں نے کہا پروردگارا تو ہمیں گناہوں کے گھر (دنیا) میں بھیج رہا ہے اور ان کے پاس بھیج رہا ہے جو تیرے نافرمان ہیں جب کہ ہم تو طہارت وقدس کے ساتھ وابستہ ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

''مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! جو بھی شخص ہر نماز کے بعد تمھاری تلاوت کرے گا تو وہ جہاں بھی ہوگا میں اسے وہاں سے نکال کر''حظیرۃ القدس'' میں رہائش دوں گا اور میں ہر روز اس کی طرف اپنی مخفی آنکھ کے ساتھ نظر کروں گا اور میں روزانہ اس کی ستر حاجات پوری کروں گا' جن میں سے چھوٹی حاجت مغفرت ہوگی اور میں اسے ہر دشمن سے پناہ دوں گا اور اسے دشمن پر کامیابی دوں گا اور موت کے علاوہ دخول جنت سے اس کے لیے کوئی چیز مانع نہیں ہوگی''۔

۲- ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا

ام الکتاب میں خدا کا اسم اعظم بیان کر دیا گیا ہے۔

۳- الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا

ابلیس کی چار مرتبہ چیخیں بلند ہوئیں:

○ جس دن اس پر لعنت کی گئی۔ ○ جس دن اسے زمین پر اتارا گیا۔ ○ جب رسولوں کے وقفہ کے بعد محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا گیا ○ جب اُم الکتاب (سورہ فاتحہ) نازل کی گئی۔

۴- حضرت امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام سے ایک طویل روایت مروی ہے کہ جس میں آپؑ نے فرمایا

یہودیوں کا ایک گروہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس گروہ میں سے جو شخص بڑا عالم تھا اس نے رسولؐ خدا سے پوچھا کہ اللہ نے بزمِ انبیاء میں سے آپ کو کون سی مخصوص سات صفات عطا کی ہیں اور آپ کی اُمت کو خدا کی طرف سے کون سی خصوصیات نصیب ہوئی ہیں؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ نے مجھے فاتحۃ الکتاب عطا کی ہے''۔

یہودی عالم نے کہا: آپؐ نے سچ فرمایا' مگر یہ بتائیں کہ فاتحۃ الکتاب پڑھنے والے کی جزا کیا ہوگی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو سورہ فاتحہ پڑھے گا اللہ تعالیٰ اسے تمام آسمانی کتابوں کی تمام آیات کی تلاوت کا ثواب عطا فرمائے گا''۔

۵- جابر بن عبداللہ انصاری نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب سے فرمایا:

''میں نے تیری اُمت کو اپنے عرش کے خزانوں میں سے ایک خزانہ دیا ہے اور وہ خزانہ فاتحۃ الکتاب (سورہ فاتحہ) ہے''۔

۶- اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ ''اگر کسی درد پر ستر بار سورہ فاتحہ پڑھی جائے تو درد رک جائے گا''۔

۷- اصولِ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''جسے سورہ حمد سے تندرستی نہ ملے تو اسے کسی بھی چیز سے تندرستی نہیں ملے گی''۔

۸- اصولِ کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''اگر میں کسی مردہ پر ۷۰ بار سورہ حمد پڑھوں اور اس میں روح واپس آ جائے تو مجھے اس پر کوئی تعجب نہ ہوگا''۔

۹- عیون الاخبار میں امیر المومنین علیہ السلام سے مروی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں نے فاتحۃ الکتاب کو اپنے اور اپنے بندے کے درمیان تقسیم کیا ہے۔ اس کا نصف حصہ میرے لیے ہے اور نصف حصہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرا بندہ جو سوال کرے گا میں اسے عطا کروں گا۔ جب بندہ ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کہتا ہے تو اللہ فرماتا ہے کہ میرے بندے نے میرے نام سے ابتدا کی ہے اور مجھ پر اس کا حق ہے کہ میں اس کے معاملات کو مکمل کروں اور اس کے حالات میں برکت پیدا کروں''۔

اور جب بندہ ''اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میرے بندے نے میری حمد کی ہے اور اسے یہ بات معلوم ہو چکی ہے کہ اس کے پاس جتنی بھی نعمتیں ہیں وہ میری ہی عطا کردہ ہیں اور اس سے جتنی بھی مصیبتیں دور ہوئی ہیں وہ میرے ہی فضل و کرم سے دُور ہوئی ہیں' میں تمھیں (ملائکہ) گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اسے دنیاوی نعمات کے ساتھ ساتھ اخروی نعمات کی مہمانی دوں گا جیسا کہ میں نے اس سے دنیا کی مشکلات دُور کی ہیں' اسی طرح سے اس سے آخرت کی مشکلات کو بھی دُور کروں گا''۔

اور جب بندہ ''الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میرے بندے نے میرے متعلق رحمن و رحیم

ہونے کی گواہی دی ہے لہٰذا میں تمھیں گواہ بناتا ہوں کہ میں اپنی رحمت سے اسے بہت سا حصّہ عطا کروں گا اور اپنی عطا میں سے اس کا حصّہ بڑھاؤں گا''۔

جب بندہ ''مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ'' کہتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میں تمھیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ جس طرح سے بندہ نے میرے متعلق روزِ قیامت کے مالک ہونے کا اعتراف کیا ہے میں بھی قیامت کے دن اس کے لیے حساب آسان کردوں گا اور اس کی برائیوں سے درگزر کروں گا''۔

جب بندہ ''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''میرے بندے نے سچ کہا ہے کہ وہ صرف میری ہی عبادت کرتا ہے۔ میں اسے اس عبادت کے بدلے میں اتنا ثواب عطا کروں گا کہ جنھوں نے بھی میری عبادت کے متعلق اس سے مخالفت کی ہوگی وہ سب اس پر رشک کریں گے''۔

اور جب بندہ ''وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ'' کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ''اس نے مجھ سے مدد مانگی ہے اور مجھ سے ہی پناہ طلب کی ہے۔ میں تمھیں گواہ بنا کر کہتا ہوں کہ میں اس کے معاملہ میں اس کی مدد کروں گا اور اس کے شدائد کے وقت اس کی فریادرسی کروں گا اور جس دن یہ مشکلات میں گھرا ہوگا تو میں اس کا ہاتھ پکڑلوں گا''۔

اور جب بندہ ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' سے لے کر سورہ کو مکمل کرتا ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ''یہ میرے بندے کے لیے ہے اور میرے بندے نے جو جو سوال کیا ہے۔ میں اسے عطا کروں گا اور میں نے اپنے بندے کی دعا قبول کی ہے اور اس کی آرزو اس کو دے دی ہے اور جس سے وہ خوف زدہ ہے اس سے میں نے اسے امن دیا ہے''۔

۱۰- عیون الاخبار میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا

يَامُحَمَّدُ وَلَقَدْ اٰتَيْنٰكَ سَبْعًا مِّنَ الْمَثَانِيْ وَالْقُرْاٰنَ الْعَظِيْمَ ○

''محمدؐ! ہم نے آپ کو ''سبع مَثَانِي'' اور قرآن عظیم عطا کیا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر سورہ فاتحہ کا خصوصی احسان جتلایا ہے اور اس سورہ کو پورے قرآن عظیم کے مقابلہ پر قرار دیا ہے۔ عرش کے خزانوں میں سے سورہ فاتحہ اشرف ترین خزانہ ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے حضرت محمدؐ کو مخصوص کیا ہے اور انھیں اس سے مشرف فرمایا ہے، اور کسی بھی نبی پر اللہ نے یہ سورہ نازل نہیں فرمایا، البتہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو اس میں سے صرف ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کی آیت عطا فرمائی۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بلقیس کا قول نقل کرتے

ہوئے فرمایا

اِنِّیۡۤ اُلۡقِیَ اِلَیَّ کِتٰبٌ کَرِیۡمٌ اِنَّہٗ مِنۡ سُلَیۡمٰنَ وَ اِنَّہٗ بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۔

''میری طرف ایک محترم خط بھیجا گیا ہے۔ وہ سلیمانؑ کی طرف سے ہے اور وہ ہے بسم اللہ الرحمن الرحیم''۔

آگاہ رہو جو بھی شخص اس سورہ کو محمدؐ و آل محمدؑ کی مودت رکھ کر اور ان کے فرمان کا فرماں بردار بن کر اور ان کے ظاہر و باطن پر ایمان رکھ کر پڑھے گا تو اللہ تعالیٰ اسے ہر حرف کے عوض نیکی عطا کرے گا جو کہ دنیا و مافیہا اور دنیا کی تمام دولت اور اچھائی سے بہتر ہوگی اور جو کسی قاری سے یہ سورہ سنے تو اسے بھی قاری جتنا ثواب ہوگا۔ لہٰذا تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ اس پیش کی گئی بھلائی کو زیادہ سے زیادہ پڑھے۔ اس کا پڑھنا غنیمت ہے۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ وقت چلا جائے اور تمھارے دلوں میں حسرت رہ جائے۔

۱۱- تفسیر عیاشی میں راوی کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَلَقَدۡ اٰتَیۡنٰکَ سَبۡعًا مِّنَ الۡمَثَانِیۡ وَ الۡقُرۡاٰنَ الۡعَظِیۡمَ کے متعلق پوچھا تو آپ نے فرمایا

''سبع مثانی'' سے سورہ حمد مراد ہے۔ اس کی سات آیات ہیں۔ جن میں ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' بھی شامل ہے اور اس سورہ کو مثانی اس لیے کہا جاتا ہے کہ یہ نماز کی دو رکعتوں میں دہرائی جاتی ہے۔

۱۲- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''لوگوں نے کتاب اللہ کی محترم ترین آیت ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کی چوری کی ہے''۔

(یعنی لوگوں نے نماز میں بسملہ چھوڑ کر اس آیت کی چوری کی ہے۔ من المترجم)

۱۳- صفوان جمال کا بیان ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ نے آسمان سے جو بھی کتاب نازل کی تو اس کا سرنامہ ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' کو قرار دیا اور جب بسملہ نازل ہوتی تھی تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ایک سورہ ختم ہو چکا ہے اور دوسرا سورہ شروع ہو رہا ہے''۔

۱۴- الکافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''آسمان سے اترنے والی ہر کتاب کی ابتدا ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' سے کی گئی ہے اور جب تم ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' پڑھ لو تو پھر استعاذہ نہ کرنے کا فکر نہ کرو۔ جب تم ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' پڑھ لو گے تو وہ آسمان اور زمین کے درمیان کی تمام چیزوں سے تمھیں چھپا لے گی''۔

۱۵- اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھنے کو مت چھوڑو اگرچہ اس کے بعد ایک شعر ہی کیوں نہ کہنا ہو''۔

۱۶- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ اچھے انداز سے لکھو اور ''سین'' کے دندانے بنانے سے قبل ''با'' کو بلند نہ کرو''۔

(فیض کاشانی لکھتے ہیں امیرالمومنین کی ایک حدیث میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ ''با'' و ''میم'' تک مت کھینچو درمیان میں ''سین'' کے دندانے بنا کر اسے اچھی طرح سے واضح کرو۔ ایک قول کے مطابق یہ حکم خط کوفی کے ساتھ مخصوص ہے۔ من المحشی والمترجم)

۱۷- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

''یہ مت لکھو ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ فلاں کے لیے'' البتہ خط کی پشت پر لکھو کہ یہ فلاں کے نام''۔

۱۸- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' اور ''قل ھو اللہ احد'' کے ذریعے سے تمام لوگوں کے شر سے اپنے آپ کو محفوظ کرو۔ اس کلام پاک کو دائیں بائیں آگے پیچھے اور اوپر نیچے پڑھ کر اپنے اوپر دم کرو اور جب کبھی کسی ظالم بادشاہ کے پاس تمہیں جانا پڑے تو جیسے ہی تمہاری اس پر نظر پڑے تو اس کلام پاک کو تین مرتبہ پڑھ کر اپنے بائیں ہاتھ پر پھونک دو اور پھر بائیں ہاتھ کی مٹھی کو وہاں سے نکلنے تک بند رکھو۔

۱۹- کتاب التوحید میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث مرقوم ہے۔ اس حدیث کا ایک حصہ یہ ہے مجھ سے میرے آباء واجداد نے رسولِ خدا کے حوالہ سے بیان فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جسے کسی کام کی وجہ سے مشکل درپیش ہو اور وہ مشکل کی وجہ سے غمگین ہو تو وہ اخلاص قلب سے بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ پڑھے۔ اسے دو میں سے ایک چیز ضرور ملے گی یا تو دنیا میں اس کی حاجت پوری ہو جائے گی یا پھر بسملہ کا ثواب رب کے پاس ذخیرہ کر دیا جائے گا اور جو کچھ مومنین کے لیے خدا کے پاس ہے وہ بہتر اور پائیدار ہے''۔

۲۰- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث میں یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ نے فرمایا:

''بعض اوقات ہمارے شیعوں سے کسی کام کی ابتدا کے وقت بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ چھوٹ جاتی ہے تو اللہ کسی ناگوار چیز کے ذریعے سے اس کی آزمائش کرتا ہے تا کہ اسے شکر و ثناء کی طرف متوجہ کیا جائے اور بسملہ شریف چھوڑنے کی غلطی مٹائی جائے''۔

۲۱- تہذیب الاحکام میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ میں نے اپنے والد علیہ السلام سے سنا کہ انھوں نے فرمایا:

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اسم اعظم کے اتنی ہی قریب ہے جتنی آنکھ کی سفیدی سیاہی کے قریب ہے''۔

۲۲- مہج الدعوات میں کتاب فضل الدعاء کے حوالہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ، اللہ کا اسم اکبر ہے یا آپ کے الفاظ یہ تھے کہ یہ اللہ کا اسم اعظم ہے''۔

۲۳- ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اللہ کے اکبر ناموں میں سے ہے اور اس کے اور اللہ کے اسم اکبر کے درمیان اتنا ہی فاصلہ ہے جتنا کہ آنکھ کی سفیدی اور سیاہی میں فاصلہ ہے''۔

۲۴- تہذیب الاحکام میں محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا سبع مثانی اور قرآن عظیم فاتحہ ہے؟

آپ نے فرمایا: جی ہاں۔

میں نے پوچھا کیا ''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ'' سبع مثانی کی مستقل آیت ہے؟

آپ نے فرمایا: جی ہاں! وہ باقی آیات سے افضل ہے۔

۲۵- عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

''بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ اسم اعظم کے اتنی ہی قریب ہے جتنی کہ آنکھ کی سفیدی آنکھ کی سیاہی کے قریب ہے''۔

۲۶- کتاب علل الشرائع میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے کہ جس میں آپ نے شب معراج کے واقعات بیان کیے اور اذان و افتتاح کی وجہ بیان فرمائی۔ اس کے بعد آپ نے اپنا بیان جاری رکھتے ہوئے فرمایا:

''جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم شب معراج تکبیر اور افتتاح سے فارغ ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''اب تم میرے نام تک پہنچ چکے ہو لہٰذا میرا نام لو''۔

اس وقت رسول خدا نے بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ پڑھی۔ اسی لیے سورہ کی ابتدا میں بسملہ شریف کو رکھا گیا ہے۔

اس کے بعد اللہ نے اپنے حبیبؐ سے فرمایا:

''میری حمد کرو''۔

رسولؐ خدا نے کہا اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ اور آپؐ نے اپنے دل میں شُكْرًا کے جملے کہے تو اللہ نے فرمایا

''محمدؐ! تم نے میری حمد قطع کی ہے اب پھر میرا نام لو''۔

اسی وجہ سے سورہ حمد میں ''الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کے الفاظ دو مرتبہ وارد ہیں۔ جب آپ ''وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' تک پہنچے تو آپ نے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ شُكْرًا'' کہا۔

اس وقت خداوند عزیز جبار نے فرمایا:

''تم نے میرا ذکر قطع کیا ہے اسی لیے دوسری سورہ کے آغاز میں ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کو پڑھو''۔

۲۷- عیون الاخبار میں امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ آپؑ سے پوچھا گیا کہ آپ یہ بتائیے کہ ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' فاتحہ الکتاب کا حصہ ہے؟

آپؑ نے فرمایا جی ہاں۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے پڑھا کرتے تھے اور اسے سورہ کا حصہ شمار کرتے تھے اور آپؐ فرماتے تھے کہ فاتحہ الکتاب ہی ''سبع مثانی'' ہے۔

۲۸- حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت فرمائی کہ انھوں نے فرمایا:

''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ سورہ فاتحہ کی آیت ہے اور سورہ فاتحہ کی سات آیات ہیں جو کہ بسملہ سے مکمل ہوتی ہیں''۔

۲۹- الکافی میں عمار کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کیا میں نماز میں سورہ فاتحہ کی تلاوت کرتے وقت ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' پڑھوں؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔

پھر میں نے پوچھا کہ کیا میں سورہ فاتحہ کے بعد والی سورہ شروع کرتے وقت بھی بسملہ پڑھوں؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔

۳۰- ابوعمران ہمدانی کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کو خط لکھا جس میں میں نے تحریر کیا کہ "ایک شخص نے نماز میں سورہ فاتحہ پڑھی۔ اس نے فاتحہ سے پہلے بسملہ پڑھی۔ پھر اس نے دوسری سورہ پڑھی تو بسملہ نہیں پڑھی' اور یہی مسئلہ جب ہشام بن ابراہیم عباسی سے پوچھا گیا تو اس نے کہا اس میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

اس کے جواب میں آپؑ نے اپنے ہاتھ سے یہ تحریر فرمایا:

"بسملہ کو دو مرتبہ پڑھنا چاہیے اگر اس سے عباسی کی ناک رگڑتی ہے تو رگڑتی رہے"۔

۳۱- ابوہارون مکفوف کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"سورہ حمد سات آیات پر مشتمل ہے"۔

۳۲- صفوان جمال کا بیان ہے کہ میں نے کئی دن تک حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کی اقتداء میں نمازیں پڑھیں۔ آپ کا طرز عمل یہ تھا کہ آپ اخفاتی نمازوں کی پہلی دو رکعتوں میں "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" بلند آواز سے پڑھا کرتے تھے۔

۳۳- معاویہ بن عمار کہتے ہیں کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

"جب تم سوار ہونے لگو اور رکاب میں قدم رکھو تو "بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ بسم الله والله اکبر" پڑھو"۔

۳۴- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

"بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ" اس لائق ہے کہ اسے بلند آواز سے پڑھا جائے اور اسی آیت کے متعلق اللہ تعالی نے فرمایا

وَاِذَا ذَكَرْتَ رَبَّكَ فِى الْقُرْاٰنِ وَحْدَهٗ وَلَّوْا عَلٰۤى اَدْبَارِهِمْ نُفُوْرًا -

"اور جب تم قرآن میں اپنے پروردگار کا تنہا ذکر کرتے ہو تو یہ اُلٹے پاؤں متنفر ہو کر بھاگ جاتے ہیں"۔

۳۶- عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

"تمام نمازوں میں بسملہ پڑھنا سنت ہے"۔

۳۷- حضرت امام علی رضا علیہ السلام دن رات کی تمام نمازوں میں بسملہ بآواز بلند پڑھا کرتے تھے۔

۳۸- الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''بسم اللہ الرحمٰن الرحیم کا نماز میں بلند آواز سے پڑھنا واجب ہے''۔

۳۹- عیون الاخبار میں ہے کہ ایک شخص نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ اللہ کے لیے بھی لفظ ''واحد'' کا اطلاق ہوتا ہے اور بندہ کے لیے بھی لفظ ''واحد'' کا اطلاق ہوتا ہے تو کیا اس طرح سے وحدانیت میں اشتباہ تو پیدا نہیں ہوتا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''فتح! تو نے ایک محال بات کی ہے' خدا تجھے ثابت قدم رکھے۔ تشبیہ کا تعلق معانی و مفہوم سے ہوا کرتا ہے' جب کہ اسماء تو ایک ہی رہتے ہیں اور اسم اپنے مسمّٰی پر دلالت کرتا ہے''۔

۴۰- محمد بن سنان کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ ''اسم'' کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ''اسم موصوف کی صفت ہے''۔

۴۱- علی بن فضال نے اپنے والد سے روایت کی کہ اس نے کہا کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے ''بسم اللہ'' کا مفہوم دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''جب کوئی شخص ''بسم اللہ'' کہتا ہے تو اس کا مفہوم یہ ہے کہ میں اپنے آپ پر اللہ کی ایک نشانی لگا رہا ہوں اور وہ عبادت ہے''۔

میں نے عرض کیا: نشانی سے کیا مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ''اس سے علامت مراد ہے''۔

۴۲- کتاب التوحید میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام اور ایک زندیق کا مکالمہ درج ہے۔ اس مکالمہ کا ایک حصہ یہ ہے کہ اس نے کہا کہ اللہ کیا ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ رب' وہ معبود اور وہ اللہ ہے۔ لفظ ''اللہ'' سے میری مراد اس کے حروف الف' دو لام اور ھا نہیں ہیں''۔

اس لفظ سے مراد اس کا وہ مفہوم ہے' جس کے تحت وہ تمام اشیاء کا خالق و صانع ہے اور اسی مفہوم کی ادائیگی کے لیے لفظ ''اللہ'' کا اطلاق کیا جاتا ہے۔ علاوہ ازیں رحمٰن' رحیم اور عزیز جیسے دیگر اسماء اللہ تعالیٰ کے اسمائے حسنیٰ ہیں اور وہ کریم معبود ہے۔

۴۳- اسی اسناد سے امیر المومنین علیہ السلام کے متعلق مروی ہے کہ ان سے پوچھا گیا کہ حروف ہجاء کا کیا فائدہ ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ان میں سے ہر حرف اسم الٰہی ہے۔

۴۴- اسی اسناد سے ہشام بن الحکم سے مروی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے اسمائے الٰہی اور ان کے اشتقاق کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''لفظ اللہ''اِلٰہ'' سے مشتق ہے اور اِلٰہ''مالوہ'' کا متقاضی ہے اور اسم مسمّٰی کا غیر ہوتا ہے۔ لہٰذا جس نے معنیٰ کو چھوڑ کر صرف اسم کی عبادت کی تو اس نے کفر کیا اور اس نے کسی چیز کی بھی عبادت نہیں کی اور جس نے اسم اور مسمّٰی دونوں کی عبادت کی تو اس نے شرک کیا اور دوئی پرستی کا ثبوت دیا اور جس نے اسم کو چھوڑ کر معنیٰ کی عبادت کی تو یہ توحید ہے۔

پھر آپؑ نے فرمایا: ہشام سمجھ گئے ہو؟

میں نے کہا: حضور! کچھ اور ارشاد فرمائیں؟

آپؑ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ کے ننانوے نام ہیں۔ اگر اسم مسمّٰی ہوتا تو پھر ہر اسم ہی معبود قرار پاتا۔ یہ تمام اسماء اللہ کی ذات و حقیقت پر دلالت کرتے ہیں۔

ہشام! ''روٹی'' نام ہے کھائی جانے والی چیز کا اور ''پانی'' نام ہے پی جانے والی چیز کا اور ''کپڑا'' نام ہے پہنی جانے والی چیز کا اور ''آگ'' جلانے والی چیز کا نام ہے۔

ہشام! کیا اب تم نے اس مفہوم کو سمجھ لیا ہے اور ہمارے دشمنوں اور خدا کے متعلق الحاد کرنے والوں اور خدا کے ساتھ اوروں کو شریک کرنے والوں کے مقابلہ پر یہ استدلال پیش کرسکو گے؟

میں نے کہا: جی ہاں۔

آپؑ نے فرمایا: خدا تمھیں اس سے نفع دے اور تجھے ثابت قدم رکھے۔

ہشام کہتے ہیں کہ حضرتؑ کی اس نشست کے بعد مسئلہ توحید کے متعلق میں کسی سے مغلوب نہیں ہوا۔

۴۵- اسی اسناد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کے آخر میں آپؑ کا یہ فرمان مذکور ہے:

''اللہ کو اس کے اسماء سے پکارا جاتا ہے' جب کہ وہ اپنے اسماء کے علاوہ ہے اور اسماء اس کے علاوہ ہیں''۔

اسی حدیث کا ایک حصہ یہ ہے: ''اللہ کا اسم' اللہ کے علاوہ اور چیز ہے اور جس بھی چیز پر لفظ ''شے'' کا اطلاق ہوتا ہے وہ مخلوق ہے' اللہ نہیں ہے''۔

۴۶- اسی اسناد کے ساتھ عبداللہ بن سنان سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ اسلام سے ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا

''باء'' سے بھاء اللّٰہ (اللہ کی ہمیشگی اور رونق) سین سے ''سناء اللّٰہ'' (خدا کی روشنی اور نور) اور ''میم'' سے ''مجد اللہ'' خدا کی عزت و حرمت مراد ہے۔

بعض نے روایت کی ہے کہ ''میم'' سے ''ملك اللّٰہ'' (اللہ کی سلطنت) مراد ہے۔

''اللہ'' ہر کسی کے معبود کو کہا جاتا ہے اور ''رحمٰن'' وہ ہے جو تمام مخلوق پر رحم کرے اور ''رحیم' وہ ہے جو صرف اہلِ ایمان پر رحم کرے۔

اصول کافی میں بھی یہی روایت مذکور ہے۔

۴۷- اسی اسناد کے ساتھ عبداللہ بن سنان سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ'' کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا۔

''باء'' سے بھاء اللّٰہ (اللہ کی ہمیشگی اور رونق) ''سین'' سے ''سناء اللّٰہ'' (خدا کا نور) اور ''میم'' سے ''ملك اللّٰہ'' ''اللہ کی حکومت مراد ہے۔

میں نے عرض کیا: لفظ ''اللہ'' کے حروف کا اشارہ کس طرف ہے؟

آپؑ نے فرمایا ''الف'' سے آلاءِ الٰہی (نعمات الٰہی) کی طرف اشارہ ہے' جو اس نے ہماری ولایت کے ذریعے سے مخلوق پر کی ہیں۔ اور ''لام'' سے ''الزام اللّٰہ خلقه ولایتنا'' اللہ کی طرف سے مخلوق پر ہماری ولایت کو واجب کرنے کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

میں نے کہا: لفظ 'اللہ'' کی ''ہاء'' کا کس طرف اشارہ ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس سے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے مخالفین کے ''ہوان'' ذلت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

میں نے کہا: ''رحمٰن'' سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: جو تمام جہان پر رحم کرے۔

میں نے کہا: ''رحیم'' سے کیا مراد ہے؟

فرمایا: جو صرف اہلِ ایمان پر رحم کرے۔

۴۸- اسی اسناد سے حسن بن راشد سے مروی ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے لفظ ''اللہ'' کا مفہوم دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''اللہ وہ ہے جو ہر چھوٹی بڑی چیز پر تسلط رکھتا ہے''۔

۴۹- کتاب معانی الاخبار میں انہی اسناد سے ابواسحاق خزاعی سے مروی ہے۔ اس نے اپنے والد سے روایت کی۔ اس نے کہا۔ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ ان کے ایک غلام کی عیادت کرنے کے لیے گیا۔ میں نے دیکھا کہ وہ ''آہ آہ'' کر رہا تھا۔ میں نے اس سے کہا۔ بھائی! اپنے رب کو یاد کرو اور اسی سے مدد طلب کرو۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا لفظ ''آہ'' بھی اسمائے الٰہی میں سے ایک اسم ہے جس نے ''آہ'' کہا تو اس نے اللہ تعالیٰ سے مدد طلب کی۔

۵۰- کتاب التوحید میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے ''بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ'' کے متعلق منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

اللہ اس ذات کو کہا جاتا ہے جس کی طرف تمام مخلوق اپنی حاجات کے لیے رجوع کرے اور جب دنیا کے تمام سہارے اور وسیلے ٹوٹ جائیں اور تمام اسباب منقطع ہو جائیں تو اس عالم میں جس ذات کی طرف رجوع کیا جائے اسے ''اللہ'' کہا جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بندہ جب ''بسم اللہ'' کہتا ہے تو اس کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ میں اپنے تمام امور میں اللہ سے مدد چاہتا ہوں، جس کے علاوہ کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ جب اس سے استغاثہ کیا جائے تو وہ مدد کرتا ہے اور جب اسے پکارا جائے تو وہ جواب دیتا ہے۔

یہی بات حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک شخص سے اس وقت کہی تھی جب اس نے کہا تھا کہ اے فرزند رسولؐ! مجھے اللہ کے متعلق رہنمائی کریں، کیونکہ مباحثہ کرنے والوں نے مجھے عاجز کر دیا ہے؟

اس کے جواب میں آپؑ نے فرمایا:

بندۂ خدا! کیا تم نے کبھی کشتی کا بھی سفر کیا ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

حضرتؑ نے فرمایا کیا کبھی ایسا اتفاق بھی ہوا کہ کشتی سمندر میں ٹوٹ گئی ہو، جہاں تمھارے بچانے کے لیے کوئی کشتی موجود نہ ہو اور نہ ہی وہاں پیراکی تمھیں فائدہ دے سکتی ہو؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

حضرتؑ نے فرمایا کیا اس حالت میں تمھارے دل میں کوئی امید اور سہارے کا تصور موجود تھا، جس کے متعلق تمھارے دل میں یہ امید ہو کہ وہ تمھیں ہلاکت سے نجات دے سکتا ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

حضرتؑ نے فرمایا۔ وہی تو اللہ ہے جو وہاں بھی نجات دیتا ہے جہاں کوئی نجات دہندہ نہیں ہوتا۔ اور وہ وہاں مدد کرتا ہے جہاں کوئی مددگار نہیں ہوتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

ایک شخص امیر المومنین علیہ السلام کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے کہا مولا! مجھے ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' کے معنی بتائیں؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

لفظ ''اللہ'' اس ذات پاک کا سب سے بڑا نام ہے اور لفظ ''اللہ'' صرف خدا کے ساتھ مخصوص ہے۔ اللہ کے علاوہ اس نام سے کسی کو پکارا نہیں جا سکتا اور نہ ہی کسی کو یہ نام دیا جا سکتا ہے۔

سائل نے کہا کہ لفظ ''اللہ'' کی تفسیر کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جب تمام امیدیں ٹوٹ جائیں اور تمام اسباب جواب دے جائیں تو اس عالم نومیدی میں مخلوق جس کی طرف اپنے شدائد و مشکلات کے لیے رجوع کرے، اس ذات کو ''اللہ'' کہا جاتا ہے۔ خدا کے علاوہ جو بھی بہت زیادہ اختیارات کیوں نہ رکھتا ہو پھر بھی بعض اوقات لوگ اس سے اس چیز کا مطالبہ کرتے ہیں جسے پورا کرنا اس کے بس میں نہیں ہوتا اور خود اس کی ایسی ذاتی حاجات بھی ہوتی ہیں جنھیں وہ پورا کرنے سے قاصر ہوتا ہے تو اس وقت وہ اختیارات رکھنے والا بھی اپنی حاجات و ضروریات کے لیے خدا کی طرف رجوع کرتا ہے البتہ یہ ایک الگ بات ہے کہ جب اس کی ضرورت پوری ہو جاتی ہے تو وہ شرک کرنے لگ جاتا ہے۔ کیا تم نے خداوند عالم کا یہ فرمان نہیں سنا

قُلْ اَرَءَيْتَكُمْ اِنْ اَتٰكُمْ عَذَابُ اللّٰهِ اَوْ اَتَتْكُمُ السَّاعَةُ اَغَيْرَ اللّٰهِ تَدْعُوْنَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ بَلْ اِيَّاهُ تَدْعُوْنَ فَيَكْشِفُ مَا تَدْعُوْنَ اِلَيْهِ اِنْ شَآءَ وَتَنْسَوْنَ مَا تُشْرِكُوْنَ ○ (الانعام ۴۰، ۴۱)

''آپ کہہ دیجیے کہ تمھارا کیا خیال ہے اگر تم پر اللہ کا عذاب آجائے یا تم پر قیامت آجائے تو کیا تم اس حالت میں غیر اللہ کو پکارو گے؟ اگر تم سچے ہو۔ نہیں اس کی بجائے تم صرف خدا کو ہی پکارو گے اور اگر وہ چاہے تو صرف وہی اس مصیبت کو دُور کر سکتا ہے اور تم ان سب چیزوں کو بھول جاؤ گے جن کا تم شرک کر رہے ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں سے فرمایا ہے:

اے میری رحمت کے ضرورت مندو! میں نے ہر حالت میں تمھارے لیے ضرورتوں کو لازمی قرار دیا ہے اور ہر وقت ذلت عبودیت کو تمھارے لیے ضروری قرار دیا ہے۔ تمھیں جس بھی چیز کی ضرورت ہو اور جس چیز کی تکمیل کی تمھیں خواہش ہو تو اس کے لیے میری طرف رجوع کرو۔ اگر میں تمھیں دینا چاہوں تو میرے سوا کوئی تم سے اس نعمت کو روک نہیں سکے گا۔ اور اگر میں تمھیں محروم رکھنا چاہوں تو میرے علاوہ کوئی تمھیں کچھ دے نہیں سکے گا۔ لہٰذا سوال کیے جانے کا استحقاق صرف مجھے ہی حاصل ہے اور میں ہی اس لائق ہوں کہ تم میرے سامنے تضرع وزاری کرو۔ تم ہر چھوٹے اور بڑے کام کو شروع کرتے وقت ''بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ'' پڑھو اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس کام کے لیے میں اس خدا سے مدد طلب کرتا ہوں، جس کے علاوہ کوئی عبادت کا حق دار نہیں ہے اور جب اس سے مدد طلب کی جائے تو وہ مدد کرتا ہے اور جب اسے پکارا جائے تو وہ قبول کرتا ہے۔ وہ رحم کرنے والا رحمٰن ہے، وہ ہمارے لیے رزق کشادہ کرتا ہے اور ہمارے دین، دنیا اور آخرت میں ہم پر رحیم ہے۔ اس نے ہمارے لیے دین کو آسان بنایا اور وہ ہمیں اپنے دشمنوں سے جدا کر کے ہم پر رحم کرے گا۔

۵۱- نہج البلاغہ میں ہے: رحیم لا یوصف بالرقۃ ''اللہ رحیم ہے لیکن اس کی رحمت کو ''رقت قلب'' کا نتیجہ قرار نہیں دیا جا سکتا۔

۵۲- مفضل بن عمر جعفی نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے درخواست کی تھی کہ منکرین ربوبیت کے جواب میں ایک جامع رسالہ تحریر فرمائیں۔ چنانچہ امام علیہ السلام نے مفضل کی درخوست پر ایک رسالہ تحریر فرمایا تھا جس کا

نام ''کتاب الاہلیلجہ'' ہے۔

اس رسالہ میں آپؑ نے لکھا:

جب انسان کی طرف لفظ ''رحمت'' کی نسبت ہوتی ہے اور رحمت کے نتیجے میں اس سے جو فعل سرزد ہوتا ہے اسے شفقت اور سخاوت کا نام دیا جاتا ہے اور جب اللہ کی طرف لفظ رحمت کی نسبت دی جاتی ہے تو اس سے وہ ثواب مراد ہوتا ہے جو وہ اپنی مخلوق کو عطا کرتا ہے۔ انسانی قلب میں رحمت اس وقت پیدا ہوتی ہے جب وہ کسی کو دکھ درد میں مبتلا دیکھتا ہے تو اس کا دل اس کے حال پر کڑھتا ہے۔ دل کی اس کیفیت کے بعد انسان انسان پر لطف و شفقت کرتا ہے اور ایسے ہی موقع پر کہنے والا کہتا ہے کہ فلاں شخص کی رحمت کو تو دیکھو۔ اس سے مراد وہ شفقت بھرا سلوک ہوتا ہے جو رقت قلب کے نتیجے میں پیدا ہوتا ہے۔ جب اللہ کے لیے یہی لفظ رحمت بولا جاتا ہے تو اس کے مفہوم میں ''رقت قلب'' شامل نہیں ہوتی (کیونکہ وہ اعضاء و جوارح سے پاک ہے) وہ رحیم ہے' لیکن اس کی رحمت رقتِ قلب کی پیداوار نہیں ہے۔

۵۳- مجمع البیان میں ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ حضرت عیسیٰ بن مریم نے کہا تھا کہ رحمٰن دنیا کے لحاظ سے ہے اور رحیم آخرت کے لحاظ سے ہے۔

۵۴- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: رحمٰن اسمِ خاص ہے' اس میں صفت عامہ پائی جاتی ہے اور رحیم اسم عام ہے' اس میں صفت خاصہ پائی جاتی ہے۔

۵۵- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنی دعا میں یہ الفاظ کہے:

یا رحمن الدنیا والاخرة ورحیمهما صل علی محمد وال محمد

''اے دنیا و آخرت کے رحمٰن و رحیم! محمدؐ و آلِ محمدؐ پر رحمت نازل فرما''۔

۵۶- الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

جس مین چار باتیں ہوں گی تو وہ اللہ کے عظیم نور میں ہوگا۔ ان میں ایک وہ ہے جسے کوئی بھلائی پہنچے تو اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہے۔

۵۷- اسی اسناد سے امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا: جس نے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہا تو اس نے خدا کی تمام نعمتوں کا شکر ادا کیا۔

۵۸- اصول کافی میں صفوان جمال سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:
اللہ کسی پر چھوٹی نعمت کا انعام کرے یا بڑی نعمت کا اور وہ نعمت کے بعد "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہے تو اس نے نعمت کا شکر ادا کر دیا۔

۵۹- اسی اسناد سے حماد بن عثمان سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام مسجد سے برآمد ہوئے تو آپ کا جانور وہاں سے غائب تھا۔ آپؑ نے فرمایا:
اگر خدا نے میری سواری کا جانور واپس کر دیا تو میں اس کے شکر کا مکمل حق ادا کروں گا۔ تھوڑی دیر بعد وہ جانور مل گیا تو آپؑ نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہا۔
ایک شخص نے آپؑ سے کہا: کیا آپؑ نے یہ نہیں کہا تھا کہ آپؑ اللہ کے شکر کا حق ادا کریں گے؟
حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا
کیا تو نے مجھے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہتے ہوئے نہیں سنا؟

۶۰- علی بن ابراہیم لکھتے ہیں کہ "موثق" میں مذکور ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کے متعلق فرمایا: اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ کے لیے شکر ہے اور "رب العالمین" سے مراد یہ ہے کہ وہ تمام مخلوق کا خالق ہے۔

۶۱- من لا یحضرہ الفقیہ میں فضل کی زبانی حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے احکام و شریعت کے کچھ علل و اسباب نقل کیے ہیں۔ اس میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے
"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" یہ اس واجب کی ادائیگی ہے جسے اللہ نے اپنے شکر کے لیے مخلوق کے لیے ضروری قرار دیا ہے اور ان الفاظ سے بندہ توفیق خیر ملنے پر شکر ادا کرتا ہے۔ "رب العالمین" کے الفاظ میں اللہ کی توحید اور تحمید ہے اور اس بات کا اقرار ہے کہ اس کے علاوہ اور کوئی خالق و مالک نہیں ہے۔

۶۲- مجمع البیان میں مذکور ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
اللہ نے فاتحۃ الکتاب نازل کر کے مجھ پر احسان کیا ہے اور اس کی آیت "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" اہل جنت کا کلام ہے۔ جب خدا انھیں نعمات سے نوازے گا تو وہ "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کہیں گے (واخر دعواھم ان الحمد لِلّٰهِ رب العالمین)

۶۳- اصول کافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

جس شخص نے صبح کے وقت چار مرتبہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کہا' تو اس نے اپنے دن کا شکر ادا کر دیا اور جس نے شام کے وقت یہ کہا تو اس نے اپنی رات کا شکر ادا کر دیا۔

۶۴- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے ارشاد فرمایا۔

رسولؐ خدا صبح کے وقت تین سو ساٹھ مرتبہ ''الحمدللّٰہ رب العالمین کثیرًا علی کل حال'' پڑھتے تھے اور روزانہ شام کے وقت بھی اتنی ہی بار یہی جملہ پڑھا کرتے تھے۔

۶۵- تفسیر علی بن ابراہیم میں ابن ابی عمیر نے اپنے بعض اصحاب سے روایت کی۔ اس نے کہا کہ حضرت امام محمد باقر علیہ السلام کے سامنے ایک شخص نے چھینک ماری اور اس نے چھینک کے بعد ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ'' کہا' لیکن حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے اسے ''یرحمك اللّٰـه'' نہ کہا اور آپؑ نے فرمایا کہ اس شخص نے ہمارے حق میں کمی کی ہے' جب بھی تم میں سے کسی کو چھینک آئے تو اسے ''الحمدللّٰہ رب العالمین وصلی اللّٰہ علی محمدواھل بیتہ'' کہنا چاہیے۔ یہ سن کر اس شخص نے آپؑ کے بتائے ہوئے کلمات کہے تو اس کے جواب میں آپؑ نے اسے دعائے خیر دی۔

۶۶- اسی اسناد سے مسمع بن عبدالملک سے مروی ہے کہ اس نے کہا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو چھینک آئی تو آپؑ نے ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ'' کہا۔ پھر آپؑ نے ناک پر انگلی رکھ کر کہا: میری ناک خدا کے سامنے ہمیشہ رگڑتی رہے اور تواضع میں مصروف رہے۔

۶۷- اسی اسناد سے محمد بن مروان سے منقول ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ

جو شخص چھینک کے بعد ''الحمدللّٰہ رب العالمین علی کل حال'' کہے گا تو وہ کان اور داڑھ کے درد سے محفوظ رہے گا۔

۶۸- اسی اسناد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

جس شخص کو چھینک آئے اور پھر وہ اپنے ناک کے بانسے پر ہاتھ رکھ کر یہ کلمات کہے: ''اَلْحَمْدُلِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِیْنَ كَثِیْرًا كَمَا هُوَ اَهْلُهٗ وَصَلَّى اللّٰهُ عَلٰى مُحَمَّدِ النَّبِيِّ وَاٰلِهٖ وَسَلَّم'' تو اس کے بائیں نتھنے سے ایک پرندہ نکلے گا جو ٹڈی دل سے چھوٹا اور مکھی سے بڑا ہوگا اور وہ عرش کے نیچے جا کر ٹھہرے گا اور قیامت تک اس کے لیے استغفار کرتا رہے گا۔

۶۹- کتاب التوحید میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

خدا اس وقت سے رب ہے جب کوئی پرورش پانے والا ہی موجود نہیں تھا۔ اور کتاب مذکور میں حضرت علی علیہ السلام سے بھی یہی جملے منقول ہیں۔

۷۰- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے، جس کے کچھ کلمات یہ ہیں:

شاید تو یہ سمجھتا ہے کہ اللہ نے صرف ایک ہی عالم پیدا کیا ہے اور تو یہ خیال کرتا ہے کہ اللہ نے تمھارے علاوہ کسی کو پیدا ہی نہیں کیا۔ ہاں ہاں خدا کی قسم اس نے ایک لاکھ جہان پیدا کیا اور اس نے ایک لاکھ آدم پیدا کیے جب کہ تیرا تعلق آخری عالم اور آخری آدمؑ سے ہے۔

۷۱- کتاب الخصال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کے چند کلمات یہ ہیں:

مدینہ کا عالم (یعنی میں) وہاں تک چلا جاتا ہے جہاں تک کسی کے نشانِ قدم نہیں پہنچتے اور جہاں کوئی پرندہ پر نہیں مارتا اور وہ ایک لحظہ میں سورج کے بارہ برجوں کے سفر اور بارہ براعظم اور بارہ سمندروں اور بارہ جہانوں کا ایک علم رکھتا ہے۔

۷۲- اسی اسناد سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا

اللہ تعالیٰ نے بارہ ہزار جہان پیدا کیے اور ان میں سے ہر جہان سات آسمانوں اور سات زمینوں سے بڑا ہے اور ہر جہان والے یہ کہتے ہیں کہ ان کے علاوہ خدا نے کوئی اور جہان پیدا ہی نہیں کیا۔ میں ان تمام جہانوں پر حجت ہوں۔

۷۳- عیون الاخبار میں مذکور ہے کہ ایک شخص حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا کہ آپؑ قول خداوندی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کی تفسیر کے متعلق مجھے کچھ خبر دیں۔

آپؑ نے فرمایا: میرے والد نے میرے دادا سے انھوں نے امام باقر علیہ السلام سے انھوں نے امام زین العابدین علیہ السلام سے انھوں نے اپنے والد امام حسین علیہ السلام سے روایت کی کہ ایک شخص امیر المومنین علی علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کی کیا تفسیر ہے؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

تمام تعریفیں اللہ کے لیے اس واسطے مخصوص ہیں کہ اس نے اپنے بندوں کو اجمالی طور پر اپنی نعمات کا تعارف کرایا، کیونکہ لوگ نعمات کی تفصیل کے متحمل نہیں ہیں اور اس کی وجہ یہ ہے کہ خدا کی نعمات اتنی ہیں کہ وہ شمار میں نہیں آسکتیں۔

اسی لیے اللہ نے لوگوں کو حکم دیا کہ تم کہو کہ رب العالمین نے ہم پر جو نعمات کی ہیں ان سب کے لیے ہم "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کہتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کی تمام اصناف پر نعمتیں کی ہیں' خواہ اس کا تعلق جمادات سے ہو یا حیوانات سے ہو۔ حیوانات کو وہ اپنی قدرت سے متحرک رکھتا ہے اور انھیں کھانے کے لیے اپنا رزق فراہم کرتا ہے اور انھیں اپنی حفظ و امان میں رکھتا ہے اور اپنی مصلحت کے تحت سب کی تدبیر کرتا ہے' اور جمادات پر خدا کی نعمت یہ ہے کہ وہ انھیں اپنی قدرت سے روکے ہوئے ہے اور جو ایک دوسرے سے متصل ہیں انھیں گرنے سے روکتا ہے اور گرنے والی جماد کو چمٹنے سے روکے ہوئے ہے اور آسمان کو زمین پر گرنے سے روکے ہوئے ہے' وہ اس کی اجازت کے بغیر زمین پر نہیں گر سکتا۔ اور زمین کو دھنس جانے سے روکے ہوئے ہے اور وہ اس کے فرمان کے بغیر دھنس نہیں سکتی۔ وہ اپنے بندوں پر شفیق اور مہربان ہے۔

پھر آپ نے فرمایا

"رب العالمین" کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تمام جہانوں کا مالک اور خالق ہے اور ان تک اس طرح سے رزق پہنچاتا ہے کہ بعض اوقات انھیں رزق کی آمد کا علم ہوتا ہے اور بعض اوقات انھیں علم تک بھی نہیں ہوتا۔ رزق تقسیم کر دیا گیا ہے۔ وہ ابن آدم کو مل کر رہے گا چاہے وہ کیسی ہی حالت میں کیوں نہ ہو۔ کسی متقی کا تقویٰ رزق کو بڑھا نہیں سکتا اور کسی بدکار کی بدکاری اس کے رزق کو گھٹا نہیں سکتی۔ رزق اور رزق حاصل کرنے والے کے درمیان ایک پردہ ہے جس کا وہ طالب ہوتا۔ اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے رزق سے بھاگنا چاہے تو بھی اس کا رزق اس کو تلاش کرے گا جیسا کہ موت اس کو تلاش کرتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ تم کہو کہ تمام تعریفیں اللہ کے لیے مخصوص ہیں' کیونکہ اس نے ہم پر انعام کیے ہیں اور ہمارے آنے سے قبل اس نے پہلی کتابوں میں ہمارا ذکر خیر کیا ہے۔ اسی لیے محمدؐ و آلِ محمدؐ پر صلوات پڑھنی چاہیے اور ان کے شیعوں کا فرض ہے کہ وہ خدا کی عطا کردہ فضیلت کا شکر ادا کریں' کیونکہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران کو نبی بنا کر مبعوث کیا اور انھیں شرف مناجات عطا کیا اور اس کے لیے سمندر میں سے راستہ بنایا اور بنی اسرائیل کو نجات دی اور انھیں تورات اور الواح عطا فرمائیں تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ خدا کی نظر میں ان کا بہت بڑا مقام ہے۔ چنانچہ انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا

پروردگارا! تو نے مجھے اتنی عزت عطا کی ہے کہ مجھ سے پہلے تو نے کسی کو اتنی عزت عطا نہیں کی۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا

موسیٰ! کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میرے نزدیک میرے تمام ملائکہ اور میری مخلوق سے افضل

ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا:

پروردگار! اگر تیری تمام مخلوق میں سے محمدؐ تیرے نزدیک محترم ہیں تو کیا میری آل سے بھی کسی نبی کی آل افضل ہے؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

موسیٰؑ! جس طرح سے محمدؐ تمام رسولوں سے افضل ہیں اسی طرح سے ان کی آل بھی تمام رسولوں کی آل سے افضل ہے۔

پھر حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا:

پروردگار! کیا کسی نبی کی اُمت میری اُمت سے افضل ہے؟ تو نے میری اُمت پر بادلوں کا سایہ کیا اور تو نے ان پر من وسلویٰ نازل کیا اور تو نے ان کے لیے سمندر کو شگافتہ کیا؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

موسیٰؑ! کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ محمدؐ کی امت باقی انبیاء کی امتوں سے اتنی ہی افضل ہے جتنا کہ خود محمدؐ میری تمام مخلوق سے افضل ہیں۔

حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا:

پروردگار! کاش میں انھیں دیکھ سکتا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی اور فرمایا:

موسیٰؑ! تو انھیں ہرگز نہیں دیکھ سکے گا' اور ابھی ان کے ظہور کا وقت نہیں ہوا' البتہ عنقریب تم انھیں جنت میں دیکھو گے۔ تم انھیں جنتِ عدن اور جنتِ فردوس میں محمدؐ کے سامنے دیکھو گے کہ وہ نعمات میں لوٹ رہے ہوں گے اور جنت کے اعلیٰ مقامات پر رہائش پذیر ہوں گے۔ کیا تم ان کا کلام سننا پسند کرتے ہو؟

حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا: جی ہاں' میرے معبود!

اس وقت ہمارے رب نے ندا دے کر کہا: اے اُمت محمدؐ!

سب نے اپنے آباء کی اصلاب اور ماؤں کے اَرحام سے جواب دیا اور کہا:

لبيك اللهم لبيك لا شريك لك لبيك ان الحمد والنعمة والملك لك لا شريك لك -

اللہ تعالیٰ نے اس جواب کو تلبیۂ حج قرار دیا۔ پھر ہمارے پروردگار نے ندا دے کر کہا

''اے اُمت محمدؐ! تمھارے لیے میرا یہی فیصلہ ہے کہ میری رحمت میرے غضب پر سبقت کر چکی ہے اور میری بخشش میرے عذاب سے بڑھ چکی ہے۔ میں نے تمھاری دعاؤں سے بھی پہلے تمھاری التجاؤں کو قبول کیا۔ تمھارے سوال سے قبل میں نے تم پر اپنی عطا کی ہے۔ تم میں سے جو بھی لا الـه الا اللّٰه وحده لا شريك لـه وان محمدًا عبده ورسوله کا صدقِ دل سے اقرار کر کے میرے حضور پیش ہوگا اور اپنے افعال میں بھی حق کا پیروکار ہوگا اور یہ بھی تسلیم کرتا ہو کہ علی بن ابی طالبؑ محمدؐ کا بھائی اور اس کے بعد اس کا وصی اور ولی ہے اور اس کی اطاعت بھی محمدؐ کی اطاعت کی طرح سے ضروری ہے اور محمدؐ و علیؑ کے بعد طاہر و مطہر اور خدا کے چنے ہوئے اولیاء جو کہ آیاتِ الٰہی کے عجائب کو ظاہر کرنے والے ہیں۔ وہ ان کے جانشین ہیں تو اس عقیدہ والے افراد کو بھی میں اپنی جنت میں داخل کروں گا' اگرچہ اس کے گناہ سمندر کی جھاگ کے برابر بھی کیوں نہ ہوں۔

حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں جب اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث فرمایا تو ان سے ارشاد فرمایا.

وَمَا كُنْتَ بِجَانِبِ الطُّوْرِ اِذْنَا دَيْنَا -

''یعنی محمدؐ! تم اس وقت طور کے پہلو میں موجود نہ تھے جب ہم نے آپؐ کی اُمت کو پکارا تھا اور انھیں یہ عزت عطا کی تھی''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

''تم ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کہو کہ خدا نے مجھے اس فضیلت سے مخصوص کیا اور اللہ نے اُمت محمدؐ سے فرمایا کہ تم بھی ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ'' کہو کہ اس نے تم کو ان فضائل سے مخصوص کیا''۔

۴۷- من لا يحضره الفقيه میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کچھ احکام شرعیہ کے علل واسباب منقول ہیں اور سورہ فاتحہ کے ضمن میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے ''رب العالمین'' کی تشریح کے بعد ''الرحمٰن الرحیم'' کی وضاحت کرتے ہوئے فرمایا کہ ان الفاظ سے اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو اپنے احسانات وانعامات کی دوبارہ یاددہانی کرائی ہے۔

۷۵- تفسیر علی بن ابراہیم میں موثق کے حوالہ سے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے "اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ" کی تشریح کے بعد فرمایا:

"رحمٰن" کی رحمت کا تعلق تمام مخلوقات سے ہے اور لفظ "رحیم" کا تعلق صرف اہل ایمان سے ہے اور "مالک یوم الدین" سے مراد روزِ حساب ہے"۔

اس کے بعد قمی رحمۃ اللہ علیہ لکھتے ہیں کہ اس کی دلیل یہ ہے کہ کفار کا یہ قول قرآن مجید میں مذکور ہے:

وَقَالُوۡا يٰوَيۡلَنَا هٰذَا يَوۡمُ الدِّيۡنِ

"اور وہ کہیں گے کہ ہائے ہماری بدنصیبی یہ بدلے کا دن ہے"۔

مجمع البیان میں جبائی سے منقول ہے کہ "يَوۡمِ الدِّيۡنِ" سے یومِ جزا مراد ہے۔

۷۶- مجمع البیان میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر سورہ فاتحہ نازل کر کے احسان کیا ہے۔

جبرئیل امینؑ نے کہا کہ "مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ" کے الفاظ جو بھی مسلمان کہے گا تو اللہ اور اس کے آسمان کے رہنے والے اس کی تصدیق کریں گے۔

۷۷- حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ "الدین" سے حساب مراد ہے۔

۷۸- اصولِ کافی میں زہری سے منقول ہے کہ جب امام علی زین العابدین علیہ السلام "مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ" کی آیت پر پہنچتے تھے تو اسے اتنی بار دہراتے تھے کہ آپؑ کی موت قریب دکھائی دینے لگتی تھی۔

۷۹- تفسیر عیاشی میں محمد بن علی حلبی سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام "مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ" پڑھا کرتے تھے۔

۸۰- داؤد بن فرقد کا بیان ہے کہ میں نے بے شمار بار حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کو "مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ" پڑھتے ہوئے سنا۔

۸۱- من لایحضرہ الفقیہ میں فضل نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے احکامِ شرعیہ کے کچھ علل واسباب نقل کیے ہیں۔ اپنے اس بیان میں آپؑ نے فرمایا:

"مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ کے الفاظ بندہ کی طرف سے بعث، حساب، جزا وسزا اور خدا کے متعلق روزِ آخرت کے مالک

ہونے کی گواہی ہے اور ان الفاظ سے بندہ یہ اقرار کرتا ہے کہ اللہ جس طرح سے دنیا کا بادشاہ ہے اسی طرح سے روز آخرت کا بھی بادشاہ ہے"۔

"اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کے الفاظ سے خدا کی طرف رغبت اور تقرب کے جذبہ کا اظہار ہوتا ہے اور ان الفاظ سے بندہ یہ ظاہر کرتا ہے کہ وہ اپنے عمل میں خدا سے مخلص ہے۔

"اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کے الفاظ سے بندہ اپنی توفیقات کے اضافہ کی درخواست کرتا ہے اور خدا سے التجا کرتا ہے کہ وہ اسے اپنی عبادت کی توفیق دے اور اپنے انعامات کا سلسلہ جاری رکھے اور بندہ کی مدد فرمائے"۔

۸۲- مجمع البیان میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا

اللہ تعالیٰ نے مجھ پر سورہ فاتحہ کا احسان فرمایا۔ پھر آپ نے فرمایا

"اِیَّاکَ نَعْبُدُ" کے الفاظ سے اخلاص عبادت کا اظہار ہوتا ہے اور "اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ" کے ذریعے انسان خدا سے اپنی افضل ترین حاجات کو طلب کرتا ہے۔

۸۳- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ عبدالملک بن مروان کے دربار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کا ایک "قدری" سے مباحثہ ہوا۔ (واضح رہے کہ فرقہ قدریہ کا عقیدہ ہے کہ انسان اپنے تمام افعال و اقوال میں مکمل آزاد ہے اور اس کے کسی عمل میں خدا کا کوئی عمل دخل نہیں ہے)

قدری نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا آپ جو چاہیں مجھ سے پوچھ لیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: تم سورہ فاتحہ پڑھو۔

وہاں پر موجود ایک شخص نے کہا کہ بھلا سورہ فاتحہ کے ذریعے سے اس کے خلاف کیا استدلال کیا جا سکتا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون!

"قدری" نے سورہ فاتحہ کی تلاوت شروع کی اور جب وہ اِیَّاکَ نَعْبُدُ وَ اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کی آیت پر پہنچا تو امام علیہ السلام نے فرمایا

"ٹھہر جاؤ! جب تم تمام اعمال و افعال میں خود مختار ہو اور خدا کا کوئی عمل دخل نہیں ہے تو پھر تم اس سے کس بات کی مدد طلب کر رہے ہو اور تمہیں مدد کی کیا ضرورت ہے؟"

امام علیہ السلام کا یہ استدلال سن کر وہ مبہوت ہو کر رہ گیا اور اس سے کوئی جواب نہ بن سکا اور وہ فَبُهِتَ الَّذِیْ

كَفَرَ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ کی تصویر بن گیا۔

۸۴- احتجاج طبرسی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل حدیث منقول ہے کہ اس میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

''اِيَّاكَ نَعْبُدُ'' کا مفہوم یہ ہے کہ ہم صرف تجھ واحدہٗ لاشریک کی ہی عبادت کرتے ہیں اور ہم ''دہریہ'' نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ کائنات ازل سے ہی جاری ہے۔ اس کی کوئی ابتداء نہیں ہے اور ہم ''ثنویہ'' (مجوسی) بھی نہیں جو یہ کہتے ہیں کہ نور وظلمت ہی مدبرِ کائنات ہیں اور ہمارا تعلق مشرکینِ عرب سے بھی نہیں ہے جو یہ کہتے ہیں کہ ہمارے بت معبود ہیں۔ ہم تیرے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور تیرے علاوہ کسی معبود کو نہیں پکارتے جیسا کہ کفار کا وطیرہ ہے۔ اور ہم یہود ونصاریٰ کی طرح سے تیرے لیے کسی فرزند کے بھی قائل نہیں ہیں تو ان تمام نقائص سے کہیں بلند وبالا ہے''۔

۸۵- من لایحضرہ الفقیہ میں علل شرائع بیان کرتے ہوئے حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' کے الفاظ سے بندۂ خدا کے دین کی رہنمائی طلب کرتا ہے اور خدا کی رسّی سے تمسک اور معرفتِ خداوندی میں اضافہ کی درخواست کرتا ہے۔

۸۶- مجمع البیان میں ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ نے فاتحہ نازل کر کے مجھ پر احسان کیا اور ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' سے انبیاء کا راستہ مراد ہے کیونکہ خدا نے ان پر نعمتیں نازل کی ہیں''۔

۸۷- مجمع البیان میں مذکور ہے کہ ''الصراط'' کے بہت سے مفہوم ہیں اور اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ اس سے کتاب اللہ مراد ہے اور رسول اکرمؐ اور حضرت علیؑ سے بھی یہی مفہوم منقول ہے۔

۸۸- تفسیر علی بن ابراہیم میں مؤثق کے حوالہ سے مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' سے راہِ حق اور معرفتِ امام مراد ہے۔

۸۹- کتاب مذکور میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

والله نحن الصراط المستقیم

''خدا کی قسم! ہم ہی صراطِ مستقیم ہیں''۔

۹۰- کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ'' میں صراطِ مستقیم سے امیرالمومنین اور ان کی معرفت مراد ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِنَّهٗ فِيۡۤ اُمِّ الۡكِتٰبِ لَدَيۡنَا لَعَلِىٌّ حَكِيۡمٌ (زخرف - ۴)

''ام الکتاب میں ہمارے ہاں علیؑ صاحبِ حکمت ہے''۔

اور ''ام الکتاب'' سورہ فاتحہ ہے اور سورہ فاتحہ میں ''اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ'' سے مراد امیرالمومنینؑ ہیں۔

۹۱- اسی اسناد سے مفضل بن عمر سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''صراط'' کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا:

اس سے معرفت خداوندی کا راستہ مراد ہے اور راستے دو ہیں: ایک دنیا کا راستہ ہے اور ایک آخرت کا راستہ ہے۔ دنیا میں حق کا راستہ وہ امام ہوتا ہے جس کی اطاعت خدا کی طرف سے فرض ہوتی ہے' جو اس دنیا میں رہ کر اس امام کی معرفت حاصل کرے گا اور اس کی ہدایت کی پیروی کرے گا تو وہ اس صراط سے پار ہوگا جو روزِ آخرت ہوگی یعنی وہ پُل صراط سے پار ہوگا اور جو دنیا میں رہ کر امام کی معرفت حاصل نہ کرے گا تو قیامت کے دن پُل صراط سے اس کا قدم پھسل جائے گا اور اسے دوزخ میں ڈالا جائے گا۔

۹۲- تفسیر علی بن ابراہیم میں مذکور ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے پُل صراط کے متعلق فرمایا کہ اس کی چڑھائی ایک ہزار سال کی ہوگی' اور اس کی اترائی ایک ہزار سال کی ہوگی اور اس کا سپاٹ حصہ ایک ہزار سال کی مسافت کے برابر ہوگا۔

۹۳- سعدان بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے صراط کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا:

وہ بال سے زیادہ باریک اور تلوار سے زیادہ تیز ہوگی۔ کچھ لوگ اس سے بجلی کی رفتار سے گزریں گے' کچھ لوگ گھوڑے کی رفتار سے اسے عبور کریں گے اور کچھ لوگ پیدل ہو کر اس سے گزریں گے۔ اور کچھ لوگ ہاتھ پاؤں اور پیٹ کے بل اس سے گزریں گے۔ کچھ ایسے بھی ہوں گے جو لٹک کر اور چمٹ کر اسے عبور کریں گے۔ دوزخ ان کا کچھ حصہ جلا دے گی اور ان کا کچھ حصہ چھوڑ دے گی۔

۹۴- معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''صراطِ مستقیم'' امیر المومنین ہیں۔

۹۵- معانی الاخبار میں حضرت علیؑ سے منقول ہے کہ آپؑ نے ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدایا! ہمارے لیے اپنی توفیق کے سلسلہ کو جاری رکھ جس کی وجہ سے ہم تیری اطاعت کرتے رہے ہیں۔ ہم کو توفیق سے مالامال کر تا کہ ہم اپنی باقی زندگی میں بھی تیری اطاعت کرتے رہیں۔

''صِرَاطٌ مُّسْتَقِيْمٌ'' (سیدھا راستہ) دو ہیں ایک وہ صراط مستقیم ہے جو دنیا میں ہے اور ایک صراط کا تعلق آخرت سے ہے۔ دنیا میں ''صراط مستقیم'' وہ راستہ ہے جو غلو اور تقصیر سے پاک ہو اور بالکل سیدھا ہو اور باطل کی طرف ذرہ بھی مائل نہ ہو۔ اور آخرت کا صراط مستقیم اہل ایمان کا وہ راستہ ہے جو انھیں جنت میں لے جائے اور وہ ایسا سیدھا ہو جو جنت سے ہٹ کر دوزخ کی طرف نہ جاتا ہو۔

۹۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے ''اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ خدایا! ہمیں سیدھی راہ کی رہنمائی فرما اور ہمیں ایسی راہ دکھا جو ہمیں تیری محبت اور تیرے دین تک پہنچا سکے اور ہمارے لیے خواہشات کی پیروی سے رکاوٹ کا ذریعہ بن سکے تا کہ ہم اپنی آراء پر عمل کر کے ہلاکت میں نہ پڑیں۔

۹۷- اسی اسناد کے ساتھ ثابت ثمالی نے حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی۔ آپؑ نے فرمایا:

نحن ابواب الله ونحن الصراط المستقیم

''ہم خدا کے دروازے ہیں اور ہم صراطِ مستقیم ہیں''۔

۹۸- اسی اسناد سے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ انھوں نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے رسول اکرمؐ سے روایت کی ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

''علیؑ! جب قیامت کا دن ہوگا تو میں اور تو اور جبریل صراط پر بیٹھ جائیں گے اور صراط سے وہی گزرے گا جس کے پاس تیری ولایت کا پروانہ ہوگا''۔

۹۹- اصولِ کافی میں حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبیؐ کو وحی فرمائی

فَاسْتَمْسِكْ بِالَّذِيْٓ اُوْحِيَ اِلَيْكَ اِنَّكَ عَلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ (زخرف: ۴۳)

''جو آپ کی جانب وحی کی گئی ہے آپ اس سے متمسک رہیں۔ بے شک آپ صراطِ مستقیم پر ہیں''۔

مقصد یہ ہے کہ آپ ولایتِ علیؑ پر ہیں اور علیؑ صراطِ مستقیم ہیں۔

۱۰۰- محمد بن فضیل کہتے ہیں کہ میں نے حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق پوچھا

اَفَمَنْ یَّمْشِیْ مُکِبًّا عَلٰی وَجْهِهٖۤ اَهْدٰۤی اَمَّنْ یَّمْشِیْ سَوِیًّا عَلٰی صِرَاطٍ مُّسْتَقِیْمٍ۔ (ملک ۲۲)

''کیا وہ شخص جو منہ کے بل چلتا ہے وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے یا وہ زیادہ ہدایت یافتہ ہے جو سیدھے صراطِ مستقیم پر چل رہا ہے''۔

حضرت امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا

''اس آیت میں اس شخص کی مثال بیان کی گئی ہے جو ولایت علیؑ سے منحرف ہو اور ولایت علیؑ سے انحراف کرنے والا منہ کے بل گرے ہوئے شخص کی مانند ہے جب کہ حق کی پیروی کرنے والا صراطِ مستقیم پر سیدھا چلنے والا ہے۔ اور صراطِ مستقیم امیرالمومنین علیہ السلام ہیں''۔

۱۰۱- کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا

''صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ'' کی آیت میں اہل نعمت سے محمدؐ اور ان کی ذریت مراد ہے۔

۱۰۲- ابن سیار نے حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے ''صِرَاطَ الَّذِیْنَ اَنْعَمْتَ عَلَیْهِمْ'' کی تفسیر دریافت کی تو آپ نے فرمایا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ تم یہ کہو

''ہمیں ان لوگوں کے راستہ کی ہدایت عطا فرما جنہیں تو نے اپنے دین اور اپنی اطاعت کی توفیق عطا کر کے ان پر انعام کیا''۔

اور اہل انعام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔

وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِیْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَیْهِمْ مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیْقِیْنَ وَالشُّهَدَآءِ وَالصّٰلِحِیْنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِیْقًا ○ (النساء:۶۹)

''اور جو کوئی اللہ اور رسولؐ کی اطاعت کرے تو وہ ان کے ساتھ ہوگا جن پر اللہ نے انعام کیا یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین کے ساتھ ہوگا اور وہ بہت اچھے رفیق ہیں''۔

امیرالمومنین علیہ السلام سے بھی یہی تفسیر مروی ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''اہلِ نعمت سے مال وتندرستی کی نعمت والے افراد مراد نہیں ہیں اگر چہ یہ بھی خدا کی طرف سے ظاہری نعمت ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ مال وتندرستی کی نعمت تو کافروں اور بدکاروں کو بھی میسر ہے اور تمھیں ان کے راستے کی دعا مانگنے کا حکم نہیں دیا گیا۔ تمھیں تو یہ دعا مانگنے کا حکم دیا گیا ہے کہ تم ان لوگوں کے راستے کو طلب کرو جن پر ایمان باللہ، تصدیق رسولؐ اور ولایتِ محمدؐ وآلِ محمدؐ اور نیک اصحاب اور بہتر تقیہ کا انعام کیا گیا ہے جس سے وہ دشمنانِ خدا کے شر سے محفوظ رہتے ہیں اور بہتر تقیہ کی وجہ سے دشمنانِ خدا کے گناہوں اور ان کے کفر میں اضافہ کا سبب بنتے ہیں۔ خبردار تقیہ قائم رکھنا مخالفین سے مدارات کا سلوک کرنا اور تقیہ ترک کر کے اپنے اور دوسرے اہلِ ایمان کے لیے تکالیف پیدا نہ کرنا اور اپنے اہلِ ایمان بھائیوں کے حقوق کو پہچانتے رہنا''۔

۱۰۳- مزات بن ابراہیم نے اپنی اسناد سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا کہ آنحضرتؐ نے ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

''علیؑ کے شیعہ وہ ہیں جن پر اللہ نے ولایتِ علیؑ کا انعام کیا ہے۔ ان پر خدا نہ تو غضب ناک ہوا اور نہ ہی وہ بھٹکے''۔

۱۰۴- کتاب کمال الدین واتمام النعمۃ میں خثیمہ جعفی سے مروی ہے اس نے امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل حدیث نقل کی، جس میں امام علیہ السلام نے فرمایا:

نحن الطريق الواضح والصراط المستقيم الى الله عزوجل ونحن من نعمة الله على خلقه

''ہم ہی واضح راستہ اور خدا کی طرف جانے والے صراطِ مستقیم ہیں اور ہم خلقِ خدا پر اللہ کی نعمت ہیں''۔

۱۰۵- کتاب اہلیلجہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام تحریر فرماتے ہیں:

''ہمارے غضب کی کیفیت اور ہے اور خدا کے غضب کی کیفیت اور ہے، کیونکہ جب ہم کسی پر غضب ناک ہوتے ہیں تو ہماری طبائع میں تبدیلی آجاتی ہے اور کسی وقت ہمارے جوڑ کانپنے لگ جاتے ہیں اور ہمارا رنگ بدل جاتا ہے۔ اس کے بعد ہم کسی کو سزا دیتے ہیں۔ اس حالت کو ''غضب'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور لوگوں کے کلام میں غضب کا یہی مفہوم ہے۔ غضب کے دو مرحلے ہوتے ہیں۔ پہلا مرحلہ دل سے شروع ہوتا ہے اور دوسرا مرحلہ سزا کی شکل میں نمودار ہوتا ہے۔

اور جب اللہ تعالیٰ کے لیے لفظ ''غضب'' کا اطلاق ہوتا ہے تو اس سے دل کی کیفیت مراد نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے جب اللہ کے لیے رضا، ناراضگی اور رحمت جیسے الفاظ کی نسبت دی جاتی ہے تو اس میں دلی کیفیت مراد نہیں ہوتی''۔

۱۰۶- حریز نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعلق بیان کیا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ آیت پڑھتے ہوئے سنا: ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ''۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''مَغضُوبِ عَلَيهِم'' ناصبی ہیں اور ''ضَالِّينَ'' سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں۔

۱۰۷- ابن اذینہ نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' کی تفسیر نقل کرتے ہوئے کہا کہ امام علیہ السلام نے فرمایا:

''مَغضُوبِ عَلَيهِم'' ناصبی اور 'ضالین' سے شکوک میں مبتلا وہ افراد مراد ہیں جنھیں امام کی معرفت حاصل نہیں ہے''۔

۱۰۸- من لا یحضرہ الفقیہ میں فضل نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے کچھ احکامِ شرعیہ کے علل و اسباب نقل کیے ہیں۔ امام علیہ السلام نے ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' کے متعلق فرمایا

اس آیت میں سوال و رغبت کی تاکید پائی جاتی ہے اور ان لوگوں کا ذکر پایا جاتا ہے جن پر نعمتیں نازل ہوئی ہیں اور ایسی ہی نعمتوں کی رغبت کے لیے یہ الفاظ کہے جاتے ہیں۔

''غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ'' کے الفاظ سے بندہ خدا سے یہ درخواست کرتا ہے کہ خدا اسے عناد رکھنے والے کافروں اور خدا اور اس کے اوامر و نواہی کو حقیر جاننے والوں میں سے نہ قرار دے۔

''وَلَا الضَّآلِّيْنَ'' کے الفاظ سے بندۂ خدا سے یہ التجا کرتا ہے کہ وہ اسے ان لوگوں میں سے نہ بنائے جو راہِ خدا سے بھٹکے ہوئے ہیں اور جنھیں حق کی معرفت نہیں ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ وہ درست کر رہے ہیں۔

۱۰۹- مجمع البیان کی ایک روایت کا مفہوم یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''مَغضُوبِ عَلَيهِم'' سے یہود اور ''ضَالِّينَ'' سے نصاریٰ مراد ہیں۔

۱۱۰- کتاب احتجاج طبرسی میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''امیر المومنین علیہ السلام کو حدِ عبودیت سے بڑھانے والا شخص ''مَغضُوبِ عَلَيهِم 'اور ''ضَالِّينَ'' میں شامل

ہے۔

۱۱۱- استبصار میں معاویہ بن وہب کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جب امام غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَلَا الضَّآلِّيْنَ کہہ کر سورہ فاتحہ مکمل کرے تو کیا میں "آمین" کہوں؟

امام علیہ السلام نے اس سوال کا کوئی جواب نہ دیا اور فرمایا "اس سے یہود و نصاریٰ مراد ہیں"۔

۱۱۲- تہذیب الاحکام میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ انھوں نے اپنے والد علیہ السلام سے نقل کیا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دو صحابیوں کے درمیان رسول خدا کی نماز کے متعلق اختلاف ہوا۔ انھوں نے ابی بن کعب کو لکھا کہ آپ بتائیں رسولؐ خدا کتنے سکتے کیا کرتے تھے؟

ابی بن کعب نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دو سکتے کیا کرتے تھے۔ پہلا سکتہ اس وقت کرتے جب سورۂ فاتحہ سے فارغ ہوتے اور دوسرا سکتہ اس وقت کرتے جب دوسری سورت سے فارغ ہوتے تھے۔

۱۱۳- الکافی میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپ نے فرمایا:

"جب تو امام کے پیچھے نماز پڑھ رہا ہو اور امام سورہ فاتحہ کی تلاوت سے فارغ ہو تو تم "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ" کہو۔ خبردار "آمین" نہ کہنا۔

۱۱۴- کتاب عیون الاخبار میں حضرت امام رضا علیہ السلام کے اخلاق اور اوصاف عبادت مرقوم ہیں اور اس میں لکھا ہے کہ جب آپ فاتحہ سے فارغ ہوتے تو آپ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ کہا کرتے تھے۔

○○○

سورة البقره مدينة وهى مائتان وست وثمانون اية واربعون ركوعا

''سورہ بقرہ مدنی سورہ ہے اوراس میں دوسو چھیاسی آیات اور چالیس رکوع ہیں''۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الٓمّٓ ۚ﴿۱﴾ ذٰلِکَ الۡکِتٰبُ لَا رَیۡبَ ۚۖۛ فِیۡہِ ۚۛ ہُدًی لِّلۡمُتَّقِیۡنَ ۙ﴿۲﴾ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡغَیۡبِ وَ یُقِیۡمُوۡنَ الصَّلٰوۃَ وَ مِمَّا رَزَقۡنٰہُمۡ یُنۡفِقُوۡنَ ۙ﴿۳﴾ وَ الَّذِیۡنَ یُؤۡمِنُوۡنَ بِمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَیۡکَ وَ مَاۤ اُنۡزِلَ مِنۡ قَبۡلِکَ ۚ وَ بِالۡاٰخِرَۃِ ہُمۡ یُوۡقِنُوۡنَ ؕ﴿۴﴾ اُولٰٓئِکَ عَلٰی ہُدًی مِّنۡ رَّبِّہِمۡ ٭ وَ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ ﴿۵﴾

• سہارا اللہ کے نام کا جو کہ رحمٰن ورحیم ہے۔

''الم۔ یہ وہ کتاب ہے جس میں کسی قسم کے شک وشبہ کی گنجائش نہیں ہے' اہلِ تقویٰ کے لیے ہدایت ہے۔ وہ جو اَن دیکھی چیزوں پر ایمان رکھتے ہیں اور پابندی سے نماز ادا کرتے ہیں اور ہمارے دیئے ہوئے رزق میں سے خرچ کرتے ہیں وہ ان باتوں پر ایمان رکھتے ہیں جو آپ کی طرف اتاری گئی ہیں اور جو آپ سے پہلے اتاری گئی ہیں اور وہ آخرت پر یقین رکھتے ہیں۔ یہی لوگ اپنے پروردگار کی طرف سے ہدایت پر ہیں اور یہی لوگ فلاح یافتہ ہیں''۔

فضائل سورۃ البقرہ

۱۔ کتاب ثواب الاعمال میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''جو سورہ بقرہ اور سورہ آل عمران پڑھے گا تو قیامت کے دن یہ دونوں سورتیں سائبان کی طرح سے اس کے سر پر سایہ فگن ہوں گی۔

۲- کتاب مذکور میں حضرت امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت ہے کہ آپ نے کہا کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص سورہ بقرہ کی ابتدائی چار آیات اور آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیات اور سورہ بقرہ کی آخری تین آیات پڑھے گا تو وہ اپنی جان و مال میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں دیکھے گا (یعنی وہ جان و مال کے نقصان سے محفوظ رہے گا) اور شیطان اس کے نزدیک نہیں جائے گا اور اسے قرآن مجید نہیں بھولے گا۔

۳- مجمع البیان میں مذکور ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ قرآن مجید کی کون سی سورت افضل ہے؟

آپؐ نے فرمایا: سورہ البقرہ افضل ہے۔

پھر پوچھا گیا: البقرہ کی کون سی آیت افضل ہے؟

تو آپؐ نے فرمایا: آیت الکرسی افضل ہے۔

الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ

۴- کتاب معانی الاخبار میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ اس حدیث کے ایک حصہ میں آپؐ نے فرمایا:

''سورہ البقرہ کے آغاز میں ''الم'' کا معنی ہے ''انا اللہ الملک'' ''میں اللہ ہی بادشاہ ہوں''۔

۵- ابو بصیر نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

''الم'' اللہ کا وہ اسم اعظم ہے جو قرآن مجید میں بیان کیا ہے۔ جب نبی اور امام اس کو جوڑ کر خدا سے دعا مانگتے ہیں تو ان کی دعا فوراً قبول ہوتی ہے۔

الٓمّٓ ۞ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۞ ''یہ وہ کتاب ہے جس میں شک کی گنجائش نہیں۔ یہ متقین کے لیے سراپا ہدایت ہے''۔ یعنی یہ ہمارے شیعوں کے لیے ہدایت ہے۔

الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ وَيُقِيْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۞ ''جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں اور باقاعدگی

سے نماز ادا کرتے ہیں اور ہمارے عطا کردہ رزق میں سے خرچ کرتے ہیں'' یعنی ہم نے انھیں جو علم دیا ہے اس کو پھیلاتے ہیں اور ہم نے انھیں قرآن مجید کی جو تعلیم دی ہے وہ اس کی تلاوت کرتے ہیں۔

۶- اسی اسناد سے محمد بن قیس سے روایت ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے حضرت امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا کہ حی بن اخطب اور یاسر بن اخطب اور نجران کے کچھ یہودی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے آپؐ سے کہا:

''اللہ نے جو کچھ آپ پر نازل کیا ہے کیا اس میں ''الٓمٓ'' بھی ہے؟''

آنحضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں۔

انھوں نے کہا: کیا یہ الفاظ بھی خدا کی طرف سے آپ کے پاس جبریل لایا تھا؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں۔

انھوں نے کہا: اللہ نے آپؐ سے پہلے بھی انبیاء روانہ کیے ہیں لیکن ایسا کوئی نبی دنیا میں نہیں آیا' جس نے اپنی نبوت اور اپنی اُمت کی حکومت کی میعاد بتائی ہو۔ اس کے بعد حی بن اخطب نے کہا کہ الف کا عدد ایک ہے۔ لام کے عدد تیس ہیں اور میم کے عدد چالیس ہیں۔ یہ کل ملا کر اکہتر بنتے ہیں۔ ہمیں تو ان لوگوں پر حیرانی ہے جو اس دین کو قبول کر رہے ہیں جس کی کل مدت ہی اکہتر سال ہے!!

اس کے بعد اس نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کہا کہ اس کے علاوہ اور بھی اس طرح کے حروف مقطعات آپ پر نازل ہوئے ہیں؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: ''الٓمٓصٓ''۔

انھوں نے کہا: یہ ذرہ زیادہ طویل اور وزنی ہے۔ اس میں الف کا عدد ایک ہے' لام کے عدد تیس اور میم کے عدد چالیس اور صاد کے عدد نوے ہیں اور یہ کل ملا کر ایک سو اکسٹھ سال بنتے ہیں۔

پھر اس نے آنحضرتؐ سے کہا: کیا اس کے علاوہ بھی آپ پر کوئی اور حروف مقطعات نازل ہوئے ہیں؟

آپؐ نے فرمایا: جی ہاں۔

اس نے کہا: پھر وہ بھی بیان کریں۔

آپؐ نے فرمایا: ''الٓمٓر''۔

اسے سن کر اس نے کہا: یہ اور زیادہ وزنی اور طویل ہے۔ ''الف'' کا عدد ایک ہے ''لام'' کے اعداد تیس ہیں اور ''میم'' کے اعداد چالیس ہیں اور ''راء'' کے اعداد دو سو ہیں۔

پھر اس نے کہا: کیا اس کے علاوہ کچھ اور بھی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔

آپؑ کا جواب سن کر انھوں نے کہا: اب آپؑ کا معاملہ ہماری سمجھ سے بالا ہو چکا ہے' اب ہمیں علم نہیں ہے کہ آپ کو کیا کچھ دیا گیا ہے۔ یہ کہہ کر وہ آپ کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ یاسر نے اپنے بھائی حی بن اخطب سے کہا: ہمیں یہ بھی تو معلوم نہیں ہے کہ اس کی نبوت کا عرصہ ان اعداد کے برابر ہے یا اس سے کہیں زیادہ ہے۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ان لوگوں کے متعلق سورہ آل عمران کی یہ آیت نازل ہوئی:

مِنۡهُ اٰيَاتٌ مُّحۡكَمَاتٌ هُنَّ اُمُّ الۡكِتَابِ وَاُخَرُ مُتَشَابِهَاتٌ - (آل عمران:۷)

''قرآنی آیات میں سے کچھ محکم آیات ہیں اور وہی اصل کتاب ہیں اور باقی ایک دوسرے سے ملتی جلتی ہیں''۔

حضرت امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''حروف مقطعات کی جو تاویل حی بن اخطب اور یاسر نے کی تھی وہ صحیح نہیں ہے ان حروف کا کچھ اور مقصد ہے''۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام فرماتے ہیں:

''جب قرآن مجید نازل ہوا تو قریش اور یہود نے قرآن کی تکذیب کی اور انھوں نے کہا کہ یہ کلام محمدؐ کا اپنا ساختہ پرداختہ ہے اور یہ اس کا اپنا قائم کردہ جادو ہے''۔

ان لوگوں کے جواب میں اللہ نے فرمایا:

''الٓمّٓ ۝ ذٰلِكَ الۡكِتٰبُ'' مقصد یہ ہے کہ ہم نے محمدؐ پر جو کتاب نازل کی ہے وہ بھی تمھاری زبان کے حروف تہجی سے مل کر بنی ہے۔ اس میں الف' لام' میم جیسے الفاظ ہیں اور ایسے ہی الفاظ سے یہ کلام تشکیل پائی ہے۔ اس کلام کو تمھاری اپنی زبان اور تمھارے حروفِ تہجی سے ترتیب دیا گیا ہے۔ اگر تم سچے ہو تو پھر اس جیسی کتاب بنا کر پیش کرو۔ اور دنیا میں تمھارے جتنے بھی مددگار ہوں ان سب کو اس کام میں شامل کرو اور قرآن کا جواب لاؤ''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی واضح کر دیا کہ ان لوگوں سے قرآن کا جواب ممکن ہی نہیں ہے۔

قُلْ لَئِنِ اجْتَمَعَتِ الْاِنْسُ وَالْجِنُّ عَلٰٓى اَنْ يَّاْتُوْا بِمِثْلِ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لَا يَاْتُوْنَ بِمِثْلِهٖ وَلَوْ كَانَ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ ظَهِيْرًا ○ (الاسراء:۹۱)

''آپ کہہ دیں اگر تمام انسان اور جنات جمع ہوکر قرآن کی مثال لانا چاہیں تو بھی نہیں لاسکیں گے اگرچہ وہ ایک دوسرے کے مددگار بھی کیوں نہ ہوں''۔

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا''الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ ''یعنی وہ قرآن جو الف لام میم جیسے حروفِ تہجی سے تشکیل پایا ہے وہ ایسی کتاب ہے جس میں شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے' اور یہ وہی کتاب ہے جس کے متعلق میں نے موسیٰؑ اور اس کے بعد آنے والے انبیاء کو خبر دی تھی اور انھوں نے بنی اسرائیل کو اس کتاب کے نازل ہونے کی پیشین گوئی کی تھی۔

یہ وہی کتاب ہے جس کا وعدہ میں نے محمدؐ سے کیا تھا کہ میں عنقریب آپؐ پر ایسی غالب کتاب نازل کروں گا' جس کے سامنے باطل ٹھہر نہ سکے گا اور نہ ہی باطل اس کے پیچھے سے آسکے گا۔ وہ کتاب صاحبِ حکمت اور لائق حمد کی نازل کردہ ہوگی۔

بہر حال یہ ایسی کتاب ہے کہ انبیاء اور ان کی اُمتوں کے ہاں اس کے ظہور پذیر ہونے میں کسی شک وشبہہ کی گنجائش نہیں ہے۔

انبیاء اپنی اپنی اُمتوں کو یہ بتا کر گئے کہ عنقریب محمد مصطفیٰؐ پر ایک ایسی کتاب نازل کی جائے گی جسے باطل پورا زور صرف کر کے بھی مٹا نہ سکے گا اور محمدؐ اور اس کی اُمت کے افراد ہر طرح کی کیفیت میں اس کی تلاوت کریں گے۔ وہ کتاب سامانِ ہدایت ہوگی یعنی وہ گمراہی کو کھول کر واضح کردے گی اور وہ کتاب پرہیزگاروں کے لیے سامانِ ہدایت ہوگی اور پرہیزگار وہ ہیں جو مہلکات سے اپنے آپ کو بچاتے ہیں اور اپنے اوپر حماقت کو غالب نہیں ہونے دیتے اور جب انھیں ان کے واجبات کا علم ہوتا ہے تو وہ اپنے واجبات پر عمل کر کے اپنے رب کی رضا کو حاصل کرتے ہیں۔

حضرت امام صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''لفظ''الف'' حروفِ تہجی میں سے ایک حرف ہے اور حرف الف سے لفظ''اللہ'' کی طرف اشارہ ممکن ہے۔ اور ''الم'' کے لام سے''الملك العظيم القاهر للخلق اجمعين ''(اللہ عظیم بادشاہ ہے اور وہ تمام مخلوق پر تسلط رکھتا ہے) کی طرف اشارہ ہے۔ اور''الم'' کے لام سے''انه المجيد المحمود فى كل احواله''(وہ تمام افعال میں مجید اور محمود ہے) کی طرف اشارہ ہے اور اللہ نے لفظ''الم'' کو یہودیوں کے خلاف حجت بنایا ہے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت عطا فرمائی اور ان کے بعد بنی اسرائیل میں انبیاء کو مبعوث کیا تو حضرت موسیٰؑ اور جملہ انبیائے بنی اسرائیل سے یہ پختہ عہد لیا کہ وہ محمدؐ عربی پر ایمان لائیں گے جو کہ مکہ میں مبعوث ہوں گے اور پھر وہاں سے مدینہ ہجرت فرمائیں گے اور ان پر وہ کتاب نازل کی جائے گی جس کی کچھ سورتوں کا آغاز حروف مقطعات سے کیا جائے گا اور اُمت محمدؐ اس کتاب کو قیام وقعود میں اور چلتے پھرتے پڑھے گی۔ اللہ اس کتاب کا حفظ کرنا اُمت کے لیے آسان کردے گا اور اس کے ساتھ وہ محمدؐ کے بھائی اور وصی علیؑ پر بھی ایمان لائیں گے جو کہ محمدؐ کے علوم کا ناشر ہوگا اور محمدؐ کی امانت کا امین ہوگا۔ اور محمدؐ کے دشمنوں کو اپنی تیز تلوار سے ذلیل کرے گا اور جو محمدؐ کے منکر ہوں گے وہ ان کو اپنی مضبوط دلیلوں سے مغلوب کرے گا اور وہ تنزیل کتاب کے تحت کفار سے جہاد کرے گا اور انھیں قبولِ حق پر مجبور کردے گا اور وفاتِ محمدؐ کے بعد جب کچھ لوگ ایمان ظاہری کو چھوڑ کر مرتد ہوں گے اور تاویلِ کتاب میں تحریف کرنے لگیں گے اور اس کے معانی میں تبدیلیاں لانے لگیں گے تو اس وقت وہ تاویلِ کتاب کے تحت ان سے جنگ کرے گا' جس کے نتیجے میں ابلیس ذلیل وخوار ہوگا''۔

چنانچہ اسی میثاق کے تحت اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰؐ کو مبعوث کیا اور انھیں مکہ میں ظاہر کیا۔ پھر وہاں سے انھیں مدینہ ہجرت کا حکم صادر فرمایا اور اپنے وعدہ کے تحت آنحضرتؐ پر کتاب نازل فرمائی اور قرآن کی سب سے طویل سورت کا آغاز حروفِ مقطعات "الٓمٓ" سے کیا اور فرمایا: ''الٓمٓ ۝ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ ''یعنی وہ کتاب جس کا میں نے انبیائے سابقین سے وعدہ کیا تھا۔ وہ یہی کتاب ہے اور اسے ہی میں محمدؐ پر نازل کر رہا ہوں۔ " لَا رَيْبَ فِيْهِ " اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں اور اسی کے متعلق میں نے انبیاء کو بتایا تھا کہ محمدؐ پر ایسی کتاب نازل کی جائے گی جسے باطل کبھی نہ مٹا سکے گا اور یہی وہ کتاب ہے جس کو اُمت محمدؐ ہر وقت پڑھے گی۔

یہودیوں نے حروفِ مقطعات کے متعلق اپنی من پسند تاویلات پیش کیں اور انھوں نے حروفِ مقطعات کی تاویل کے لیے علم الاعداد کا سہارا لیا اور اس ذریعہ سے انھوں نے اسلام اور مسلمانوں کی حکومت واقتدار کے عرصہ کو معین کرنا چاہا۔ چنانچہ یہودیوں کا ایک گروہ اسی مقصد کے لیے رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا۔ رسول اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ تم ان سے مباحثہ کرو۔

چنانچہ ایک یہودی نے حضرت علیؑ سے کہا:

اگر محمدؐ کی تعلیمات کو ہم مان بھی لیں تو بھی اس کی تعلیمات سے پتہ چلتا ہے کہ اس کی اُمت صرف اکہتر برس تک

اقتدار پر فائز رہے گی اور اس کے بعد اسلام اور حکومتِ اسلام ختم ہو جائے گی۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: تمھیں یہ بات کیسے معلوم ہوئی ہے؟

انھوں نے کہا: ہم نے یہ لفظ ''الٓمّٓ'' سے اخذ کی ہے کیونکہ ''الف'' کا عدد ایک ہے۔ ''لام'' کے عدد تیس ہیں اور ''میم'' کے اعداد چالیس ہیں اور یہ کل ملا کر اکہتر بنتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: پھر تم ''المص'' کے متعلق کیا کہو گے؟

انھوں نے کہا: اس کے کل اعداد ایک سو اکسٹھ بنتے ہیں۔ اس کا مفہوم یہ ہے کہ اُمت اسلامیہ کے اقتدار کی مدت ایک سو اکسٹھ برس ہوگی۔ اس کے بعد دین اسلام اور حکومتِ اسلام دنیا سے ختم ہو جائے گی۔

حضرت علیؑ نے فرمایا پھر تم ''الٓر'' کے متعلق کیا کہو گے؟

یہودیوں نے کہا: یہ تو دو سو اکتیس برس بنتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: پھر تم ''الٓمّٓر'' کے متعلق کیا کہو گے؟

یہودیوں نے کہا: یہ دو سو اکہتر برس بنتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: کیا صرف ایک ہی حرفِ مقطعات کو گنو گے یا سب کو گن کر جمع کرو گے؟

یہودیوں میں سے کچھ نے کہا کہ صرف ایک ہی حرفِ مقطعات پر فیصلہ کیا جائے گا' جب کہ کچھ نے کہا کہ نہیں تمام اعداد کو جمع کیا جائے گا اور ان سب کے مجموعہ کو اقتدارِ اُمت کی میعاد سمجھا جائے گا۔ اور ان سب کا مجموعہ سات سو چار سال بنتا ہے۔ اس کے بعد حکومت یہودیوں کے ہاتھ میں واپس آ جائے گی۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: یہ بات تم نے اپنی طرف سے بطور مفروضہ گھڑ لی ہے' یا خدا کی کسی کتاب سے تم نے یہ مفہوم اخذ کیا ہے؟

اس کے جواب میں کچھ یہودیوں نے کہا: ہم نے یہ بات اپنی فہم و فراست سے اخذ کی ہے جب کہ کچھ نے کہا کہ ہم نے خدائی کتاب سے یہ نکتہ حاصل کیا ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: اگر تم نے کسی خدائی کتاب سے یہ نکتہ حاصل کیا ہے تو پھر اس کتاب کو بطور ثبوت پیش کرو۔

حضرتؑ کے اس سوال کا ان سے کوئی جواب نہ بن آیا۔ پھر آپؑ نے دوسرے گروہ سے فرمایا کہ تم نے اپنی فہم و فراست سے جو نکتہ اخذ کیا ہے تمھارے پاس اس کی صحت کے لیے کیا دلیل ہے؟

انھوں نے کہا: یہ علم الاعداد کا کرشمہ ہے۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: تم نے اس سے آخر یہ کیوں سمجھ لیا کہ اس سے اُمت محمدؐ کی بقا اور اقتدار مراد ہے۔ اور اس کی بجائے یہ مفروضہ بھی تو قائم کیا جا سکتا ہے کہ اس تعداد کے مطابق تم میں سے ہر ایک پر خدا کی طرف سے لعنت کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ ہم نے تم سے اتنے دینار قرض لینے ہیں یا تم نے ہم سے اتنی ہی مقدار میں قرض لینا ہے۔

یہ سن کر یہودیوں نے کہا: ہم یہ تسلیم کر لیتے ہیں کہ ان حروفِ مقطعات سے اسلام کی بقا کی میعاد کا مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ جس طرح سے ہمارے پاس اپنے دعویٰ کی صداقت کی دلیل موجود نہیں ہے اسی طرح سے آپؑ کے پاس بھی آپؑ کے دعویٰ کی صداقت کی کوئی دلیل موجود نہیں ہے اور آپؑ صرف ہماری عاجزی کو ہی اپنی دلیل بنا رہے ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: ہم دونوں برابر نہیں ہیں۔ ہمارے پاس اپنے دعویٰ کی صداقت کے لیے واضح معجزہ موجود ہے۔

اس کے بعد آپؑ نے یہودیوں کے اونٹوں سے کہا کہ اُونٹو! تم محمدؐ اور اس کے وصی کے حق میں گواہی دو۔

اونٹوں نے کہا۔ وصیِ محمدؐ! آپؑ نے سچ کہا۔ آپؑ نے سچ کہا اور ان یہودیوں نے جھوٹ کہا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: تم نے یہ گواہی سنی ہے اب اور گواہی بھی سنو۔ پھر آپؑ نے فرمایا:

یہودیوں کے کپڑو! تم محمدؐ اور اس کے وصی کی صداقت کی گواہی دو۔

اس وقت ان کے کپڑوں سے یہ آواز بلند ہوئی کہ آپؑ سچ کہتے ہیں ہم گواہی دیتے ہیں کہ محمدؐ اللہ کے سچے رسول ہیں اور آپؑ ان کے سچے وصی ہیں۔ محمدؐ نے عظمت کی جس بھی سرزمین پر قدم رکھا ہے آپ نے بھی اس پر قدم رکھا ہے۔ آپ دونوں نورِ خدا کا پرتو ہیں۔ آپ دونوں باقی لوگوں سے ممتاز ہیں اور فضائل میں ایک دوسرے کے شریک ہیں البتہ محمدؐ کے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔

یہ گواہی سن کر یہودی حیران رہ گئے۔ کچھ دیکھنے والوں نے اسلام قبول کیا' جب کہ یہودیوں اور اس منظر کو دیکھنے والے بہت سے افراد پر بدنصیبی غالب رہی۔

اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''لَا رَیۡبَ فِیۡهِ'' یعنی جس طرح سے محمدؐ اور وصیِ محمدؐ نے اللہ کے متعلق خبر دی ہے اس میں کسی قسم کے شک کی گنجائش نہیں ہے۔ ''هُدًی'' یعنی بیان وشفا ہے۔ ''لِلۡمُتَّقِیۡنَ'' یعنی یہ شیعانِ محمدؐ کے لیے بیان وشفا ہے' کیونکہ انھوں نے کفر کی

مختلف اقسام سے پرہیز کا ثبوت دیتے ہوئے اس سے دُوری اختیار کی اور انھوں نے ہلاکت خیز گناہوں سے پرہیز کا ثبوت دیتے ہوئے انھیں ترک کیا اور انھوں نے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے اسرار کے متعلق پرہیز گاری کا ثبوت دیتے ہوئے نااہلوں سے انھیں چھپایا اور انھوں نے علومِ محمدؐ و آلِ محمدؐ کے لیے پرہیز گاری کا ثبوت دیتے ہوئے انھیں لوگوں میں عام کیا۔

٨- مجمع البیان میں مرقوم ہے: سورتوں کی ابتداء میں آنے والے حروفِ مقطعات کے متعلق علماء کا اختلاف ہے۔ کچھ علماء کہتے ہیں کہ یہ متشابہات ہیں، جن کی حقیقی تاویل خدا ہی جانتا ہے اور ہمارے آئمہ کرام سے بھی یہی بات روایت کی گئی ہے۔ علمائے عامہ نے امیرالمومنینؑ سے نقل کیا کہ آپؑ نے فرمایا

ہر کتاب کا ایک منتخب حصہ ہوتا ہے اور اس کتاب کا منتخب حصہ حروفِ تہجی ہیں۔

٩- ابواسحاق ثعلبی نے اپنی تفسیر میں امام علی بن موسیٰ الرضا علیہ السلام سے یہ روایت نقل کی کہ انھوں نے کہا کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''الٓمٓ'' کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

حرف ''الف'' میں خدا کی چھ صفات پائی جاتی ہیں (یعنی حرف الف خدا کی چھ صفتوں کا مظہر ہے):

١- خدا کی ایک صفت ابتداء ہے۔ اللہ نے ہی تمام مخلوق کے پیدا کرنے کی ابتدا کی۔ اور ''الف'' سے بھی حروف کی ابتدا ہوتی ہے۔

٢- خدا عادل ہے وہ ٹیڑھا نہیں ہے اور ''الف'' بھی سیدھا ہوتا ہے ٹیڑھا نہیں ہوتا۔

٣- اللہ تنہا ہے اور الف بھی تنہا ہوتا ہے۔

٤- مخلوق خدا سے اتصال کرتی ہے جب کہ اللہ مخلوق سے متصل نہیں ہوتا۔ تمام حروف ''الف'' سے اتصال پیدا کرتے ہیں، جب کہ ''الف'' کسی سے متصل نہیں ہوتا۔

٥- اللہ تمام صفات میں اپنی خلق سے جدا ہے۔ ''الف'' بھی اپنے اوصاف کے اعتبار سے باقی حروف سے جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔

٦- اللہ نے مخلوق میں الفت پیدا کی، یعنی انھیں یکجا کیا، اسی طرح سے ''الف'' نے بھی دوسرے حروف کو یکجا کر رکھا ہے۔

١٠- تفسیر علی بن ابراہیم میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:

علیؑ وہ کتاب ہیں جس میں شک نہیں۔ ''اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ'' جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں، یعنی جو بعث، نشور

اور وعدہ وعید کی تصدیق کرتے ہیں۔

۱۱- کتاب ''کمال الدین وتمام النعمۃ'' میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ آپؑ نے ''اَلَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ'' کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

اس سے وہ لوگ مراد ہیں جو قائم آل محمدؑ کے قیام کو حق سمجھتے ہیں۔

۱۲-اسی اسناد سے یحییٰ بن ابی القاسم سے مروی ہے کہ میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''الٓمّٓ ۚ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ ۛ فِيْهِ ۛ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ۙ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ'' کی تفسیر دریافت کی تو آپؑ نے فرمایا:

متقین، علی علیہ السلام کے شیعہ ہیں اور غیب سے مراد حضرت حجت الغائبؑ ہیں اور اس کی دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَيَقُوْلُوْنَ لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ ۝ (یونس ۲۰)

اور وہ کہتے ہیں کہ اس پر اس کے پروردگار کی طرف سے ''آیت'' (نشانی) کیوں نہیں اتاری گئی۔ آپ کہہ دیجیے کہ غیب اللہ کے لیے ہے پس تم انتظار کرو اور میں بھی تمہارے ساتھ انتظار کرنے والوں میں سے ہوں''۔

اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ ''آیت'' غیب ہے اور غیب سے مراد حجت ہے اور اس کی تصدیق قرآن حکیم کی اس آیت سے ہوتی ہے:

''وَجَعَلْنَا ابْنَ مَرْيَمَ وَاُمَّهٗۤ اٰيَةً''۔ ۔ ۔ ''ہم نے فرزند مریمؑ اور اس کی والدہ کو آیت بنایا'' یعنی حجت بنایا۔

۱۳- مجمع البیان میں مرقوم ہے: ''يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ'' کے متعلق کہا گیا کہ غیب سے مراد وہ تمام اشیاء ہیں جن کا علم بندوں سے غائب ہے۔ چنانچہ ابن مسعود اور صحابہ کی ایک جماعت سے یہی مفہوم منقول ہے اور یہی مفہوم زیادہ مناسب ہے۔ ہمارے اصحاب نے اس سے غیبتِ مہدیؑ اور ان کے وقت ظہور کو جو مراد لیا ہے وہ بھی اسی غیب کی ایک کڑی ہے۔ غیب کے مفہوم کو صرف امامِ غائبؑ تک مخصوص کرنا صحیح نہیں ہے۔ ''وَمِمَّا رَزَقْنٰهُمْ يُنْفِقُوْنَ ۝'' اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے وہ اس میں سے خرچ کرتے ہیں۔ انفاق کی ایک تعبیر وہ بھی ہے جسے محمد بن مسلم نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا۔ آپؑ نے فرمایا: اس کا ایک معنی یہ بھی کہ ہم نے انھیں جو علم عطا کیا ہے وہ اسے پھیلاتے ہیں۔

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝ خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ؕ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۡ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے آپ انھیں ڈرائیں یا نہ ڈرائیں ان کے لیے برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے۔ اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے لیے عذابِ عظیم ہے''۔

۱۴- اصول کافی میں ابی عمرو زبیری سے مروی ہے کہ میں نے حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ آپؑ مجھے کتاب اللہ کی روشنی میں کفر کی اقسام بتائیں؟

آپؑ نے فرمایا:

''کتاب اللہ میں پانچ قسم کا کفر مذکور ہے۔ ایک کفر جحود ہے یعنی وہ کفر جس کی بنیاد انکار پر قائم ہو اور اس ''کفر جحود'' کی دو قسمیں ہیں اور اس کفر کے پہلے درجہ پر ربوبیت کا انکار شامل ہے اور جو لوگ رب' جنت اور دوزخ کے منکر ہیں وہ سب اس میں شامل ہیں اور زنادقہ کی دو اقسام کا بھی یہی خیال تھا جنہیں ''دہریہ'' کہا جاتا تھا اور ان کے نظریہ کی ترجمانی خدا نے قرآن میں ان الفاظ سے کی ہے: ''وَمَا يُهْلِكُنَآ اِلَّا الدَّهْرُ'' (ہمیں تو صرف زمانہ ہی ہلاک کرتا ہے)۔ ان لوگوں نے کسی تحقیق کے بغیر اپنے لیے یہ نظریہ قائم کر لیا تھا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ (جاثیہ: ۲۴) ''یہ لوگ صرف ظن وتخمین سے ہی کام لیتے رہے ہیں''۔

اور ایسے ہی ''کفر جحود'' میں مبتلا افراد کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ۝

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔

اس آیت میں ان کافروں کا ذکر کیا گیا ہے' جنہوں نے خدا کی توحید کا انکار کیا ہے۔ یہ کفر کی ایک قسم ہے۔

واضح رہے کہ حدیث طویل ہے' ہم نے بقدر ضرورت یہاں اس کا صرف ایک حصّہ نقل کیا ہے۔

۱۵- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''کتاب خدا میں کفر کی پانچ اقسام بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک قسم کا نام ''کفر جحود'' ہے' یعنی وہ کفر جس کی بنیاد انکار پر قائم ہو۔ پھر اس کی دو قسمیں ہیں: (۱) علم کے ساتھ انکار کرنا۔ (۲) علم کے بغیر انکار کرنا۔ اور علم کے بغیر انکار کرنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں فرمایا:

وَقَالُوْا مَا هِيَ اِلَّا حَيَاتُنَا الدُّنْيَا نَمُوْتُ وَنَحْيَا وَمَا يُهْلِكُنَا اِلَّا الدَّهْرُ وَمَا لَهُمْ بِذٰلِكَ مِنْ عِلْمٍ اِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ○ (الجاثیہ: ۲۴)

''اور وہ کہتے ہیں کہ یہ تو صرف دنیاوی زندگی ہے' ہم اسی میں مرتے ہیں اور اسی میں جیتے ہیں اور زمانہ ہی ہم کو ہلاک کر دیتا ہے' انھیں اس بات کا کوئی علم نہیں ہے یہ تو بس ان کے گمان اور خیالات ہی ہیں''۔

اور کفر جحود رکھنے والوں کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَوَآءٌ عَلَيْهِمْ ءَاَنْذَرْتَهُمْ اَمْ لَمْ تُنْذِرْهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○

''بے شک جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے لیے آپ کا ڈرانا یا نہ ڈرانا برابر ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے''۔

یہ کفر جحود رکھنے والے کافر تھے۔

واضح رہے کہ حدیث طویل ہے' ہم نے بقدر ضرورت یہاں صرف اس کا ایک حصّہ نقل کیا ہے۔

۱۶- عیون الاخبار میں ابراہیم بن ابی محمود سے روایت ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے ''خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ'' کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''ختم'' سے کافروں کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگانا مراد ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

بَلْ طَبَعَ اللّٰهُ عَلَيْهَا بِكُفْرِهِمْ فَلَا يُؤْمِنُوْنَ اِلَّا قَلِيْلًا ○ (النساء۴:۱۵۵)

''بلکہ خدا نے ان کے کفر کی وجہ سے ان کے دلوں پر مہر لگائی ہے' چند قلیل افراد کے علاوہ وہ ایمان

نہیں لائیں گے"۔

(مقصد یہ ہے کہ اللہ کسی کو بھی جبراً ایمان سے محروم نہیں کرتا' اگر کسی کے دل پر مہر لگتی ہے تو اس میں خدا کا کوئی قصور نہیں ہوتا' بلکہ وہ شخص اپنے اعمال وافعال کی وجہ سے اپنے دل کو نورِ ایمان سے خالی کر دیتا ہے اور پھر اس کا دل اتنا تاریک ہو جاتا ہے کہ اس میں نور کی کرنوں کا گزر نہیں ہوتا۔ اس عمل کو (ختم) مہر اور پردے سے تعبیر کیا گیا ہے۔ اس مفہوم کی مزید وضاحت حسب ذیل حدیث میں کی گئی ہے۔ من المترجم)

۱۷- احتجاج طبرسی میں حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے: آپؑ نے خَتَمَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَعَلٰى سَمْعِهِمْ ۚ وَعَلٰٓى اَبْصَارِهِمْ غِشَاوَةٌ ۚ وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ (اللہ نے ان کے دلوں اور کانوں پر مہر لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں اور ان کے لیے عذابِ عظیم ہے) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر ایک نشانی لگا دی ہے جب ملائکہ اس نشانی کو دیکھتے ہیں تو انھیں معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ لوگ ایمان لانے والے نہیں ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی نشانی ان کے کانوں پر بھی لگا دی ہے اور ان کی آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ یہ مہر اور پردے بھی خود ان کے اپنے پیدا کردہ ہیں' کیونکہ انھوں نے دین کے ان حقائق سے منہ موڑا ہے جن کے لیے انھیں حکم دیا گیا تھا اور جس چیز کا ان سے مطالبہ کیا گیا تھا اس میں انھوں نے تقصیر کی اور ایمان کے تقاضوں سے انھوں نے تغافل کیا تو ان کی حالت اس شخص کی سی ہوگئی جس کی آنکھوں پر پردہ پڑا ہوا ہو اور وہ کچھ نہ دیکھ سکتا ہو۔ اللہ تعالیٰ عبث وفساد سے بلند وبالا ہے اور اللہ کی شان اس سے کہیں بلند ہے کہ پہلے تو بندوں کو جبراً کسی چیز سے روک دے' پھر بندوں سے اس پر عمل کا مطالبہ کرنے لگ جائے۔

پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَّلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ۝ "اُن کے لیے عذابِ عظیم ہے"۔

یعنی آخرت میں ان کے لیے وہ عذاب تیار ہے جسے کفار کی سزا کے لیے مقرر کیا گیا ہے۔ بعض اوقات اللہ تعالیٰ دنیا میں بھی کافروں پر عذاب نازل کرتا ہے اور اس عذاب کے دو مقصد ہوتے ہیں:

۱- بعض اوقات عذاب اس لیے نازل کیا جاتا ہے کہ وہ اس کی وجہ سے اپنی اصلاح کر لیں۔

۲- بعض اوقات ان کی بدکاریوں کی وجہ سے انھیں صفحۂ ہستی سے مٹانے کی غرض سے عذاب نازل کیا جاتا ہے' تاکہ کفار کے وجود سے زمین کو پاک کیا جائے اور انھیں اپنی عدل وحکمت کے سامنے لایا جائے۔

حضرت امام حسن عسکری علیہ السلام نے حضرت امام جعفر صادق سے بھی اسی مفہوم کو نقل کیا ہے جسے ہم خوفِ طوالت

سے نقل کرنے سے قاصر ہیں۔

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝۸ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝۹ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ ۙ فَزَادَهُمُ اللّٰهُ مَرَضًا ۚ وَلَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۢ ۙ بِمَا كَانُوْا يَكْذِبُوْنَ ۝۱۰ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ لَا تُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ ۙ قَالُوْٓا اِنَّمَا نَحْنُ مُصْلِحُوْنَ ۝۱۱ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ الْمُفْسِدُوْنَ وَلٰكِنْ لَّا يَشْعُرُوْنَ ۝۱۲ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَاۗءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَاۗءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ ۝۱۳ وَاِذَا لَقُوا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْٓا اٰمَنَّا ښ وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مَعَكُمْ ۙ اِنَّمَا نَحْنُ مُسْتَهْزِءُوْنَ ۝۱۴ اَللّٰهُ يَسْتَهْزِئُ بِهِمْ وَيَمُدُّهُمْ فِيْ طُغْيَانِهِمْ يَعْمَهُوْنَ ۝۱۵ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الضَّلٰلَةَ بِالْهُدٰى ۠ فَمَا رَبِحَتْ تِّجَارَتُهُمْ وَمَا كَانُوْا مُهْتَدِيْنَ ۝۱۶

''اور کچھ ایسے لوگ بھی ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم خدا اور روزِ آخرت پر ایمان لاتے ہیں حالانکہ وہ مومن نہیں ہیں۔ یہ لوگ اللہ اور اہلِ ایمان کو دھوکا دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ صرف اپنے آپ کو ہی دھوکا دے رہے ہیں اور وہ سمجھتے نہیں ہیں۔ ان کے دلوں میں بیماری ہے۔ اللہ نے ان کی بیماری کو اور زیادہ کر دیا ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے کیونکہ وہ جھوٹ بولتے ہیں' اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ زمین میں فساد برپا نہ کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو صرف اصلاح کرنے والے لوگ ہیں۔ خبردار یہی لوگ ہی فسادی ہیں لیکن انھیں شعور نہیں ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم اسی طرح سے ایمان لاؤ جیسا کہ اور لوگ ایمان لائے ہیں تو وہ کہتے ہیں کیا ہم بے وقوفوں کی طرح سے ایمان لائیں۔ آگاہ رہو یہی لوگ ہی بے وقوف ہیں لیکن انھیں علم نہیں ہے۔ اور جب یہ لوگ اہل ایمان سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم ایمان لا چکے ہیں اور اپنے شیاطین کے ساتھ خلوت میں جاتے ہیں تو ان سے کہتے ہیں کہ ہم تمھارے ساتھ ہیں ہم تو صرف مذاق اڑانے والے ہیں۔ اللہ ان کا مذاق اڑائے گا اور انھیں سرکشی میں ڈھیل دے رہا ہے جو انھیں نظر نہیں آ رہی۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے ہدایت کے بدلے میں گمراہی خرید کی ہے ان کو ان کی تجارت نے کوئی فائدہ نہ دیا اور وہ ہدایت حاصل کرنے والے نہ بنے''۔

۱۸- اصولِ کافی میں ابی بصیر سے منقول ہے کہ حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا۔
حکم بن عتیبہ ان لوگوں میں سے ہے جن کے متعلق اللہ تعالی نے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ۝ کی آیت نازل فرمائی ہے۔ ''حکم'' مشرق و مغرب میں جہاں چاہے چلا جائے' لیکن اسے علم صرف اس گھرانے کے ہی افراد سے ملے گا جہاں جبریلؑ نازل ہوا کرتے تھے۔
واضح رہے کہ حکم بن عتیبہ کوفی الکندی عامہ کے فقہاء میں سے تھا۔ اس کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس کا تعلق

زیدیوں کے بتری فرقہ سے تھا۔ ابن فضال کا بیان ہے کہ حکم فقہائے عامہ میں سے تھا اور زرارہ، حمران اور طیار جب تک عامی تھے وہ ان کا استاد تھا۔ ایک قول یہ ہے کہ حکم مرجئی تھا اور ۱۱۵ھ کے لگ بھگ اس کی وفات ہوئی۔ اس کی مذمت میں بہت سی روایات وارد ہیں۔ مزید تفصیل کے لیے تنقیح المقال مامقانی کا مطالعہ فرمائیں۔ (من المحشی)

۱۹- کتاب الخصال میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:

''نفاق چار ستونوں پر قائم ہے: ۱- خواہشِ نفس ۲- سُست انگاری ۳- کینہ توزی ۴- طمع کاری

خواہش نفس کی چار شاخیں ہیں: ۱- ستم گاری ۲- دست اندازی ۳- شہوت رانی ۴- سرکشی۔ جس نے ستم گاری اختیار کی اس کی پریشانیاں اور پشیمانیاں بڑھ جائیں گی اور جو کوئی دست اندازی کرے گا اس کی غلطیوں سے کوئی محفوظ نہیں ہوگا اور اس کے دل کو قرار میسر نہیں آئے گا۔

اور جس نے اپنے آپ کو شہوت رانی سے نہ روکا تو وہ ناپسندیدہ امور میں گھس جائے گا اور جس نے سرکشی کی تو اس سے یقین رخصت ہو جائے گا اور اس کے پاس کوئی دلیل باقی نہیں رہے گی۔

سُستی، دھوکا دہی، تاخیر اور آرزوئیں قائم کرنا سُست انگاری کی شاخیں ہیں۔ کیونکہ سُستی دین حق سے روک دیتی ہے اور عمل میں تاخیر عمل سے محروم کر دیتی ہے اور موت تک پہنچا دیتی ہے اور اگر آرزوؤں کا پھیلاؤ نہ ہوتا تو انسان کو اپنی حقیقت اور حیثیت کا علم ہو جاتا اور اگر اسے اپنی حیثیت کا علم ہو جاتا تو خوف و گھبراہٹ سے مر جاتا۔

تکبر، فخر، طرفداری اور بے جا تعصب کینہ توزی کی شاخیں ہیں۔ جس نے تکبر کیا وہ تنزلی میں گرا اور جس نے فخر کیا نابکار ہوا اور جس نے خواہ مخواہ کی طرفداری کی اس نے گناہوں پر اصرار کیا اور جس نے بے جا تعصب سے کام لیا وہ ظالم بنا اور وہ معاملہ انتہائی خراب ہے جو تکبر، تنزل، نابکاری اور ظلم کے درمیان ہو۔

ضرورت سے زیادہ خوشی، اکڑپن، کثرت طلبی اور لیچڑپن طمع کی شاخیں ہیں۔ ضرورت سے زیادہ خوشی خدا کو ناپسند ہے۔ اکڑپن تکبر ہے اور لیچڑپن گناہوں کے جال میں پھنسنے والے کے لیے مصیبت ہے اور کثرت طلبی بے کار کام ہے اور یہ اچھائی کو برائی میں تبدیل کرنے کا دوسرا نام ہے۔ چنانچہ یہ نفاق کے ستون اور اس کی شاخیں ہیں۔

۲۰- کتاب ثواب الاعمال میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے کہ آپ سے پوچھا گیا کہ کل کی نجات کس چیز میں مضمر ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: نجات اس میں ہے کہ تم خدا کو دھوکا دینے کی کوشش نہ کرو، ورنہ وہ تمھیں دھوکا دے گا، اور جسے

خدا دھوکا دے تو اس سے ایمان سلب کر لیتا ہے' اگر چہ ایک شعر کے ذریعہ سے ہی کیوں نہ ہو۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ کوئی انسان خدا کو دھوکا کس طرح سے دے سکتا ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اس کی صورت یہ ہے کہ کوئی شخص خدا کے فرمان پر عمل کرے اور اس کا ارادہ غیر اللہ کی رضا حاصل کرنے کا ہو۔ اللہ سے ڈرو اور ریا کاری سے پرہیز کرو' کیونکہ ریا خدا کے ساتھ شرک ہے۔

۲۱- مصباح الشریعہ میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم اپنے باطن کی کسی بھی کیفیت کو خدا سے نہیں چھپا سکتے اور تم اسے دھوکا نہیں دے سکتے۔ اللہ کسی کے دھوکے میں نہیں آتا' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۚ وَمَا يَخْدَعُوْنَ اِلَّآ اَنْفُسَهُمْ وَمَا يَشْعُرُوْنَ ۝

''منافقین اللہ اور اہلِ ایمان کو دھوکا دینا چاہتے ہیں حالانکہ وہ اپنے آپ کو ہی دھوکا دے رہے ہیں لیکن انھیں اس بات کا شعور نہیں ہے''۔

۲۲- تفسیر مجمع البیان میں وَاِذَا خَلَوْا اِلٰى شَيٰطِيْنِهِمْ (جب وہ اپنے شیاطین کے ساتھ خلوت میں جاتے ہیں) کے متعلق امام محمد باقر علیہ السلام کا فرمان منقول ہے' آپ نے فرمایا

''اس سے مراد ان کے کاہن ہیں۔ وہ جا کر ان سے کہتے ہیں کہ ہم تو تمھارے ہی ساتھ ہیں اور ہم تو ''اٰمَنَّا'' کہہ کر اصحاب محمدؐ سے مذاق کرتے ہیں۔

۲۳- عیون الاخبار میں علی بن فضال کے والد سے منقول ہے اس نے کہا کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے صفات خداوندی کے متعلق پوچھا۔ آپؑ نے جواب کے دوران فرمایا:

''اللہ نہ تو کسی کا ٹھٹھہ اڑاتا ہے اور نہ مذاق کرتا ہے اور نہ مکر کرتا ہے اور نہ ہی وہ کسی کو دھوکا دیتا ہے۔ البتہ اللہ ان اعمال کا بدلہ ضرور دیتا ہے۔ اللہ کی شان اس سے کہیں بلند و بالا ہے جو ظالم بیان کرتے ہیں''۔

۲۴- احتجاج طبرسی میں امیر المومنین علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ اس حدیث میں آپؑ نے یہ الفاظ بھی فرمائے:

''اگر ملعون منافقوں کو ان آیات کی تاویل کا علم ہو جاتا جو میں نے تیرے سامنے بیان کی ہیں تو وہ ان آیات کو قرآن میں شامل ہی نہ ہونے دیتے۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی حجت کو قائم رکھنا تھا اور حجت بالغہ خدا کی طرف سے ہی ہے'

اس لیے اللہ نے ان کی آنکھوں پر پردے ڈال دیئے اور ان کے دلوں پر حجاب پڑ گئے۔ انھوں نے ان آیات کو ان کے حال پر چھوڑ دیا۔ لہٰذا خوش نصیب افراد ان آیات سے تنبیہ حاصل کرتے رہیں گے اور بدنصیب ان سے اندھے ہی رہیں گے۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا ۚ فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ﴿١٧﴾ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ﴿١٨﴾ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ ۚ وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ﴿١٩﴾ يَكَادُ الْبَرْقُ يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ ۖ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿٢٠﴾

''ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ روشن کی جب ہر طرف روشنی پھیل گئی تو اللہ نے ان کی روشنی کو سلب کر لیا اور انھیں اندھیروں میں چھوڑ دیا جہاں انھیں کچھ سجھائی نہیں دیتا۔ یہ بہرے، گونگے اور اندھے ہیں۔ وہ پلٹ کر نہیں آئیں گے۔ یا ان کی مثال آسمان سے اترنے والی اس بارش کی سی ہے جس میں تاریکیاں اور گرج اور چمک ہو۔ بجلیوں کی کڑک سے انھیں موت کا خطرہ محسوس ہو اور وہ اس کی وجہ

سے اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھونس رہے ہوں۔ اور اللہ کافروں کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔قریب ہے کہ بجلی کی چمک ان کی آنکھوں کو اُچک لے۔ جب چمک ہوتی ہے تو وہ چل پڑتے ہیں اور جب اندھیرا ہو تو رُک جاتے ہیں اور اگر خدا چاہے تو ان کے کانوں اور آنکھوں کو ختم بھی کر سکتا ہے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے''۔

۲۵- روضہ کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فرمایا:

قُلْ لَّوْ اَنَّ عِنْدِیْ مَا تَسْتَعْجِلُوْنَ بِهٖ لَقُضِیَ الْاَمْرُ بَیْنِیْ وَبَیْنَكُمْ وَاللّٰهُ اَعْلَمُ بِالظّٰلِمِیْنَ○ (الانعام:۵۸)

''کہہ دیجیے اگر میرے پاس وہ چیز ہوتی جس کی تمھیں جلدی ہے تو اب تک ہمارے اور تمھارے درمیان فیصلہ ہو گیا ہوتا اور اللہ ظلم کرنے والوں کو اچھی طرح سے جانتا ہے''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس آیت کے بعد منافقین سے فرمایا

''اگر مجھے حکم ہوتا تو میں تمھیں تمھارے سینوں میں چھپی ہوئی خواہش کے متعلق بتا کر تم کس طرح سے میری جلدی موت کی تمنا کر رہے ہو۔ تم چاہتے ہو کہ مجھ پر جلد موت آ جائے اور تم میرے بعد میرے اہل بیتؑ پر ظلم کر سکو اور پھر تمھاری مثال اس شخص کی سی ہو جس نے آگ روشن کی اور جب اردگرد کا ماحول روشن ہو جائے تو خدا ان کا نور ان سے سلب کر لے''۔

یعنی جب زمین محمدؐ کے نور سے یوں چمک اٹھی ہو جیسا کہ سورج کی روشنی سے زمین چمکنے لگتی ہے۔ اللہ نے مجھے سورج سے تشبیہ دی ہے اور میرے وصی کو چاند سے تشبیہ دی ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ الشَّمْسَ ضِیَآءً وَّالْقَمَرَ نُوْرًا (یونس:۵)

''وہی تو ہے جس نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بنایا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الَّیْلُ نَسْلَخُ مِنْهُ النَّهَارَ فَاِذَا هُمْ مُّظْلِمُوْنَ - (یٰس:۳۷)

''اوران کے لیے ایک نشانی رات ہے جس سے ہم دن کو کھینچ لیتے ہیں اور وہ لوگ اندھیرے میں چلے جاتے ہیں''۔

چنانچہ دنیا سے میرے رخصت ہونے کے ساتھ تاریکی پھیل جائے گی اور لوگوں کو میری اہل بیتؑ کی فضیلت دکھائی نہیں دے گی اور یوں ذَهَبَ اللّٰهُ بِنُوْرِهِمْ وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ (خدا ان کی روشنی کو سلب کرے اور انھیں اندھیروں کے سپرد کردے جس میں انھیں کچھ بھی دکھائی نہ دے) کا منظر قائم ہوجائے گا۔

واضح رہے کہ یہ روایت کافی لمبی ہے۔ہم نے یہاں بقدر ضرورت اس کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔

۲۶- عیون الاخبار میں ابراہیم بن ابی محمود سے مروی ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے وَتَرَكَهُمْ فِيْ ظُلُمٰتٍ لَّا يُبْصِرُوْنَ کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''اللہ کے لیے لفظ ''ترک'' اس مفہوم میں استعمال نہیں ہوتا جس مفہوم میں اس لفظ کو مخلوق کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ خدا کی طرف سے ''ترک'' کا مفہوم یہ ہے کہ جب خدا دیکھتا ہے کہ لوگ کفر و ضلالت سے باز نہیں آرہے تو ان سے اپنا لطف و کرم روک لیتا ہے اور انھیں ان کے حال پر چھوڑ دیتا ہے''۔

۲۷- روضہ کافی میں جابر بیان کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے اصحاب کے نام ایک طویل مراسلہ بھیجا جس میں آپؑ نے بہت سی نصیحتوں کے علاوہ یہ نصیحت بھی کی۔

اپنی زبانوں کو جھوٹ' بہتان' گناہ اور سرکشی کی باتوں سے بچاؤ' کیونکہ اللہ تعالیٰ کو یہ باتیں ناپسند ہیں اور اللہ ان باتوں سے منع کرتا ہے اور زبان کی آزادی انسان کی ہلاکت اور خدا کی ناراضگی کا سبب ہے۔ ایسے افراد بہرے' گونگے اور اندھے ہیں اور قیامت کے دن یہ لوگ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ کا عملی نمونہ ہوں گے۔ وہ بول نہ سکیں گے اور انھیں بولنے کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ وہ اپنے لیے کوئی عذر پیش کرسکیں۔

۲۸- مجمع البیان میں مرقوم ہے: کہا جاتا ہے کہ ''رعد'' ایک تسبیح خواں فرشتے کا نام ہے اور ہمارے ائمہ سے بھی یہی منقول ہے۔

۲۹- من لایحضرہ الفقیہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا: ''رعد'' (بادل کی کڑک) ایک فرشتہ کی آواز ہے اور ''برق'' (بادل کی چمک) اس کا لپکتا ہوا کوڑا ہے۔

۳۰- ایک روایت میں مذکور ہے کہ ''رعد'' ایک فرشتہ ہے جو جسامت میں مکھی سے بڑا اور بھڑ سے چھوٹا ہے۔

۳۱- ابو بصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ''رعد'' کیا کہتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ''جس طرح سے کوئی شخص اونٹوں کے گلے کو ہائے ہائے کہہ کر چلاتا ہے اسی طرح سے فرشتہ بھی کڑک پیدا کر کے بادلوں کو چلاتا ہے''۔

ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: میں آپؑ پر قربان جاؤں، ''برق'' کیا چیز ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ''یہ ملائکہ کے ایک طرح کے کوڑے ہیں جس سے بادل کو وہاں لے جاتے ہیں جہاں خدا بارش کا حکم دیتا ہے''۔

قدرت خدا

اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ ○

''بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھنے والا ہے''۔

۳۲- کتاب التوحید میں امام علی نقی علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ اس میں باقی باتوں کے علاوہ آپؑ نے یہ بھی فرمایا:

''جب تم اِنَّ اللّٰہَ عَلٰی کُلِّ شَیۡءٍ قَدِیۡرٌ کہتے ہو تو تم اس بات کی خبر دیتے ہو کہ اللہ کو کوئی چیز عاجز نہیں کر سکتی۔ ان الفاظ کے ذریعے سے تم خدا سے عاجزی کی نفی کرتے ہو اور غیر اللہ کو عاجز ثابت کرتے ہو۔

۳۳- اسی اسناد سے ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا' آپؑ فرمایا کرتے تھے:

''ہمارا رب اس وقت بھی عالم تھا جب ''معلوم'' چیز ہی وجود میں نہیں آئی تھی اور وہ اس وقت بھی ''سمیع'' (سننے والا) تھا جب سنی جانے والی کوئی آواز پیدا نہیں ہوئی تھی۔ اور وہ اس وقت بھی ''بصیر'' (دیکھنے والا) تھا جب دکھائی دینے والی کوئی چیز ابھی خلق ہی نہیں ہوئی تھی اور وہ اس وقت بھی ''قدیر'' (صاحبِ قدرت) تھا جب کہ کوئی زیرِ قدرت چیز منصہ شہود پر نہیں آئی تھی۔ اور جب اس نے اشیاء کو پیدا کیا تو جو چیز ''معلوم'' تھی خدا کا علم اس پر واقع ہوا اور جو چیز ''مسموع'' تھی خدا کی سماعت اس پر واقع ہوئی اور جو چیز مُبصَر (قابل رویت) تھی خدا کی بصارت اس پر پڑی اور جو چیز ''مقدور'' (زیرِ قدرت) تھی خدا کی قدرت اس پر پڑی۔

اشیاء کی خلقت سے قبل علم' سمع' بصر اور قدرت اس کی عین ذات تھیں۔

۴۴۔ کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ مشہور دہریہ عبداللہ دیصانی امام جعفر صادق علیہ السلام کے شاگرد ہشام بن الحکم کے پاس آیا اور اس نے ان سے کہا: کیا تم رب کے قائل ہو؟

ہشام نے کہا: جی ہاں میں رب پر ایمان رکھتا ہوں۔

دیصانی نے کہا: کیا تمھارا رب قادر بھی ہے؟

ہشام نے کہا: جی ہاں ہمارا رب قادر اور غالب ہے۔

دیصانی نے کہا: کیا تمھارے رب کے پاس یہ قدرت موجود ہے کہ وہ پوری دنیا کو ایک انڈے میں اس طرح سے بند کرے کہ نہ تو دنیا کا حجم چھوٹا ہو اور نہ ہی انڈے کی ضخامت میں فرق پڑے؟

ہشام نے کہا: اس سوال کے جواب کے لیے مجھے مہلت دو۔

دیصانی نے کہا: میری طرف سے تمھیں پورے سال تک مہلت ہے۔

یہ سوال کر کے وہ چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد ہشام نے سفر کیا اور امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے دربان سے داخلہ کی اجازت لی۔ جب اسے اجازت ملی تو اس نے امام علیہ السلام سے کہا:

فرزند رسولؐ! عبداللہ دیصانی نے مجھ کو ایک ایسی مشکل میں پھنسا دیا ہے جس سے صرف خدا اور آپؑ ہی مجھے نجات دلا سکتے ہیں۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے پوچھا کہ اس نے تجھ سے کیا پوچھا تھا؟

ہشام نے کہا کہ اس نے مجھ سے پوچھا کہ کیا خدا کے پاس اس بات کی قدرت ہے کہ پورے جہان کو ایک انڈے میں اس طرح سے بند کرے کہ نہ تو جہان سمٹے اور نہ ہی انڈا بڑا ہو؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ہشام! تمھارے حواس کتنے ہیں؟

ہشام نے کہا: مولا! پانچ ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ان سب میں سے چھوٹا حاسہ کون ہے؟

ہشام نے کہا: مولا! آنکھ سب سے چھوٹی ہے۔

آپؑ نے فرمایا: اس آنکھ میں نگاہ کتنی بڑی ہوتی ہے؟

ہشام نے کہا. مسور کے دانے کے برابر یا اس سے بھی حجم میں کچھ کم ہوتی ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا. اب ذرا نظر اٹھا کر اپنے آگے پیچھے اور اوپر دیکھو اور دیکھ کر بتاؤ کہ تم نے اس سے کیا کچھ دیکھا ہے؟

ہشام نے کہا: مولاؑ! مجھے اس سے زمین' آسمان' مکانات و محلات' پہاڑ اور دریا دکھائی دیتے ہیں۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: جو ذات اتنے بڑے اجسام کو ایک ننھے سے عدسہ نگاہ میں داخل کر سکتی ہے اگر وہ چاہے تو پوری کائنات کو ایک انڈے میں اس طرح سے داخل کر سکتی کہ نہ تو کائنات چھوٹی ہو اور نہ ہی انڈا بڑا ہو۔

جب ہشام نے امام علیہ السلام کا یہ جواب سنا تو اس نے جھک کر آپؑ کے سر' ہاتھ اور پاؤں کا بوسہ لیا اور کہا: فرزندِ رسولؐ! اب مجھے جواب مل گیا ہے۔

۳۵- کتاب التوحید میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ ابلیس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ آپ کا رب زمین کو ایک انڈے میں اس طرح سے داخل کر سکتا ہے کہ نہ تو زمین چھوٹی ہو اور نہ ہی انڈہ بڑا ہو؟

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

تجھ پر افسوس! اللہ کو عاجزی کی صفت سے موصوف نہیں کیا جا سکتا اور اس سے بڑھ کر اور زیادہ قدرت کس کے پاس ہے کہ وہ زمین کو لطیف بنا دے اور انڈے کو بڑا کر دے۔

۳۶- امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ کیا آپ کا رب دنیا کو ایک انڈے میں اس طرح سے داخل کر سکتا ہے کہ نہ تو زمین چھوٹی ہو اور نہ ہی انڈے کا حجم بڑھے؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا. اللہ کو عاجزی کی صفت سے منسوب نہیں کیا جا سکتا' اور جو کچھ تو نے پوچھا ہے ایسا کبھی نہیں ہوگا۔

۳۷- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک شخص حضرت علی علیہ السلام کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا کہ کیا اللہ اس بات پر قادر ہے کہ زمین کو ایک انڈے میں اس طرح سے داخل کر دے کہ نہ تو زمین چھوٹی ہو اور نہ ہی انڈا بڑا ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: تجھ پر افسوس! اللہ کو عاجز نہیں کیا جا سکتا اور اس سے بڑھ کر کس کے پاس یہ قوت

ہے کہ زمین کو نرم کر دے اور انڈے کو بڑا کر دے۔

۳۸- ایک شخص نے بعینہٖ یہی مسئلہ امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا تو آپؑ نے فرمایا:

جی ہاں خدا اس پر قادر ہے بلکہ اگر چاہے تو دنیا و مافیہا کو انڈے سے بھی چھوٹی چیز میں داخل کر سکتا ہے۔ اللہ نے یہ دنیا تیری آنکھوں میں رکھی ہے جب کہ وہ تو انڈے سے کہیں چھوٹی ہیں۔ جب تو آنکھیں کھولتا ہے تو تجھے زمین و آسمان دکھائی دینے لگ جاتے ہیں اور اگر وہ چاہتا تو تمھیں ان سے اندھا بھی بنا سکتا تھا۔

يَاَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ وَالَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿٢١﴾ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً ۠ وَّاَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَخْرَجَ بِهٖ مِنَ الثَّمَرٰتِ رِزْقًا لَّكُمْ ۚ فَلَا تَجْعَلُوْا لِلّٰهِ اَنْدَادًا وَّاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٢﴾

''اے انسانو! اپنے اس پروردگار کی عبادت کرو جس نے تمھیں پیدا کیا اور جس نے تم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا شاید تم پرہیزگار بن سکو۔ اسی پروردگار نے تمھارے لئے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا اور آسمان سے پانی برسا کر تمھاری روزی کے لیے زمین سے پھل نکالے۔ لٰہذا تم جان بوجھ کر اللہ کے لیے شریک نہ بناؤ''۔

۳۹- کتاب عیون الاخبار میں فضل بن شاذان نے امام علی رضا علیہ السلام سے احکام شریعت کے کچھ علل و اسباب نقل کیے ہیں اور اس ضمن میں یہ الفاظ مرقوم ہیں:

''اگر یہ سوال کیا جائے کہ بندے خدا کی عبادت کیوں کریں؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بندوں پر خدا کی عبادت اس لیے فرض کی گئی تا کہ وہ خدا کی یاد کو بھلا نہ دیں اور اس کے مقرر کردہ آداب کو نہ چھوڑیں اور اس کے اوامر و نواہی سے غافل

نہ ہو جائیں۔ عبادت میں انسانوں کی صلاح و فلاح کا راز مضمر ہے۔ اگر ان پر بندگی کے تقاضوں کو فرض نہ کیا جاتا تو ان کے دل سخت ہو جاتے۔

۴۰- کتاب التوحید میں امام علی رضا علیہ السلام کا توحید کے متعلق ایک خطبہ مرقوم ہے۔ اس خطبہ میں آپؑ نے فرمایا:

''عبادتِ خدا کی ابتدا معرفتِ خدا سے ہوتی ہے اور معرفتِ خدا کی بنیاد اس کی توحید ہے اور توحیدِ الٰہی کی بنیاد اس سے صفات کی نفی پر قائم ہے۔ کیونکہ عقول اس بات کے گواہ ہیں کہ ہر صفت و موصوف مخلوق ہوتی ہے اور ہر مخلوق اس بات کی گواہ ہے کہ اس کا ایک ایسا خالق ہے جو نہ تو صفت ہے اور نہ موصوف ہے اور ہر صفت و موصوف اپنے حادث ہونے کے گواہ ہیں اور حدوث اس بات کا گواہ ہے کہ جس میں وہ پایا جائے گا وہ ازلی نہیں ہوگا اور حدوث سے پاک نہیں ہوگا۔

۴۱- اصولِ کافی میں عبدالرحمٰن بن ابی نجران سے منقول ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام کو خط لکھا میں نے ان سے کہا: میں آپؑ پر قربان جاؤں' ہم رحمٰن رحیم واحد احد اور صمد کی عبادت کرتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: جس نے مسمّٰی کو چھوڑ کر اسم کی عبادت کی تو اس نے شرک و کفر کا ارتکاب کیا اور اس نے معبود کا انکار کیا اور اس نے کسی چیز کی بھی عبادت نہیں کی۔ میں تو اس اللہ واحد احد اور صمد کی عبادت کرتا ہوں جس کے یہ تمام نام ہیں۔ نام تو صفات ہیں جن سے اللہ نے اپنی وصف بیان کی ہے۔

۴۲- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ اور اس کی قدرت کے متعلق زیادہ سے زیادہ غور و فکر کرنا افضل ترین عبادت ہے۔

۴۳- معمر بن خلاد کا بیان ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا:

نماز' روزے کی کثرت کا نام عبادت نہیں۔ عبادت امرِ الٰہی میں غور و فکر کرنے کا نام ہے۔

۴۴- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: حرام سے بچنا سب سے بڑی عبادت ہے۔

۴۵- امام علی زین العابدین نے فرمایا: خدا کے فرائض پر عمل کرنے والا لوگوں میں سے بہت بڑا عابد ہے۔

۴۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: عبادت تین طرح کی ہے:

۱- کچھ لوگ دوزخ کے خوف سے اللہ کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ غلاموں کی عبادت ہے۔

۲- کچھ لوگ اللہ کی محبت کی وجہ سے عبادت کرتے ہیں۔ یہ آزاد لوگوں کی عبادت ہے اور یہی افضل ترین عبادت ہے۔

۳- کچھ لوگ جنت کے لالچ میں عبادت کرتے ہیں۔ یہ تجار والی عبادت ہے۔

۴۷- معانی الاخبار میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

''عبادت کے ستر اجزاء ہیں اور اس کا افضل ترین حصہ طلب حلال ہے''۔

۴۸- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''ہماری ذریت کو دیکھنا عبادت ہے''۔

پوچھا گیا: ''فرزندِ رسولؐ! کیا صرف ائمہ کا دیکھنا عبادت ہے یا تمام ذریتِ پیغمبرؐ کا دیکھنا عبادت ہے؟''

آپ نے فرمایا: ''اگر ذریتِ پیغمبرؐ منہاج رسولؐ سے جدا نہ ہو اور نافرمانی میں ملوث نہ ہو تو سب کا دیکھنا عبادت ہے''۔

۴۹- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''خاموشی اور اس کے گھر کی طرف چل کر جانے سے بڑھ کر خدا کی اور کسی چیز سے عبادت نہیں کی گئی (یعنی خاموشی اور بیت اللہ کی طرف جانا افضل عبادت ہے)''۔

۵۰- امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

''سمجھ بوجھ کے بغیر کوئی عبادت، عبادت نہیں ہے''۔

۵۱- حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

''علیؑ! جو ان فرائض کو ادا کرے جو خدا نے اس پر واجب کیے ہیں تو وہ لوگوں کے بہت بڑے عابدوں میں سے ایک عابد ہے''۔

زمین کی مصلحتیں

۵۲- عیون الاخبار میں امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے اَلَّذِیۡ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ فِرَاشًا وَّالسَّمَآءَ بِنَآءً (جس نے تمہارے لیے زمین کو بچھونا اور آسمان کو چھت بنایا) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے زمین کو تمہاری طبیعتوں کے مطابق اور تمہارے اجسام کی ضروریات کے موافق پیدا کیا ہے۔ اللہ نے زمین کو سخت گرم نہیں بنایا ورنہ وہ تمہیں جلا دیتی اور زمین کو سخت ٹھنڈا نہیں بنایا ورنہ وہ تمہیں منجمد کر کے رکھ دیتی اور زمین کو

زیادہ خوشبودار نہیں بنایا ورنہ تمھارے سر میں درد پیدا کرتی اور زمین کو بدبودار نہیں بنایا ورنہ تم کو ہلاک کر دیتی۔ زمین کو پانی کی طرح سے زیادہ نرم نہیں بنایا ورنہ تمھیں غرق کر دیتی اور اسے زیادہ سخت نہیں بنایا ورنہ اس پر تمھارے گھر اور مکانات نہ بنتے اور اس میں تمھاری قبریں نہ بنتیں۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی حکمت سے اسے اتنا ہی ٹھوس بنایا ہے جس سے تم فائدہ حاصل کر سکو اور اسے سکون دیا ہے تا کہ تمھارے اجسام اور مکانات اس پر ٹھہر سکیں اور اسے اس لائق بنایا ہے کہ اس پر تمھارے گھر تعمیر ہو سکیں اور اس میں تمھاری قبریں کھودی جا سکیں۔ اس کے علاوہ اس میں بہت سے فوائد رکھے ہیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے تمھارے لیے زمین کو بچھونا بنایا ہے اور آسمان کو تمھارے لیے چھت بنایا ہے۔ آسمان تمھارے اوپر ایک محفوظ چھت ہے اور تمھارے فوائد کے لیے اس میں اللہ تعالیٰ نے سورج' چاند اور ستاروں کو گردش دی ہے۔

وَاَنۡزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً (اور اللہ نے آسمان سے پانی اتارا) یعنی اللہ نے بارش نازل کی۔ اللہ تعالیٰ اوپر سے بارش برساتا ہے تا کہ اس کا پانی پہاڑوں کی چوٹیوں اور بلند و بالا ٹیلوں اور پست وادیوں تک بھی پہنچ سکے۔ اللہ تعالیٰ بارش کو قطرات کی شکل میں نازل کرتا ہے تا کہ وہ آسانی سے زمین میں جذب ہو سکے۔ اللہ تعالیٰ بارش کو یکدم اور اکٹھا کر کے نازل نہیں کرتا ورنہ کھیت تباہ ہو جاتے اور پھل پھول اور درخت ختم ہو جاتے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بارش کو ذریعہ رزق بنایا اور اس کے ذریعہ سے زمین کو زندگی ملتی ہے اور اس سے انسانوں اور جانوروں کی غذا پیدا ہوتی ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ان عظیم احسانات کا تقاضا صرف یہی ہے

فَلَا تَجۡعَلُوۡا لِلّٰهِ اَنۡدَادًا وَّاَنۡتُمۡ تَعۡلَمُوۡنَ ○

''پس تم جان بوجھ کر اللہ کے شریک نہ بناؤ''۔

محسنِ حقیقی خدا کے ہوتے ہوئے مورتیوں اور بتوں کو پوجنا بے وقوفی ہے اور وہ شخص کتنا بڑا احمق ہے جو بے جان بتوں کی پوجا کرے جو کہ نہ تو کچھ سن سکتے ہیں اور نہ ہی کچھ دیکھ سکتے ہیں اور جن کے پاس کسی طرح کی کوئی طاقت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کے احسانات کا یہی تقاضا ہے کہ انسان اپنے محسن حقیقی خدا کی عبادت کریں اور اسے چھوڑ کر غیر اللہ کے دروازے پر نہ جھکیں۔

۵۳- کتاب علل الشرائع میں ہے کہ جیسے ہی بارش کے پہلے قطرے زمین پر پڑتے تھے تو حضرت علی علیہ السلام باہر نکل کر ان میں کھڑے ہو جاتے تھے یہاں تک کہ آپ کا سر اور داڑھی اور آپ کے کپڑے بارش سے بھیگ جاتے تھے۔ لوگ آپ سے کہتے تھے کہ آپ برساتی لے لیں۔ آپ جواب میں فرماتے تھے: یہ پانی ابھی ابھی عرش سے ہو کر آرہا ہے۔

پھر آپ فرماتے تھے:

عرش کے نیچے ایک سمندر ہے اس کے ذریعہ سے جانداروں کے رزق اُگتے ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ رحمت کرتے ہوئے کسی چیز کو اُگانے کا ارادہ کرتا ہے تو اس سمندر کو وحی کرتا ہے۔ وہ خدا کی مشیت کے مطابق ایک آسمان پر بارش برساتا ہے۔ پھر وہ بارش دوسرے آسمانوں تک پہنچتی ہے اور وہاں سے ہوتی ہوئی آسمانِ دنیا تک پہنچتی ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان قطرات رزق کو بادلوں کے حوالے کرتا ہے۔ بادل چھلنی کی طرح سے ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ بادلوں کو وحی کرتا ہے کہ اس رزق کو پیس کر اپنے اندر اسی طرح سے گھول لو جیسا کہ پانی میں نمک گھول دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ اسے حکم دیتا ہے کہ جا کر موسلا دھار انداز میں برس یا ہلکے قطرات کی شکل میں جا کر برس۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ سے حکم پا کر بادل اسی طرح سے برستے ہیں جیسا کہ انھیں حکم ملا ہوتا ہے۔ اور بارش کے ہر قطرے کے ساتھ ایک فرشتہ ہوتا ہے جو اسے اس کے مقام پر رکھتا ہے۔ آسمان سے جتنی بھی بارشیں ہوتی ہیں اللہ کی طرف سے ان کا وزن مقرر ہوتا ہے اور قطرات کی تعداد کی حد مقرر ہوتی ہے۔ البتہ حضرت نوحؑ کے زمانہ میں جو طوفان آیا تھا اس کا وزن اور قطرات کی تعداد مقرر شدہ نہیں تھی۔

۵۴- نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا

فسبحان من امسكها بعد موجان مياهها واجمدها بعد رطوبة اكنافها فجعلها لخلقه مهادا وبسطها لهم فراشا فوق بحر لجي راكد لا يجري وقائم لا يسري تكركره الرياح العواصف وتمخضه الغمام الذوارف، ان في ذٰلِكَ لعبرة لمن يخشٰى۔

"پاک ہے وہ ذات جس نے پانی کی طغیانوں کے بعد زمین کو تھام رکھا اور اس کے اطراف و جوانب کو تر بتر ہونے کے بعد خشک کیا اور اسے اپنی مخلوقات کے لیے گہوارہ (استراحت) بنایا اور ایک ایسے گہرے دریا کی سطح پر اس کے لیے فرش بچھایا جو تھما ہوا ہے' بہتا نہیں اور رکا ہوا ہے جنبش نہیں کرتا جسے تند ہوائیں اِدھر سے اُدھر دھکیلتی رہتی ہیں اور برسنے والے بادل اسے متھ کر پانی کھینچتے رہتے ہیں۔ بے شک ان چیزوں میں اللہ سے ڈرنے والے کے لیے سامانِ عبرت ہے"۔

وَاِنۡ كُنۡتُمۡ فِىۡ رَيۡبٍ مِّمَّا نَزَّلۡنَا عَلٰى عَبۡدِنَا فَاۡتُوۡا بِسُوۡرَةٍ مِّنۡ مِّثۡلِهٖ ۖ وَادۡعُوۡا شُهَدَآءَكُمۡ مِّنۡ دُوۡنِ اللّٰهِ اِنۡ كُنۡتُمۡ صٰدِقِيۡنَ ﴿۲۳﴾ فَاِنۡ لَّمۡ تَفۡعَلُوۡا وَلَنۡ تَفۡعَلُوۡا فَاتَّقُوا النَّارَ الَّتِىۡ وَقُوۡدُهَا النَّاسُ وَالۡحِجَارَةُ ۖۚ اُعِدَّتۡ لِلۡكٰفِرِيۡنَ ﴿۲۴﴾ وَبَشِّرِ الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اَنَّ لَهُمۡ جَنّٰتٍ تَجۡرِىۡ مِنۡ تَحۡتِهَا الۡاَنۡهٰرُ ؕ كُلَّمَا رُزِقُوۡا مِنۡهَا مِنۡ ثَمَرَةٍ رِّزۡقًا ۙ قَالُوۡا هٰذَا الَّذِىۡ رُزِقۡنَا مِنۡ قَبۡلُ ۙ وَاُتُوۡا بِهٖ مُتَشَابِهًا ؕ وَلَهُمۡ فِيۡهَآ اَزۡوَاجٌ مُّطَهَّرَةٌ ۙ وَّهُمۡ فِيۡهَا خٰلِدُوۡنَ ﴿۲۵﴾ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسۡتَحۡىٖٓ اَنۡ يَّضۡرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوۡضَةً فَمَا فَوۡقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا فَيَعۡلَمُوۡنَ اَنَّهُ الۡحَقُّ مِنۡ رَّبِّهِمۡ ۚ وَاَمَّا الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا فَيَقُوۡلُوۡنَ مَاذَآ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيۡرًا ۙ وَّيَهۡدِىۡ بِهٖ كَثِيۡرًا ؕ وَمَا يُضِلُّ بِهٖٓ اِلَّا الۡفٰسِقِيۡنَ ﴿۲۶﴾ الَّذِيۡنَ يَنۡقُضُوۡنَ عَهۡدَ اللّٰهِ مِنۡۢ بَعۡدِ مِيۡثَاقِهٖ ۖ وَيَقۡطَعُوۡنَ مَآ

اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖۤ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِى الْاَرْضِ ؕ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۲۷﴾ كَيْفَ تَكْفُرُوْنَ بِاللّٰهِ وَكُنْتُمْ اَمْوَاتًا فَاَحْيَاكُمْ ۚ ثُمَّ يُمِيْتُكُمْ ثُمَّ يُحْيِيْكُمْ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۸﴾ هُوَ الَّذِىْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِى الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۗ ثُمَّ اسْتَوٰۤى اِلَى السَّمَآءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ؕ وَهُوَ بِكُلِّ شَىْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۹﴾

"اگر تمھیں اس (قرآن) میں شک ہے جسے ہم نے اپنے بندے پر نازل کیا ہے تو تم اس جیسا ایک سورہ لے آؤ اور اللہ کے علاوہ اپنے تمام مددگاروں کو بلا لو اگر تم سچے ہو۔ پس اگر تم نے ایسا نہ کیا اور تم ہرگز ایسا کر نہ سکو گے تو اس آگ سے ڈرو جس کا ایندھن انسان اور پتھر ہوں گے جسے کافروں کے لیے تیار کیا گیا ہے۔ اور آپ ان لوگوں کو خوش خبری دے دیں جو ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے ان کے لیے ایسے باغات ہیں جن کے نیچے نہریں بہہ رہی ہیں۔ انھیں جب بھی وہاں کسی پھل کا رزق دیا جائے گا تو وہ کہیں گے کہ یہ تو وہی ہے جو ہمیں اس سے پہلے بھی دیا جا چکا ہے، حالانکہ انھیں اس سے ملتے جلتے پھل دیئے جائیں گے اور وہاں ان کے لیے پاکیزہ بیویاں ہوں گی اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ مچھر یا اس سے کسی بڑی چیز کی مثال بیان کرے جو ایمان والے ہیں وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور

وہ لوگ جو کافر ہیں وہ کہتے ہیں کہ آخر ان مثالوں سے خدا کا کیا مقصد ہے۔ خدا اس طرح سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہت سوں کو اس سے ہدایت دیتا ہے اور اس سے گمراہ صرف فاسق ہی ہوتے ہیں۔ وہ جو خدا کے ساتھ مضبوط عہد و پیمان کے بعد اس کے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور جسے خدا نے جوڑنے کا حکم دیا ہے وہ اسے کاٹ دیتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں۔ تم اللہ کا انکار کیسے کر سکتے ہو جب کہ تم مردہ تھے۔ اس نے تمھیں زندگی عطا کی پھر وہ تمھیں موت دے گا پھر تمھیں زندہ کرے گا۔ پھر تم اس کی طرف پلٹائے جاؤ گے۔ وہی تو وہ خدا ہے جس نے تمھارے لیے زمین کی تمام چیزیں پیدا کی ہیں۔ پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ دی تو اس نے سات مستحکم آسمان بنا دیے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے۔

۵۵- اصول کافی میں جابر سے منقول ہے کہ حضرت جبریلؑ اس آیت مجیدہ کو ان الفاظ سے لے کر نبی اکرمؐ پر نازل ہوئے تھے۔

وَاِنْ كُنْتُمْ فِيْ رَيْبٍ مِّمَّا نَزَّلْنَا عَلٰى عَبْدِنَا فَاْتُوْا بِسُوْرَةٍ مِّنْ مِّثْلِهٖ

''اگر تمھیں اس بات میں کوئی شک ہے جسے ہم نے اپنے بندے پر (علیؑ کے متعلق) نازل کیا ہے تو تم اس جیسی ایک سورت اپنی طرف سے بنا کر لے آؤ''۔

(مقصد یہ ہے کہ اس کی تاویل حضرت علیؑ کے متعلق ہے۔ من المترجم)

۵۶- مصباح الشریعہ میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''لفظ 'عبد' کے تین حروف ہیں: عین- باء- دال۔ عین سے یہ مراد ہے کہ عبد کو معبود کا علم ہونا چاہیے اور باء سے "بونه عما سواه" یعنی عبد کو غیر اللہ سے علیحدہ ہونا چاہیے اور دال سے "دنوه من الله بلا کیف ولا حجاب" یعنی عبد کو کسی کیف و حجاب کے بغیر خدا کا قرب حاصل ہونا چاہیے۔

۵۷-عیون الاخبار میں مذکور ہے کہ ابن سکیت نے امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضرت یہ فرمائیں کہ اللہ نے جناب موسیٰ کو ید بیضاء اور عصا کا معجزہ دیا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو طب کا معجزہ عطا کیا مگر جب اللہ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا تو انھیں کلام وخطبہ کا معجزہ کیوں دیا؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو روانہ کیا تو اس وقت لوگوں میں جادو کا زور تھا اسی لیے وہ جادوگروں کے مقابلہ کے لیے ایسا معجزہ لے کر آئے جس سے ان کے جادو کا توڑ ہوا اور ان پر حجت قائم ہوئی۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو روانہ کیا تو اس وقت لوگوں میں بیماریاں عام تھیں اسی لیے اللہ تعالیٰ نے انھیں طب کا معجزہ عطا کیا۔ چنانچہ انھوں نے اپنے دست شفا سے مادر زاد اندھوں اور مبصروص افراد کو تندرست کیا اور حکمِ خداوندی سے مُردے تک زندہ کیے۔ اور اس معجزہ سے لوگوں پر حجت قائم ہوئی اور جس زمانہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا تو اس وقت عرب معاشرے میں شعروشاعری اور خطبات کا بڑا زور تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پر قرآن نازل کیا جس کے واعظ و احکام نے شعروشاعری کو مغلوب کر دیا اور آنحضرت کو ان پر کامیابی نصیب ہوئی۔

جب ابن سکیت نے امام علیہ السلام کا یہ جواب سنا تو اس نے پکار کر کہا: ''میں نے آج تک آپؑ جیسا عالم کہیں نہیں دیکھا''۔

پھر اس نے امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا کہ اس وقت مخلوق پر حجت کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: عقل خدا کی طرف سے حجت ہے۔ اس کے ذریعہ سے انسان خدا پر سچ بولنے والے کو پہچان کر اس کی تصدیق کرسکتا ہے اور خدا پر جھوٹ باندھنے والے کو پہچان کر اس کی تکذیب کرسکتا ہے۔

ابن سکیت نے کہا: خدا کی قسم! یہ ہے جواب۔

۵۸-کتاب احتجاج طبرسی میں حضرت امیر المومنینؑ کی زبانی منقول ہے کہ ایک مرتبہ ہم رسولؐ خد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ جا رہے تھے کہ ہمارا گزر ایک پہاڑ سے ہوا جس کے ایک حصہ سے آنسو ٹپک رہے تھے اور وہ رو رہا تھا۔

رسولؐ خدا نے اس سے فرمایا: پہاڑ! تو کیوں رو رہا ہے؟

پہاڑ نے کہا: یا رسولؐ اللہ! ایک مرتبہ یہاں سے حضرت عیسیٰ بن مریمؑ کا گزر ہوا تھا اور انھوں نے کہا تھا کہ دوزخ

میں انسان اور پتھر جلیں گے۔ میں اس لیے رو رہا ہوں کہ کہیں مجھے دوزخ کا ایندھن نہ بننا پڑے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: تو مت ڈر۔ وہ کبریت کا پتھر ہوگا۔

جب پتھر نے آنحضرت کا فرمان سنا تو اس کے آنسو تھم گئے اور وہ پرسکون ہوگیا۔

۵۹- ثمرات جنت کے متعلق تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اہلِ جنت کو ایک ہی پھل مختلف رنگوں میں پیش کیا جائے گا۔

۶۰- کتاب علل الشرائع میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ جنت کو جنت کیوں کہا جاتا ہے؟

آپؐ نے فرمایا کیونکہ وہ ڈھکی ہوئی ہے اور بہتر و پاکیزہ اور خدا کے ہاں پسندیدہ ہے اور اہلِ جنت وہاں ہمیشہ رہیں گے۔

۶۱- اصولِ کافی میں ابوہاشم سے مروی ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''دوزخی اس لیے دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے کیونکہ ان کی نیت یہ تھی کہ اگر انھیں ہمیشہ کی زندگی مل جائے تو وہ ہمیشہ خدا کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور اہلِ جنت جنت میں بھی ہمیشہ اس لیے رہیں گے کہ ان کی نیت یہ تھی کہ اگر انھیں ہمیشہ کی زندگی مل جائے تو وہ پوری زندگی اللہ کی اطاعت کرتے رہیں گے۔ چنانچہ نیت کی وجہ سے یہ دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور وہ جنت میں ہمیشہ رہیں گے۔

پھر آپؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (اسراء:۸۴) ''آپ کہہ دیں کہ ہر شخص اپنی نیت کے مطابق ہی عمل کرتا ہے''۔

۶۲- تفسیر علی بن ابراہیم میں ''يَوْمَ نَحْشُرُ الْمُتَّقِيْنَ اِلَى الرَّحْمٰنِ وَفْدًا ۝ (مریم:۸۵- جس دن ہم متقین کو رحمٰن کے سامنے مہمان بنا کر پیش کریں گے) کی تفسیر کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جب اہلِ جنت، جنت میں داخل ہوجائیں گے تو ان کے بائیں طرف ایک چشمہ ہوگا اور وہ اس سے غسل کریں گے۔ وہ چشمہ آبِ حیات ہوگا۔ اس کے بعد ان پر موت واقع نہیں ہوگی۔

۶۳- اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيٖۤ اَنْ يَّضْرِبَ مَثَلًا مَّا بَعُوْضَةً فَمَا فَوْقَهَا ؕ فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا فَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ وَاَمَّا الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَيَقُوْلُوْنَ مَاذَاۤ اَرَادَ اللّٰهُ بِهٰذَا مَثَلًا ۘ يُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا ۙ - ''بے شک اللہ اس بات سے نہیں شرماتا کہ وہ مچھر یا اس سے بڑی کسی چیز کی مثال بیان کرے۔ جو ایمان والے ہیں وہ تو جانتے ہیں کہ یہ ان کے پروردگار کی طرف

سے حق ہے اور کافر کہتے ہیں کہ آخر ان مثالوں سے خدا کا کیا مقصد ہے۔ اس سے بہت سے لوگوں کو گمراہی میں چھوڑ دیتا ہے اور بہت سوں کو ہدایت دیتا ہے"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"خدا کی طرف سے یہ الفاظ ان لوگوں کی تردید کرتے ہیں جو یہ نظریہ رکھتے ہیں کہ اللہ بندوں کو خود گمراہ کرتا ہے۔ پھر انھیں ان کی گمراہی کی وجہ سے عذاب دیتا ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: **ان الله لا يستحي .... الى آخره**۔

۶۴- مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے مچھر کی مثال اس لیے بیان کی تاکہ لوگوں کو اس بات کی طرف متوجہ کیا جائے کہ اگرچہ مچھر ایک چھوٹا سا جاندار ہے مگر اللہ تعالیٰ نے اس کو وہ تمام اعضاء عطا کیے ہیں جو ہاتھی کو عطا کیے ہیں۔ اللہ کی قدرت کا کرشمہ یہ ہے کہ اس نے مچھر کو کاٹنے کے لیے تیز دھار ڈنک عطا کیا اور اسے اُڑنے کے لیے پر بھی دیئے جو کہ ہاتھی کو میسر نہیں ہیں۔ اس سے اللہ یہ چاہتا ہے کہ اس کے مومن بندے اس کی صفت کے عجائبات اور اس کے حسنِ تخلیق کو ملاحظہ کریں"۔

۶۵- اصول کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

فرزند! قاطع رحم کی دوستی سے پرہیز کرنا۔ میں نے اللہ کی کتاب میں دیکھا ہے کہ قاطع رحم پر تین بار لعنت کی گئی ہے اور ان میں سے ایک مقام سورہ البقرہ میں ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

الَّذِيْنَ يَنْقُضُوْنَ عَهْدَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مِيْثَاقِهٖ ۠ وَيَقْطَعُوْنَ مَآ اَمَرَ اللّٰهُ بِهٖٓ اَنْ يُّوْصَلَ وَيُفْسِدُوْنَ فِي الْاَرْضِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ۝

"جو خدا کے ساتھ مضبوط عہد و پیمان کے بعد اس کے عہد کو توڑ دیتے ہیں اور جسے خدا نے جوڑنے کا حکم دیا ہے اسے کاٹتے ہیں اور زمین میں فساد کرتے ہیں۔ یہی لوگ خسارہ اٹھانے والے ہیں"۔

یہ حدیث کافی طویل ہے ہم نے اس میں سے بقدر ضرورت حصّہ کو نقل کیا ہے۔

۶۶- عیون الاخبار میں امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی۔ آپؑ نے قرآن مجید کی اس آیت کی تفسیر میں فرمایا:

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ جَمِيْعًا ۤ ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَاۗءِ فَسَوّٰىهُنَّ سَبْعَ سَمٰوٰتٍ ۭ وَھُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ۝۲۹

''وہی تو وہ خدا ہے جس نے تمھارے لئے زمین کی تمام چیزیں پیدا کی ہیں پھر اس نے آسمان کی طرف توجہ دی تو اس نے سات مستحکم آسمان بنا دیئے اور وہ ہر چیز کا علم رکھنے والا ہے''۔

اللہ نے تمھارے لیئے زمین کی تمام چیزیں اس لیے پیدا کیں تا کہ تم ان سے عبرت حاصل کرو اور ان کے ذریعے سے خدا کی رضا حاصل کرو اور اس کے عذاب سے بچ سکو۔

ثُمَّ اسْتَوٰٓى اِلَى السَّمَآءِ کا مقصد یہ ہے کہ پھر خدا آسمانوں کی تخلیق اور ان کے استحکام کی طرف متوجہ ہوا اور اس نے سات مستحکم آسمان بنا دیے اور وہ ہر چیز کا جاننے والا ہے۔ وہ تمام اشیاء کی مصلحتوں سے واقف ہے۔ اسی نے تم بنی آدم کی مصلحتوں کے لیے زمین کی تمام اشیاء بنائیں۔

۶۷- علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ ایک یہودی نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ سماء (آسمان) کو سماء کیوں کہا جاتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

لانها وسم الماء کیوں وہ پانی کا منبع ہے۔ منبع اور معدن کو ''وسم'' کہا جاتا ہے۔ اسی لیے عربی زبان میں آسمان کو ''سماء'' کہا گیا ہے۔

۶۸- تفسیر علی بن ابراہیم میں امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے بیت المقدس کی چٹان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ یہاں سے ہی اللہ نے آسمان اور ملائکہ کا نظام سنبھالا تھا۔

۶۹- نہج البلاغہ کے ایک خطبہ میں حضرت علی علیہ السلام نے آسمانوں کی تخلیق کی داستان یوں بیان فرمائی:

''پھر اس نے کشادہ فضا' وسیع اطراف و اکناف اور خلا کی وسعتیں خلق کیں اور ان میں ایسا پانی بہایا جس کے دریائے مواج کی لہریں طوفانی اور بحر ذخار کی موجیں تہ بہ تہ تھیں۔ اسے تیز ہوا اور تند آندھی کی پشت پر لادا۔ پھر اسے پانی کے پلٹانے کا حکم دیا اور اسے اس کے پابند رکھنے پر قابو دیا اور اسے پانی کی سرحد سے ملا دیا۔ اس کے نیچے ہوا دُور تک پھیلی ہوئی تھی اور اُوپر پانی ٹھاٹھیں مار رہا تھا۔ پھر اللہ سبحانہ نے اس پانی کے اندر ایک ہوا خلق کی جس کا چلنا بانجھ (بے ثمر) تھا اور اسے اس کے مرکز پر قرار دیا۔ اس کے جھونکے تیز کر دیئے اور اس کے چلنے کی جگہ دُور دراز تک پھیلا دی۔ پھر اس ہوا کو مامور کیا کہ وہ پانی کے ذخیرے کو تھپیڑے دے اور بحر بے کراں کی موجوں کو اُچھالے۔ اس ہوا نے پانی کو یوں متھ دیا جس طرح دہی کے مشکیزے کو متھا جاتا ہے اور وہ اسے دھکیلتی ہوئی تیزی سے چلی جس طرح خالی فضا میں چلتی ہے اور پانی کے

ابتدائی حصے کو آخری حصے پر اور ٹھہرے ہوئے کو چلتے ہوئے پانی پر پلٹانے لگی' یہاں تک کہ اس متلاطم پانی کی سطح بلند ہوگئی اور وہ تہ بہ تہ پانی جھاگ دینے لگا۔ اللہ نے وہ جھاگ کھلی ہوا اور کشادہ فضا کی طرف اٹھائی اور اس سے ساتوں آسمان پیدا کیے۔ نیچے والے آسمان کو رکی ہوئی موج کی طرح بنایا' اُوپر والے آسمان کو محفوظ چھت اور بلند عمارت کی صورت میں اس طرح سے قائم کیا کہ اسے ستونوں کی ضرورت نہ تھی۔

۷۰- عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے حضرت امام حسین علیہ السلام سے روایت کی۔ آپؑ نے فرمایا کہ امیر المومنین علیہ السلام مسجد کوفہ میں تشریف فرما تھے کہ ایک شامی اٹھا اور اس نے کہا:

امیر المومنینؑ! میں آپ سے کچھ چیزیں پوچھنا چاہتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا حاصل کرنے کی نیت سے پوچھو ضد بازی کی غرض سے نہ پوچھو۔

اہلِ مسجد اسے گھور گھور کر دیکھنے لگے۔ شامی نے کہا

اللہ نے سب سے پہلے کس چیز کو پیدا کیا؟

امیر المومنینؑ: اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے نور پیدا کیا۔

شامی: آسمانوں کی تخلیق کس چیز سے ہوئی؟

امیر المومنینؑ: پانی کے بخارات سے۔

شامی: زمین کس چیز سے بنی؟

امیر المومنینؑ: پانی کی جھاگ سے۔

شامی: پہاڑ کس چیز سے پیدا ہوئے؟

امیر المومنینؑ: امواج سے۔

شامی: مکہ کو ''اُم القریٰ'' کیوں کہا جاتا ہے؟

امیر المومنینؑ: کیونکہ اس کے نیچے سے زمین بچھائی گئی۔

شامی: آسمانِ دنیا کس چیز سے بنا؟

امیر المومنینؑ: رکی ہوئی موج سے آسمانِ دنیا بنا۔

شامی: سورج اور چاند کا طول وعرض کیا ہے؟

امیرالمومنینؑ: نوسو فرسخ درنوسو فرسخ۔ (فرسخ: ۹۰۰x۹۰۰=۸۱۰۰۰۰)

(جب کہ ایک فرسخ تین میل یعنی پانچ کلومیٹر کا ہوتا ہے تو اس لحاظ سے سورج کا رقبہ چالیس لاکھ پچاس ہزار کلومیٹر پر مشتمل ہے۔ من المترجم)

شامی: ستارے کا طول وعرض کیا ہے؟

امیرالمومنینؑ: بارہ فرسخ در بارہ فرسخ۔

شامی: سات آسمانوں کے رنگ کیسے ہیں اور ان کے نام کیا ہیں؟

امیرالمومنینؑ: آسمانِ دنیا کا نام ''رفیع'' ہے اور وہ پانی اور دھوئیں سے بنا ہے۔ دوسرے آسمان کا نام ''قیذوم'' اور وہ تانبے کی رنگت کا ہے۔ تیسرے آسمان کا نام ''ماردم'' ہے اور وہ لوہے کی رنگت کا ہے۔ چوتھے آسمان کا نام ''ارفلون'' ہے اور وہ چاندی کی رنگت کا ہے۔ پانچویں آسمان کا نام ''ہیفضمون'' ہے اور وہ سونے کی رنگت کا ہے۔ چھٹے آسمان کا نام ''عروس'' ہے اور وہ یاقوت سے بنا ہوا ہے۔ ساتویں آسمان کا نام ''عجما'' ہے اور وہ سفید موتیوں سے بنا ہوا ہے۔

وَاِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلٰٓئِكَةِ اِنِّيْ جَاعِلٌ فِي الْاَرْضِ خَلِيْفَةً ۭ قَالُوْٓا اَتَجْعَلُ فِيْهَا مَنْ يُّفْسِدُ فِيْهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاۗءَ ۚ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ ۭ قَالَ اِنِّىْٓ اَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۳۰ وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَاۗءَ كُلَّهَا ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَي الْمَلٰۗئِكَةِ ۙ فَقَالَ اَنْۢبِـُٔـوْنِىْ بِاَسْمَاۗءِ هٰٓؤُلَاۗءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝۳۱ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ ۝۳۲ قَالَ يٰٓاٰدَمُ اَنْۢبِئْـهُمْ بِاَسْمَاۗىِٕهِمْ ۚ

فَلَمَّآ اَنۡۢبَاَهُمۡ بِاَسۡمَآئِهِمۡ ۙ قَالَ اَلَمۡ اَقُلۡ لَّكُمۡ اِنِّىۡٓ اَعۡلَمُ غَيۡبَ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ ۙ وَاَعۡلَمُ مَا تُبۡدُوۡنَ وَمَا كُنۡتُمۡ تَكۡتُمُوۡنَ ﴿۳۳﴾

''اور جب تمھارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں۔ انھوں نے کہا کہ کیا تو اسے بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون ریزی کرے جب کہ ہم تیری حمد کے ساتھ تسبیح کرتے ہیں اور تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں۔ فرمایا: بے شک جو میں جانتا ہوں اسے تم نہیں جانتے۔ اور خدا نے آدم کو تمام ناموں کی تعلیم دی۔ پھر انھیں ملائکہ کے سامنے پیش کر کے کہا: اگر تم (اپنے دعویٰ میں) سچّے ہو تو مجھے ان کے ناموں کی خبر دو۔ انھوں نے کہا کہ تو پاک اور پاکیزہ ہے جتنا تو نے ہمیں تعلیم دی ہے ہم تو بس اتنا ہی جانتے ہیں۔ بے شک تو علم والا حکمت والا ہے۔

اللہ نے فرمایا: آدم تم انھیں ان کے ناموں کی خبر دو۔ جب اس نے انھیں ان کے ناموں کی خبر دی تو اللہ نے فرمایا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی پوشیدہ چیزوں کو جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جسے تم چھپاتے ہو میں اسے جانتا ہوں''۔

۷۱- نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کا یہ فرمان مرقوم ہے: جب اللہ تعالیٰ اپنی زمین کو بچھا چکا اور اپنے حکم کو جاری کر چکا تو اس نے آدم کو اپنی مخلوق کا منتخب فرد بنایا اور اسے اپنی پہلی خلقت قرار دیا۔

۷۲- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے روایت ہے۔ آپ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی۔ آپؑ نے فرمایا:

ایک دن میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ مدینہ کی ایک گلی میں چل رہا تھا کہ ایک طویل القامت گھنی داڑھی والے بزرگ ہمیں ملے جن کے شانے بڑے چوڑے تھے۔ انھوں نے نبی اکرمؐ پر سلام کیا اور انھیں خوش آمدید کہا۔ پھر وہ میری طرف متوجہ ہوئے اور انھوں نے مجھے سلام کرتے ہوئے کہا:

"السلام علیك یا رابع الخلفاء ورحمة الله وبرکاته"

''چوتھے خلیفہ! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں''۔

پھر وہ رسولؐ خدا کی طرف متوجہ ہوئے اور کہا: یا رسولؐ اللہ! کیا ایسا نہیں ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: جی ہاں! (ایسا ہی ہے) یہ کہہ کر وہ چلے گئے۔

میں نے رسولؐ خدا سے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! یہ بزرگ کون تھے اور آپ نے ان کی کس بات کی تصدیق کی ہے؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ، تم واقعی چوتھے خلیفہ ہو (کیونکہ پہلی خلافت آدم کی ہے دوسری خلافت داؤد کی ہے اور تیسری خلافت ہارون کی ہے) اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں فرمایا:

"انی جاعل فی الارض خلیفة" (میں زمین میں خلیفہ بنانے والا ہوں)۔

اس فرمان کے تحت حضرت آدمؑ خلیفہ بنے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

یا داود انا جعلناك خلیفة فی الارض -

''داؤد! ہم نے تجھے زمین پر خلیفہ بنایا۔ لہٰذا داؤد دوسرے خلیفہ بنے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے بھائی ہارونؑ کو خلیفہ مقرر کیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قول کو نقل کرتے ہوئے فرمایا:

اُخْلُفْنِیْ فِیْ قَوْمِیْ وَاَصْلِحْ

''تم میری قوم میں میرے خلیفہ بن جاؤ اور اصلاح کرو''۔ لہٰذا تیسرے خلیفہ ہارونؑ ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖۤ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ ..

''اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے حج اکبر کے دن لوگوں کے سامنے اعلان کیا جاتا ہے''۔

اور خدا اور رسولؐ کے حکم کا مبلغ تو ہے۔

انت وصی و وزیری وقاضی دینی والمؤدی عنی وانت منی بمنزلة هارون من موسیٰ الا انه لانبی بعدی فانت رابع الخلفاء؟

''تو ہی میرا وصی اور میرا وزیر اور میرے قرض کے ادا کرنے والا اور میری طرف سے احکام پہنچانے والا ہے اور تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا''۔

تو چوتھا خلیفہ ہے جیسا کہ بزرگ نے تجھ سے کہا ہے۔ جانتے ہو کہ بزرگ کون تھے؟

میں نے کہا: میں نہیں جانتا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: وہ تمھارے بھائی حضرت خضرؑ تھے۔

۷۳- کتاب عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ محمد بن سنان نے امام علی رضا علیہ السلام کو ایک خط لکھا تھا جس میں اس نے کچھ احکام شریعت کے علل و اسباب دریافت کیے تھے۔ امام علی رضا علیہ السلام نے اس کے مسائل کا جواب تحریر کیا اور اس جواب میں آپؑ نے طواف بیت اللہ کی مصلحت بیان کرتے ہوئے تحریر فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کی خلافت کا اعلان کیا تو فرشتوں نے کہا:

اَتَجۡعَلُ فِيۡهَا مَنۡ يُّفۡسِدُ فِيۡهَا وَيَسۡفِكُ الدِّمَآءَ ''کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا''۔

بعد میں فرشتوں کو اپنے رویہ پر ندامت ہوئی اور اپنی خطا کی معافی کے لیے عرش کے گرد جمع ہوئے اور انھوں نے اللہ سے مغفرت طلب کی۔

پھر اللہ نے چاہا کہ عرش کی طرح ایک اور جگہ بھی ہونی چاہیے جہاں خطا کار جمع ہو کر اپنی غلطیوں کی معافی طلب کریں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے عرش کی عین سیدھ میں چوتھے آسمان پر ایک مکان بنوایا جس کا نام ''ضراح'' رکھا گیا۔ پھر آسمانِ دنیا پر ضراح کی سیدھ میں ایک مکان بنوایا جس کا نام ''معمور'' رکھا گیا۔ پھر بیت المعمور کی عین سیدھ میں یہ گھر (کعبہ) بنوایا اور آدمؑ کو حکم دیا کہ وہ اس کا طواف کرے۔ چنانچہ آدمؑ نے طواف کیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی توبہ قبول کی اور

روزِ قیامت تک طواف کعبہ کو گناہوں کی بخشش کا ذریعہ بنایا۔

۷۴- الخصال میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؐ نے فرمایا:

روزِ جمعہ تمام دنوں کا سردار ہے اور وہ خدا کی نظر میں یوم الاضحیٰ اور یوم الفطر سے بھی افضل ہے اور اس میں پانچ خصوصیات پائی جاتی ہیں

۱- اسی دن اللہ نے آدم کو پیدا کیا ۲- اسی دن آدم کو زمین پر اتارا گیا۔ ۳- اسی دن آدم کی وفات ہوئی۔
۴- ۵-

۷۵- اصول کافی میں محمد بن اسحاق سے منقول ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا:

''کیا آپ مجھے ایسے شخص کی رہنمائی نہیں کرتے جس سے میں اپنے دین کے احکام حاصل کرسکوں؟

آپؑ نے فرمایا: یہ علیؑ (رضا) موجود ہے۔ میرے والد میرے ہاتھ سے پکڑ کر مجھے قبرِ پیغمبرؐ پر لے گئے اور انھوں نے کہا:

بیٹا! اللہ نے فرمایا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَۃً '' اور یاد رکھو جب اللہ کوئی بات کرتا ہے تو اسے پورا کرتا ہے''۔

۷۶- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''ایک بار میں اور میرے والد طواف میں تھے کہ ایک طویل القامت شخص آگے بڑھا اور اس نے سلام کیا اور اس نے میرے اور میرے والد کے درمیان اپنا سر داخل کیا۔ چنانچہ میرے والد اور میں اس کی طرف متوجہ ہوئے اور ہم نے اسے سلام کا جواب دیا۔ پھر اس نے میرے والد سے کچھ مسائل پوچھنے کا ارادہ کیا تو میرے والد نے فرمایا: پہلے ہمیں طواف مکمل کر لینے دو' اس کے بعد مسائل پوچھ لینا۔

جب والد علیہ السلام طواف مکمل کر چکے اور ہم حجر اسماعیل کے مقام پر گئے اور وہاں کچھ رکعات نماز پڑھی۔ پھر انھوں نے متوجہ ہو کر فرمایا:

بیٹا! وہ سائل کہاں ہے؟

اتفاق سے وہ شخص بھی آپؑ کے پیچھے نماز پڑھ کر فارغ ہو چکا تھا۔ آپؑ نے اس سے پوچھا: تم کہاں کے رہنے والے ہو؟

اس نے کہا: میں ملک شام کا باشندہ ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: شام میں کہاں رہتے ہو؟

اس نے کہا: میں بیت المقدس میں رہائش پذیر ہوں۔

پھر آپؑ نے فرمایا: کیا تم نے تورات اور قرآن مجید پڑھا ہوا ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

آپؑ نے فرمایا: جو تم نے پوچھنا ہو وہ پوچھ لو۔

اس نے کہا میں آپ سے اس گھر (کعبہ) کی ابتدا اور "ن ، والقلم وما یسطرون" اور "**والذین فی اموالهم حق معلوم للسائل والمحروم**" کی تفسیر کے متعلق پوچھنا چاہتا ہوں۔

آپؑ نے فرمایا: جب اللہ تعالٰی نے خلافتِ آدم کا اعلان کیا تھا تو ملائکہ نے یہ کہہ کر اعتراض کیا تھ کہ کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور ناحق خون بہائے گا۔

اللہ تعالٰی کو فرشتوں کی یہ بات پسند نہ آئی اور اس نے ان سے اعراض کرلیا۔ ملائکہ نے محسوس کیا کہ خدا ان پر ناراض ہو چکا ہے۔ چنانچہ وہ عرش کے گرد جمع ہو گئے۔ پھر اللہ تعالٰی نے ایک فرشتے کو حکم دیا کہ وہ چھٹے آسمان پر عرش کی عین سیدھ میں خدا کا ایک گھر بنائے اس گھر کا نام "ضراح" رکھا گیا۔ چنانچہ روزانہ ستر ہزار فرشتے اس گھر کا طواف کرتے ہیں اور استغفار کرتے ہیں اور جو ایک مرتبہ طواف کر لیتے ہیں وہ دوبارہ نہیں آتے۔

پھر تخلیق آدم کے بعد "ضراح" کی عین سیدھ میں اللہ نے کعبہ تعمیر کرایا۔ جب آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو اسے اس گھر کی مرمت کا حکم دیا گیا۔ پھر اللہ تعالٰی نے آدم اور اس کی اولاد کے لیے کعبہ کو ہی مقامِ طواف قرار دیا۔ جس طرح سے اہلِ آسمان کے لیے "ضراح" مقامِ طواف ہے اسی طرح سے انسانوں کے لیے کعبہ مقامِ طواف ہے۔

یہ سن کر سائل نے کہا: فرزندِ رسولؐ! آپؑ نے سچ فرمایا۔

۷۷- علی بن ابراہیم نے اپنی اسناد سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی۔ آپؑ نے فرمایا:

میں اپنے والد کے ساتھ مقامِ حجر اسماعیل پر موجود تھا۔ میرے والد نماز میں مصروف تھے کہ ایک شخص ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔ جب میرے والد نماز سے فارغ ہوئے تو اس نے ان پر سلام کیا اور کہا:

میں آپ سے ایسی تین باتیں پوچھنا چاہتا ہوں جنہیں صرف آپؑ جانتے ہیں یا آپؑ کے علاوہ صرف ایک اور شخص

جانتا ہے۔

میرے والد نے فرمایا: پوچھو جو تمھیں پوچھنا ہو۔

اس شخص نے کہا: یہ بتائیں کہ اس گھر کے طواف کا سبب کیا ہے؟

میرے والد نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ نے خلافتِ آدم کا اعلان کیا اور فرشتوں نے اس پر اعتراض کیا تو اللہ ان پر غضب ناک ہوا۔ پھر فرشتوں نے خدا سے توبہ کی درخواست کی۔

اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا تم اپنی توبہ کے لیے ''ضراح'' یعنی بیت المعمور کا طواف کرو۔ چنانچہ فرشتوں نے سات سال تک اس کا طواف کیا اور اپنے الفاظ کی معافی طلب کرتے رہے۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی اور ان سے راضی ہوا۔ چنانچہ طواف کا آغاز یہیں سے ہوا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور کے عین نیچے کعبہ شریف بنوایا تا کہ بنی آدم سے جب کوئی غلطی ہو تو وہ آ کر اس گھر کا طواف کریں اور اپنے گناہ معاف کرائیں۔

یہ سن کر سائل نے کہا: آپؑ نے سچ فرمایا

۷۸- بصائر الدرجات میں زرارہ سے منقول ہے کہ میں امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپؑ نے مجھ سے احادیث شیعہ کے متعلق دریافت فرمایا تو میں نے کہا: میرے پاس بہت سی شیعی احادیث موجود ہیں لیکن اب میں چاہتا ہوں کہ انھیں آگ میں جھونک دوں۔

آپؑ نے فرمایا: وہ کیوں جو حدیث تمھیں ناگوار ہو زرارہ تو بیان کرو۔

اس وقت میرے دل میں بہت سی آدموں کی حدیث کھٹکی۔ (یعنی میں نے کہا کہ احادیثِ شیعہ میں ہے کہ حضرت آدم سے قبل کئی آدم گزر چکے ہیں)

اور میں نے کہا کہ یہ حدیث ناقابل قبول ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر یہ حدیث صحیح نہیں ہے تو ملائکہ کو کیسے معلوم ہو گیا تھا کہ انھوں نے خدا سے یہ کہنے کی جرأت کی تھی کہ کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون ریزی کرے گا۔

(اس سے معلوم ہوتا ہے کہ موجودہ آدم سے پہلے کئی آدم گزر چکے تھے اور ملائکہ ان کی خون ریزیاں دیکھ چکے تھے۔ اگر پہلے کوئی آدم نہ ہوتا تو ملائکہ کو کیسے پتہ چلا کہ اس کی نسل فساد کرے گی اور خون ریزی کرے گی)۔

۷۹- کتاب علل الشرائع میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے

''اللہ تعالیٰ نے قومِ جنات اور قومِ نسناس کی پیدائش کے سات ہزار سال بعد ارادہ کیا کہ وہ ایک مخلوق کو اپنے دست قدرت سے پیدا کرے اور اس نے تخلیقِ آدم کا ارادہ کیا تو اس کی پیدائش سے پہلے اللہ نے آسمانی حجاب ہٹا دیئے اور ملائکہ سے فرمایا کہ تم زمین پر رہنے والی میری مخلوق جن اور نسناس کو دیکھو۔

جب ملائکہ نے دیکھا تو وہ خدا کی نافرمانی اور خون ریزی میں مصروف تھے۔ ملائکہ کو ان کا طرزِ عمل دیکھ کر شدید غصہ آیا اور وہ اپنے آپ پر قابو نہ رکھ سکے۔ چنانچہ انھوں نے بارگاہِ احدیت میں درخواست کی:

''خدایا! تو غالب، قاہر، جبار، قادر اور عظیم الشان ہے۔ یہ تیری ذلیل مخلوق زمین پر رہ کر تیری نافرمانی میں مصروف ہے، جب کہ وہ تیرے قبضہ اختیار میں ہیں۔ تیرا رزق کھا رہے ہیں اور تیری عطا کردہ عافیت سے مستفید ہو رہے ہیں۔ اس کے باوجود وہ بدترین جرائم سر انجام دے رہے ہیں اور تو صاحبِ قوت ہو کر بھی خاموش ہے تو نہ تو ان پر اپنا غضب نازل کرتا ہے اور نہ ہی ان سے انتقام لیتا ہے جب کہ ہم تو اس پر صبر نہیں کر سکتے''۔

جب اللہ نے ملائکہ کی گفتگو سنی تو کہا:

إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً

''میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں جو اہلِ عرض پر میری طرف سے میری مخلوق پر حجت ہوگا''۔

ملائکہ نے کہا:

أَتَجْعَلُ فِيهَا مَن يُفْسِدُ فِيهَا وَيَسْفِكُ الدِّمَاءَ وَنَحْنُ نُسَبِّحُ بِحَمْدِكَ وَنُقَدِّسُ لَكَ

''کیا تو اسے خلیفہ بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور خون بہائے گا جب کہ ہم تیری حمد کے ساتھ تیری پاکیزگی بیان کرتے ہیں اور تیری تقدیس کرتے ہیں''۔

اگر تو نے خلیفہ بنانا ہی ہے تو ہمیں ہی بنا کیونکہ ہم نہ تو فساد کرتے ہیں اور نہ ہی خون بہاتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ۝

''جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے''۔

یعنی نسلِ آدم کے تمام افراد فساد اور خون ریزی میں ملوث نہیں ہوں گے۔ اس کی ذریت میں انبیاء و مرسلین اور

عباد صالحین کو بھی پیدا کروں گا اور ہدایت یافتہ امام بھی اسی کی نسل میں سے ہوں گے۔ میں انھیں اپنی مخلوق پر اپنا نائب بناؤں گا وہ لوگوں کو میری نافرمانی سے روکیں گے اور انھیں میرے عذاب سے ڈرائیں گے اور انھیں میری اطاعت کی رہنمائی کریں گے اور انھیں میرے راستہ پر گامزن رکھیں گے۔ میں انھیں اپنی حجت بناؤں گا تاکہ لوگوں کے پاس اپنی گمراہی کا کوئی بہانہ باقی نہ رہے اور ان پر حجت تمام ہو جائے۔ میں قومِ نسناس کو زمین سے مٹا دوں گا اور اپنی زمین کو ان کے وجود سے پاک کر دوں گا اور سرکش اور نافرمان جنات کو اپنی نئی مخلوق (انسانوں) سے دُور کر دوں گا اور انھیں ہوا اور زمین کے دُور دراز اطراف و اکناف میں رہائش دوں گا۔ وہ میرے بندوں کے ساتھ رہائش پذیر نہیں ہوں گے اور میں اپنی مخلوق اور جنات کے درمیان حجاب ڈال دوں گا۔ چنانچہ نسلِ آدم جنات کو دیکھ نہ سکے گی اور نہ ہی ان سے کسی طرح کے تعلقات قائم رکھ سکے گی اور نہ ان کے ساتھ ان کی کوئی نشست و برخاست ہوگی۔ اور اگر میری پسندیدہ مخلوق (آدم) کی نسل میں سے کوئی میری نافرمانی کرے گا تو میں اسے ٹھہراؤں گا جہاں دوسرے نافرمان رہائش پذیر ہوں گے اور اسے ان نافرمان افراد کے گھاٹ پر پہنچاؤں گا اور کوئی پرواہ نہیں کروں گا۔

ملائکہ نے عرض کیا: پروردگار! تو جو چاہے اس پر عمل فرما۔

لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۝

''ہمیں تو بس اتنا ہی علم ہے جتنا کہ تو نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ بے شک تو صاحب علم و حکمت ہے''۔

پوری حدیث کو سورہ حجر کی آیت اِنِّيْ خَالِقٌۢ بَشَرًا مِّنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ کے ضمن میں نقل کیا جائے گا۔

۸۰- کتاب مذکور ہے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ ایک شخص نے آپؑ سے پوچھا کہ آپؑ مجھے یہ بتائیں کہ مخلوق پر اس گھر کے پاس آنا فرض کیوں قرار دیا گیا ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا:

''تجھ سے پہلے کسی نے مجھ سے یہ سوال نہیں کیا۔ جب اللہ تعالیٰ نے بزمِ ملائکہ میں اعلان کیا: اِنِّیْ جَاعِلٌ فِی الْاَرْضِ خَلِیْفَةً - (میں زمین میں اپنا نائب بنانا چاہتا ہوں) اس وقت ملائکہ نے فریاد کی تھی۔ پروردگار! اگر تجھے اپنا نائب بنانا ہی ہے تو ہمیں اپنا نائب بنا دے ہم زمین پر رہ کر تیری اطاعت کے تقاضوں پر عمل کریں گے۔

اللہ نے ان کی تردید کرتے ہوئے فرمایا: اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ - (جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے) جب ملائکہ نے خدا کا یہ عتاب آمیز خطاب سنا تو انھیں یقین ہوگیا کہ خدا ان پر ناراض ہوگیا ہے۔ چنانچہ وہ معافی طلب کرنے کے لیے عرش کے گرد جمع ہوئے اور طواف کرنے لگ گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ توبہ واستغفار کے لیے ایک اور گھر تعمیر کیا جائے جو مرمر کا بنا ہوا ہو اور جس کی چھت سرخ یاقوت کی ہو اور اس کے ستون زبرجد کے ہوں۔ چنانچہ حکمِ خدا پر وہ گھر بن گیا۔ روزانہ ستر ہزار فرشتے اس گھر کا طواف کرتے ہیں اور وقت معلوم سے پہلے انھیں دوبارہ طواف کا موقع نہیں ملتا۔

۸۱- امام جعفر صادق علیہ السلام سے طواف کی ابتدا کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدم کا ارادہ کیا تو اس نے بزمِ ملائکہ میں اعلان کیا اِنِّیۡ جَاعِلٌ فِی الۡاَرۡضِ خَلِیۡفَۃً- (میں زمین میں اپنا نائب بنانے والا ہوں) یہ اعلان سن کر دو فرشتوں نے کہا: اَتَجۡعَلُ فِیۡهَا مَنۡ یُّفۡسِدُ فِیۡهَا وَیَسۡفِكُ الدِّمَآءَ - (کیا تو اسے اپنا نائب بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور ناحق خون بہائے گا) جب دو فرشتوں نے اعتراض کیا تو ان کے اور خدا کے درمیان حجاب پڑ گئے جب کہ اس سے قبل اللہ کا نور ملائکہ کے سامنے ظاہر ہوتا تھا اور جب حجاب درمیان میں آگئے تو انہیں یقین ہوگیا کہ ان کے اعتراض کی وجہ سے خدا ان پر ناراض ہوگیا ہے۔ پھر انھوں نے دوسرے فرشتوں سے کہا کہ ہم سے خطا سرزد ہوئی ہے اب بتاؤ کہ ہم کیسے توبہ کریں؟

فرشتوں نے کہا کہ ہماری نظر میں توبہ کا بس یہی راستہ ہے کہ تم عرشِ خدا کی پناہ میں چھپ جاؤ اور توبہ کرو۔

چنانچہ ان دونوں فرشتوں نے دوسرے فرشتوں کے مشورہ پر عمل کیا۔ آخرکار خدا نے ان کی توبہ قبول فرمائی اور نورِ خداوندی اور ان کے درمیان جو حجاب پڑ چکے تھے وہ توبہ قبول ہوتے ہی اٹھ گئے۔ اللہ تعالیٰ کو فرشتوں کی توبہ کا یہ انداز پسند آیا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے زمین پر اپنا گھر (کعبہ) بنوایا تاکہ بندے گناہ کے بعد اس گھر کا طواف کریں۔ اسی طرح کا ایک اور گھر جس کا نام بیت المعمور ہے آسمان پر بھی قائم ہے جہاں روزانہ ستر ہزار فرشتے طواف کرتے ہیں اور پھر انھیں قیامت تک اس کا طواف دوبارہ نصیب نہیں ہوگا۔

۸۲- ابوحمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ میں نے امام علی زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا کہ طواف میں سات چکر کیوں مقرر کیے گئے؟

آپؑ نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے خلافتِ آدم کا اعلان کیا تھا تو فرشتوں نے کہا تھا کہ کیا تو اسے اپنا نائب بنائے گا جو زمین میں فساد کرے گا اور ناحق خون بہائے گا۔

اللہ تعالیٰ نے جواب میں فرمایا: جو کچھ میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے۔

اس گفتگو سے قبل ملائکہ اور نورِ خداوندی کے درمیان کوئی حجاب نہیں ہوا کرتا تھا مگر اس کے بعد پورے سات ہزار سال تک ان کے اور خدا کے نور کے درمیان پردے حائل ہوگئے۔ فرشتوں نے سات ہزار سال تک عرشِ خداوندی کا طواف کیا۔ پھر اللہ نے ان پر رحم کیا اور ان کی توبہ قبول فرمائی۔ پھر اللہ نے چوتھے آسمان پر توبہ وطواف کے لیے بیت المعمور قائم کیا اور اسے ملائکہ کے جمع ہونے کا مقام فرمایا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے بیت المعمور کے عین نیچے بیت الحرام کعبہ قائم کیا اور اسے انسانوں کے لیے جمع ہونے کا مقام بنایا اور اسے مقام امن بنایا۔ فرشتوں نے سات ہزار سال تک طواف کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ہر ہزار سال کے بدلے میں ایک چکر مقرر کیا اسی لیے طواف کے سات چکر مقرر کیے گئے۔

۸۳- عیون الاخبار میں حسین بن بشار کا بیان ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا جو چیز ابھی تک پیدا ہی نہیں ہوئی کیا اللہ اس کی پیدائش سے پہلے اس کے حال و اوصاف سے باخبر ہوتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا اللہ اشیاء کے منصہِ شہود پر آنے سے پہلے ان کے حالات و کیفیات کو جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

إِنَّا كُنَّا نَسْتَنسِخُ مَا كُنتُمْ تَعْمَلُونَ ○ (جاثیہ:۲۹)

''ہم تمھارے اعمال کو برابر لکھوا رہے تھے''۔

اللہ تعالیٰ نے اہلِ دوزخ کے متعلق ارشاد فرمایا

وَلَوْ رُدُّوا لَعَادُوا لِمَا نُهُوا عَنْهُ وَإِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ ○ (الانعام ۲۸)

''اور اگر انھیں دنیا میں پلٹا بھی دیا جائے تو پھر بھی وہی اعمال دہرائیں گے جن سے انھیں روکا گیا ہے اور یقیناً وہ جھوٹے ہیں''۔

اللہ کو یہ بات معلوم تھی کہ اگر اہل دوزخ کو دنیا میں دوبارہ پلٹ بھی دیا جائے تو بھی وہ اپنی سابقہ روش سے باز نہیں آئیں گے۔

اسی طرح سے جب ملائکہ نے خلافتِ آدم کے اعلان کے وقت کہا تھا کہ نسلِ آدم فساد کرے گی اور ناحق خون ریزی کرے گی تو اللہ نے ان کے جواب میں فرمایا:

إِنِّي أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ ○

''جو کچھ میں جانتا ہوں تم نہیں جانتے''۔

اللہ کا علم تخلیق اشیاء سے پہلے سے موجود ہے۔ اشیاء بعد میں بنیں۔ ان کے مصیر مآل کے متعلق اللہ کو پہلے سے معلوم ہوتا ہے۔ اللہ ازل سے ہی عالم، سمیع و بصیر ہے۔

۸۴۔ علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ایک شخص نے میرے والد سے پوچھا کہ جب خلافتِ آدم کے اعلان کے وقت ملائکہ نے اعتراض کیا اور اللہ ان سے ناراض ہوا تو وہ ان پر دوبارہ راضی کیسے ہوا؟

آپ نے فرمایا کہ ملائکہ نے سات سال تک عرش کا طواف کیا تھا اور دوران طواف وہ دعا و استغفار میں مصروف رہے اور خدا سے درخواست کرتے رہے کہ وہ ان سے راضی ہو جائے۔ چنانچہ سات سال کے بعد خدا ان سے راضی ہوا۔

سائل نے آپ کا جواب سن کر کہا کہ آپ نے سچ فرمایا۔ پھر وہ اٹھ کر چلا گیا۔ اس کے جانے کے بعد میرے والد علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ جبریلؑ تھے جو تمھیں تمھارے دین کے احکام کی تعلیم دینے کے لیے آئے تھے''۔

یہ حدیث طویل ہے، ہم نے اسے بقدرِ ضرورت نقل کیا ہے۔

۸۵۔ مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا:

''ملائکہ نے خدا سے یہ خواہش کی تھی کہ وہ آدم کے بجائے انھیں زمین میں اپنا نائب مقرر کرے اور اس کے لیے نھوں نے اپنی تسبیح و تقدیس کو بنیاد بنایا تھا اور کہا تھا کہ ہم دوسری مخلوق کی طرح سے تیرے نافرمان نہیں ہیں۔

جواب میں اللہ نے فرمایا: ''جو میں جانتا ہوں وہ تم نہیں جانتے''۔ اس جواب سے ملائکہ نے محسوس کیا کہ انھوں نے اپنی حد سے تجاوز کیا ہے۔ پھر انھوں نے عرش کا طواف کیا اور اپنی خطا کے لیے مغفرت طلب کی۔

جب آدم علیہ السلام زمین پر تشریف لائے تو اللہ تعالیٰ نے اسے حکم دیا کہ وہ زمین پر ایک گھر تعمیر کرے تا کہ گناہ گار انسان اس گھر کا طواف کریں اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں۔ چنانچہ کعبہ بھی وہی مقام رکھتا ہے جو ملائکہ مقربین کے لیے عرش کا مقام تھا۔

اللہ تعالیٰ نے اِنِّیۡۤ اَعۡلَمُ مَا لَا تَعۡلَمُوۡنَ کے الفاظ سے ملائکہ کو بتایا کہ میں مصلحتوں کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔

۸۶۔ کتاب کمال الدین و تمام النعمۃ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو اپنی تمام حجتوں کے نام بتائے۔ پھر انھیں ارواح کی حالت میں ملائکہ کے سامنے پیش کیا

اور ان سے فرمایا: اگر تم اپنی تسبیح و تقدیس کی بنا پر خلافت کے دعویٰ میں سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ۔

ملائکہ نے عرض کیا: ''تو پاک ہے ہمارے پاس صرف اتنا ہی علم ہے جتنا کہ تو نے ہمیں تعلیم کیا ہے۔ بے شک تو صاحب علم و حکمت ہے''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ سے فرمایا کہ تم انھیں ان کے نام بتاؤ۔ چنانچہ جب آدم نے ان ہستیوں کے نام بتائے تو ملائکہ کو معلوم ہوا کہ واقعی یہ ذوات طاہرہ ہماری بہ نسبت خلیفۃ اللہ اور حجۃ اللہ بننے کی زیادہ حقدار ہیں۔ اس کے بعد اللہ نے ان ہستیوں کو ملائکہ کی نظروں سے غائب کر دیا اور ملائکہ کو ان کی ولایت اور محبت کا حکم دیا اور ملائکہ سے فرمایا:

اَلَمْ اَقُلْ لَّكُمْ اِنِّيْٓ اَعْلَمُ غَيْبَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۙ وَاَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝

''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کی چھپی ہوئی چیزوں کو جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کر رہے ہو اور جو کچھ تم چھپا رہے ہو، میں اس کو بھی جانتا ہوں''۔

۸۷- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آدم کو کن چیزوں کے نام تعلیم کیے گئے تھے؟

آپؑ نے فرمایا: آدمؑ کو زمینوں، پہاڑوں، گھاٹیوں اور وادیوں کے نام تعلیم کیے گئے تھے۔ پھر آپؑ نے اپنے نیچے بچھے ہوئے فرش کی طرف دیکھ کر فرمایا: آدمؑ کو اس فرش کا علم بھی دیا گیا تھا۔

۸۸- بصائر الدرجات میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے:

آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: ''میری تمام اُمت کو مٹی میں یکجا کر کے مجھے دکھایا گیا اور مجھے ان کے ناموں کی اسی طرح سے تعلیم دی گئی جیسا کہ آدم کو تمام اسماء کی تعلیم دی گئی تھی''۔

۸۹- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رسولؐ خدا کے پاس ایک بوری بھیجی گئی جس میں مختلف اشیاء کے بیج تھے۔ رسولؐ خدا نے بوری کھولی اور ہر بیج علیحدہ کر کے حضرت علیؑ سے پوچھنا شروع کیا کہ یہ کیا چیز ہے اور یہ کیا چیز ہے؟

جب حضرت علی علیہ السلام نے تمام بیجوں کے نام بتائے تو رسولؐ خدا نے فرمایا:

''اللہ نے تمھیں بھی آدم کی طرح تمام چیزوں کے ناموں کا علم عطا کیا ہے''۔

۹۰۔ کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے ایک سائل کے جواب میں عظمت خداوندی بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

''ملائکہ خدا کی کرسی کرامت کے قریب رہنے اور طول اشتیاق رکھنے اور اس کے ہاں مقامِ قرب رکھنے کے باوجود بھی صرف اتنا ہی علم رکھتے تھے جتنا کہ خدا نے انھیں تعلیم فرمایا تھا جب کہ وہ مقامِ قدس کے باسی تھے اور ان کے خمیر میں اللہ نے علم عطا کیا تھا مگر انھیں بھی اپنی عاجزی کا اعتراف کرنا پڑا اور انھیں یہ کہنا پڑا کہ تو پاک ہے ہمارے پاس بس اتنا ہی علم ہے جتنا کہ تو نے ہمیں عطا کیا ہے بے شک تو صاحب علم وحکمت ہے۔

اب سائل خود ہی اندازہ کرو کہ اس کی عظمت کیا ہوگی؟

۹۱۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں وَعَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا کے تحت مرقوم ہے کہ اللہ نے حضرت آدم کو پہاڑوں، دریاؤں، وادیوں، نباتات اور حیوانات کے ناموں کی تعلیم دی تھی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا: اَنْۢبِـُٔوْنِيْ بِاَسْمَآءِ هٰٓؤُلَآءِ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ۝ ''اگر تم اپنے دعویٰ میں سچے ہو تو مجھے ان کے نام بتاؤ''۔

اس وقت فرشتوں نے اپنی عاجزی کا اقرار کیا اور کہا کہ ہمارے پاس بس اتنا ہی علم ہے جتنا کہ تو نے ہمیں تعلیم کیا ہے تو ہی صاحب علم وحکمت ہے۔

پھر اللہ نے فرشتوں سے فرمایا:

''کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں آسمانوں اور زمین کے غیب کو جانتا ہوں اور جو کچھ تم ظاہر کرتے ہو اور جو کچھ چھپاتے ہو میں اسے بھی جانتا ہوں''۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت آدم کو ان پر حجت بنایا۔

وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى وَاسْتَكْبَرَ ٝ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ۝۳۴ وَقُلْنَا يٰٓاٰدَمُ اسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا ۠ وَلَا

تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿٣٥﴾ فَاَزَلَّهُمَا الشَّيْطٰنُ عَنْهَا فَاَخْرَجَهُمَا مِمَّا كَانَا فِيْهِ ۠ وَقُلْنَا اهْبِطُوْا بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ ۚ وَلَكُمْ فِي الْاَرْضِ مُسْتَقَرٌّ وَّمَتَاعٌ اِلٰى حِيْنٍ ﴿٣٦﴾ فَتَلَقّٰٓى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ ۭ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿٣٧﴾ قُلْنَا اهْبِطُوْا مِنْهَا جَمِيْعًا ۚ فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿٣٨﴾ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَكَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَآ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿٣٩﴾

''اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ آدم کے لیے سجدہ کرو تو ابلیس کے علاوہ سب نے سجدہ کیا۔ اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے تھا۔ اور ہم نے کہا: اے آدم تو اور تیری بیوی جنت میں سکونت اختیار کرو اور جہاں سے چاہو اطمینان سے کھاؤ اور اس درخت کے قریب نہ جانا ورنہ ظلم کرنے والوں میں سے ہو جاؤ گے۔ شیطان نے انھیں وہاں سے پھسلایا اور انھیں وہاں سے باہر نکلوا دیا جہاں وہ رہتے تھے اور ہم نے کہا تم زمین پر اتر جاؤ تم میں سے بعض، بعض کے دشمن ہوں گے اور زمین پر ہی تمھاری رہائش ہوگی اور ایک خاص وقت تک وہاں فائدہ اٹھاتے رہو گے۔ پس آدم کو اس کے پروردگار کی طرف سے کچھ کلمات ملے اور خدا نے ان کی

توبہ قبول کی بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ ہم نے کہا کہ تم سب یہاں سے اتر جاؤ اگر تمھارے پاس میری طرف سے ہدایت آجائے تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا اس پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ گھبرائیں گے۔ اور جن لوگوں نے کفر کیا اور ہماری آیات کو جھٹلایا تو وہ جہنمی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

۹۲۔تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ خدا اپنی مخلوق کو جو حکم دیتا ہے کیا اس کے حکم میں گمراہ افراد بھی شامل ہوتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں، صرف گمراہ ہی شامل نہیں ہوتے بلکہ اس حکم میں کافر بھی شامل ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو سجدہ آدم کا حکم دیا تھا اور اس حکم میں ابلیس بھی شامل تھا۔ ابلیس آسمانوں پر ملائکہ کے ساتھ عبادت کیا کرتا تھا۔ ملائکہ سمجھتے تھے کہ اس کا تعلق ان کی جماعت سے ہے حالانکہ وہ جنس ملائکہ کا فرد نہیں تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو سجدہ آدم کا حکم دیا تو اس وقت اس کے دل میں چھپا ہوا حسد کھل کر سامنے آگیا تب ملائکہ کو پتہ چلا کہ وہ ان کی جماعت کا فرد نہیں ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ سجدہ آدم کا حکم تو صرف ملائکہ کو دیا گیا تھا اور ابلیس کا تعلق ملائکہ سے نہیں تھا لہٰذا وہ اس حکم کا مکلف ہی نہیں تھا جب وہ اس حکم کا مکلف ہی نہیں تھا تو اللہ اس پر ناراض کیوں ہوا؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اگرچہ ابلیس جنس ملائکہ میں سے نہیں تھا لیکن وہ ان میں ''بالولاء'' شامل تھا۔ آدم کی پیدائش سے قبل اللہ نے ایک مخلوق پیدا کی تھی جو کہ زمین پر رہائش پذیر تھی اور ابلیس ان کا حاکم تھا۔ ان لوگوں نے زمین پر فتنہ وفساد پھیلایا۔ اللہ نے ان پر عذاب نازل کیا اور فرشتوں کو بھیجا جنہوں نے ان کا قتل عام کیا اور ابلیس کو گرفتار کرکے آسمان پر لے گئے جہاں وہ ان کے ساتھ عبادت میں مصروف ہوگیا اور تخلیق آدم تک عبادت کرتا رہا۔

۹۳۔ کتاب مذکور میں تخلیق آدم کے متعلق ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں یہ الفاظ بھی ہیں۔ آدم کا ڈھانچہ چالیس سال تک بنا رہا جب بھی ابلیس آدم کے بے جان ڈھانچے کے پاس سے گزرتا تو بے ادبی کرکے کہتا تھا: تجھے کیوں بنایا گیا؟ اور اگر کل کلاں خدا نے مجھے اس کے سامنے سجدہ کرنے کا حکم دیا تو میں اس کی نافرمانی کروں گا۔

پھر آدم علیہ السلام میں روح پھونکی گئی۔ جب روح ان کے دماغ تک پہنچی تو انھیں چھینک آئی اور انھوں نے

"الحمد للہ" کہا۔ اس کے جواب میں خدا نے "یرحمك الله" کہا۔

امام صادق علیہ السلام نے فرمایا: آدم کے لیے اللہ کی رحمت نے سبقت کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو سجدۂ آدم کا حکم دیا۔ ملائکہ نے سجدہ کیا۔ ابلیس نے اپنے دل میں چھپے ہوئے حسد کا اظہار کیا اور سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔

۹۴- روضہ کافی میں جمیل بن دراج سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: کیا ابلیس کا تعلق ملائکہ سے تھا یا آسمان میں وہ کسی چیز کا انچارج تھا؟

آپؑ نے فرمایا: وہ صنفِ ملائکہ کا فرد نہیں تھا اور نہ ہی وہ کسی چیز کا انچارج و مختار تھا۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام علیہ السلام کا جواب "طیار" کے سامنے نقل کیا تو اس نے آپ کے جواب کو پسند نہ کیا اور کہنے لگا۔ ابلیس بزمِ ملائکہ میں سے کیسے نہیں تھا جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ (اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو۔ ابلیس کے علاوہ باقی سب نے سجدہ کیا)؟

پھر "طیار" امام علیہ السلام کے پاس گیا اور اس وقت میں بھی وہاں موجود تھا۔ اس نے کہا: میں آپؑ پر قربان جاؤں، کیا یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب میں منافق بھی شامل ہیں؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"جی ہاں یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب میں منافق اور گمراہ افراد بھی شامل ہیں۔ اس خطاب میں دعوت ظاہری کے اقرار کرنے والا ہر شخص شامل ہے۔

۹۵- اصولِ کافی میں جمیل سے منقول ہے کہ "طیار" مجھ سے کہا کرتا تھا کہ ابلیس کا تعلق صنفِ ملائکہ سے نہیں تھا اور سجدہ آدم کا حکم صرف ملائکہ کو دیا گیا تھا لہٰذا اگر ابلیس نے سجدہ نہیں کیا تو اس میں اس کا کیا قصور تھا؟

چنانچہ ایک دن میں اور "طیار" دونوں مل کر امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں گئے۔ طیار نے عرض کیا: مولاؑ! یہ فرمائیں کہ یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کے خطاب میں اللہ نے منافقین کو بھی شامل کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، اس خطاب میں منافق، گمراہ اور تمام وہ افراد شامل ہیں جنہوں نے ظاہری دعوت کا اقرار کیا ہے اور ابلیس بھی دعوتِ ظاہری کے اقرار کرنے والوں میں سے تھا اسی لیے وہ بھی سجدۂ آدم کے حکم میں شامل تھا۔

۹۶- امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

ملائکہ یہ سمجھتے تھے کہ ابلیس ان کی جماعت کا فرد ہے جب کہ اللہ کے علم میں تھا کہ وہ ان کی جماعت کا فرد نہیں ہے۔
چنانچہ جب اللہ نے سجدہ آدم کا حکم دیا تو اس نے غضب و تعصب سے اپنی اصلیت کو ظاہر کر دیا اور اس نے خدا سے کہا:
خلقتنی من نار وخلقته من طین ''تو نے مجھے آگ سے پیدا کیا اور آدم کو مٹی سے بنایا''۔

۹۷- امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بتا دیا تھا کہ فلاں فلاں لوگ آپ کی وصیت پر عمل نہ کریں گے اور وہ خلافتِ علیؑ کو تسلیم نہیں کریں گے۔ رسولؐ خدا کو یہ جان کر دکھ ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تسلی کے لیے قرآن مجید میں قصۂ آدم نازل کیا اور اس ذریعہ سے اپنے رسولؐ کو تسلی دی کہ لوگوں کی نافرمانی دیکھ کر آپ کو غمگین ہونے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ میں نے بھی ابلیس کو سجدۂ آدم کا حکم دیا تھا اور اس نے میری نافرمانی کی تھی۔ جب میں نافرمانی کو دیکھ کر پریشان نہیں ہوا تو آپ بھی کسی کی نافرمانی کو دیکھ کر پریشان نہ ہوں۔

۹۸- موسیٰ بن بکر کہتے ہیں کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا:
مولا! کیا کفر قدیمی ہے یا شرک قدیمی ہے؟
امام علیہ السلام نے فرمایا: اس سے پہلے تو تم اس طرح کے مباحثے نہیں کرتے تھے۔
میں نے کہا: مجھے ہشام بن سالم نے کہا تھا کہ میں آپ سے یہ سوال کروں۔
آپؑ نے فرمایا: کفر قدیمی ہے کیونکہ کفر انکار کو کہا جاتا ہے۔ سب سے پہلے اللہ کی نافرمانی ابلیس نے کی تھی اور اس کے متعلق اللہ نے فرمایا:

اَبٰی وَاسْتَكْبَرَ ۗ وَكَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ۝ (اس نے انکار کیا اور تکبر کیا اور وہ کافروں میں سے ہو گیا)

۹۹- کتاب احتجاج طبرسی میں امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ ایک یہودی نے حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے کہا:

''اللہ نے ملائکہ سے آدم کا سجدہ کرایا تھا تو کیا تمہارے نبی کو بھی اللہ نے اس جیسی کوئی فضیلت دی ہے؟''
امیر المومنین علیہ السلام نے جواب دیا:
''آدم کا سجدہ سجدۂ اطاعت نہیں تھا۔ اس سجدہ سے آدم کی فضیلت کا اعتراف کرانا مقصود تھا اور یہ دکھانا تھا کہ آدم پر اللہ کی رحمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کو اس سے بھی عظیم فضیلت عطا کی ہے۔ اللہ صاحب جبروت ہے اور ملائکہ اس کے خادم خاص ہیں مگر اللہ صاحبِ جبروت ہو کر اور ملائکہ اس کے مقرب ہو کر ہمارے نبی پر درود بھیجتے ہیں اور اللہ نے

اہل ایمان کو بھی حکم دیا کہ وہ بھی نبی اکرمؐ پر درود بھیجیں۔ یہودی! یہ اس سے بڑی فضیلت ہے"۔

۱۰۰- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ اس کا ایک حصہ یہ ہے

"اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو پیدا کیا اور ہمیں اس کی صلب میں بطور ودیعت رکھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کو سجدہ کا حکم دیا اور اس سے ہماری تعظیم و تکریم مقصود تھی۔ ملائکہ کا سجدہ اللہ کی عبودیت' آدم کے احترام کا مظہر تھا کیونکہ ہم اس کی صلب میں موجود تھے۔ لہٰذا ہم ملائکہ سے افضل کیوں نہ ہوں گے جب کہ ان سب نے تو آدم کا سجدہ کیا ہے۔

۱۰۱- کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ اس حدیث کا ایک حصہ یہ ہے:

'جب حضرت آدمؑ کی وفات ہوئی اور ان کے فرزند ہبۃ اللہ نے ان پر نمازِ جنازہ پڑھنے کا ارادہ کیا تو اس وقت جبریلؑ امین نازل ہوئے۔ حضرت ہبۃ اللہ نے حضرت جبریلؑ سے کہا آپ آگے بڑھیں اور میرے والد کا نمازِ جنازہ پڑھائیں۔ (ہم آپ کی اقتداء کریں گے)

جبریلؑ نے کہا ہبۃ اللہ! اللہ نے جنت میں ہمیں تیرے والد کے سجدہ کا حکم دیا تھا اسی لیے ہم اس کی اولاد کی امامت نہیں کرا سکتے۔

۱۰۲- علل الشرائع میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ شب معراج جبریلؑ امین نے اذان واقامت کہی۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: جبریلؑ آگے آؤ اور امامت کراؤ۔

جبریلؑ نے عرض کیا: جب سے اللہ نے ہمیں سجدۂ آدم کا حکم دیا ہے تب سے ہم بنی آدم کے امام نہیں بنتے۔

۱۰۳- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

"آدم کا نام "آدم" اس لیے رکھا گیا کیونکہ اسے "ادیم ارض" (زمین کا چہرہ) سے پیدا کیا گیا۔

۱۰۴- حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ آدم کا نام "آدم" کیوں رکھا گیا؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: کیونکہ انھیں زمین کی خاک اور "ادیم ارض" (زمین کا چہرہ) سے پیدا کیا گیا تھا۔

۱۰۵- عیون الاخبار میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے' اس کا ایک حصہ یہ ہے:

آپؑ سے پوچھا گیا کہ آدم کو "آدم" کیوں کہا جاتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: کیونکہ انھیں "ادیم ارض" سے پیدا کیا گیا۔

آپؑ سے پوچھا گیا کہ آسمان پر ابلیس کا کیا نام تھا؟

آپؑ نے فرمایا: اس کا نام "حارث" تھا۔

آپ سے پوچھا گیا کہ کائنات کا پہلا کافر کون ہے اور کفر کا موجد کون ہے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ ابلیس لعین ہے۔

۱۰۶- کتاب التوحید میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا:

"کیا تو یہ سمجھتا ہے کہ خدا نے بس یہی ایک جہان پیدا کیا ہے؟ اور کیا تو سمجھتا ہے کہ اللہ نے تمھارے علاوہ اور کوئی بشر ہی پیدا نہیں کیے ہیں؟"

امامؑ نے فرمایا۔ جی ہاں! خدا کی قسم! اللہ نے ایک لاکھ جہان پیدا کیے ہیں اور اس نے ایک لاکھ آدم پیدا کیے ہیں۔ تیرا تعلق آخری آدم سے ہے۔ باقی آدم پہلے گزر چکے ہیں۔

۱۰۷- کتاب معانی الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ابلیس کا نام حارث تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسے ابلیس کہہ کر مخاطب کیا جس کا معنی نافرمان ہے۔ مایوس ہونے کو "ابلاس" کہا جاتا ہے اور چونکہ وہ اللہ کی رحمت سے مایوس ہے اسی لیے اسے "ابلیس کہا جاتا ہے۔

۱۰۸- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا:

باپ تین ہیں ۱- آدم باپ ہے اس کی اولاد میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی ہیں۔ ۲- "جان" باپ ہے اس کی اولاد میں مومن بھی ہیں اور کافر بھی ہیں۔ ۳- ابلیس باپ ہے اور اس کی تمام نسل کافر ہے وہ انڈے دیتا ہے اور بچے دیتا ہے اس کی اولاد میں صرف لڑکے ہی ہیں لڑکی کوئی نہیں ہے۔

عصمت انبیاء

۱۰۹- عیون الاخبار میں علی بن محمد بن جہم سے روایت ہے کہ میں مامون کے دربار میں گیا۔ وہاں امام علی رضا علیہ السلام موجود تھے۔ مامون نے ان سے کہا:

فرزندِ رسولؐ! کیا آپؑ انبیاء کی عصمت کا عقیدہ رکھتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔ (انبیاء معصوم ہیں)

مامون نے کہا: پھر قرآن مجید کی اس آیت کا کیا مفہوم ہے: "وَعَصٰۤى اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰى"۔

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جب آدم کو جنت میں رہائش دی تھی تو اس سے فرمایا تھا:

اُسْكُنْ اَنْتَ وَزَوْجُكَ الْجَنَّةَ وَكُلَا مِنْهَا رَغَدًا حَيْثُ شِئْتُمَا وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ۔

''تو اور تیری بیوی جنت میں رہائش رکھو اور جہاں سے چاہو بافراغت کھاؤ اور اس درخت کے قریب مت جانا''۔

اللہ تعالیٰ نے گندم کے درخت کی طرف اشارہ کیا تھا اور فرمایا تھا:

فَتَكُوْنَا مِنَ الظّٰلِمِيْنَ ۝ ''ورنہ تم ظلم کرنے والوں میں سے بن جاؤ گے''۔

اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا کو اس درخت کے قریب جانے سے روکا تھا۔ انھیں اس کا پھل کھانے سے نہیں روکا تھا اور یہ بھی نہیں کہا تھا کہ تم اس درخت یا اس درخت کی جنس کے دوسرے درختوں کا پھل نہ کھانا۔ اور حضرت آدم وحوا اس مخصوص درخت کے پاس بھی نہیں گئے تھے۔ انھوں نے اس کے علاوہ اس کی جنس کے دوسرے درخت کا پھل کھایا تھا۔ ابلیس نے انھیں وسوسہ میں ڈالتے ہوئے کہا مَا نَهٰىكُمَا رَبُّكُمَا عَنْ هٰذِهِ الشَّجَرَةِ - اللہ تعالیٰ نے تم دونوں کو اس درخت سے منع نہیں کیا تھا بلکہ اس نے تمھیں دوسرے درخت کے قریب جانے سے روکا تھا۔ اس نے تمھیں اس کا پھل کھانے سے نہیں روکا تھا اور اس کے روکنے کا مقصد یہ تھا:

اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَا مَلَكَيْنِ اَوْ تَكُوْنَا مِنَ الْخٰلِدِيْنَ وَقَاسَمَهُمَاۤ اِنِّيْ لَكُمَا لَمِنَ النّٰصِحِيْنَ ۝

''کہ کہیں تم دونوں فرشتے نہ بن جاؤ یا تم کو ہمیشہ کی زندگی نہ مل جائے اور اس نے ان دونوں سے قسم کھا کر کہا تھا کہ یقیناً میں تم دونوں کا خیر خواہ ہوں''۔

اس سے قبل آدم وحوا نے کسی کو خدا کی جھوٹی قسم کھاتے ہوئے نہیں دیکھا تھا۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا: فَدَلّٰىهُمَا بِغُرُوْرٍ وہ ان دونوں کو دھوکا دینے میں کامیاب ہوگیا۔ اس قسم پر اعتماد کر کے آدم وحوا نے اس درخت کا پھل کھایا اور یہ سب کچھ منصب نبوت سے قبل سرزد ہوا تھا۔ حضرت آدم کا یہ فعل گناہِ کبیرہ نہ تھا جس کی وجہ سے وہ دوزخ کے حقدار بنتے۔ حضرت آدم کا یہ فعل ''صغائر'' میں سے تھا جو کہ نزولِ وحی سے قبل انبیاء کے لیے جائز ہے۔ جب اللہ نے ان کا انتخاب کیا اور انھیں نبی بنایا تو پھر ان سے کوئی ترک اولیٰ صادر نہیں ہوا۔ ان کی پوری زندگی عصمت میں گزری۔ ان سے کوئی صغیرہ کبیرہ گناہ

صادر نہیں ہوا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَصٰی اٰدَمُ رَبَّهٗ فَغَوٰی ثُمَّ اجْتَبٰهُ رَبُّهٗ فَتَابَ عَلَيْهِ وَهَدٰی ○ (طٰہٰ:۱۲۱-۱۲۲)

''اور آدم نے رب کی نافرمانی کی اور بھٹک گیا۔ پھر اس کے رب نے اسے چُنا اور اس کی توبہ قبول کی اور اسے ہدایت دی''۔

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰی اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِيْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ - (آل عمران:۳۳)

''بے شک اللہ نے آدم اور نوح اور آلِ ابراہیم اور آلِ عمران کو تمام جہانوں سے چُن لیا''۔

۱۱۰- اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ امام علی زین العابدین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ خدا کے نزدیک کون سا عمل افضل ہے؟

آپؑ نے فرمایا کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی معرفت کے بعد سب سے افضل عمل بُغض دنیا ہے اور اس کی کئی شاخیں ہیں اور نافرمانی کی بھی کئی شاخیں ہیں۔ اللہ کی سب سے پہلی نافرمانی تکبر کی وجہ سے کی گئی اور تکبر کا مظاہرہ ابلیس نے کیا تھا۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: اَبٰی وَ اسْتَكْبَرَ وَ كَانَ مِنَ الْكٰفِرِيْنَ ○ ''اس نے انکار کیا اور تکبر اور کافروں میں سے ہوگیا''۔

خدا کی دوسری نافرمانی کی بنیاد حرص پر تھی۔ چنانچہ آدم و حوا نے حرص کیا تھا جب کہ ان کے لیے پوری جنت مباح تھی مگر انھوں نے حرص سے کام لیا اور ایسی چیز کے طلب گار بنے جس کی انھیں ضرورت ہی نہ تھی اور یہی حرص نسلِ آدم میں بطورِ میراث قیامت تک کے لیے جاری ہوا' اور ابنِ آدم اکثر ان چیزوں کا طلب گار رہتا ہے جس کی اسے کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔

۱۱۱- عیون الاخبار میں ابوصلت عبدالسلام بن صالح ہروی کا بیان مرقوم ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا:

فرزندِ رسولؐ! وہ درخت کون سا تھا جس کا پھل آدم و حوا نے کھایا تھا کیونکہ اس کے متعلق لوگوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ گندم کا درخت تھا۔ کچھ کہتے ہیں کہ وہ انگور کا درخت تھا اور کچھ لوگ کہتے ہیں کہ وہ شجرہِ حسد تھا؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: یہ سب باتیں صحیح ہیں۔

میں نے عرض کیا: اس اختلاف کے باوجود سب باتیں کیسے صحیح ہوسکتی ہیں؟

آپ نے فرمایا: ابوصلت! جنت کے ایک ایک درخت پر کئی طرح کے میوے ہیں۔ وہ تھا تو گندم کا درخت اس پر گندم کے علاوہ انگور بھی تھے۔ جنت کے درخت دنیا کے درختوں کی مانند نہیں ہیں۔ جب اللہ تعالیٰ نے ملائکہ کو آدم کے سامنے سجدہ کرایا اور اسے مسجود ملائک کا شرف عطا کیا۔ پھر اسے اپنی جنت میں رہائش کا حکم دیا تو حضرت آدم نے اپنے دل میں سوچا کیا اللہ نے مجھ سے بھی افضل کوئی بشر پیدا کیا ہوگا؟

اللہ تعالیٰ نے اس کے دل کی کیفیت کو دیکھا تو آواز دی اے آدم! سر اٹھاؤ اور میرے عرش کے کنارے کو دیکھو۔

آدم علیہ السلام نے سر اٹھایا اور کنارہ عرش کو دیکھا تو اس نے وہاں یہ سطریں لکھی ہوئی دیکھیں:

لا الٰہ الا اللّٰہ محمد رسول اللّٰہ علی بن ابی طالب امیر المومنین وزوجتہ فاطمۃ سیدۃ نساء العالمین والحسن والحسین سیدا شباب اھل الجنۃ۔

"اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں۔ محمدؐ اللہ کے رسولؐ ہیں۔ علیؑ بن ابی طالبؑ مومنین کے امیر ہیں۔ ان کی زوجہ فاطمہؑ تمام جہانوں کی عورتوں کی سردار ہیں اور حسنؑ و حسینؑ جوانانِ جنت کے سردار ہیں"۔

آدمؑ نے کہا: پروردگار! یہ کون ہیں؟

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "یہ تیری اولاد میں سے ہیں اور وہ نہ صرف تجھ سے بلکہ میری تمام مخلوق سے بہتر ہیں اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں تجھے پیدا نہ کرتا اور اگر وہ نہ ہوتے تو میں جنت و دوزخ اور آسمان و زمین کو پیدا نہ کرتا۔ خبردار! انھیں نگاہ حسد سے نہ دیکھنا اور ان کے مقام کی تمنا نہ کرنا"۔

ابلیس حضرت آدمؑ پر مسلط ہوگیا یہاں تک کہ انھوں نے شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھا لیا اور ابلیس حوا پر مسلط ہوا جس کی وجہ سے اس نے حضرت فاطمہ زہرا سلام اللہ علیہا کو نگاہِ حسد سے دیکھا اور اس نے بھی آدم کی طرح شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھایا۔ جس کی وجہ سے اللہ نے انھیں جنت سے نکال دیا اور اپنے قرب سے نکال کر زمین پر روانہ کیا۔

۱۱۲- مجمع البیان میں مرقوم ہے: وَلَا تَقْرَبَا هٰذِهِ الشَّجَرَةَ کا معنی یہ ہے کہ اس درخت کا پھل نہ کھانا۔ اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی مروی ہے۔ شجرۂ ممنوعہ کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ وہ کافور کا درخت تھا اور حضرت علی

سے بھی یہ بات مروی ہے۔

۱۱۳۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں مذکور ہے کہ جنت سے نکلنے کے بعد حضرت آدم ''صفا'' پر اترے اور حوا ''مروہ'' پر اتریں۔ صفا کو اسی لیے صفا کہا جاتا ہے کہ صفوۃ اللہ (آدم) اس پر اترے تھے اور مروہ کو مروہ اس لیے کہا جاتا ہے اس پر امرأۃ (عورت) اتری تھی۔

جنت سے اترنے کے بعد آدم پورے چالیس [illegible] اور جنت کو یاد کر کے روتے رہے۔ جبریل علیہ السلام ان کے پاس گئے اور ان سے کہا

''آدم! کیا خدا نے تجھے اپنے [illegible] نہیں کیا اور کیا اس نے تجھ میں اپنی روح نہیں پھونکی اور کیا اس نے اپنے ملائکہ سے تیرا سجدہ نہیں [illegible]

آدم علیہ السلام نے کہا: جی ہاں

جبریل امینؑ نے کہا: خدا نے تجھے حکم [illegible] مت جانا پھر تو نے اس کی نافرمانی کیوں کی؟

حضرت آدمؑ نے کہا:

جبریلؑ! بات یہ ہے کہ ابلیس نے [illegible] کر کہا تھا کہ وہ میرا خیر خواہ ہے اور میں یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ مخلوقات خداوندی میں سے کوئی [illegible] کہہ سکتا ہے۔ (اسی لیے میں نے اس کی قسم پر اعتبار کر لیا تھا)

۱۱۴۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ سے درخواست کی کہ وہ آدمؑ سے اس کی ملاقات کرائے۔ اللہ نے دعا قبول کی اور ان کی ملاقات کرائی

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ابا جان! کیا خدا نے آپ کو اپنے دست قدرت سے پیدا نہیں کیا تھا اور آپ میں اپنی روح نہ پھونکی تھی اور کیا اس نے اپنے ملائکہ سے آپ کا سجدہ نہیں کرایا تھا۔ اس کے باوجود آپ نے خدا کی نافرمانی کیوں کی؟

حضرت آدمؑ نے کہا: موسیٰؑ! یہ بتاؤ تورات میں میری پیدائش سے کتنے برس قبل میری خطا کو تم نے دیکھا ہے؟

حضرت موسیٰؑ نے کہا: آپ کی پیدائش سے تیس ہزار سال پہلے اللہ نے لکھ دیا تھا کہ آدم خطا کرے گا۔

حضرت آدمؑ نے کہا: بس یہی بات تھی اور یوں آدم اس دلیل کی وجہ سے موسیٰؑ پر غالب آئے۔

۱۱۵- من لا یحضرہ الفقیہ میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''یہودیوں کا ایک گروہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا۔ ان کے عالم نے آنحضرتؐ سے کچھ مسائل پوچھے۔ ان میں ایک مسئلہ یہ بھی تھا کہ اللہ نے آپ کی اُمت پر تیس دن کے روزے کیوں فرض کیے جب کہ دوسری اُمتوں پر اس سے زیادہ روزے فرض تھے؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

جب آدم علیہ السلام نے شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھایا تو وہ تیس دن تک ان کے پیٹ میں باقی رہا' اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی اولاد کے لیے تیس دن تک کھانا پینا ممنوع قرار دیا۔ رات کے وقت کھانے کی اجازت اللہ کا خصوصی احسان ہے اور یہی احسان آدم پر بھی کیا گیا تھا۔

۱۱۶- کتاب علل الشرائع میں حسن بن بشار سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جنت آدم کہاں واقع تھی؟

آپؑ نے فرمایا: ''وہ دنیاوی جنتوں میں سے ایک جنت تھی' جہاں شمس و قمر طلوع ہوا کرتے تھے اور اگر آدم کو آخرت کی جنت میں رکھا گیا ہوتا تو اسے وہاں سے کبھی بھی باہر نہ نکالا جاتا''۔

۱۱۸- اصول کافی میں عبداللہ بن سنان سے منقول ہے کہ مشیت اور ہے اور امر اور ہے۔ بعض اوقات اللہ کا امر ہوتا ہے لیکن مشیت نہیں ہوتی۔ بعض اوقات مشیت ہوتی ہے لیکن امر نہیں ہوتا۔ اللہ نے ابلیس کو سجدہ آدم کا حکم دیا تھا لیکن مشیت یہ تھی کہ یہ سجدہ نہ کرے اور اگر مشیت بھی ہوتی تو وہ ضرور سجدہ کرتا۔ اور اللہ نے آدم کو درخت کا پھل کھانے سے منع کیا تھا اور مشیت یہ تھی کہ وہ درخت کا پھل کھائے اور اگر مشیت نہ ہوتی تو آدم کبھی درخت کا پھل نہ کھاتا۔

۱۱۹- امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ کے دو ارادے اور دو مشیتیں ہیں: ایک ''حتمی ارادہ'' ہوتا ہے اور ایک ''ارادہ عزم'' ہوتا ہے۔ جب حتمی ارادہ ہوتا ہے تو وہ اس وقت کسی چیز سے منع کرتا ہے تو اس کی مشیت بھی یہی ہوتی ہے کہ بندہ اس کے فرمان پر رک جائے اور جب ارادہ عزم ہوتا ہے تو وہ حکم دیتا ہے لیکن اس کے ساتھ مشیت شامل نہیں ہوتی۔ کیا تم نے نہیں دیکھا کہ اس نے آدم اور اس کی زوجہ کو درخت کا پھل کھانے سے منع کیا تھا لیکن اس میں اس کی مشیت شامل نہ تھی۔ مشیت کا تقاضا تھا کہ وہ پھل کھائیں اور اگر اللہ کی مشیت ہوتی کہ وہ پھل نہ کھائیں تو آدم و حوا کی مشیت خدا کی مشیت پر کبھی غالب نہ آ سکتی تھی۔

اللہ نے ابراہیم کو حکم دیا کہ وہ اپنے فرزند کو ذبح کرے لیکن اس کی مشیت یہ تھی کہ وہ ذبح نہ کرے۔ اگر اللہ کی مشیت یہی ہوتی کہ وہ اسے ذبح کرے تو وہ ضرور ذبح ہو جاتا اور ابراہیم کی مشیت خدا کی مشیت پر غالب نہیں آسکتی تھی''۔

۱۲۰- نہج البلاغہ میں ذکر آدم کے بعد حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ نے توبہ کے بعد اسے زمین پر اتارا تاکہ اس کی نسل سے اپنی زمین کو آباد کرائے اور اس کے ذریعہ سے اپنے بندوں پر حجت قائم کرے''۔

۱۲۱- نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے:

''پھر اللہ نے آدم کو ایسے گھر میں ٹھہرایا جہاں ان کی زندگی کو خوشگوار رکھا' انھیں شیطان اور اس کی عداوت سے بھی خبردار کر دیا۔ پھر ان کے دشمن نے ان کے جنت میں ٹھہرنے اور نیکوکاروں میں مل جل کر رہنے پر حسد کیا اور آخرکار انھیں فریب دے دیا۔ آدم نے یقین کو شک اور ارادے کے استحکام کو کمزوری کے ہاتھوں بیچ ڈالا۔ مسرت کو خوف سے بدل دیا اور فریب خوردگی کی وجہ سے ندامت اٹھائی۔ پھر اللہ نے آدم کے لیے توبہ کی گنجائش رکھی۔ انھیں رحمت کے کلمے سکھائے اور جنت میں دوبارہ پہنچانے کا ان سے وعدہ کیا اور انھیں مقام آزمائش اور افزائش نسل کی جگہ پر اتار دیا''۔

۱۲۲- تفسیر علی بن ابراہیم میں مذکور ہے کہ وَّمَتَاعٌ اِلٰی حِیْنٍ میں ''حین'' سے روز قیامت مراد ہے۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا:

''تم نے قیامت تک زمین پر رہنا ہے اور قیامت برپا ہونے تک تم نے زمین سے استفادہ کرنا ہے''۔

۱۲۳- روضہ کافی میں مقاتل بن سلیمان سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جب آدم وحوا زمین پر اترے تھے تو ان کے قد کی لمبائی کیا تھی؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جب اللہ تعالیٰ نے آدم اور اس کی بیوی کو زمین پر اتارا تو اس وقت آدم کے قدم صفا کی گھاٹی پر تھے اور اس کا سر آسمان کے اُفق کے قریب تھا۔ انھوں نے اللہ سے سورج کی تپش کی شکایت کی۔ اللہ تعالیٰ نے جبریلؑ کو وحی کی کہ آدم کو سورج کی گرمی سے تکلیف ہو رہی ہے۔

چنانچہ جبریلؑ آئے۔ انھوں نے اپنا ہاتھ ان کے جسم پر لگایا تو ان کا جسم نرم ہو گیا اور جبریلؑ نے آدم کے ہاتھ کی پیمائش کے مطابق ان کا قد ستر ہاتھ بنا دیا۔ پھر انھوں نے حوا کے جسم کو ہاتھ لگا کر اسے نرم کیا اور اسے حوا کے ہاتھ کی پیمائش کے تحت پینتیس ہاتھ بنا دیا۔

(واضح رہے کہ یہ حدیث انتہائی مشکل احادیث میں سے ہے۔ علامہ مجلسی نے بحارالانوار میں اس پر طویل بحث کی ہے۔ مزید تحقیق کے لیے بحارالانوار کی جلد پنجم کے صفحہ ۳۴ طبع قدیم کی طرف رجوع فرمائیں۔ من المحشی)

۱۲۴- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو جنت سے روانہ کیا تو وہ کوہ ابوقبیس پر اترے۔ انھوں نے اللہ سے اپنی تنہائی کی شکایت کی اور کہا: اب مجھے وہ آوازیں سنائی نہیں دیتیں جو مجھے جنت میں سنائی دیتی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر سرخ یاقوت نازل کیا۔ انھوں نے اسے بیت اللہ کے ایک کونے میں نصب کیا۔ آدم بیت اللہ کا طواف کرتے تھے۔ اس پتھر کی روشنی ''مقامِ اعلام'' تک پہنچتی تھی اور جہاں تک اس کی روشنی جاتی تھی اس علاقہ کو اللہ نے حرم بنادیا۔

۱۲۵- امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ اس حدیث میں آپؑ سے یہ سوال بھی کیا گیا کہ روئے زمین کی قابلِ احترام وادی کون سی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: سرندیپ نامی وادی بڑی محترم ہے۔ اللہ نے آدم کو یہیں پر اتارا تھا۔

۱۲۶- الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''پانچ افراد سب سے زیادہ روئے اور وہ یہ ہیں: ۱- آدم ۲- یعقوب ۳- یوسف ۴- فاطمہ بنت محمدؐ ۵- علی بن الحسین علیہم السلام''۔

آدم فراقِ جنت پر اتنا روئے کہ مسلسل اشکوں کی وجہ سے ان کے رخساروں پر نہریں سی بن گئی تھیں...... الی آخرہ۔

۱۲۷- حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''روزِ جمعہ باقی دنوں کا سردار ہے۔ اسی دن میں (اللہ) نے آدم کو پیدا کیا تھا اور اسی دن انھیں زمین پر اتارا گیا۔

۱۲۸- حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''دنیا کے وقت کے مطابق آدم وحوا نے جنت میں صرف سات گھنٹے بسر کیے تھے۔ پھر اسی ہی دن اللہ نے انھیں زمین پر بھیج دیا''۔

۱۲۹- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''ابلیس نے دو مرتبہ خوشی سے آواز نکالی: ۱- جب آدم نے شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھایا تھا ۲- جب آدم کو جنت سے زمین پر اتارا گیا''۔

۱۳۰- علل الشرائع میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''صفا'' کو اس لیے صفا کہا گیا کیونکہ آدم صفوة اللہ اس پر اترے تھے اور ''مروہ'' کو اس لیے مروہ کہا گیا کیونکہ ''امرأة'' (عورت) یہاں پر اتری تھی''۔

۱۳۱- امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''آدم علیہ السلام کو ہندوستان میں اتارا گیا''۔

۱۳۲- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ نے آدم کو جنت سے اتار کر صفا پر بھیجا اور حوا کو مروہ پر بھیجا۔ حضرت حوا نے جنت میں کنگھی کی تھی اور جب وہ زمین پر پہنچیں تو انھوں نے سوچا کہ مجھے کنگھی نہیں کرنی چاہیے کیونکہ خدا مجھ پر ناراض ہے۔ ان کے بالوں کا جوڑا کھل گیا اور ان کے بالوں سے عطر کے قطرے گرے جو انھوں نے جنت میں لگائے تھے۔ ہوا نے ان قطرات کو اڑایا اور ان کا اثر ہندوستان میں پڑا۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان میں عطر پیدا ہوتا ہے''۔

۱۳۳- ایک اور حدیث میں منقول ہے کہ ''حضرت حوا نے اپنا جوڑا (گت) کھولا تو اس سے جنت کی خوشبو برآمد ہوئی۔ ہوا نے وہ خوشبو مشرق و مغرب میں پھیلائی''۔

۱۳۴- احمد بن محمد بن ابی نصر کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ خوشبو کا آغاز کیسے ہوا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: دوسرے لوگ اس کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

میں نے کہا کہ لوگ بیان کرتے ہیں کہ حضرت آدمؑ زمین ہندوستان پر اترے اور انھوں نے فراقِ جنت پر گریہ کیا۔ ان کے آنسو گر کر زمین میں جذب ہوتے رہے اور اس سے خوشبو وجود میں آئی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''لوگ کہتے ہیں حضرت حوا نے جنت کے پھول اپنی مینڈھیوں میں سجائے تھے اور جب ان سے نافرمانی صادر ہوئی اور زمین پر آئیں تو انھیں ماہواری آئی۔ جب ماہواری سے فارغ ہوئیں تو انھیں غسل کا حکم دیا گیا۔ انھوں نے غسل کے وقت اپنی مینڈھیاں کھولیں تو ان سے جنت کے پھولوں کی خوشبو برآمد ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہوا کو بھیجا جس نے اس خوشبو کو جہاں جہاں خدا چاہتا تھا پھیلا دیا''۔

۱۳۵- حضرت علی علیہ السلام فرماتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ''اللہ نے کتے کو کس چیز سے پیدا کیا؟''

آنحضرتؑ نے فرمایا: ''اللہ نے اسے ابلیس کی تھوک سے پیدا کیا''۔

پوچھا گیا کہ وہ کیسے؟

آپؑ نے فرمایا: ''جب اللہ تعالیٰ نے آدم وحوا کو زمین پر اتارا تو وہ کانپتے ہوئے چوزوں کی طرح سے زمین پر اترے۔ ابلیس لعین درندوں کے پاس گیا۔ درندے ہبوط آدم سے پہلے زمین پر رہتے تھے اور اس نے ان سے کہا کہ آسمان سے دو پرندے گرے ہیں اور اتنے بڑے پرندے آج تک کبھی کسی نے نہیں دیکھے۔ تم آگے بڑھ کر انھیں کھالو۔ جب درندوں نے یہ سنا تو وہ دوڑتے ہوئے آئے۔ ابلیس انھیں ہلہ شیری دیتا رہا اور کہتا تھا کہ بس اب تم اپنے شکار کے قریب پہنچنے والے ہو۔ ابلیس کی تیزی کلام کی وجہ سے اس کے منہ سے تھوک نکلی۔ اللہ نے اس تھوک سے دو کتے پیدا کیے ایک نر تھا اور ایک مادہ تھی اور کتا ہندوستان میں آ کر آدم کی حفاظت کرنے لگا اور کتیا جدہ میں حضرت حوا کی حفاظت کرنے لگی۔ انھوں نے درندوں کو ان کے قریب نہ آنے دیا۔ اس دن سے کتے درندوں کے دشمن بن گئے اور درندے کتوں کے دشمن بن گئے''۔

۱۳۶- حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو اتارا تو اس کے ساتھ اس کی زوجہ کو بھی اتارا اور ابلیس کو اتارا تو اس کی بیوی نہیں تھی۔ سانپ کو اتارا تو اس کی مادہ بھی نہیں تھی۔ سب سے پہلے ابلیس لعین نے اپنے آپ سے لواطت کی اور یوں اس کی نسل اس سے جاری ہوئی اور یہی طریقہ سانپ نے اپنایا تھا۔ جب کہ آدم کی اولاد اس کی بیوی سے پیدا ہوئی۔ اللہ نے آدم کو بتایا کہ ابلیس اور سانپ تیرے دشمن ہیں''۔

۱۳۷- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے آدم کو جنت سے اتارا تو اس کے ساتھ ایک سو بیس درختوں کی شاخوں کو بھی اتارا جن میں سے چالیس شاخیں ان درختوں کی تھیں جن کے اندرونی اور بیرونی حصہ کو کھایا جاتا ہے اور چالیس شاخیں ان درختوں کی تھیں جن کا اندرونی حصہ کھایا جاتا ہے اور بیرونی حصہ پھینک دیا جاتا ہے اور چالیس شاخیں ان درختوں کی تھیں جن کا بیرونی حصہ کھایا جاتا ہے اور اندرونی حصہ پھینک دیا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک بوری بھی آدم کے ساتھ روانہ کی جس میں تمام نباتات کے بیج تھے''۔

۱۳۸- کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت علی علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے اور اس حدیث

کا ایک حصہ یہ ہے:

ایک یہودی نے آپؑ سے پوچھا کہ زمین پر پہلا پتھر کون سا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: "یہودی گمان کرتے ہیں کہ وہ بیت المقدس کی چٹان ہے جب کہ وہ جھوٹے ہیں۔ پہلا پتھر حجر اسود ہے جسے آدم علیہ السلام جنت سے اپنے ساتھ لے کر آئے تھے۔ روئے زمین کے پہلے درخت کے متعلق یہودیوں کا عقیدہ ہے کہ وہ زیتون کا درخت ہے، جب کہ یہ جھوٹ ہے۔ پہلا درخت عجوہ کھجور کا وہ درخت ہے جس کی گٹھلی آدم علیہ السلام جنت سے لے کر آئے تھے"۔

۱۳۹- حضرت علی علیہ السلام سے ایک اور روایت میں بھی یہی الفاظ منقول ہیں مگر اس میں گٹھلی کے الفاظ نہیں ہیں۔

۱۴۰- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "جب آدم علیہ السلام زمین پر اترے تو انھیں کھانے پینے کی احتیاج محسوس ہوئی۔ انھوں نے جبریلؑ سے اس کا شکوہ کیا۔ جبریلؑ نے ان سے کہا کہ آپ کاشتکار بن جائیں"۔

حضرت آدمؑ نے کہا: آپ مجھے دعا تعلیم کریں۔ چنانچہ حضرت جبریلؑ نے انھیں یہ دعا تعلیم فرمائی:

اللهم اکفنی مؤنة الدنیا و کل هول دون الجنة والبنی العافیة حتی تهیمنی المعیشة -

۱۴۱- روضہ کافی میں ہے کہ امام محمد باقرؑ یا امام جعفر صادق علیہما السلام میں سے ایک امام نے فرمایا کہ جو کلمات آدم کو عطا ہوئے تھے وہ یہ تھے:

لا اله الا انت سبحنك وبحمدك عملت سوء وظلمت نفسي فاغفرلي وانت خير الغافرين - لا اله الا انت سبحنك اللهم وبحمدك عملت سوءا وظلمت نفسي فاغفرلي وارحمني وانت ارحم الراحمين - لا اله الا انت سبحنك اللهم وبحمدك عملت سوء وظلمت نفسي فتب عليّ انك انت التواب الرحيم -

۱۴۲- دوسری روایت میں مذکور ہے کہ "حضرت آدم علیہ السلام نے محمد و علی، حسن و حسین اور حضرت فاطمہ سلام اللہ علیہم اجمعین کے حق کا واسطہ دیا تھا جس کی وجہ سے ان کی توبہ قبول ہوئی"۔

۱۴۳- احتجاج طبرسی میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، آپؐ نے فرمایا:

''جب آدم سے خطا سرزد ہوئی تو اس نے توبہ کے لیے یہ الفاظ کہے: **اللھم انی اسئلك بحق محمد وآل محمد لما غفرت لی** (اللہ۔ تجھے محمدؐ و آلِ محمدؐ کے حق کا واسطہ میری مغفرت فرما)۔ اللہ نے آدم کی خطا معاف کی اور اس کی توبہ قبول فرمائی۔ یہ حدیث کافی طویل ہے۔ ہم نے بقدر ضرورت اس کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔

۱۴۴- کتاب معانی الاخبار میں **فتلقی ادم من ربه کلمات فتاب علیه** کے تحت آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے

آپؐ نے فرمایا: آدم نے محمد، علی، فاطمہ، حسن و حسین علیہم السلام کے حق کا واسطہ دیا تھا''۔

۱۴۵- کتاب معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ آدم و حوا نے مقام اہل بیتؑ کے حصول کی تمنا کی تھی۔ پھر جب (ایک عرصہ بعد) اللہ نے ان کی توبہ قبول کرنے کا ارادہ کیا تو ان کے پاس جبریلؑ امین آئے اور ان سے کہا:

''تم دونوں نے اپنے سے بہتر افراد کی مرتبت کی خواہش کر کے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے جس کی وجہ سے تمہیں خدا کی ہمسائیگی سے نکل کر زمین پر آنا پڑا ہے۔ اب تم اپنے رب سے ان ناموں کا واسطہ دو جنہیں تم نے ساق عرش پر لکھا ہوا دیکھا ہے تاکہ وہ ان کے صدقے میں تمہاری توبہ قبول کرے۔

اس وقت آدم وحوا نے کہا:

اللهم انا نسئلك بحق الاكرمين عليك محمد و علی و فاطمة والحسن والحسين الاتبت علیّ

(خدایا! ہم تجھ سے تیری محترم مخلوق پنج تن کا واسطہ دے کر سوال کرتے ہیں کہ ہماری توبہ قبول فرما)

۱۴۶- کتاب الخصال میں ابن عباس سے روایت ہے کہ میں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ وہ کلمات کون سے تھے جو آدم کو رب کی طرف سے ملے تھے اور ان کی توبہ کی قبولیت کا ذریعہ ثابت ہوئے تھے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''حضرت آدم کو خدا کی طرف سے یہ کلمات عطا ہوئے تھے۔

"اللهم انی اسئلك بحق محمد و علی و فاطمة والحسن والحسين الاتبت علیّ"۔

۱۴۷- مفضل بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:

وَاِذَا ابْتَلٰى اِبْرٰهِيْمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ (اور جب ابراہیم کو اس کے رب نے چند کلمات سے آزمایا) وہ کلمات کیا تھے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ وہی کلمات تھے جو آدم کو رب کی طرف سے عطا ہوئے تھے اور وہ کلمات یہ ہیں:

یا رب اسئلك بحق محمد و علیٍ و فاطمة والحسن والحسین الاتبت علیَّ -

ان کلمات کی برکت سے اللہ نے ان کی توبہ قبول فرمائی۔ بے شک وہ بہت زیادہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے''۔

۱۴۸- امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے حضرت علی علیہ السلام سے روایت کی۔ آپؑ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے آسمانوں، زمین، عرش، [illegible] لوح وقلم اور جنت و نار کی تخلیق سے پہلے محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نور کو پیدا کیا یہاں تک کہ اسے عبداللہ بن عبدالمطلب کی صلب سے برآمد کیا اور اسے چھ کرامات عطا فرمائیں:

۱- اسے رضا کی قمیص پہنائی ۲- [illegible] اس کے سر پر رکھا ۴- شلوار معرفت پہنائی اور محبت کا کمر بند دیا جس سے انھوں نے [illegible] ۵- خوف کی نعلین دی۔ ۶- عظمت و منزلت کا عصا ان کے ہاتھ میں دیا۔

پھر اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا

محمدؐ! لوگوں کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ وہ لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھیں۔

آنحضرتؐ کی قمیص چھ چیزوں سے مرکب تھی:

۱- اس کی قامت یاقوت کی تھی۔ ۲- اس کی آستین موتی کی تھی۔ ۳- اس کا گریبان زرد بلور کا تھا۔ ۴- اس کی بغل زبرجد کی تھی۔ ۵- اس کی لمبائی سرخ سرجان کی تھی۔ ۶- اس کی جیب زر ناب سے بنی تھی۔

اللہ تعالیٰ نے اسی قمیص کی وجہ سے آدم کی توبہ قبول کی اور اسی کی برکت سے سلیمان کو انگشتری واپس ملی اور اسی کی وجہ سے یوسفؑ کی یعقوبؑ سے ملاقات ہوئی اور اسی کے صدقے میں یونسؑ کو شکم ماہی سے نجات ملی۔ اس کے علاوہ باقی تمام انبیاء کو اسی کے ذریعے سے مصائب و آلام سے چھٹکارا نصیب ہوا۔ یہ سب کچھ قمیص محمدؐ کا کمال تھا۔

۱۴۹- کتاب علل الشرائع میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا:

''اگر آدم سے گناہ سرزد نہ ہوتا تو کبھی بھی کسی مومن سے گناہ سرزد نہ ہوتا اور اگر اللہ نے آدم کی توبہ قبول نہ کی ہوتی تو وہ کسی بھی گناہ گار کی توبہ قبول نہ کرتا۔

۱۵۰- کتاب مذکور میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا کہ کچھ یہودیوں نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے کچھ مسائل دریافت کیے تھے۔ ان مسائل کے جواب دیتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''نمازِ عصر یہ وہی وقت ہے جس میں آدم علیہ السلام نے شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھایا تھا جس کی وجہ سے اللہ نے انھیں جنت سے نکال دیا تھا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے نسلِ آدم کو روزِ قیامت تک اس نماز پڑھنے کا حکم دیا اور اسے میری اُمت کے لیے پسند کیا۔ یہ نماز خدا کو بہت زیادہ پسند ہے اور اللہ نے مجھے حکم دیا کہ میں باقی نمازوں میں اسے خصوصی اہمیت دوں اور اس کی محافظت کروں۔ نمازِ مغرب یہ وہ وقت ہے جس میں اللہ نے حضرت آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کی تھی۔ شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھانے اور قبولیت توبہ میں دنیاوی ایام کے لحاظ سے تین سو سال کا فاصلہ ہے۔ جب کہ آنحضرت کا ایک دن دنیا کے ہزار سال کے برابر ہوتا ہے۔ نمازِ عصر اور عشاء کے درمیان حضرت آدمؑ نے تین رکعات نماز پڑھی۔ ایک رکعت اپنی غلطی کے لیے پڑھی اور ایک رکعت حواء کی غلطی کے لیے پڑھی اور ایک رکعت اپنی توبہ کے لیے پڑھی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان رکعات کو میری اُمت پر فرض کیا۔ اور یہ وہ وقت ہے جس میں توبہ قبول ہوتی ہے۔ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ جو شخص اس قت دعا مانگے گا تو میں اس کی دعا کو قبول کروں گا''۔

۱۵۱- کتاب علل الشرائع میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کی توبہ قبول کرنے کا ارادہ کیا تو جبریلؑ کو ان کے پاس روانہ کیا۔ جبریلؑ نے انھیں سلام کرتے ہوئے کہا:

السلام علیك یا آدم الصابر علی بلیته التائب عن خطیئته –ا

''آدم! آپ پر سلام' آزمائش پر صبر کرنے والے اور اپنی خطا سے توبہ کرنے والے تجھ پر سلام ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے مجھے آپ کے پاس بھیجا ہے تاکہ میں آپ کو مناسکِ حج کی تعلیم دوں جن کی وجہ سے خدا تمھاری توبہ قبول فرمائے گا۔

جبریلؑ نے آدم علیہ السلام کا ہاتھ پکڑا اور انھیں بیت اللہ کے مقام پر لے آیا۔ اس وقت ایک بادل کے ٹکڑے نے ان پر سایہ کیا۔

جبریل امینؑ نے کہا: اس بادل کے ٹکڑے کا سایہ جہاں تک پھیلا ہوا ہے آپ اپنے پاؤں سے یہاں لکیر کھینچیں۔ پھر

جبریلؑ انھیں منیٰ لے گئے اور انھیں مسجد منیٰ کے مقام کی نشاندہی کی۔ آدم علیہ السلام نے وہاں لکیر کھینچی اور بیت اللہ کے مقام کے بعد آدم نے مسجد الحرام کی لکیر کھینچی۔ پھر جبریلؑ انھیں عرفات لے گئے اور انھیں وہاں ٹھہرایا اور بعدازاں آدم سے کہا: جب سورج ڈوب جائے تو سات مرتبہ اپنے گناہوں کا اعتراف کرو۔ آدم علیہ السلام نے اس پر عمل کیا اسی وجہ سے عرفات کو ''معترف'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں آدم نے اپنے گناہ کا اعتراف کیا تھا اور حضرت آدم کا یہ عمل ان کی اولاد کے لیے سنت بن گیا۔ وہ عرفات میں آدم کی طرح سے اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہیں۔ آدم کا گزر سات پہاڑوں سے ہوا۔

جبریلؑ نے کہا کہ آپ ہر پہاڑ پر چار مرتبہ تکبیر کہیں۔ آدم علیہ السلام نے جبریلؑ کی ہدایت پر عمل کیا۔ پھر ایک تہائی رات گزرنے کے بعد جبریل انھیں مشعر لے گئے جہاں انھوں نے مغرب وعشا کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں۔ اسی لیے اس جگہ کو ''جمع'' بھی کہا جاتا ہے کیونکہ یہاں آدم علیہ السلام نے دو نمازیں جمع کی تھیں۔ چنانچہ اس مقام پر نماز عشا کا وقت رات کی تہائی گزرنے پر شروع ہوتا ہے۔ جبریلؑ نے حکم دیا کہ وہ رات وہیں پر ہی بسر کریں اور جب فجر کا وقت ہوا تو جبریلؑ نے کہا کہ آپ ''جبل جمع'' پر چڑھ جائیں اور جب سورج طلوع ہوا تو جبریلؑ نے کہا کہ اب آپ سات بار اپنے گناہ کا اعتراف کریں اور سات بار اللہ سے توبہ ومغفرت کی درخواست کریں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس کے مطابق عمل کیا۔ حضرت جبریلؑ نے حضرت آدمؑ سے دو مرتبہ اعتراف گناہ کرایا۔ ایک مرتبہ عرفات میں اور دوسری مرتبہ مشعر میں اعتراف گناہ کرایا تاکہ یہ ان کی اولاد کے لیے سنت بن جائے اور جو عرفات سے رہ جائے تو مشعر میں اعتراف گناہ کر سکے اور اس کا حج پورا ہو جائے۔ پھر آدم مشعر سے منیٰ کی طرف روانہ ہوئے اور دن چڑھے منیٰ میں پہنچے۔ حضرت جبریلؑ نے ان کو حکم دیا کہ وہ مسجد منیٰ میں دو رکعت نماز پڑھیں اور اس کے بعد خدا کے حضور قربانی پیش کریں تاکہ اللہ اسے قبول کرے اور یہ بھی معلوم ہو جائے کہ خدا نے اس کی توبہ قبول کی ہے اور اس کی اولاد میں یہ رسم جاری ہو سکے۔

آدم علیہ السلام نے قربانی پیش کی۔ اللہ نے اس کی قربانی قبول کی اور آسمان سے قربانی پر آگ گری اور قربانی کو کھا گئی۔

جبریل امینؑ نے حضرت آدم علیہ السلام سے کہا کہ ''اللہ نے تم پر احسان کیا ہے کہ اس نے تمھیں مناسکِ حج کی تعلیم دی ہے اور اس ذریعہ سے تیری توبہ قبول کی ہے۔ اب آپ سر منڈوائیں اور یہ آپ کی طرف سے خدا کے حضور تواضع کی علامت ہوگی''۔

آدم علیہ السلام نے اپنی عاجزی و انکسار کے لیے سر منڈوایا۔ پھر جبریلؑ نے آدم کے ہاتھ سے پکڑا اور انھیں لے کر بیت اللہ کی طرف جانے لگے۔ راستے میں انھیں ''جمرہ عقبہ'' کے پاس ابلیس ملا اور اس نے حضرت آدمؑ سے کہا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟

جبریلؑ نے کہا کہ آپ اسے سات کنکر ماریں اور ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہیں۔

حضرت آدمؑ نے جبریلؑ کے فرمان پر عمل کیا۔ اس وقت ابلیس چلا گیا۔ دوسرے دن جبریلؑ آدمؑ کے ہاتھ کو پکڑ کر ''جمرہ اولیٰ'' کے پاس گئے تو وہاں [illegible] دکھائی دیا۔ حضرت جبریلؑ نے کہا کہ آپؑ اسے سات کنکر ماریں اور ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہیں۔ حضرت آدمؑ نے اس پر عمل کیا۔ اس وقت ابلیس چلا گیا۔ پھر ''جمرہ ثانیہ'' کے پاس نمودار ہوا اور اس نے کہا: آدم آپ کہاں جا رہے ہیں؟

جبریلؑ نے حضرت آدمؑ سے کہا: آپ اسے سات کنکر ماریں اور ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہیں۔ حضرت آدم نے اس پر عمل کیا۔ پھر وہ ''جمرہ ثالثہ'' کے پاس [illegible] اور اس نے کہا کہ آپ کہاں جانے کا ارادہ رکھتے ہیں؟

جبریلؑ نے کہا کہ آپ اسے سات کنکر ماریں اور ہر کنکر کے ساتھ تکبیر کہیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے اس پر عمل کیا۔ پھر انھوں نے تیسرے اور چوتھے دن بھی اسی طرح کیا۔ ابلیس چلا گیا اور حضرت جبریلؑ نے کہا کہ آپ آج کے بعد اسے یہاں کبھی نہ دیکھیں گے۔ اس کے بعد جبریلؑ انھیں بیت اللہ لے گئے اور ان سے کہا کہ طواف کے سات چکر لگائیں۔ حضرت آدم علیہ السلام نے سات چکر لگا کر طواف مکمل کیا۔

اس وقت حضرت جبریلؑ نے کہا: اللہ نے آپ کو معاف کر دیا اور آپ کی توبہ قبول فرمائی اور آپ کے لیے آپ کی بیوی حلال کر دی۔

۱۵۲- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک شخص نے میرے والد سے کہا کہ آپؑ ہمیں بتائیں کہ اللہ آدم سے کیسے راضی ہوا؟

میرے والد نے فرمایا: آدم علیہ السلام ہندوستان میں اتارے گئے تھے اور انھوں نے وہاں رہ کر بیت اللہ جانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ خدا نے فرمایا کہ تم میرے گھر چلے جاؤ اور وہاں ایک ہفتہ تک میرے گھر کا طواف کرو اور پھر منیٰ، عرفات جاؤ اور وہاں کے مناسک ادا کرو۔ چنانچہ آدم علیہ السلام ہندوستان سے بیت اللہ کی طرف روانہ ہوئے اور جہاں جہاں ان کا قدم پڑا تو وہاں آبادیاں قائم ہوئیں اور ایک قدم سے دوسرے قدم کے درمیان جو جگہ رہ گئی وہ صحرا بنی۔ اس

میں کوئی آبادی نہیں ہے۔ آخرکار آپؑ بیت اللہ آئے اور ایک ہفتہ تک اس گھر کا طواف کیا اور مناسک بجالائے۔ پھر اللہ نے ان کی توبہ قبول کی اور ان کی مغفرت فرمائی۔ آدم سے ملائکہ کے طواف کی نقل کرائی گئی کیونکہ ملائکہ نے سات سال تک عرش کا طواف کیا تھا اور حضرت آدم کو سات دن تک طواف کرنا پڑا۔ جبریل آئے اور انھوں نے کہا: آدم تمھیں مبارک ہو' اللہ نے تیری مغفرت کی ہے۔ میں نے تجھ سے تین ہزار سال قبل اس گھر کا طواف کیا تھا۔

آدم علیہ السلام نے بارگاہِ خداوندی میں التجا کی کہ ''پروردگار! میری مغفرت فرما اور میرے بعد میری تمام اولاد کی مغفرت فرما''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''ان میں سے جو بھی مجھ پر اور میرے رسولوں پر ایمان لائے گا میں اس کی مغفرت کروں گا''۔

جب سائل نے میرے والد (امام محمد باقرؑ) سے توبہ آدم کی قبولیت کی یہ داستان سنی تو اس نے میرے والد سے کہا: آپؑ نے سچ فرمایا۔ یہ کہہ کر وہ چلا گیا۔

اس وقت میرے والد نے فرمایا یہ جبریل تھے جو تمھیں تمھارے دین کے احکام کی تعلیم دینے آئے تھے۔

یہ حدیث طویل ہے ہم نے یہاں بقدر ضرورت اس کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔

۱۵۳- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حضرت آدم علیہ السلام کی عمر کتنی تھی؟

آپؑ نے فرمایا: ان کی عمر نو سو تیس برس تھی۔

۱۵۴- کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا: ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام نے سات سو تیس برس کی عمر پائی تھی۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝۴۰ وَاٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلْتُ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَكُمْ وَلَا تَكُوْنُوْٓا اَوَّلَ

كَافِرٍۭ بِهٖ ۖ وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِىْ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۫ وَاِيَّاىَ فَاتَّقُوْنِ ﴿۴۱﴾ وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۴۲﴾ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَارْكَعُوْا مَعَ الرّٰكِعِيْنَ ﴿۴۳﴾ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَاَنْتُمْ تَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ﴿۴۴﴾ وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ ؕ وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ ﴿۴۵﴾ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ وَاَنَّهُمْ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۴۶﴾

''اے اولادِ یعقوب! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی ہے اور تم میرے عہد کو پورا کرو۔ میں تم سے کیا ہوا پورا کروں گا اور مجھ سے ہی ڈرتے رہو۔ اور جسے میں نے اتارا ہے (قرآن) اس پر ایمان لے آؤ وہ اس کتاب کی تصدیق کرتا ہے جو تمھارے پاس ہے اور تم اس کے پہلے منکر نہ بنو اور میری آیات کو کم قیمت پر نہ بیچو اور مجھ سے ڈرتے رہو۔ اور حق کو باطل سے نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو مت چھپاؤ۔ اور نماز پڑھتے رہو اور زکوٰۃ دیتے رہو اور رکوع کرنے والے کے ساتھ رکوع کیا کرو۔ کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو حالانکہ تم تو کتاب کی تلاوت بھی کرتے ہو۔ کیا تم سمجھتے نہیں ہو۔ اور صبر اور نماز سے مدد طلب

کرو۔ اور بے شک نماز بہت مشکل ہے مگر ان لوگوں کے لیے مشکل نہیں جو خشوع و
خضوع کرنے والے ہیں۔ جو یہ خیال کرتے ہیں کہ انھیں اپنے رب سے ملاقات
کرنا ہے اور انھوں نے اس کی طرف پلٹ کر جانا ہے''۔

۱۵۵- کتاب علل الشرائع میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ اس میں آپ نے یہ جملے بھی ارشاد فرمائے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کا لقب اسرائیل ہے اور اسرائیل کا معنی ہے ''اللہ کا بندہ''۔ لفظ ''اسرا'' کے معنی بندہ کے ہیں اور لفظ ''ایل'' کا معنی ہے اللہ۔ تو لفظ اسرائیل کا معنی ہے اللہ کا بندہ۔

۱۵۶- ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ لفظ ''اسرا'' کے معنی قوت کے ہیں اور ''ایل'' کے معنی خدا کے ہیں تو لفظ ''اسرائیل'' کا ترجمہ ہے: ''اللہ کی قوت''۔

۱۵۷- عیون الاخبار میں امیر المومنین علیہ السلام سے ایک طویل حدیث مذکور ہے جس میں بیان کیا گیا کہ ایک سائل نے آپ سے دریافت کیا کہ وہ چھ نبی کون سے ہیں جن کے دو دو نام ہیں؟

اس کے جواب میں آپؑ نے فرمایا: یوشع بن نون کا دوسرا نام ''ذوالکفل'' ہے اور حضرت یعقوبؑ کا دوسرا نام ''اسرائیل'' ہے...... الی آخرہ۔

ولایتِ علیؑ عہدِ خدا میں شامل ہے

۱۵۸- کتاب معانی الاخبار میں ابن عباس سے منقول ہے کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: ''وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ'' (تم میرا عہد پورا کرو اور میں تم سے کیا ہوا عہد و پیمان پورا کروں گا) آدم علیہ السلام دنیا سے روانہ ہونے سے پہلے اپنی اولاد کو وصیت کر کے گئے تھے کہ وہ ان کے فرزند شیث ہبۃ اللہ سے وفاداری کریں گے لیکن ان کے جانے کے بعد لوگوں نے ان کی وصیت پر عمل نہ کیا۔

حضرت نوح علیہ السلام اپنی اُمت سے اپنے وصی سام کی فرمانبرداری کا عہد لے کر گئے تھے مگر اُمت نے اس عہد کی پرواہ نہ کی۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی قوم سے عہد لیا تھا کہ وہ ان کے بعد ان کے وصی اسماعیلؑ کی پیروی کریں گے

لیکن لوگوں نے اس عہد کی پرواہ نہ کی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنی قوم سے عہد لیا تھا کہ وہ ان کے وصی یوشع بن نون کی وفاداری کریں گے لیکن اُمت نے اس عہد کو پس پشت ڈال دیا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے آسمان پر جانے سے قبل اپنی اُمت سے عہد لیا تھا کہ وہ ان کے جانے کے بعد ان کے وصی شمعون بن حمون الصفا کی پیروی کریں گے لیکن امت نے اس عہد کو پورا نہ کیا۔

میں عنقریب تم سے جدا ہونے والا ہوں اور تمہارے درمیان میں سے اُٹھ کر جانے والا ہوں۔ میں نے بھی اپنی اُمت سے امیر المومنین علی ابن ابی طالبؑ کی فرمانبرداری کا عہد لیا ہے لیکن میری اُمت بھی سابقہ اُمتوں کے نقشِ قدم پر چلے گی اور وہ بھی عہد شکنی کرے گی۔ لہٰذا میں علی کے متعلق میں اپنے عہد کی تم سے تجدید کرتا ہوں۔ جو بھی اس عہد کو توڑے گا تو وہ اپنا نقصان کرے گا اور جو اللہ سے کیا ہوا وعدہ پورا کرے گا تو خدا اسے اجرِ عظیم دے گا۔

لوگو! میرے بعد علیؑ تمہارا امام اور میرا جانشین ہے اور وہ میرا وصی، وزیر، بھائی، مددگار، داماد، ذریت کا باپ اور میرے دشمنوں سے قتال کرنے والا ہے اور وہ میرے پرچم کے اٹھانے والا ہے جس نے اس کا انکار کیا تو اس نے میرا انکار کیا اور جس نے میرا انکار کیا اس نے اللہ کا انکار کیا اور جس نے اس کی امامت کا اقرار کیا تو اس نے میری نبوت کا اقرار کیا اور جس نے میری نبوت کا اقرار کیا تو اس نے اللہ کی وحدانیت کا اقرار کیا۔ جس نے علیؑ کی نافرمانی کی اس نے میری نافرمانی کی اور جس نے میری نافرمانی کی اس نے اللہ کی نافرمانی کی۔ جس نے علیؑ کی اطاعت کی اس نے میری اطاعت کی اور جس نے میری اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی۔

لوگو! جس نے علیؑ کے قول و فعل کو ٹھکرایا تو اس نے میرے قول و فعل کو ٹھکرایا اور جس نے میرے قول و فعل کو ٹھکرایا اس نے صاحبِ عرش خدا کے قول و فعل کو ٹھکرایا۔

لوگو! تم میں سے جس نے بھی علیؑ کو چھوڑ کر اس کے مقابلہ میں کوئی اور امام مانا تو اس نے مجھے چھوڑ کر کسی اور کو نبی بنایا۔ اور جو مجھے چھوڑ کر کسی اور نبی کو پسند کرے تو وہ ایسا ہے جیسا کوئی خدا کو چھوڑ کر کسی اور رب کو تسلیم کرے۔

لوگو! علیؑ سید الوصیین ہے اور جو جنت کے راہی ہیں علیؑ ان کا قائد ہے۔ علیؑ مومنین کا مولا ہے۔ اس کا دوست میرا دوست ہے اور میرا دوست اللہ کا دوست ہے اور علیؑ کا دشمن میرا دشمن ہے اور میرا دشمن خداوند عالم کا دشمن ہے۔

لوگو! علیؑ کے متعلق تم خدا کے عہد کو پورا کرو۔ اس کے بدلے میں خدا تمھیں جنت عطا کر کے اپنا عہد پورا کرے گا۔

۱۵۹- اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

"اَوْفُوْا بِعَهْدِیْ" یعنی تم امیر المومنینؑ کی ولایت کا اقرار کر کے میرا عہد پورا کرو۔ "اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ" میں تمھیں جنت دے کر تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں گا۔

۱۶۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

"خثیمہ! ہم عہد خدا ہیں۔ جس نے ہمارے عہد کو پورا کیا تو اس نے خدا سے کیا ہوا عہد پورا کیا اور جس نے ہم سے عہد شکنی کی تو اس نے خدا کے عہد کی عہد شکنی کی۔

۱۶۱- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (تم مجھ سے دعا کرو میں تمھاری دعا قبول کروں گا) لیکن حالت یہ ہے کہ ہم دعائیں مانگتے ہیں اور اللہ قبول نہیں کرتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے خدا سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری چھوڑ دی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (تم میرا عہد پورا کرو میں تمھارا عہد پورا کروں گا)۔ اگر تم نے اللہ کا عہد پورا کیا ہوتا تو وہ بھی تم سے اپنا عہد پورا کرتا"۔

۱۶۲- مجمع البیان میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے آپؐ نے فرمایا:

"جس نے اچھی رسم جاری کی تو اسے اس کا اجر ملے گا اور قیامت کے دن تک جو بھی اس کی ایجاد کردہ رسم پر عمل کرے گا اس کا اجر اس کے جاری کرنے والے کو ملے گا اور جو بری رسم ایجاد کرے تو اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور قیامت کے دن تک جتنے لوگ بھی اس پر عمل کریں گے ان کا بوجھ بھی اسی کی گردن پر ہوگا۔

۱۶۳- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ حی بن اخطب اور کعب بن اشرف اور کچھ دیگر معزز یہودی اپنی قوم سے اپنی سرداری کے ٹیکس لیا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس ٹیکس کو ختم کر دیا جائے مگر انھیں یہ بات منظور نہ تھی کیونکہ اس سے ان کی معاشی برتری ختم ہوتی تھی۔ اسی لیے انھوں نے تورات کی ان آیات میں تبدیلی کر دی جن میں آنحضرتؐ کی علامات و اوصاف بیان کی گئی تھیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا "اور میری آیات کو تھوڑی قیمت کے بدلے میں فروخت نہ کرو"۔

۱۵۹- اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا:

"اَوْفُوْا بِعَهْدِیْ" یعنی تم امیر المومنین کی ولایت کا اقرار کر کے میرا عہد پورا کرو۔ "اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ" میں تمھیں جنت دے کر تم سے کیا ہوا عہد پورا کروں گا۔

۱۶۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"خثیمہ! ہم عہد خدا ہیں۔ جس نے ہمارے عہد کو پورا کیا تو اس نے خدا سے کیا ہوا عہد پورا کیا اور جس نے ہم سے عہد شکنی کی تو اس نے خدا کے عہد کی عہد شکنی کی۔

۱۶۱- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَكُمْ (تم مجھ سے دعا کرو میں قبول کروں گا) لیکن حالت یہ ہے کہ ہم دعائیں مانگتے ہیں اور اللہ قبول نہیں کرتا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اس کی وجہ یہ ہے کہ تم نے خدا سے کیے ہوئے عہد کی پاسداری چھوڑ دی ہے جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَاَوْفُوْا بِعَهْدِیْۤ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ (تم میرا عہد پورا کرو میں تم [illegible] کروں گا)۔ اگر تم نے اللہ کا عہد پورا کیا ہوتا تو وہ بھی تم سے اپنا عہد پورا کرتا"۔

۱۶۲- مجمع البیان میں رسول خدا [illegible]

"جس نے اچھی رسم جاری کی تو [illegible] روز قیامت تک [illegible] رسم پر عمل کرے گا اس کا اجر اس کے جاری [illegible] ہے تو اس پر اس کا بوجھ ہوگا اور قیامت کے دن تک جتنے لوگ بھی اس پر عمل کریں گے ان [illegible]

۱۶۳- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا [illegible] کعب بن اشرف اور کچھ دیگر معزز یہودی اپنی قوم سے اپنی سرداری کے ٹیکس لیا کرتے تھے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا کہ اس ٹیکس کو ختم کر دیا جائے مگر انھیں یہ بات منظور نہ تھی کیونکہ اس سے ان کی معاشی برتری ختم ہوتی تھی۔ اسی لیے انھوں نے تورات کی ان آیات میں تبدیلی کر دی جن میں آنحضرتؐ کی علامات واوصاف بیان کی گئی تھیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

وَلَا تَشْتَرُوْا بِاٰيٰتِیْ ثَمَنًا قَلِيْلًا "اور میری آیات کو تھوڑی قیمت کے بدلے میں فروخت نہ کرو"۔

چنانچہ اس آیت میں جس تھوڑی قیمت کا ذکر ہے اس سے ان کا وہی ٹیکس مراد ہے۔

۱۶۴- کتاب علل الشرائع میں زرارہ بن اعین سے منقول ہے' اس نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ:

کیا عورت پر اذان واقامت بھی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر وہ قبیلہ کی اذان سن سکتی ہے تو اس کے ذمہ کچھ بھی نہیں ہے اور اگر اس تک اذان کی آواز نہ پہنچتی ہو تو اس شکل میں صرف توحید و نبوت کی گواہی پر ہی اکتفا کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مردوں کے لیے حکم دیا ہے: وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ ''تم نماز قائم کرو''۔ اور عورتوں کے لیے حکم ہے: وَاَقِمْنَ الصَّلٰوةَ وَاٰتِيْنَ الزَّكٰوةَ وَاَطِعْنَ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ''تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو اور اللہ اور اس کے رسولؐ کی اطاعت کرو''۔

حدیث طویل ہے۔ ہم نے یہاں بقدر ضرورت اس کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔

۱۶۵- تہذیب الاحکام میں اسحاق بن مبارک سے منقول ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا فطرانہ کا تعلق "وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ" سے ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں!

فلسفہ نماز وزکوٰۃ

۱۶۶- عیون الاخبار میں فضل بن شاذان کا بیان ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر یہ پوچھا جائے کہ اللہ نے انسانوں کو نماز پڑھنے کا حکم کیوں دیا؟ تو اس کا جواب یہ دیا جائے گا کہ نماز ربوبیت کا اقرار ہے اور نماز غیر اللہ کی نفی ہے اور نماز میں خداوند جبار کے سامنے عاجزی وانکساری کے ساتھ کھڑا ہونا پڑتا ہے۔ نماز میں خضوع اور اپنی غلطیوں کا اعتراف ہے اور اپنی غلطیوں کی معافی طلب کی جاتی ہے۔ نماز میں انسان اپنی پیشانی خدا کے سامنے زمین پر رگڑتا ہے اور نماز کی وجہ سے انسان خدا فراموش نہیں بنتا' خدا کا ذاکر بنتا ہے۔ اور انسان عاجزی کے ساتھ خدا سے دنیا ودین کی توفیقات کے اضافہ کی خواہش کا اظہار کرتا ہے۔ علاوہ ازیں نماز ہر طرح کے بگاڑ سے محفوظ رکھتی ہے۔ نماز ایک ایسی عبادت ہے جس سے بندے کا تعلق اس کے خالق ومدبر سے قائم رہتا ہے اور نماز کی وجہ سے بندہ اپنے خالق کو فراموش نہیں کرتا اور خالق کی یاد کی وجہ سے انسان سرکشی اور طغیانی سے محفوظ رہتا ہے اور خدا کے حضور

حاضری دینے اور اس کی بارگاہ میں کھڑا ہونے کی وجہ سے انسان خدا کی نافرمانی سے محفوظ رہتا ہے اور ہر طرح کے بگاڑ سے بچ جاتا ہے۔

۱۶۷-من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے محمد بن سنان کے دریافت کردہ مسائل کے جواب میں لکھا:

''زکوٰۃ فرض کرنے کی وجہ یہ ہے کہ اس سے غرباء کو روزی فراہم ہوتی ہے اور دولت مند طبقہ کی دولت محفوظ ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے صحت مند افراد کو حکم دیا ہے کہ وہ معذور و اپاہج طبقہ کی خبر گیری کریں۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

''لَتُبْلَوُنَّ فِیْۤ اَمْوَالِكُمْ وَ اَنْفُسِكُمْ'' (تمھیں تمھارے اموال اور نفوس کے متعلق ضرور آزمایا جائے گا)۔

چنانچہ تمھارے اموال میں زکوٰۃ کی ادائیگی کو لازمی قرار دیا گیا اور نفوس پر یہ واجب کیا گیا کہ اپنے آپ کو صبر کا عادی بنائیں اور نعمات پروردگار کا شکر بجا لائیں اور کمزور مسلمانوں پر شفقت و مہربانی کریں اور مساکین سے الفت رکھیں اور دوسرے لوگوں کو ہمدردی اور غرباء پروری کی تلقین کریں اور اہلِ دولت کو نصیحت کریں کہ اپنے مالی فرائض سرانجام دیں ورنہ آخرت کے روز وہ سخت مفلس ہوں گے اور اللہ کی عطا کردہ نعمات پر اس کا شکر ادا کریں اور خدا سے گڑگڑا کر دعا مانگیں کہ اللہ انھیں زکوٰۃ و صدقات اور صلہ رحمی اور بھلائی کرنے کی توفیق دے۔

۱۶۸- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تین چیزوں کو تین چیزوں سے ملانے کا حکم دیا ہے۔ اللہ نے نماز اور زکوٰۃ کا یکجا ذکر کیا ہے۔ لہٰذا جو شخص نماز پڑھے اور (صاحب نصاب ہوتے ہوئے بھی) زکوٰۃ نہ دے تو اس کی نماز قبول نہ کی جائے گی''......الحدیث۔

بے عمل خطیب

۱۶۹- مجمع البیان میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''شب معراج میرا گزر ایسے لوگوں سے ہوا جن کے ہونٹوں کو فرشتے دوزخ کے مقراضوں سے کاٹ رہے تھے۔ میں نے جبریلؑ سے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں؟''

جبریلؑ امین نے کہا: ''یارسولؐ اللہ! یہ دنیا کے وہ خطیب ہیں جو لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے تھے اور خود اس پر عمل نہیں کرتے تھے''۔

۱۷۰- مصباح الشریعہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''جو شخص اپنی خواہشات کی قید سے آزاد نہ ہوا ہو اور اپنے نفس کی آفات سے رہائی حاصل نہ کی ہو اور جو ابلیس کو شکست دے کر خدا کی حفظ و امان میں داخل نہ ہوا ہو تو ایسے شخص کے لیے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنا صحیح نہیں ہے کیونکہ جب وہ خود عمل سے خالی ہوگا تو اس کی ہر نصیحت اس کے خلاف حجت ہوگی اور لوگوں کو اس سے کوئی فائدہ حاصل نہیں ہوگا''۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ ''کیا تم لوگوں کو بھلائی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو؟

بے عمل شخص جب نیکی کی تبلیغ کرتا ہے تو اس وقت اس سے یہ کہا جاتا ہے

''اے خائن! جس حق میں تو نے خود خیانت کی ہے اب میری مخلوق سے اس حق کی ادائیگی کا مطالبہ کر رہا ہے اور جس سے تو نے خود لاپرواہی کی ہے اس کا حکم دوسروں کو دے رہا ہے؟''

۱۷۱- تفسیر علی بن ابراہیم میں مذکور ہے کہ اَتَاْمُرُوْنَ النَّاسَ بِالْبِرِّ وَتَنْسَوْنَ اَنْفُسَكُمْ (کیا تم لوگوں کو نیکی کا حکم دیتے ہو اور اپنے آپ کو بھول جاتے ہو) کی آیت قصہ گو لوگوں اور خطیب افراد کے لیے نازل ہوئی ہے جیسا کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

ان کے ہر منبر پر شعلہ فشاں خطیب موجود ہے جو خدا اور اس کے رسولؐ اور اس کی کتاب پر جھوٹ باندھ رہا ہے۔

۱۷۲- اصول کافی میں امام جعفر صادق سے فَكُبْكِبُوْا فِيْهَا هُمْ وَالْغَاوُوْنَ (انھیں اور دوسرے گمراہوں کو دوزخ میں اُلٹا لٹکایا جائے گا) کی تفسیر میں مروی ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''اس آیت میں ان لوگوں کا حال بیان کیا گیا ہے جو زبان سے تو ''عدل'' کی بڑی تعریف کرتے تھے لیکن خود اس کے تقاضوں پر عمل نہیں کرتے تھے''۔

۱۷۳- ابو خثیمہ کا بیان ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

''ہمارے شیعوں تک ہمارا یہ پیغام پہنچا دو کہ وہ شخص قیامت کے دن شدید حسرت میں مبتلا ہوگا جو ''عدل'' کی تعریف کرے اور عملی طور پر اس کی مخالفت کرے۔

۱۷۴- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''قیامت کے دن اس شخص کی حسرت تمام لوگوں سے زیادہ ہوگی جو عدل کی تعریف کرے لیکن اپنے عمل سے اس کی

مخالفت کرے"۔

۱۷۵- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"قیامت کے دن اس شخص کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا جو زبان سے عدل کی تعریف کرے اور اپنے عمل سے اس کی مخالفت کرے"۔

۱۷۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"قیامت کے دن وہ شخص سخت حسرت میں مبتلا ہوگا جس نے زبان سے عدل کی تعریف کی ہوگی اور عمل سے اس کی مخالفت کی ہوگی"۔

عقل

۱۷۷- کتاب علل الشرائع میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ خدا نے عقل کو کس چیز سے پیدا کیا؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"حکمِ خداوندی سے ایک فرشتے نے عقل کو پیدا کیا۔ دنیا میں جتنے انسان پیدا ہو چکے ہیں اور جتنے قیامت تک پیدا ہونے ہیں' عقل کو اتنے ہی سر لگا دیئے گئے اور ہر سر کو ایک انسانی چہرہ دیا گیا۔ ہر انسان کے لیے عقل کا ایک سر مقرر کیا گیا اور اس سر پر اس انسان کا نام لکھا ہوا ہے اور ہر چہرے پر ایک پردہ پڑا ہوا ہے اور وہ پردہ اس وقت ہٹایا جاتا ہے جب کوئی شخص حد بلوغت کو پہنچتا ہے اور جب کوئی شخص حد بلوغت کو پہنچتا ہے تو اس کے عقل کے چہرے سے پردہ ہٹا دیا جاتا ہے اور اس کے دل میں نور پیدا ہو جاتا ہے جس کی وجہ سے وہ فرائض وسنن اور اچھائی برائی کو سمجھنے لگ جاتا ہے۔ آگاہ رہو عقل کو دل میں وہی مقام حاصل ہے جو گھر کے درمیان میں چراغ کو حاصل ہے"۔

۱۷۸- تفسیر علی بن ابراہیم میں منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"عقل کا مقام دماغ ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ کم عقل شخص سے کہا جاتا ہے کہ تیرا دماغ کتنا ہلکا ہے"۔

حدیث طویل ہے اور ہم نے بقدر ضرورت اسے نقل کیا ہے۔

۱۷۹- اصولِ کافی میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:

مولا! عقل کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: عقل وہ قوت ہے جس سے رحمٰن کی عبادت کی جائے اور جنت حاصل کی جا سکے۔.....الحدیث۔

''صبر'' سے روزہ دار مراد ہے۔

۱۸۰- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''صبر'' سے مراد روزہ ہے۔

۱۸۱- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ'' (اور تم صبر کے ذریعہ سے مدد طلب کرو) میں صبر سے مراد روزہ ہے۔ جب کسی شخص پر کوئی آفت و مصیبت نازل ہو تو اسے روزے رکھنے چاہئیں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: ''وَاسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ'' یعنی روزہ کے ذریعہ سے مدد طلب کرو۔

من لایحضرہ الفقیہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ حدیث انہی الفاظ میں منقول ہے۔

لقاء رب کا مفہوم

۱۸۲- کتاب التوحید میں ایک طویل حدیث مرقوم ہے جس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک شخص نے مختلف مشکل آیات کا حضرت علیؑ سے مفہوم دریافت کیا اور آپؑ نے اسے سب کا جواب دیا۔ ان جوابات میں ایک جواب یہ بھی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

''بَلْ هُمْ بِلِقَآءِ رَبِّهِمْ كٰفِرُوْنَ'' (بلکہ وہ رب کی ملاقات کے منکر ہیں) یہاں لفظ ''لقاء'' سے مبعوث ہونا مراد ہے۔ مبعوث ہونے کو اللہ تعالیٰ نے لفظ ''لقاء'' سے تعبیر کیا ہے۔ مومنین کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوْا رَبِّهِمْ'' یعنی وہ یقین رکھتے ہیں کہ انھیں قبروں سے مبعوث کیا جائے گا اور انھیں ایک جگہ پر اکٹھا کیا جائے گا اور ان سے حساب لیا جائے گا اور جزا و سزا کی شکل میں انھیں اعمال کا بدلہ دیا جائے گا۔ اس آیت میں لفظ ''ظن'' گمان کے معنی میں نہیں بلکہ یقین کے معنی میں ہے۔

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۷﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا يُؤْخَذُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۴۸﴾ وَاِذْ نَجَّيْنٰكُمْ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَسُوْمُوْنَكُمْ سُوْٓءَ الْعَذَابِ يُذَبِّحُوْنَ اَبْنَآءَكُمْ وَيَسْتَحْيُوْنَ نِسَآءَكُمْ ۭ وَفِيْ ذٰلِكُمْ بَلَاۗءٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ عَظِيْمٌ ﴿۴۹﴾

"اے بنی اسرائیل! میری وہ نعمت یاد کرو جس سے میں نے تمھیں نوازا اور تمھیں عالمین پر فضیلت دی۔ اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن کوئی شخص کسی کی طرف سے بدل نہ بن سکے گا اور نہ اس کی طرف سے کوئی سفارش مانی جائے گی اور نہ اس کا کوئی معاوضہ لیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔ اور جب ہم نے تمھیں خاندانِ فرعون سے نجات دی جو تمھیں بدترین دکھ دے کر ستاتے تھے۔ تمھارے لڑکوں کو ذبح کرتے تھے اور تمھاری بیٹیوں کو زندہ رکھتے تھے۔ اس میں تمھارے پروردگار کی طرف سے سخت آزمائش تھی"۔

۱۸۳۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا:
"خدا کی قسم! اگر تمام ملائکہ مقربین اور انبیائے مرسلین بھی مل کر کسی ناصبی (دشمنِ آلِ محمدؐ) کی شفاعت کریں تو بھی ان کی شفاعت قبول نہیں کی جائے گی"۔

۱۸۴- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا:

''جس میں تین عادات موجود ہوں تو اس میں ایمان کی خصلتیں مکمل ہو جاتی ہیں: ۱- جو ظلم پر صبر کرے۔ ۲- اپنے غصہ کو پی جائے۔ ۳- خدا سے اجر کے شوق میں معاف کر دے اور بخش دے۔ ایسا شخص ان لوگوں میں شمار کیا جائے گا جو حساب کے بغیر جنت میں جائیں گے اور انھیں قبیلہ ربیعہ و مضر کے افراد کے برابر حق شفاعت دیا جائے گا۔

۱۸۵- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

''اہلِ شرک وظلم کے علاوہ میری شفاعت اہلِ کبائر کے لیے ہوگی''۔ میں (مولف) عرض کرتا ہوں کہ اہلِ معاصی کے لیے شفاعت کی بہت سی احادیث وارد ہیں۔

۱۸۶- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ احادیث میں لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا کے جو الفاظ ملتے ہیں ان کے معنی میں اختلاف پایا جاتا ہے۔

حسن بصری کہتے ہیں کہ ''صرف'' سے عمل اور ''عدل'' سے فدیہ مراد ہے۔ اصمعی کا قول ہے کہ ''صرف'' سے ''حیلہ'' اور ''عدل'' سے فدیہ مراد ہے۔ کلبی کا قول ہے کہ ''صرف'' سے فدیہ اور ''عدل'' سے متبادل فرد مراد ہے۔

۱۸۷- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''عدل'' سے فریضہ مراد ہے۔

۱۸۸- ابراہیم بن فضیل کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ امام محمد باقر علیہ السلام کے فرمان کے مطابق ''عدل'' فدیہ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

۱۸۹- ارساط الرجلی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:

''لا یقبل اللہ منہ صرفا ولا عدلا'' میں لفظ ''صرف'' اور لفظ ''عدل'' کا کیا مفہوم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ''صرف'' سے مراد نافلہ اور ''عدل'' سے مراد فریضہ ہے۔

۱۹۰- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا:

''مسجد کوفہ میں ایک شخص امیر المومنین کے سامنے کھڑا ہوا اور اس نے کہا: امیر المومنین! مجھے بدھ کے دن کے متعلق بتائیں اور یہ بتائیں کہ اس سے بدشگونی کیوں لی جاتی ہے اور یہ کیوں بوجھل اور ثقیل سا محسوس ہوتا ہے۔ وہ بدھ کون سا ہے؟''

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ''وہ مہینے کا آخری بدھ ہے اور بدھ کے دن میں فرعون نے بنی اسرائیل کے لڑکوں کو ذبح کرنے کا حکم جاری کیا تھا''۔

بنی اسرائیل و موسیٰ علیہ السلام

۱۹۱- کتاب کمال الدین و اتمام النعمۃ میں سعید بن جبیر سے روایت ہے۔ اس نے امام زین العابدین علیہ السلام سے روایت کی۔ آپ نے اپنے والد حضرت سید الشہداء علیہ السلام سے روایت کی۔ انھوں نے اپنے والد سید الاوصیاء علیہ السلام سے روایت کی۔ انھوں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔ آپؐ نے فرمایا:

''جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انھوں نے اپنے پیروکاروں اور افراد خانہ کو جمع کیا۔ اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد انھوں نے کہا: عنقریب تمہارے گھرانے پر سخت مصیبت نازل ہوگی جس میں تمہارے مردوں کو قتل کیا جائے گا اور حاملہ خواتین کے پیٹ پھاڑ دیئے جائیں گے اور معصوم بچوں کو ذبح کیا جائے گا۔ پھر اللہ تعالیٰ لاوی بن یعقوب کی اولاد میں سے ایک نجات دہندہ کو روانہ کرے گا، اس کا رنگ گندمی ہوگا اور وہ طویل القامت ہوگا۔ پھر حضرت یوسفؑ نے اس نجات دہندہ کے اوصاف بیان فرمائے۔ بنی اسرائیل نے حضرت یوسفؑ کی وصیت کو یاد رکھا۔ پھر بنی اسرائیل پر مصائب ٹوٹ پڑے۔ وہ چار سو سال تک مغلوب و مقہور رہے۔ اس دوران وہ اپنے نجات دہندہ کے آنے کا انتظار کرتے رہے۔ پھر انھیں ان کے علماء کی زبانی پتہ چلا کہ ان کا نجات دہندہ پیدا ہو چکا ہے اور انھوں نے اس کے ظہور کی علامات کا مشاہدہ کیا۔ اس دوران ان کی آزمائش اور سخت ہوگئی اور انھیں لاٹھیوں اور پتھروں سے مارا پیٹا جانے لگا۔ اس زمانے میں بنی اسرائیل میں ایک فقیہ رہا کرتا تھا جو انھیں نجات دہندہ کی باتیں سنایا کرتا تھا۔ جب آزمائش نے شدت اختیار کی تو وہ فقیہ بھی کہیں چھپ گیا۔ بنی اسرائیل نے اس فقیہ سے رابطہ قائم کیا اور کہا کہ ہم سخت آزمائش میں مبتلا ہیں اور آپ کی باتیں سن کر ہمیں اُمید کی کرن دکھائی دیتی تھی۔ آپ آئیں تاکہ ہم آپ کی باتیں سن کر کچھ سکون محسوس کرسکیں۔

وہ فقیہ انھیں ایک صحرا میں لے گیا اور اس نے کہنا شروع کیا کہ تمہارے مصائب کے دن ختم ہونے کو ہیں اور ہمارا نجات دہندہ آنے ہی والا ہے اور اس کے ظہور کے لمحات قریب ہیں۔

وہ چاندنی رات تھی۔ ابھی وہ صحرا میں بیٹھ کر ان باتوں میں مصروف تھے کہ موسیٰ علیہ السلام ان کے پاس پہنچے۔ اس وقت آپ نوخیز نوجوان تھے اور سیر کی غرض سے فرعون کے محل سے باہر نکلے تھے۔ حضرت موسیٰؑ نے اسرائیلیوں کے اجتماع کو

دیکھا تو وہ اپنے نوکروں کے جلوس سے نکل کر تن تنہا وہاں چلے گئے۔ آپ ایک خچر پر سوار تھے اور آپ نے ابریشم کا لباس پہنا ہوا تھا۔ جب فقیہ نے حضرت موسیٰؑ کو دیکھا تو اس نے ان کی علامات سے پہچان لیا کہ بنی اسرائیل کے نجات دہندہ یہی ہیں۔ چنانچہ وہ اپنی جگہ سے اٹھ کر ان کے قدموں میں گر پڑا اور انھیں بوسے دینے لگ گیا اور اس نے کہا کہ خدا کا شکر ہے کہ اس نے مرنے سے قبل مجھے آپ کی زیارت کا شرف عطا کیا۔

جب اس کے دوسرے ساتھیوں نے دیکھا تو انھیں بھی یقین ہو گیا کہ موسیٰؑ ہی ان کے نجات دہندہ ہیں۔ چنانچہ وہ سجدۂ شکر بجالائے۔

اس وقت حضرت موسیٰؑ نے ان سے صرف یہی کہا کہ مجھے امید ہے کہ اللہ تمھیں جلد نجات دے گا۔ اس کے بعد موسیٰؑ وہاں سے چلے گئے۔ پھر کچھ دنوں بعد انھوں نے فرعون کا محل اور شہر چھوڑ دیا اور مدین شہر چلے گئے جہاں انھوں نے ایک عرصہ تک شعیبؑ پیغمبر کے ہاں قیام کیا۔

چنانچہ دوسری غیبت پہلی غیبت سے زیادہ سخت تھی اور یہ غیبت پچاس برس سے کچھ سال زیادہ پر مشتمل تھی۔ اس دوران بنی اسرائیل کی سخت آزمائش کی گئی۔ اور وہ فقیہ کہیں جا کر چھپ گیا۔ بنی اسرائیل نے اس کی طرف پیغام بھیجا کہ ہم آپ کی روپوشی برداشت نہیں کر سکتے۔ چنانچہ وہ فقیہ ایک صحرا میں گیا اور مخصوص اسرائیلیوں کو وہاں بلایا۔ ان سے باتیں کہیں اور ان کے دل کا بوجھ ہلکا کیا اور اس نے ان سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے وحی کی ہے چالیس سال بعد تمھارا یہ امتحان ختم ہو جائے گا۔

اہلِ محفل نے کہا: ''اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ''۔ اس وقت اللہ نے اس فقیہ پر وحی کی کہ ان لوگوں نے میری حمد کی ہے لہٰذا ان کا امتحان ۳۰ برس بعد ختم ہو جائے گا۔

جب اہلِ محفل نے یہ سنا تو انھوں نے کہا: ہر نعمت خدا کی طرف سے ہے۔

اللہ نے فقیہ کی طرف وحی کی کہ انھوں نے میری نعمت کی قدردانی کی لہٰذا ان کا امتحان ۲۰ برس بعد ختم ہو جائے گا۔

جب اہلِ محفل نے یہ سنا تو انھوں نے کہا: اللہ کے علاوہ اور کوئی بھلائی دینے والا نہیں ہے۔

اس وقت اللہ نے فقیہ پر وحی نازل کی کہ انھوں نے مجھے اچھائیوں کا منبع قرار دیا ہے لہٰذا ان کا امتحان دس برس بعد ختم ہو جائے گا۔

جب اہلِ محفل نے یہ سنا تو انھوں نے کہا کہ اللہ کے علاوہ تکلیف کو کوئی دُور نہیں کر سکتا۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے فقیہ کی طرف وحی کی کہ میں نے ان کی تکلیف دُور کر دی ہے اور اسرائیلیوں کا نجات دہندہ ابھی ابھی یہاں پہنچنے ہی والا ہے۔

ابھی وہ بیٹھے ہی تھے کہ موسیٰ علیہ السلام گدھے پر سوار ہو کر وہاں تشریف لائے۔ فقیہ نے موسیٰؑ کے پیروکاروں کی بصیرت میں اضافہ کے لیے خاموشی اختیار کی یہاں تک کہ موسیٰؑ ان کے پاس آ کر رک گئے اور انھیں سلام کیا۔ فقیہ نے کہا:

آپ کا کیا نام ہے؟

حضرت موسیٰؑ نے کہا: میں موسیٰ ہوں۔

فقیہ: آپ کس کے فرزند ہیں؟

حضرت موسیٰؑ: میں عمران کا فرزند ہوں۔

فقیہ: عمران کا شجرۂ نسب کیا ہے؟

حضرت موسیٰؑ: عمران بن قاھب بن لاوی بن یعقوب۔

فقیہ: آپ کیا لے کر آئے ہیں؟

حضرت موسیٰؑ: میں اللہ کی طرف سے رسالت لے کر آیا ہوں۔

یہ سن کر فقیہ اپنی جگہ سے اٹھا اور اس نے حضرت موسیٰؑ کے ہاتھوں کو بوسہ دیا۔ اس کے بعد حضرت موسیٰؑ ان کے پاس بیٹھ گئے جس سے ان کے دلوں کو مسرت حاصل ہوئی اور آپؑ نے ان کے سامنے احکامِ الٰہی بیان کیے۔ اس کے بعد آپؑ ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے۔ چنانچہ موسیٰؑ کے اعلانِ رسالت کے چالیس سال بعد فرعون غرق ہوا اور اللہ نے بنی اسرائیل کو اس کے مظالم سے نجات بخشی''۔

۱۹۲- محمد حلبی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی' آپؑ نے فرمایا:

''جب حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب ہوا تو انھوں نے خاندانِ یعقوب کو جمع کیا۔ اس وقت ان کی تعداد اسّی (۸۰) مردوں پر مشتمل تھی۔ پھر آپؑ نے فرمایا:

''قبطی لوگ عنقریب تم پر غلبہ حاصل کر لیں گے اور تمھیں مختلف قسم کے عذاب دے کر ستائیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ لاوی بن یعقوب کی نسل سے ایک مرد پیدا کرے گا جو تمھیں ان کے ظلم وستم سے نجات دلائے گا۔ اس کا نام موسیٰ بن عمران ہوگا۔ وہ لمبے قد کا جوان ہوگا' اس کے بال گھنگریالے ہوں گے اور وہ گندمی رنگ کا ہوگا' حضرت یوسفؑ کی رحلت کے بعد

بنی اسرائیل نے اپنے بچوں کا نام عمران رکھا اور جب عمران صاحب اولاد ہوتا تھا تو وہ اپنے ایک بیٹے کا نام موسیٰ رکھتا تھا۔ چنانچہ حضرت موسیٰؑ کے اعلانِ رسالت سے پہلے پچاس افراد نے یہ دعویٰ کیا کہ وہ وہی موسیٰ بن عمران ہیں جن کا وعدہ حضرت یوسفؑ نے کیا تھا۔

ایک دن فرعون کے جادوگروں اور منجموں نے اسے پیشین گوئی کی کہ اس سال ایک بچہ پیدا ہونے والا ہے جو تیرے اور تیری قوم کے دین کو تباہ کردے گا اور وہ بچہ بنی اسرائیل میں پیدا ہوگا۔ اس کے بعد فرعون نے قابلہ عورتوں کو بنی اسرائیل کی عورتوں کی دیکھ بھال پر مقرر کر دیا۔ چنانچہ جو بھی بچہ پیدا ہوتا اسے فرعون قتل کرا دیتا تھا۔ جب بنی اسرائیل کے نوزائیدہ لڑکے مسلسل قتل ہونے لگے تو انھوں نے کہا ہمارے لڑکے قتل ہو رہے ہیں اور ہماری لڑکیوں کو زندہ رکھا جا رہا ہے اس سے تو ہماری نسل ہی معدوم ہو جائے گی لہٰذا بچے قتل کرانے سے بہتر ہے کہ ہم بیویوں سے ہم آغوش ہونا ہی بند کردیں۔

اس اجتماع میں حضرت موسیٰؑ کے والد عمران بھی موجود تھے۔ انھوں نے اس تجویز سے اختلاف کیا اور کہا: تم ایسا نہ کرو کیونکہ خدا کا فرمان ہر صورت پورا ہو کر ہی رہے گا۔ تم بیویوں کو اپنے لیے حرام قرار دیتے ہو تو دیتے رہو مگر میں اسے حرام قرار نہیں دیتا۔ اور تم میں سے جو اپنی بیوی سے جنسی تعلقات ختم کرتا ہے تو کرتا رہے مگر میں اپنی بیوی سے جنسی تعلقات ختم نہیں کروں گا۔

چنانچہ وہ مادرِ موسیٰؑ سے ہم آغوش ہوئے اور ان کی بیوی حاملہ ہوگئی۔ پھر فرعون کی طرف سے اُم موسیٰؑ کی نگرانی کے لیے ایک دائی مقرر کی گئی جو اٹھتے بیٹھتے ان کے ساتھ رہتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس نگران دائی کے دل میں حضرت موسیٰؑ کے لیے محبت ڈال دی اور اللہ تعالیٰ اپنی حجتوں کے لیے ایسا ہی کیا کرتا ہے۔

ایک دن اس قابلہ نے اُم موسیٰؑ سے کہا:

بیٹی! خیریت تو ہے آپ روز بروز زرد ہوتی جا رہی ہیں اور آپ کا وجود پگھلتا جا رہا ہے؟

اُم موسیٰؑ نے کہا: آپ مجھے اس پر ملامت نہ کریں کیونکہ میں جانتی ہوں کہ جب میرے ہاں بچہ جنم لے گا تو فرعون کے سپاہی اسے قتل کر دیں گے اور یہی سوچ کر میں روزانہ دبلی ہوتی جا رہی ہوں۔

قابلہ نے کہا: آپ فکر نہ کریں۔ میں آپ کا یہ راز مخفی رکھوں گا۔ مگر اُم موسیٰؑ کو اس کی بات کا یقین نہ آیا اور

جب بی بی کے ہاں بچہ پیدا ہوا تو بی بی نے دائی کی طرف دیکھا اور دائی نے آگے بڑھ کر حضرت موسیٰؑ کے چہرے کی طرف دیکھ کر ماشاء اللہ کہا اور پھر اس نے مادرِ موسیٰؑ سے کہا کہ آپ اتنی پریشان کیوں ہیں؟ کیا میں نے تم سے یہ وعدہ نہیں کیا تھا کہ میں آپ کے بیٹے کی پیدائش کو لوگوں سے مخفی رکھوں گی؟؟

پھر اس نے نومولود کو اٹھا کر ایک مخفی جگہ پر رکھ دیا اور پھر وہ دروازے پر فوجیوں کے پاس آئی اور اس نے ان سے کہا کہ یہاں کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا البتہ خاتون کو خون کا جما ہوا ایک لوتھڑا پیدا ہوا ہے۔

یہ سن کر فرعون کے سپاہی دروازے سے چلے گئے۔ حضرت موسیٰؑ کی ولادت کا مکمل قصہ کتب تواریخ میں موجود ہے۔ شائقین ان کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

۱۹۳۔ کتاب غیبت طوسی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے کہ فرعون کو اس کے جادوگروں اور منجموں نے بتایا تھا کہ ایک بچہ پیدا ہوگا جس کے ہاتھ سے اس کی حکومت تباہ ہو جائے گی۔

فرعون نے منجمین سے کہا کہ وہ بچہ کس خاندان میں جنم لے گا؟

منجمین نے کہا کہ وہ بچہ بنی اسرائیل میں پیدا ہوگا۔ اس کے بعد فرعون نے اپنے ساتھیوں کو حکم دیا کہ بنی اسرائیل کی حاملہ خواتین کے پیٹ چاک کیے جائیں۔ حضرت موسیٰؑ کی تلاش میں فرعون نے بیس ہزار سے زائد بچوں کو قتل کرایا مگر حضرت موسیٰؑ کو خدا نے محفوظ رکھنا تھا اسی لیے فرعون کا ان پر بس نہ چلا۔

وَاِذْ فَرَقْنَا بِكُمُ الْبَحْرَ فَاَنْجَيْنٰكُمْ وَاَغْرَقْنَآ اٰلَ فِرْعَوْنَ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۰﴾ وَاِذْ وٰعَدْنَا مُوْسٰٓى اَرْبَعِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ﴿۵۱﴾ ثُمَّ عَفَوْنَا عَنْكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۲﴾ وَاِذْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَالْفُرْقَانَ لَعَلَّكُمْ تَهْتَدُوْنَ ﴿۵۳﴾ وَاِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ

يٰقَوْمِ اِنَّكُمْ ظَلَمْتُمْ اَنْفُسَكُمْ بِاتِّخَاذِكُمُ الْعِجْلَ فَتُوْبُوْٓا اِلٰى
بَارِئِكُمْ فَاقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ عِنْدَ بَارِئِكُمْ ؕ
فَتَابَ عَلَيْكُمْ ؕ اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۴﴾ وَاِذْ قُلْتُمْ
يٰمُوْسٰى لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰى نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْكُمُ
الصّٰعِقَةُ وَاَنْتُمْ تَنْظُرُوْنَ ﴿۵۵﴾ ثُمَّ بَعَثْنٰكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَوْتِكُمْ
لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۵۶﴾ وَظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَاَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ
الْمَنَّ وَالسَّلْوٰى ؕ كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ ؕ وَمَا
ظَلَمُوْنَا وَلٰكِنْ كَانُوْٓا اَنْفُسَهُمْ يَظْلِمُوْنَ ﴿۵۷﴾ وَاِذْ قُلْنَا ادْخُلُوْا
هٰذِهِ الْقَرْيَةَ فَكُلُوْا مِنْهَا حَيْثُ شِئْتُمْ رَغَدًا وَّادْخُلُوا الْبَابَ
سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ نَّغْفِرْ لَكُمْ خَطٰيٰكُمْ ؕ وَسَنَزِيْدُ
الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۵۸﴾ فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ
لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا
يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾ ع وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ
بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ؕ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ؕ قَدْ

عَلِمَ كُلُّ أُنَاسٍ مَّشْرَبَهُمْ ۖ كُلُوا وَاشْرَبُوا مِن رِّزْقِ اللَّهِ
وَلَا تَعْثَوْا فِي الْأَرْضِ مُفْسِدِينَ ﴿٦٠﴾ وَإِذْ قُلْتُمْ يَا مُوسَىٰ لَن
نَّصْبِرَ عَلَىٰ طَعَامٍ وَاحِدٍ فَادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُخْرِجْ لَنَا مِمَّا تُنبِتُ
الْأَرْضُ مِن بَقْلِهَا وَقِثَّائِهَا وَفُومِهَا وَعَدَسِهَا وَبَصَلِهَا ۖ قَالَ
أَتَسْتَبْدِلُونَ الَّذِي هُوَ أَدْنَىٰ بِالَّذِي هُوَ خَيْرٌ ۚ اهْبِطُوا مِصْرًا
فَإِنَّ لَكُم مَّا سَأَلْتُمْ ۗ وَضُرِبَتْ عَلَيْهِمُ الذِّلَّةُ وَالْمَسْكَنَةُ
وَبَاءُوا بِغَضَبٍ مِّنَ اللَّهِ ۗ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَانُوا يَكْفُرُونَ بِآيَاتِ
اللَّهِ وَيَقْتُلُونَ النَّبِيِّينَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۗ ذَٰلِكَ بِمَا عَصَوا وَّكَانُوا
يَعْتَدُونَ ﴿٦١﴾

''اور جب ہم نے تمھارے لیے دریا کو شگافتہ کر دیا اور تمھیں نجات دی اور ہم نے خاندانِ فرعون کو تمھارے دیکھتے دیکھتے غرق کر دیا۔ اور ہم نے موسیٰؑ سے چالیس راتوں کا وعدہ کیا تھا تم نے ان کے بعد ایک بچھڑے کو معبود بنا لیا اور تم ظلم کر رہے تھے۔ پھر اس کے بعد ہم نے تم کو معاف کیا تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ۔ اور جب ہم نے موسیٰؑ کو کتاب اور حق و باطل کو جدا کرنے والا قانون دیا تا کہ تم ہدایت پا سکو۔ اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا: اے میری قوم تم نے بچھڑے کو معبود بنا کر اپنی

جانوں پر ظلم کیا، تم اپنے خالق کے حضور توبہ کرو اور اپنے نفسوں کو قتل کر ڈالو۔ یہی تمھارے پروردگار کے ہاں تمھارے لیے بہتر ہے۔ پھر خدا نے تمھاری توبہ قبول کر لی وہ بڑا توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔ اور جب تم نے کہا تھا اے موسیٰؑ ہم تم پر اس وقت تک ہرگز ایمان نہ لائیں گے جب تک ہم خدا کو کھلم کھلا طور پر دیکھ نہ لیں۔ اس وقت تمھیں بجلی نے پکڑ لیا تھا اور تم تکتے ہی رہ گئے۔ پھر ہم نے تمھیں تمھارے مرنے کے بعد اٹھایا تا کہ تم شکر کرو۔ اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور ہم نے تم پر من و سلویٰ اتارا (اور کہا) پاکیزہ چیزیں کھاؤ۔ ان لوگوں نے ہمارا کچھ نہیں بگاڑا بلکہ وہ اپنی جانوں پر ہی ظلم کرتے رہے۔ اور جب ہم نے کہا کہ تم اس بستی میں داخل ہو جاؤ اور اس میں داخل ہو کر جہاں چاہو اطمینان سے کھاؤ اور دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور "حِطَّۃٌ" (بخشش) کہتے ہوئے آؤ تو ہم تمھاری خطائیں تمھیں معاف کر دیں گے اور نیکی کرنے والوں کی نیکیوں میں اضافہ کریں گے۔ جو بات ان سے کہی گئی تھی اسے ظالموں نے بدل دیا اور اس کی جگہ دوسری بات کہنی شروع کر دی۔ ہم نے ظلم کرنے والوں پر ان کی بدکاریوں کی وجہ سے آسمان سے عذاب نازل کیا۔ اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم کے لیے پانی طلب کیا تو ہم نے کہا کہ اپنی لاٹھی پتھر پر مارو۔ اس میں سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے۔ سب نے اپنا اپنا گھاٹ پہچان لیا۔ اللہ کا رزق کھاؤ پیو اور زمین پر فساد کرتے ہوئے نہ پھرو۔ اور جب تم نے کہا: اے موسیٰؑ! ہم ایک ہی قسم کے کھانے کو ہرگز برداشت نہیں کر سکتے آپ اپنے پروردگار سے دعا مانگیں کہ وہ ہمارے لیے زمین سے سبزی، ککڑی، لہسن، مسور اور پیاز وغیرہ پیدا کرے۔ موسیٰؑ نے کہا: تم بہتر چیز کو ادنیٰ چیز سے بدلنا چاہتے ہو۔ کسی شہر

میں چلے جاؤ وہاں تمھیں تمھاری مطلوبہ اشیاء مل جائیں گی اور ان پر ذلت ومحتاجی کی مار پڑی اور انھوں نے قہر خدا کی طرف پلٹ کھایا۔ یہ اس لیے ہوا کہ وہ خدا کی نشانیوں کا انکار کرتے تھے اور انبیاء کو ناحق قتل کرتے تھے اور اس وجہ سے بھی کہ وہ نافرمانی اور سرکشی کیا کرتے تھے''۔

۱۹۴- تفسیر علی بن ابراہیم [illegible] وقفات کے ضمن میں مذکور ہے: ''پھر رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے ہاتھ آسمان کی طرف [illegible] حضرت میں عرض کیا

اللھم لک الحمد والیک المشتکی وانت المستعان۔

''خدایا تیرے ہی لیے حمد [illegible] اور تجھ سے ہی مدد طلب کی جاتی ہے''۔

اس وقت جبریل [illegible] یا رسول اللہ! آپ نے وہ دعا کی ہے جسے موسیٰ علیہ السلام نے پڑھا تھا تو ان [illegible] فرعون سے نجات دی تھی۔

۱۹۵- تفسیر [illegible] عَلَیْهِ عٰكِفِیْنَ حَتّٰى یَرْجِعَ اِلَیْنَا مُوْسٰى (ہم بچھڑے کی عبادت پر قائم رہیں [illegible] ہمارے پاس آجائیں) کے ضمن میں مرقوم ہے کہ بچھڑا پرستوں نے ہارونؑ کے قتل کا ارادہ کرلیا تھا۔ [illegible] خوف کی وجہ سے وہاں سے بھاگ گئے تھے اور بنی اسرائیلؑ بچھڑے کی عبادت کرتے رہے۔ [illegible] موسیٰ کا چالیس راتوں کا وعدہ پورا ہوا اور ۱۰ ذی الحجہ کے دن اللہ نے حضرت موسیٰ پر الواح نازل کیں جن میں تورات لکھی ہوئی تھی اور ان الواح میں سیرت وقصص جیسی تمام چیزوں کا ذکر تھا۔ جن کی لوگوں کو ضرورت محسوس ہوسکتی تھی۔

۱۹۶- اصول کافی میں فضیل بن یسار سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا: کیا قائم آل محمدؑ کے ظہور کا وقت مقرر ہے؟

آپؑ نے فرمایا: کذب الوقاتون، کذب الوقاتون، کذب الوقاتون ''وقت مقرر کرنے والے جھوٹے ہیں، وقت مقرر کرنے والے جھوٹے ہیں، وقت مقرر کرنے والے جھوٹے ہیں''۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام رب کے مہمان بن کر جانے لگے تو انھوں نے اپنی قوم سے ۳۰ دنوں کا وعدہ کیا تھا اور جب اللہ نے ۳۰ کے بعد دس دنوں کا اضافہ کیا تو بنی

اسرائیل نے کہا کہ موسیٰ نے ہم سے وعدہ خلافی کی ہے۔ اس کے بعد انھوں نے جو کچھ کرنا تھا وہ کیا لہٰذا جب ہم تم سے کوئی بات کہیں اور ہماری بات سچی ثابت ہو تو تم "صَدَقَ اللّٰہُ" کہو اور اگر ہماری بتائی بات واقع نہ ہو تو بھی تم "صَدَقَ اللّٰہ" کہو۔ تمھیں اس کا دوگنا اجر ملے گا۔

۱۹۷- عیون الاخبار میں حسین بن خالد سے منقول ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے عرض کیا:

"اُونٹ کتنے افراد کی قربانی کے لیے کافی ہے؟"

آپؑ نے فرمایا: "اُونٹ بس ایک شخص کی قربانی بن سکتا ہے"۔

میں نے کہا کہ "گائے کی قربانی میں کتنے افراد شامل ہو سکتے ہیں؟"

آپؑ نے فرمایا: "گائے کی قربانی میں پانچ افراد شریک ہو سکتے ہیں بشرطیکہ وہ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے ہوں۔

میں نے کہا: مولا! یہ بات کتنی عجیب ہے کہ اونٹ تو ایک شخص کی قربانی کے لیے ہو اور گائے کی قربانی میں پانچ افراد شامل ہو سکتے ہوں؟

آپؑ نے فرمایا: اونٹ میں وہ وجہ شامل نہیں جو کہ گائے میں پائی جاتی ہے اور وہ وجہ یہ ہے کہ قومِ موسیٰؑ میں بچھڑے کی عبادت کا حکم دینے والے افراد پانچ تھے اور وہ ایک ہی گھر کے فرد تھے اور ایک ہی دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے اور وہ اذینویہ اور اس کا بھائی میدویہ اور اس کا بھتیجا اور اس کی بیٹی اور اس کی بیوی تھی۔ انھی افراد نے لوگوں کو بچھڑے کی عبادت کا حکم دیا تھا اور حکمِ الٰہی کے تحت انھوں نے ہی گائے ذبح کی تھی۔

۱۹۸- امام علی رضا علیہ السلام نے امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں بیان کیا گیا کہ کسی نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ بیل کی نگاہیں ہمیشہ زمین کی طرف جھکی کیوں رہتی ہیں آخر بیل سر اٹھا کر آسمان کی طرف کیوں نہیں دیکھتا؟

آپؑ نے فرمایا: جب سے قومِ موسیٰؑ نے گئوسالہ کی پوجا کی تھی اس دن سے وہ شرم کے مارے آسمان کی طرف آنکھ نہیں اٹھاتا اور ہمیشہ سر جھکائے رہتا ہے۔

۱۹۹- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی روایت منقول ہے۔

گئوسالہ پرستوں کا انجام

۲۰۰۔ مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے گئوسالہ کی پوجا کرنے والوں کو حکم دیا کہ وہ دو صفیں بنا کر کھڑے ہو جائیں۔ چنانچہ انھوں نے غسل کیا اور کفن پہن کر صفیں بنا کر کھڑے ہو گئے۔ حضرت ہارونؑ بارہ ہزار افراد لے کر آئے جنھوں نے گئوسالہ کی پوجا نہیں کی تھی۔ ان کے ہاتھوں میں چمکتی ہوئی تلواریں تھیں۔ انھوں نے ان کا قتلِ عام شروع کیا۔ جب ستر ہزار افراد قتل ہو گئے تو اللہ تعالیٰ نے باقی گناہ گاروں کی توبہ قبول کی اور مقتولین کے قتل کو ان کے لیے شہادت کا درجہ دے دیا۔

۲۰۱۔ روایت میں مذکور ہے کہ جب اسرائیلی ایک دوسرے کو قتل کرنے میں مصروف تھے اس وقت حضرت موسٰی و ہارونؑ بارگاہِ الٰہی میں دعا کرنے میں مصروف تھے۔ آخر کار وحی نازل ہوئی کہ قتلِ عام کا سلسلہ بند کر دیا جائے۔ میں نے باقی بچ جانے والوں کی توبہ کو قبول کر لیا ہے۔

رؤیت خداوندی پر اصرار کرنے والوں کا انجام

۲۰۲۔ وَاِذْ قُلْتُمْ یٰمُوْسٰی لَنْ نُّؤْمِنَ لَكَ حَتّٰی نَرَى اللّٰهَ جَهْرَةً ... الاٰیة (اور جب تم نے کہا تھا اے موسٰی! جب تک ہم اللہ کو کھلم کھلا طور پر دیکھ نہ لیں اس وقت تک ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے......)

تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت موسٰی علیہ السلام نے کلامِ خداوندی سنانے کے لیے ستر افراد کا انتخاب کیا۔ جب انھوں نے خدا کا کلام سن لیا تو انھوں نے کہا:

"جب تک ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھ نہ لیں گے اس وقت تک ہم آپ پر ایمان نہیں لائیں گے"۔

اللہ تعالیٰ نے ان پر بجلی گرائی۔ وہ جل کر کوئلہ بن گئے۔ اس کے بعد اللہ نے انھیں دوبارہ زندگی دی اور انھیں نبی بنا کر مبعوث کیا اور یہ واقعہ اُمت محمد میں "رجعت" کی دلیل ہے۔ کیونکہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے کہ جو کچھ بنی اسرائیل میں واقع ہوا وہی کچھ میری اُمت میں بھی واقع ہوگا"۔

۲۰۳۔ کتاب الخصال میں ابن عباس سے منقول ہے۔ انھوں نے کہا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس دن حضرت موسٰی علیہ السلام کے ساتھیوں پر بجلی پڑی تھی اس دن وہاں پر موجود سات پہاڑ اُڑ کر حجاز و یمن

میں چلے گئے تھے۔ چنانچہ احد اور ورقان وہاں سے اُڑ کر مدینہ آ گئے اور ثور، شبیر اور حرا اُڑ کر مکہ میں آ گئے اور صبر اور حصون اُڑ کر یمن میں پہنچ گئے۔

بادلوں کا سایہ اور من وسلویٰ کا نزول

وَ ظَلَّلْنَا عَلَيْكُمُ الْغَمَامَ وَ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمُ الْمَنَّ وَ السَّلْوٰى ؕ

''اور ہم نے تم پر بادل کا سایہ کیا اور ہم نے تم پر ''من وسلویٰ'' اتارا''۔

۲۰۴ - کتاب احتجاج طبرسی میں امام زین العابدین علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپ نے شام کے ایک یہودی عالم اور حضرت علی علیہ السلام کا مکالمہ نقل کیا ہے۔ اس مکالمہ میں یہ الفاظ ہیں کہ شام کے یہودی عالم نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ بن عمران پر من وسلویٰ نازل کیا۔ کیا تمھارے نبی محمد کو بھی اللہ نے کچھ عطا کیا؟

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ سچ ہے کہ حضرت موسیٰؑ پر من وسلویٰ اتارا گیا لیکن قدرت کی طرف سے ہمارے نبی کو اس سے بھی بہتر چیز عطا کی گئی جو ہمارے نبی کے علاوہ کسی کو نہیں ملی۔ ہمارے نبی اور اُن کی امت کے لیے اللہ نے مالِ غنیمت کو حلال کیا ہے جو کہ من وسلویٰ سے کہیں بہتر ہے''۔

یہودی نے کہا: ''اللہ نے موسیٰؑ پر بادلوں کا سایہ کیا۔ کیا اللہ نے اس جیسی فضیلت تمھارے نبی کو عطا کی ہے؟''

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''جی ہاں حضرت موسیٰؑ پر بادلوں کا سایہ کیا گیا تھا لیکن یہ سایہ صرف ''صحرائے تیہ'' تک محدود تھا جب کہ اللہ نے ہمارے نبی کو اس سے بڑھ کر شرف عطا کیا تھا۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ولادت سے لے کر ان کی وفات تک اللہ نے بادل کا ایک ٹکڑا ان کے لیے مقرر کیا تھا جو ہر وقت ان کے سر پر سایہ فگن رہتا تھا اور ہمارے نبی کی یہ کرامت حضرت موسیٰؑ کی کرامت سے کہیں بہتر ہے۔

۲۰۵ - مجمع البیان میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے، آپؐ نے فرمایا:

''مشروم (کھمبی) کا تعلق ''من'' سے ہے اور اس کا پانی آنکھوں کے لیے شفا ہے''۔

۲۰۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''بنی اسرائیل پر نمازِ فجر کے بعد سے لے کر طلوعِ آفتاب تک ''من'' اترا کرتا تھا اور اس وقت جو نیند میں ہوتا تو اس کا حصّہ نہیں اترتا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ نمازِ فجر کے بعد سے طلوعِ آفتاب تک کے درمیان سونا مکروہ ہے''۔

بابِ حطّہ

وَّادْخُلُوا الْبَابَ سُجَّدًا وَّقُوْلُوْا حِطَّةٌ

''دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہو جاؤ اور ''حطہ'' کہو۔''

۲۰۷- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے نقل کیا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا:

لکل اُمة صدیق وفاروق وصدیق هذه الامة وفاروقها علی بن ابی طالب ان علیا سفینة نجاتها وباب حطتها۔

''ہر اُمت میں صدیق و فاروق ہوا کرتا ہے اور اُمت کا صدیق و فاروق علی بن ابی طالبؑ ہے۔ علیؑ نجات اُمت کا سفینہ اور اُمت کے لیے باب حطہ ہے''۔

۲۰۸- کتاب الخصال کے باب مناقب امیر المومنینؑ میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجھ سے فرمایا کرتے تھے:

مثلك فی اُمتی مثل باب حطة فی بنی اسرائیل فمن دخل فی ولایتك فقد دخل الباب کما امره الله عزوجل۔

''میری اُمت میں تیری مثال وہی ہے جو بنی اسرائیل میں باب حطہ کی تھی جو تیری ولایت میں داخل ہوا تو وہ اللہ کے فرمان کے مطابق دروازے میں داخل ہوا''۔

۲۰۹- امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: نحن باب حطة ''ہم باب حطہ ہیں''۔

۲۱۰- امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا: ''میں اُمت کا باب حطہ ہوں''۔

۲۱۱- روضہ کافی میں امیر المومنین علیہ السلام سے ایک خطبہ منقول ہے جس کا نام خطبہ وسیلہ ہے۔ آپؑ نے اس

خطبہ میں فرمایا:

الا وانی فیکم ایھا الناس کھارون فی آل فرعون وکباب حطۃ فی بنی اسرائیل۔

''لوگو! آگاہ ہو جاؤ! مجھے تمھارے اندر وہی مقام حاصل ہے جو آلِ فرعون میں ہارونؑ کو حاصل تھا اور تم میں میرا مقام وہی ہے جو بنی اسرائیل میں باب حطہ کا تھا''۔

۲۱۲- مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا: ''ہم تمھارے لیے باب حطہ ہیں''۔

۲۱۳- اصول کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت یوں نازل ہوئی تھی:

فَبَدَّلَ الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا (ال محمد حقهم) قَوْلًا غَيْرَ الَّذِيْ قِيْلَ لَهُمْ فَاَنْزَلْنَا عَلَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا رِجْزًا مِّنَ السَّمَآءِ بِمَا كَانُوْا يَفْسُقُوْنَ ﴿۵۹﴾

مقصد روایت یہ ہے کہ جس طرح سے لفظ ''حطہ'' چھوڑ کر بنی اسرائیل کے شریر افراد نے ''حِنطَۃ'' کہا تھا اور ان پر عذاب آیا تھا۔ اسی طرح سے ہم بھی امت اسلامیہ کے ''باب حطہ'' ہیں جو ہمیں چھوڑ کر اغیار کے پاس جائیں گے تو وہ بھی بنی اسرائیل کے افراد کی طرح سے عذاب الٰہی کے حقدار بن جائیں گے۔ اس روایت کے الفاظ سے امام علیہ السلام نے دونوں اُمتوں کے شریر افراد کی مطابقت کو واضح کیا ہے۔ (من المترجم)

آنحضرتؐ کا معجزہ

۲۱۴- احتجاج طبرسی میں امام حسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ شام کا ایک یہودی عالم امیر المومنین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے آپ سے طویل گفتگو کی۔ اس گفتگو کے دوران یہودی عالم نے کہا:

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے پتھر سے بارہ چشمے جاری ہوئے تھے کیا تمھارے نبی کو بھی اللہ نے ایسا معجزہ دیا ہے؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

حضرت موسیٰ کو یہ معجزہ ملا تھا لیکن محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ نے اس سے بھی بہتر معجزہ عطا کیا۔ جب رسولؐ خدا اپنے اصحاب کو لے کر حدیبیہ پہنچے اور اہلِ مکہ نے انھیں مکہ میں داخل ہونے سے روک دیا تو آپؐ کے اصحاب نے آپؐ سے پیاس کی شکایت کی۔ آپؐ نے ایک یمنی کوزہ منگوایا اور اس میں اپنا بابرکت ہاتھ ڈالا تو آپؐ کی انگلیوں سے پانی کے چشمے پھوٹ پڑے۔ ہم نے جی بھر کر پانی پیا اور ہم نے اپنے گھوڑوں کو بھی اچھی طرح سے سیراب کیا اور ہم نے

اپنی مشکیں اور برتن بھی بھر لیے۔ پھر آپؐ نے اپنے ترکش سے ایک تیر نکالا اور وہ تیر براء بن عازب کو دے کر فرمایا کہ یہاں قریب ہی ایک خشک کنواں ہے تم یہ تیر لے کر وہاں چلے جاؤ اور اس میں نصب کر دو۔ جیسے ہی براء بن عازب نے آپ کا دیا ہوا تیر کنوئیں میں نصب کیا تو اس سے بارہ چشمے جاری ہوئے۔ اللہ نے اس دن کو منکرین کے لیے عبرت بنا دیا۔ آپ نے اس میں اپنا ہاتھ ڈالا تو پانی اتنا بلند ہو گیا کہ کنوئیں کی منڈیر تک آ گیا اور آٹھ ہزار افراد اور ان کے جانوروں نے جی بھر کر اس سے پانی پیا اور مشکیں بھریں۔

۲۱۵- مجمع البیان میں ہے کہ جس پتھر سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے پانی جاری ہوا تھا وہ مربع شکل کا تھا۔

۲۱۶- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"تین پتھر جنت سے نازل ہوئے: ۱- مقام ابراہیمؑ کا پتھر ۲- حضرت موسیٰؑ کا پتھر ۳- حجر اسود"۔

۲۱۷- کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"جب قائم آل محمد علیہ السلام کا ظہور ہوگا اور آپؑ اپنا لشکر لے کر مکہ سے روانہ ہوں گے تو اس وقت ان کی طرف سے ایک منادی ندا دے کر کہے گا: کوئی شخص اپنے ساتھ کھانے پینے کی چیزیں لے کر نہ چلے۔ آپؑ کے پاس حضرت موسیٰؑ کا پتھر ہوگا اور وہ ایک اونٹ پر لدا ہوا ہوگا۔ آپؑ جس منزل پر قیام کریں گے تو اس سے چشمے جاری ہو جائیں گے۔ جب بھوکا اسے پیئے گا تو سیر ہو جائے گا اور اگر کوئی پیاسا اسے پیئے گا تو وہ سیراب ہو جائے گا۔ لوگ خود بھی اس پانی کو پئیں گے اور ان کے جانور بھی وہی پانی استعمال کریں گے یہاں تک کہ وہ پشت کوفہ میں نجف آ کر قیام کریں گے۔

۲۱۸- کتاب الخرائج والجرائح میں مذکورہ روایت کے بعد ان الفاظ کا اضافہ کیا گیا ہے:

"جب قائم آل محمدؑ کسی جگہ پر قیام کریں گے تو اس پتھر سے پانی اور دودھ جاری ہو جائے گا۔ جب کوئی پیاسا اسے پیئے گا تو اس کی پیاس بجھ جائے گی اور جب کوئی بھوکا اسے پیئے گا تو وہ سیر ہو جائے گا"۔

۲۱۹- اصول کافی میں بھی یہ روایت انہی الفاظ سے مروی ہے۔

کیا تمام یہودی انبیاء کے قاتل تھے؟

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَانُوْا يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَيَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ الْحَقِّ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

''اس لیے کہ وہ اللہ کی آیات کا انکار کرتے تھے اور ناحق انبیاء کو قتل کرتے تھے اس لیے کہ انھوں نے نافرمانی کی اور وہ سرکشی کیا کرتے تھے''۔

۲۲۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت کو پڑھ کر ارشاد فرمایا

''خدا کی قسم! انھوں نے انبیاء کو نہ تو اپنے ہاتھوں سے مارا پیٹا تھا اور نہ ہی انھوں نے اپنی تلواروں سے انھیں شہید کیا تھا۔ انھوں نے انبیاء کی رازداری نہ کی، گفتگو سن کر اسے عام کیا تھا جس کی وجہ سے لوگ انبیاء کو گرفتار کر کے انھیں شہید کر دیتے تھے اور یوں یہ لوگ قتل انبیاء کے موجب قرار پائے اور خدا نے ان کے اس فعل کو قتل انبیاء اور سرکشی اور نافرمانی سے تعبیر کیا''۔

إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَالَّذِينَ هَادُوا وَالنَّصَارَىٰ وَالصَّابِئِينَ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ وَإِذْ أَخَذْنَا مِيثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّورَ خُذُوا مَا آتَيْنَاكُم بِقُوَّةٍ وَاذْكُرُوا مَا فِيهِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾ ثُمَّ تَوَلَّيْتُم مِّن بَعْدِ ذَٰلِكَ ۖ فَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ لَكُنتُم مِّنَ الْخَاسِرِينَ ﴿٦٤﴾ وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾ فَجَعَلْنَاهَا نَكَالًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهَا وَمَا خَلْفَهَا وَمَوْعِظَةً لِّلْمُتَّقِينَ ﴿٦٦﴾ وَإِذْ قَالَ مُوسَىٰ لِقَوْمِهِ إِنَّ اللَّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تَذْبَحُوا بَقَرَةً ۖ قَالُوا أَتَتَّخِذُنَا

هُزُوًا ۭ قَالَ اَعُوْذُ بِاللّٰهِ اَنْ اَكُوْنَ مِنَ الْجٰهِلِيْنَ ۝۶۷ قَالُوا
ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۭ قَالَ اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ
لَّا فَارِضٌ وَّلَا بِكْرٌ ۭ عَوَانٌۢ بَيْنَ ذٰلِكَ ۭ فَافْعَلُوْا مَا
تُؤْمَرُوْنَ ۝۶۸ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا لَوْنُهَا ۭ قَالَ
اِنَّهٗ يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ صَفْرَاۗءُ ۙ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ
النّٰظِرِيْنَ ۝۶۹ قَالُوا ادْعُ لَنَا رَبَّكَ يُبَيِّنْ لَّنَا مَا هِيَ ۙ اِنَّ الْبَقَرَ
تَشٰبَهَ عَلَيْنَا ۭ وَاِنَّآ اِنْ شَاۗءَ اللّٰهُ لَمُهْتَدُوْنَ ۝۷۰ قَالَ اِنَّهٗ
يَقُوْلُ اِنَّهَا بَقَرَةٌ لَّا ذَلُوْلٌ تُثِيْرُ الْاَرْضَ وَلَا تَسْقِي الْحَرْثَ ۚ
مُسَلَّمَةٌ لَّا شِيَةَ فِيْهَا ۭ قَالُوا الْـٰٔنَ جِئْتَ بِالْحَقِّ ۭ فَذَبَحُوْهَا
وَمَا كَادُوْا يَفْعَلُوْنَ ۝۷۱ وَاِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِيْهَا ۭ
وَاللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ۝۷۲ فَقُلْنَا اضْرِبُوْهُ بِبَعْضِهَا ۭ
كَذٰلِكَ يُحْيِ اللّٰهُ الْمَوْتٰى ۙ وَيُرِيْكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۝۷۳

”بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور جو یہودی' نصاریٰ اور صابی ہیں ان میں سے،
جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان لائے گا ان کے لیے ان کے پروردگار کے ہاں
اجر ہے اور ان پر کوئی خوف اور حزن نہیں ہوگا۔ اور جب ہم نے تم سے پختہ عہد لیا تھا

اور ہم نے تم پر طور کو بلند کیا۔ ہم نے تمھیں جو دیا ہے (تورات) اس کو مضبوطی سے پکڑو اور جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد کرو تا کہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ پھر تم لوگ اس میثاق سے پھر گئے اور اگر تم پر خدا کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو تم نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاتے۔ اور تم اپنے میں سے ان لوگوں کو بخوبی جانتے ہو جنہوں نے ہفتہ کے دن زیادتی کی تھی۔ ہم نے ان سے کہہ دیا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ۔ ہم نے ان کے مسخ ہونے کے واقعہ کو سامنے والوں اور ان کے بعد میں آنے والوں کے لیے عبرت بنا دیا اور پرہیزگاروں کے لیے نصیحت کا ذریعہ بنا دیا۔ اور جب موسیٰؑ نے اپنی قوم سے کہا کہ بے شک اللہ تمھیں گائے ذبح کرنے کا حکم دے رہا ہے۔ یہ سن کر انھوں نے کہا کیا تم ہم سے مذاق کرتے ہو۔ موسیٰؑ نے کہا: میں خدا سے پناہ مانگتا ہوں کہ میں جاہلوں کا فرد بن جاؤں۔ انھوں نے کہا: تم اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ ہمیں بتائے کہ گائے کیسی ہو؟ موسیٰؑ نے کہا: بے شک خدا فرما رہا ہے کہ وہ گائے نہ تو بوڑھی ہو اور نہ ہی بچھیا ہو۔ وہ درمیانی عمر کی ہو۔ جو تمھیں حکم دیا جا رہا ہے تم اس پر عمل کرو۔ انھوں نے کہا: تم اپنے پروردگار سے دعا کرو کہ وہ ہمیں بتائے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ موسیٰؑ نے کہا کہ بے شک اللہ فرما رہا ہے کہ وہ زرد رنگ کی گائے ہو اور اس کا رنگ خوب گہرا ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کر دے۔

انھوں نے کہا کہ آپ اپنے رب سے دعا مانگیں وہ ہمیں بتائے کہ وہ گائے کیسی ہو کیونکہ ایسی تو بہت سی گائیں ہیں اور اگر خدا نے چاہا تو ہم اس کا پتہ چلا لیں گے۔ موسیٰؑ نے کہا: بے شک خدا کہہ رہا ہے کہ وہ گائے سدھائی ہوئی نہ ہو وہ تو ہل جوتتی ہو اور نہ ہی کھیت کو پانی پلاتی ہو اور ایسی صاف ستھری ہو کہ اس میں کوئی داغ دھبہ

نہ ہو۔ ان لوگوں نے کہا: اب آپ نے ٹھیک بیان کر دیا ہے۔ پھر انھوں نے گائے ذبح کی حالانکہ وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔

اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا اور اس کے قاتل کے بارے میں آپس میں جھگڑنے لگے جب کہ خدا اس چیز کو ظاہر کرنا چاہتا تھا جسے تم چھپا رہے تھے۔ پس ہم نے کہا کہ گائے کا کوئی ٹکڑا لے کر اس کی لاش پر مارو۔ خدا اس طرح سے مُردوں کو زندہ کرتا ہے اور تمھیں اپنی نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تمھیں عقل آ جائے''۔

۲۲۱- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ صابی نہ یہودی ہیں اور نہ نصرانی اور نہ ہی وہ مسلمان ہیں۔ وہ ستارہ پرست ہیں۔

۲۲۲- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں مذکور ہے کہ کسی نے آپ سے پوچھا کہ عیسائیوں کو نصرانی کیوں کہا جاتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: یہ لفظ ''ناصرہ'' کی طرف منسوب ہے اور وہ ملک شام کا ایک گاؤں ہے۔ حضرت مریمؑ اور حضرت عیسیٰؑ نے مصر واپسی کے بعد یہاں قیام کیا تھا۔

۲۲۳- عقاب الاعمال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''قیامت کے دن سات اشخاص کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔ پہلا شخص آدم کا فرزند قابیل ہے جس نے قتلِ ناحق کی بنیاد رکھی تھی اور دوسرا شخص وہ ہے جس نے بنی اسرائیل میں یہودیت کو رواج دیا اور تیسرا شخص وہ ہے جس نے بنی اسرائیل میں نصرانیت کے عقیدہ تثلیث کو رائج کیا۔

۲۲۴- امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے ایک طویل حدیث کے ضمن میں فرمایا:

''دوزخ میں ایک وادی ہے جس کا نام ''سقر'' ہے۔ اس وادی میں ایک پہاڑ ہے اور اس پہاڑ میں کئی گھاٹیاں ہیں اور ایک گھاٹی میں ایک کنواں ہے اور اس کنوئیں میں ایک سانپ ہے اور سانپ کے پیٹ میں سات صندوق ہوں گے جن میں سے پانچ صندوقوں میں امم سابقہ کے افراد ہوں گے اور دو صندوقوں میں اُمت محمد کے دو افراد ہوں گے۔ ان میں ایک قابیل ہوگا جس نے ہابیل کو قتل کیا تھا اور یہود ہوگا جس نے یہودیت کو رواج دیا اور پولس ہوگا جس نے نصاریٰ کو تثلیث کی تعلیم دی تھی۔

۲۲۵- تفسیر علی بن ابراہیم میں مذکور ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جب اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر تورات نازل کی تو انھوں نے اسے قبول نہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان پر طور سینا کو بلند کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا:

''اگر تم نے اسے قبول نہ کیا تو یہ پہاڑ تم پر گر پڑے گا''۔

اس وجہ سے انھیں مجبوراً تورات کو قبول کرنا ہی پڑا۔

۲۲۶- مجمع البیان میں بحوالہ عیاشی منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا:

خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ (ہم نے جو کچھ تمھیں دیا ہے اسے پوری قوت سے تھامو) کی آیت مجیدہ میں جس قوت کی بات کی گئی ہے اس سے جسمانی قوت مراد ہے یا دلوں کی قوت مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس سے دونوں قوتیں مراد ہیں۔

۲۲۷- وَاذْكُرُوْا مَا فِيْهِ (جو کچھ اس میں ہے اس کو یاد کرو) کا مفہوم یہ ہے کہ یہ بات ذہن میں رکھو کہ اس کے چھوڑنے کا عذاب کتنا ہے۔ یہی مفہوم امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔

۲۲۸- اصول کافی کی ایک طویل حدیث کے ضمن میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے' آپؑ نے فرمایا:

''حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں ہفتہ کے دن کی بڑی اہمیت تھی اور ان کی شریعت میں یہ دن بڑا محترم و مکرم تھا اور اس دن دنیا کے کاروبار صحیح نہ تھے۔ اصحاب السبت بنی اسرائیل کا ایک گروہ تھا جو دریا کے کنارے آباد تھے اور پیشہ کے لحاظ سے وہ مچھیرے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کا امتحان لیا۔ چنانچہ جب وہ ہفتہ کے علاوہ اور دنوں میں شکار کرتے تو کوئی مچھلی ان کے ہاتھ نہ آتی تھی۔ جب کہ ہفتہ کے دن مچھلیاں سر نکال کر دریا کی سطح پر آ جاتی تھیں۔ آخر کار انھوں نے یہ حیلہ تراشا کہ اپنے گھروں کے صحنوں میں انھوں نے تالاب بنا لیے اور دریا سے چھوٹی چھوٹی نالیاں نکال کر تالاب تک لے آئے۔ جب ہفتہ کے دن مچھلیاں سطح آب پر نمودار ہوتی تھیں تو وہ پانی کی نالیاں کھول دیتے تھے۔ چنانچہ پانی کے ساتھ مچھلیاں ان کے تالابوں میں آ جاتی تھیں اور جب تالاب میں اچھی خاصی مچھلیاں آ جاتیں تو وہ نالی کا منہ بند کر دیتے تھے اور یوں مچھلیاں تالاب میں پھنس جاتی تھیں۔ پھر وہ اتوار کے دن انھیں پکڑ کر بازار میں فروخت کرتے اور اچھا خاصا منافع حاصل کرتے تھے۔

اس دور کے نبی نے انھیں اس سے منع کیا لیکن وہ باز نہ آئے۔ آخر کار اللہ تعالیٰ نے انتقام کا کوڑا اٹھایا اور انھیں ایک ہی رات میں مسخ کر کے انسان سے بندر بنا دیا۔ ان لوگوں نے نہ تو شرک کیا تھا اور نہ ہی نبوتِ موسیٰؑ کے کسی حکم کا

انھوں نے شک کیا تھا اور انہی کے لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ عَلِمْتُمُ الَّذِينَ اعْتَدَوْا مِنْكُمْ فِي السَّبْتِ فَقُلْنَا لَهُمْ كُونُوا قِرَدَةً خَاسِئِينَ ﴿٦٥﴾

''اور تم ان لوگوں کو جانتے ہو جنہوں نے ہفتہ کے دن زیادتی کی تھی ہم نے ان سے کہا کہ تم ذلیل بندر بن جاؤ''۔

۲۲۹- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''عنقریب ایسے لوگ آئیں گے جن کی راتیں لہو ولعب اور شراب نوشی اور موسیقی میں بسر ہوں گی۔ وہ اس حالت میں ہوں گے کہ اچانک اسی رات مسخ ہو جائیں گے اور وہ بندر اور خنزیر بن جائیں گے اور خیال رکھنا کہیں اصحاب السبت کی طرح سے زیادتی نہ کرنا۔ اللہ نے انھیں مہلت دی تھی یہاں تک کہ وہ سرکشی پر اتر آئے اور انھوں نے کہا کہ ہفتہ ہمارے لیے حلال ہے۔ ہفتہ کے دن کی حُرمت ہماری اولاد کے لیے ہوگی اور اگر ہماری اولاد نے اس دن کی بے ادبی کی تو ان کو اس کی سزا ملے گی لیکن ہمارے زمانے تک ہفتہ کے دن کا احترام لازمی ہے اور اس دن شکار کرنا ہمارے لیے حرام نہیں ہے اور جس دن سے ہم نے ہفتہ کے دن شکار کھیلنا شروع کیا ہے اس دن سے ہماری دولت اور اولاد میں اضافہ ہوا ہے۔ پھر اچانک خدا نے انھیں رات کے وقت جب کہ وہ غفلت کی نیند سوئے ہوئے تھے انھیں پکڑ لیا۔ لہٰذا لوگو! خدا سے ڈرتے رہو کہیں تمھارا وہ انجام نہ ہو جو تم سے پہلے زیادتی کرنے والوں کا ہو چکا ہے۔

۲۳۰- کتاب الخصال میں امام علی زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''بنی آدم تیرہ شکلوں اور جانوروں کی شکل میں مسخ ہوئے۔ بندر مسخ شدہ جانور ہے۔ یہ وہ لوگ تھے جو دریا کے کنارے آباد تھے اور انھوں نے ہفتہ کے دن زیادتی کی تھی اور مچھلیوں کا شکار کیا تھا۔ اللہ نے انھیں مسخ کر کے بندر بنا دیا۔

۲۳۱- حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا کہ میں نے حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسخ شدہ جانوروں کے متعلق پوچھا۔ آپؐ نے فرمایا:

''وہ تیرہ ہیں جن میں ہاتھی اور بندر بھی شامل ہیں۔ جن لوگوں نے ہفتہ کے دن زیادتی کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں مسخ کر کے بندر بنا دیا تھا۔

۲۳۲- عیون الاخبار میں محمد بن سنان کا بیان ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے ایک طویل حدیث میں فرمایا:

''اسی طرح سے بندروں کو بھی حرام قرار دیا گیا کیونکہ وہ بھی خنزیر کی طرح سے مسخ شدہ جانور ہیں۔ خدا نے انھیں

اپنی مخلوق کے لیے عبرت و نصیحت کا ذریعہ بنایا۔ خدا نے بندر کو انسان سے ملتی جلتی شکل دی تا کہ اسے دیکھ کر معلوم ہو سکے کہ یہ وہ مخلوق ہے جس پر اللہ کا غضب نازل ہوا ہے"۔

۲۲۳- کتاب علل الشرائع میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"یہودیوں کو جمعہ کے دن کام کاج سے روکا گیا تھا۔ انھوں نے جمعہ کے دن کو چھوڑ کر ہفتہ کے دن کا احترام شروع کر دیا تھا اسی لیے ہفتہ کے دن ان کے لیے شکار حرام کر دیا گیا"۔

۲۲۴- ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عبداللہ بن یزید بن سلام نے ایامِ ہفتہ کے متعلق پوچھا تو آپؐ نے فرمایا کہ ہفتہ کا دن آرام کا دن ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَلَقَدْ خَلَقْنَا السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِيْ سِتَّةِ اَيَّامٍ

'بالتحقیق ہم نے آسمانوں اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے' اس کو چھ دنوں میں پیدا کیا ہے اور اتوار سے لے کر جمعہ تک چھ دن بنتے ہیں جب کہ ہفتہ کا دن آرام و تعطیل کا دن ہے"۔

یہ سن کر اس نے کہا: محمدؐ! آپ نے سچ فرمایا:

واضح رہے کہ حدیث طویل ہے۔ ہم نے یہاں بقدر ضرورت اس کا ایک ٹکڑا نقل کیا ہے۔

۲۲۵- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپ نے دنوں کی خصوصیات کو بیان کیا اور فرمایا: "سبت" کے دن ملائکہ نے خدا کے متعلق غور و فکر کیا تو انھوں نے خدا کو ازل سے ہی واحد پایا۔

۲۲۶- مجمع البیان میں ہے: "فَجَعَلْنَاهَا" میں "ھا" کی ضمیر کا مجع "اصحاب السبت" ہے۔ وہ لوگ دریا کے کنارے "ایلہ" کے مقام پر رہائش پذیر تھے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی منقول ہے۔

بنی اسرائیل کی گائے کا واقعہ

۲۲۷- عیون الاخبار میں احمد بن محمد بن ابی نصر البزنطی کا بیان ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے سنا آپؑ نے فرمایا:

"بنی اسرائیل کے ایک شخص نے اپنے ایک رشتہ دار کو قتل کیا اور اس کی لاش کو بنی اسرائیل کے افضل ترین سبط کے

راستے میں ڈال دیا۔ پھر اس نے اس کے خون کا دعویٰ کیا اور اس نے اپنے قبیلہ کے افراد کو ساتھ لیا اور حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ فلاں خاندان والوں نے ہمارے رشتہ دار کو قتل کیا ہے۔ آپ اس کے قاتل کی نشاندہی کریں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''تم ایک گائے میرے پاس لے آؤ۔ جب انھوں نے گائے کا سنا تو انھوں نے کہا کہ کیا ہم سے مذاق کر رہے ہیں؟''

آپؑ نے فرمایا: ''میں جاہل تھوڑا ہوں کہ مذاق بناتا پھروں!!'' اور اگر وہ لوگ اس وقت کوئی سی بھی گائے لے آتے تو ان کا کام بن سکتا تھا لیکن وہ سختی میں چلے گئے تو اللہ نے بھی ان پر سختی شروع کر دی۔

انھوں نے کہا کہ گائے کیسی ہو؟

حضرت موسیٰؑ نے کہا کہ اللہ فرما رہا ہے کہ گائے نہ تو بوڑھی ہو اور نہ ہی بچھیا ہو۔ درمیانی عمر کی ہونی چاہیے۔

اگر وہ لوگ صرف اسی بات پر بھی قناعت کر لیتے تو بھی ان کا کام بن سکتا تھا لیکن وہ جزئیات میں پڑ گئے اور اس کے جواب میں اللہ نے بھی ان کے لیے سختی پیدا کی۔ انھوں نے حضرت موسیٰؑ سے کہا کہ گائے کا رنگ کیسا ہو؟

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ خدا کہہ رہا ہے کہ گائے گہرے زرد رنگ کی ہونی چاہیے جو دیکھنے والوں کو بھلی لگے۔

اور اگر وہ لوگ اسی بیان پر بھی قناعت کر لیتے تو بھی ان کا کام بن سکتا تھا لیکن انھوں نے سختی کی۔ جواب میں اللہ نے بھی سختی کی۔ انھوں نے کہا کہ یہ علامات تو بہت سی گایوں میں پائی جاتی ہیں۔ آپ ایسی نشانی بتائیں تاکہ ہماری مطلوبہ گائے منفرد ہو کر سامنے آسکے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ خدا کہہ رہا ہے کہ وہ سدھائی ہوئی گائے نہ ہو اور وہ ہل نہ جوتتی ہو اور کھیتوں کو پانی بھی نہ پلاتی ہو۔ یعنی رہٹ میں جوتی نہ جاتی ہو اور وہ بالکل بے داغ گائے ہو۔

یہ سن کر انھوں نے کہا کہ اب آپ نے بالکل ٹھیک ٹھیک علامتیں بیان کر دی ہیں۔ اب ہم ان علامات کی حامل گائے کو تلاش کر کے ضرور ذبح کریں گے۔

چنانچہ وہ مذکورہ علامات والی گائے کو ڈھونڈنے کے لیے نکلے تو ان علامات والی ایک گائے ایک اسرائیلی جوان کے پاس ملی۔ انھوں نے جوان سے اس کی قیمت دریافت کی۔ جوان بھی گائے کی علامات سن چکا تھا اور اسے یقین تھا کہ ان علامات والی گائے صرف اسی کے پاس ہے لہٰذا اس نے ان لوگوں سے کہا کہ میری گائے کی قیمت یہ ہے کہ تم اس کی کھال مجھے سونے سے بھر کر دو گے۔

جب انھوں نے اتنی زیادہ قیمت سنی تو موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور ان سے کہا کہ گائے کا مالک بہت زیادہ

قیمت مانگ رہا ہے اب فرمائیں ہم کیا کریں؟

آپؑ نے فرمایا: اب چاہے کچھ بھی ہو تم اس گائے کو خرید و۔ چنانچہ انھوں نے اس کی منہ مانگی قیمت پر گائے خرید کی اور اسے لے کر حضرت موسٰی علیہ السلام کے پاس آئے۔

حضرت موسٰی علیہ السلام نے فرمایا: اسے ذبح کرو۔

جب گائے ذبح ہوگئی تو آپؑ نے فرمایا: اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر مقتول کے جسم پر مارو۔ جب انھوں نے مقتول کے جسم پر گائے کے گوشت کا ٹکڑا مارا تو مقتول زندہ ہوگیا اور اس نے حضرت موسٰی علیہ السلام سے کہا:

''اللہ کے رسول! میرے چچا زاد نے مجھے قتل کیا ہے اور جس کے خلاف اس نے دعویٰ کیا ہے وہ غلط ہے''۔

مقتول کے بیان کے بعد قاتل کی شناخت ہوگئی اور بنی اسرائیل خانہ جنگی سے بچ گئے۔ اس وقت حضرت موسٰی علیہ السلام کے ایک ساتھی نے حضرت موسٰیؑ سے عرض کیا:

''اللہ کے رسول! اس گائے کا بھی ایک پس منظر ہے۔ گائے کا مالک اپنے والد کا انتہائی فرماں بردار بیٹا ہے۔ اس جوان نے ایک مرتبہ تجارت کی غرض سے ایک چیز خریدنے کا سودا کیا اور اسے سودے میں کچھ نفع کی امید تھی۔ وہ نوجوان سودا طے ہونے کے بعد اپنے والد کے پاس آیا۔ اس وقت اس کا والد سویا ہوا تھا اور چابیاں اس کے سرہانے نیچے رکھی ہوئی تھیں۔ نوجوان نے اپنے والد کو بے آرام کرنا مناسب نہ سمجھا۔ اس نے وہ سودا ہی چھوڑ دیا۔ جب اس کا والد بیدار ہوا تو اس نے اپنے والد کو سارا واقعہ سنایا۔ اس کے والد نے واقعہ سننے کے بعد کہا کہ تو نے اچھا کیا۔ اس سودے کے عوض تجھے جو منافع ملنا تھا اس کے بدلے میں، میں تجھے یہ گائے دیتا ہوں۔ چنانچہ یہ وہی گائے ہے جو آج ذبح ہوئی ہے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا:

''لوگو! دیکھو والد سے نیکی انسان کو کیا سے کیا بنا دیتی ہے؟''

۲۳۸- امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے کہ ''جن لوگوں نے بنی اسرائیل کو بچھڑے کی عبادت کا حکم دیا تھا'' پانچ افراد تھے اور وہ ایک ہی دستر خوان پر بیٹھ کر کھانا کھاتے تھے۔ اور وہ پانچ افراد یہ تھے:

۱- ذیبونہ ۲- اس کا بھائی میذونہ ۳- اس کا بھیجتا ۴- اس کی بیٹی ۵- اس کی بیوی۔ انھوں نے ہی لوگوں کو گوسالہ پرستی کی دعوت دی تھی اور گائے ذبح کرنے کا حکم بھی انھیں ہی ملا تھا۔

من لا یحضرہ الفقیہ اور کتاب الخصال میں بھی یہ روایت انہی الفاظ سے مروی ہے۔

۲۳۹- تفسیر علی بن ابراہیم میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے' آپؑ نے فرمایا:

"بنی اسرائیل کے ایک نیک سیرت عالم نے ایک عورت کا رشتہ طلب کیا۔ عورت نے اس رشتہ پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔ اسی اثنا میں اس شخص کے ابن عم نے بھی اس عورت کا رشتہ طلب کیا اور وہ شخص انتہائی خبیث اور بے کار شخص تھا۔ عورت کے رشتہ داروں نے اسے رشتہ دینے سے انکار کر دیا۔ جس کی وجہ سے اس شخص کو نیک سیرت عالم سے حسد پیدا ہوا اور اس نے گھات لگا کر اسے قتل کر دیا۔ پھر وہ مقتول کا وارث بن گیا اور مقتول کی لاش اٹھا کر موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے کہا: پیغمبرؐ خدا! دیکھئے میرا ابنِ عم قتل ہو گیا"۔

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: "اسے کس نے قتل کیا ہے؟"

اس شخص نے کہا کہ "مجھے کوئی پتہ نہیں کہ اس کا قاتل کون ہے؟"

بنی اسرائیل میں قتل کو انتہائی گھناؤنا جرم سمجھا جاتا تھا۔ اسی لیے حضرت موسیٰؑ کو یہ قتل بڑا گراں محسوس ہوا۔ اس واقعہ کے بعد بنی اسرائیل جمع ہو کر حضرت موسیٰؑ کے پاس گئے اور انھوں نے کہا:

"اللہ کے نبی! اس سلسلہ میں آپؑ کی کیا رائے ہے؟"

بنی اسرائیل میں ایک شخص رہتا تھا اس کے پاس گائے تھی اور اس کو خدا نے ایک فرمانبردار بیٹا عطا کیا تھا۔ اس بیٹے کے پاس کچھ سامان تھا جسے وہ فروخت کرنا چاہتا تھا۔ اس سامان کے خریدار اس کے پاس گئے۔ اس نے ان سے اپنے سامان کا سودا کیا اور سامان ایک کمرے میں تھا اور اس کمرے کی چابی اس کے باپ کے پاس رہتی تھی۔ وہ چابی لینے کے لیے گیا تو اس وقت اس کا باپ سویا ہوا تھا۔ بیٹے نے باپ کو جگانا پسند نہ کیا اور اس نے اپنا سودا منسوخ کر دیا۔

جب اس کا والد بیدار ہوا تو اس نے بیٹے سے پوچھا: تمھارے سودے کا کیا بنا؟

اس نے کہا: ابا جان! سودا تو بک رہا تھا لیکن میں نے آپ کی نیند خراب کرنی پسند نہ کی اسی لیے میں نے اس سودے کو منسوخ کر دیا۔

اس وقت باپ نے بیٹے سے کہا: بیٹا! اس کے عوض میں یہ گائے تجھے دیتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کو بیٹے کی فرمانبرداری کا انداز پسند آیا اور بنی اسرائیل کو حکم دیا کہ قاتل کی تشخیص کے لیے گائے ذبح کریں۔

بنی اسرائیل روتے اور فریاد کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے۔ حضرت موسیٰؑ نے فرمایا:

"اللہ تمھیں حکم دیتا ہے کہ تم ایک گائے ذبح کرو"۔

جب انھوں نے یہ بات سنی تو انھوں نے ازراہ تعجب کہا: ''کیا آپ ہم سے مذاق کر رہے ہیں؟ ہم ایک مقتول کی بات کرتے ہیں اور آپ ہمیں گائے ذبح کرنے کا حکم دیتے ہیں''۔

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا: ''میں خدا کی پناہ چاہتا ہوں کہ میں جاہلوں میں سے بنوں یعنی میں جاہل تھوڑا ہوں کہ میں مذاق بناتا پھروں''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ جواب سن کر انھیں معلوم ہوا کہ انھوں نے غلطی کی ہے۔ پھر انھوں نے عرض کی کہ ''گائے کیسی ہونی چاہیے؟''

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ ''خدا کہہ رہا ہے کہ گائے نہ تو بوڑھی ہو اور نہ ہی بچھیا ہو۔ درمیانی عمر کی ہو۔ یعنی ایسی گائے نہ ہو جس کا نر سے ملاپ ہوا ہو اور اسے حمل نہ ٹھہرا ہو اور ایسی گائے بھی نہ ہو جو ابھی تک ملاپ کے قابل ہی نہ ہوئی ہو۔ جب بنی اسرائیل نے یہ سنا تو انھوں نے پھر کہا کہ ''گائے کا رنگ کیسا ہو؟''

حضرت موسیٰؑ نے فرمایا کہ ''خدا کہہ رہا ہے کہ وہ گہرے زرد رنگ کی گائے ہو اور ہر لحاظ سے خوش نما ہو''۔

بنی اسرائیل نے کہا کہ ''اتنی وضاحت کافی نہیں ہے۔ ان صفات والی بہت سی گائیں موجود ہیں آپ ایسی خصوصیت بیان کریں جس سے وہ منفرد اور ممتاز ہو کر سامنے آسکے''۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے وہ گائے کنوئیں اور ہل کے لیے سدھائی ہوئی نہ ہو وہ نہ تو ہل چلاتی ہو اور نہ ہی رہٹ پر جوتی جاتی ہو اور کھیتوں کو پانی نہ پلاتی ہو اور وہ بالکل بے داغ ہو اور زرد رنگ کے علاوہ اس میں دوسرے کسی رنگ کا کوئی نقطہ تک نہ ہو''۔

جب بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبانی گائے کے یہ اوصاف سنے تو انھوں نے کہا کہ ''اب آپ نے ٹھیک ٹھیک نشان دہی کر دی ہے۔ اب ہم ان شاء اللہ تلاش کر کے ذبح کریں گے''۔

پھر وہ اس جوان کے پاس گئے جس کے پاس مذکورہ اوصاف کی گائے موجود تھی اور انھوں نے اس سے گائے کی قیمت پوچھی تو اس نے کہا کہ میں یہ گائے صرف اس شرط پر فروخت کروں گا کہ اس کی کھال سونے سے بھر دو گے۔

اتنی بھاری قیمت سن کر وہ حضرت موسیٰ کے پاس گئے اور کہا کہ مذکورہ صفات کی صرف ایک گائے ہے اور اس کا مالک اتنی بھاری قیمت طلب کرتا ہے اب آپ بتائیں کہ ہم کیا کریں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا کہ تمھارے لیے مذکورہ گائے کا ذبح کرنا ضروری ہے۔ اس کے بغیر تمھارے پاس

کوئی چارہ کار نہیں ہے۔

آخرکار وہ گئے اور اس کی منہ مانگی قیمت دینے کا وعدہ کیا اور انھوں نے گائے کو آ کر ذبح کیا۔ گائے ذبح کرنے کے بعد انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا کہ اب بتائیں ہم کیا کریں؟

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ کہہ رہا ہے اب تم اس کے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھا کر مقتول کے جسم پر مارو اور مقتول سے پوچھو کہ تجھے کس نے قتل کیا ہے؟

ان لوگوں نے گائے کی دم اٹھا کر مقتول کے جسم پر ماری اور کہا تجھے کس نے قتل کیا ہے؟

اس وقت مقتول زندہ ہوگیا اور اس نے کہا: مجھے میرے اس ابن عم نے قتل کیا ہے جو میرے قصاص کا طلب گار بنا ہوا ہے۔

۲۴۰- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''جو زرد رنگ کا جوتا پہنے گا تو جوتے کے بوسیدہ ہونے تک وہ خوشی اور مسرت میں رہے گا''۔

۲۴۱- جابر جعفی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جو شخص زرد رنگ کا جوتا پہنے گا تو جب بھی وہ جوتے کو دیکھے گا تو اسے خوشی محسوس ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

صَفْرَآءُ فَاقِعٌ لَّوْنُهَا تَسُرُّ النّٰظِرِيْنَ ○ ''وہ گہرے زرد رنگ کی ہو جو دیکھنے والوں کو خوش کر دے''۔

۲۴۲- مجمع البیان میں ابن عباس کی زبانی حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ہے' آپؐ نے فرمایا:

''قدرت کی طرف سے ابتداد میں بنی اسرائیل کو ایک عام سی گائے ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا لیکن جب انھوں نے اپنے اوپر سختی شروع کی تو جواب میں بھی خدا نے ان پر سختی شروع کر دی۔ خدا کی قسم! اگر وہ ان شاء اللہ نہ کہتے تو ان کی مطلوبہ گائے کی ان کے سامنے کبھی بھی نشان دہی نہ ہوتی''۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً ۭ وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ ۭ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ

خَشْيَةِ اللّٰهِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ۝۷۴ اَفَتَطْمَعُوْنَ
اَنْ یُّؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِیْقٌ مِّنْهُمْ یَسْمَعُوْنَ كَلٰمَ اللّٰهِ
ثُمَّ یُحَرِّفُوْنَهٗ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْهُ وَهُمْ یَعْلَمُوْنَ ۝۷۵ وَاِذَا لَقُوا
الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا قَالُوْۤا اٰمَنَّا ۖۚ وَاِذَا خَلَا بَعْضُهُمْ اِلٰی بَعْضٍ
قَالُوْۤا اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ لِیُحَآجُّوْكُمْ بِهٖ عِنْدَ
رَبِّكُمْ ؕ اَفَلَا تَعْقِلُوْنَ ۝۷۶ اَوَلَا یَعْلَمُوْنَ اَنَّ اللّٰهَ یَعْلَمُ مَا
یُسِرُّوْنَ وَمَا یُعْلِنُوْنَ ۝۷۷ وَمِنْهُمْ اُمِّیُّوْنَ لَا یَعْلَمُوْنَ
الْكِتٰبَ اِلَّاۤ اَمَانِیَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا یَظُنُّوْنَ ۝۷۸ فَوَیْلٌ لِّلَّذِیْنَ
یَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَیْدِیْهِمْ ۗ ثُمَّ یَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ
لِیَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِیْلًا ؕ فَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَیْدِیْهِمْ
وَوَیْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا یَكْسِبُوْنَ ۝۷۹ وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّاۤ
اَیَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ یُّخْلِفَ
اللّٰهُ عَهْدَهٗۤ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَی اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝۸۰ بَلٰی مَنْ
كَسَبَ سَیِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِیْٓـَٔتُهٗ فَاُولٰٓىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ

هُمْ فِيهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۱﴾

"پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے وہ پتھر کی مانند سخت ہیں یا اس سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ کیونکہ کچھ پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں پھوٹتی ہیں اور کچھ پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے اور بعض پتھر ایسے بھی ہیں جو خدا کے خوف سے گر پڑتے ہیں اور جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اس سے غافل نہیں ہے۔

مسلمانو! کیا تم یہ توقع کرتے ہو کہ وہ یہودی بھی تمھاری طرح سے ایمان لائیں گے حالانکہ ان میں ایک گروہ ایسا بھی تھا جو خدا کا کلام سنتا تھا اور اسے اچھی طرح سمجھنے کے بعد اس میں تحریف کر دیتا تھا اور وہ خوب جانتے تھے۔ اور جب یہ ایمان والوں سے ملاقات کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم تو ایمان قبول کر چکے ہیں اور جب ان میں بعض، بعض کے ساتھ تنہائی میں ملتے ہیں تو کہتے ہیں کیا تم انھیں وہ باتیں بتاتے ہو جو خدا نے تم پر ظاہر کی ہیں۔ اس طرح سے مسلمان تمھارے رب کے پاس تمھارے خلاف حجت لائیں گے، کیا تمھیں عقل نہیں ہے۔ تو کیا ان لوگوں کو یہ معلوم نہیں ہے کہ جو کچھ وہ چھپاتے ہیں یا ظاہر کرتے ہیں اس کو اللہ جانتا ہے۔ اور ان میں اَن پڑھوں کا ایک گروہ ہے جنہیں اپنی مطلب کی باتوں کے علاوہ کتابِ خدا کا کچھ بھی علم نہیں ہے اور وہ فقط خیالی باتیں بنایا کرتے ہیں۔

وائے ہو اُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ لیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ اس سے تھوڑی سی قیمت حاصل کر سکیں۔ پس افسوس ہے ان کے ہاتھوں کی لکھائی پر اور افسوس ہے ان کی اسی کمائی پر جسے وہ کما رہے ہیں اور انھوں نے کہا کہ چند دنوں سے بڑھ کر ہمیں دوزخ کی آگ چھو نہیں سکے گی۔

آپ کہہ دیجیے کیا تم نے خدا سے کوئی اقرار لے لیا ہے کہ وہ اپنے اقرار کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا یا پھر تم خدا کے متعلق وہ باتیں کہتے ہو جن کا تمھیں علم نہیں ہے۔ جی ہاں جس نے بھی برائی کی اور اس کی غلطی نے اس کا احاطہ کرلیا تو ایسے لوگ دوزخی ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

۲۴۳- کتاب احتجاج طبرسی میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے کہ ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ (پھر تمہارے دل سخت ہوگئے) کی آیت مجید، تنزیلی طور پر یہود کے متعلق نازل ہوئی اور تاویلی طور پر اس میں نواصب بھی شامل ہیں۔ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جب منافقین پر سختی کی تو ان کی جماعت کے سربراہوں نے رسولؐ خدا سے کہا:
''محمدؐ! آپ ہمیشہ ہمارا شکوہ کرتے ہیں اور یہ کہتے رہتے ہیں کہ ہمارے دل آپؐ کی مخالفت سے بھرے ہوئے ہیں جب کہ اللہ جانتا ہے کہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ ہمارے دل اچھائی اور نیکی سے لبریز ہیں۔ ہم روزے رکھتے ہیں، صدقہ خیرات دیتے ہیں اور غرباء و مساکین کی مالی امداد کرتے ہیں''۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''نیکی وہ ہوتی ہے جو خالص اللہ کی رضا حاصل کرنے کے لیے بجالائی جائے اور خدا کے فرمان پر عمل کیا جائے اور اگر کوئی عمل ریاکاری اور شہرت پسندی اور مخالفت رسولؐ اور اپنی دولت مندی کے اظہار کے لیے کیا جائے تو ایسا عمل خالص شر قرار پاتا ہے اور ایسا عمل وبال بن جاتا ہے اور سخت عذاب کا سبب ثابت ہوتا ہے''۔

منافقین نے کہا: ''اچھا اگر یہ بات ہے تو پھر سن لیں ہم جو کچھ بھی خرچ کررہے ہیں اس کا مقصد یہی ہے کہ آپؐ کے معاملہ کو باطل ثابت کیا جائے اور آپؐ کی حکومت کو ختم کیا جائے اور آپؐ سے آپؐ کے اصحاب کو دُور کیا جائے اور ہماری نظر میں ہمارا یہ اقدام جہادِ اکبر ہے اور ہمیں امید ہے کہ اللہ ہمیں اس سے ثوابِ عظیم عطا کرے گا''۔

یہ روایت کافی طویل ہے۔ ہم نے بقدر ضرورت اس کا ایک اقتباس یہاں نقل کیا ہے۔

یہودیوں کی قساوت قلبی

۲۴۴- الخرائج والجرائح میں امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے، آپ نے ثُمَّ قَسَتْ قُلُوبُكُمْ مِنْ بَعْدِ

ذٰلِكَ فَهِيَ كَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً (پھر اس کے بعد تمھارے دل سخت ہو گئے وہ پتھروں کی مانند بن گئے یا اس سے بھی زیادہ سخت ہو گئے) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"اگر گروہ یہود! تمھارے دل سنگ خارا کی طرح سے سخت ہو گئے جن میں کسی طرح کی ایمانی رطوبت باقی نہیں رہی۔ تم لوگ نہ تو خدا کا حق ادا کرتے ہو اور نہ اپنے اموال سے صدقہ دیتے ہو اور نہ ہی تم امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے ہو اور مہمان نوازی سے تم دُور بھاگتے ہو اور کسی مصیبت زدہ شخص کی امداد سے تمھیں نفرت ہے۔ تمھارے اندر انسانیت کا کوئی بھی سلیقہ موجود نہیں ہے۔ چنانچہ تمھارے دل صرف پتھر کی مانند ہی سخت نہیں ہیں بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ سخت ہیں"۔

لفظ "اَوْ" (یا) کے ذریعہ سے اللہ نے سامعین میں ابہام پیدا کیا ہے اور یہ نہ بتایا کہ یہودیوں کے دل پتھر سے کتنے درجہ زیادہ سخت ہیں۔ اور یہ ابہام ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی کہے: "اَكَلْتُ خُبْزًا اَوْ لَحْمًا" میں نے روٹی کھائی یا گوشت کھایا۔ اس جملے سے متکلم اپنے سامع کو یہ تاثر دیتا ہے کہ میں نے ان میں سے ایک چیز ضرور کھائی ہے۔ چنانچہ لفظ "اَوْ" لگا کر اللہ نے سننے والوں کے لیے اس لیے ابہام پیدا کیا تاکہ سننے والے یہودیوں کی سنگدلی کا اندازہ نہ کر سکیں۔

پھر اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ یہودیوں کے دل پتھر سے بھی زیادہ سخت ہیں اور اس کی خدا نے یہ دلیل دی: وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا يَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهٰرُ (کچھ پتھر ایسے بھی ہیں جن سے نہریں پھوٹتی ہیں) لیکن یہودیوں کے دلوں سے کوئی بھلائی نہیں پھوٹتی۔ جب کہ سینۂ سنگ سے نہریں جاری ہو کر زمینوں کو آباد کرتی ہیں جس سے مختلف نباتات پیدا ہوتی ہیں جن سے انسانوں اور جانوروں کو رزق ملتا ہے"۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَشَّقَّقُ فَيَخْرُجُ مِنْهُ الْمَآءُ "کچھ پتھر ایسے بھی ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی نکل آتا ہے" یعنی پانی کے لحاظ سے پتھروں کی دو قسمیں ہیں۔ کچھ پتھر ایسے ہیں جن سے نہریں پھوٹتی ہیں اور کچھ ایسے ہیں جن سے نہریں تو جاری نہیں ہوتیں البتہ وہ پھٹ پڑیں تو کچھ نہ کچھ پانی ضرور برآمد ہوتا ہے۔ لیکن یہودیوں کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں ان کے دلوں سے نہ تو خیر کثیر برآمد ہوتا ہے اور نہ ہی خیر قلیل برآمد ہوتا ہے۔

وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا يَهْبِطُ مِنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ (کچھ پتھر ایسے بھی ہیں جو خوف خدا کی وجہ سے گر پڑتے ہیں) لیکن یہودیوں کے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ ان میں خوف خدا کی رمق تک موجود نہیں ہے۔

ایک مرتبہ یہودیوں کا ایک گروہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے کہا:

''محمدؐ! آپ نے یہ گمان کرلیا ہے کہ ہمارے دل پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں۔ یہ سامنے پہاڑ موجود ہیں۔ آپ ان سے اپنے قول کی تصدیق کرائیں۔ اگر پہاڑوں نے آپ کے قول کی تصدیق کردی تو ہم سمجھیں گے کہ آپ حق پر ہیں۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم انھیں لے کر ایک سخت قسم کے پہاڑ کے قریب آئے۔ سخت پہاڑ کو دیکھ کر یہودیوں نے کہا: ''آپؐ اس پہاڑ سے اپنی صداقت کی گواہی دلائیں گے''۔

اس وقت رسولؐ خدا نے فرمایا:

''اے پہاڑ! تجھے محمدؐ اور ان کی اس پاک آل کا واسطہ جن کے ناموں کے ذکر کی وجہ سے اللہ نے اپنے عرش کو آٹھ فرشتوں کے کندھوں پر خفیف کیا ہے جب کہ اس سے قبل وہ اسے ہلانے سے بھی قاصر تھے۔ تم بیان کرو کہ کیا ان کے دل تجھ سے زیادہ سخت ہیں؟

اس وقت پہاڑ میں حرکت پیدا ہوئی اور پانی نکلنے لگا اور پہاڑ سے آواز آئی:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ آپ اللہ کے رسولؐ ہیں اور ان یہودیوں کے دلوں کے متعلق آپؐ نے بالکل سچ کہا ہے کہ یہ پتھروں سے بھی زیادہ سخت ہیں''۔

اس وقت یہودیوں نے کہا:

''محمدؐ! آپؐ ہمیں دھوکہ دے رہے ہیں۔ آپؐ نے پہاڑ کے پیچھے اپنے آدمی بٹھا رکھے ہیں جنہوں نے یہ جواب دیا ہے اور اگر آپؐ اپنے دعویٰ میں سچے ہیں تو آپ یہاں سے دُور ہٹ جائیں اور پہاڑ سے کہیں کہ وہ چل کر آپ کے پاس آئے اور آپ اس پہاڑ کو حکم دیں کہ وہ دو حصوں میں تقسیم ہو جائے۔ اس کا نچلا حصہ اوپر آجائے اور اوپر کا حصہ نیچے چلا جائے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک پتھر کو لڑھکنے کا اشارہ کیا تو وہ پتھر لڑھکتا ہوا نیچے آگرا اور جس یہودی نے آنحضرتؐ سے پہاڑ کے چلنے کا مطالبہ کیا تھا آپؐ نے اس سے فرمایا:

''تم یہ پتھر اٹھا کر اپنے کان سے لگاؤ اور جو کچھ تو نے پہلے سنا ہے وہی کچھ تجھے اب بھی سنائی دے گا''۔

اس یہودی نے اس پتھر کو اٹھا کر کان سے لگایا تو پتھر نے بھی وہی بات کی جو اس سے قبل پہاڑ نے کہی تھی۔ لیکن یہودی نے اس پر اکتفا نہ کیا اور کہنے لگا: میں وہی معجزہ دیکھنا چاہتا ہوں جس کی فرمائش میں پہلے کر چکا ہوں۔

اس کے بعد آنحضرتؐ کچھ دور چلے گئے اور آپؐ نے پہاڑ کو مخاطب کر کے فرمایا:

''اے پہاڑ! تجھے محمدؐ و آلِ محمدؐ کا واسطہ! حکمِ خدا سے اپنی جگہ چھوڑ دے اور جہاں میں کھڑا ہوں یہاں آ جا''۔

آنحضرتؐ کی زبان اطہر سے جیسے ہی یہ کلمات جاری ہوئے تو پہاڑ لرزنے لگا۔ پھر وہ کسی تیز رفتار جانور کی طرح آپ کی طرف دوڑتا ہوا آیا اور اس سے آواز آئی: ''یارسولؐ اللہ! میں آپ کا تابع فرمان ہوں''۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ان لوگوں نے مجھ سے اس خواہش کا اظہار کیا ہے کہ تیرا اوپر کا حصہ نیچے چلا جائے اور نیچے کا حصہ اوپر آ جائے ورنہ تو دو حصوں میں تقسیم ہو جائے۔

اس وقت پہاڑ کے دو حصے ہو گئے اس کا نچلا حصہ اوپر چلا گیا اور اوپر کا حصہ نیچے چلا گیا۔ اس کے بعد پہاڑ سے آواز آئی:

''یہودیو! کیا محمدؐ کا یہ معجزہ موسیٰؑ کے معجزے سے کم ہے جس کے متعلق تم گمان کرتے ہو کہ تم اس پر ایمان رکھتے ہو؟''

اس وقت ایک یہودی نے کہا: ''یہ شخص ہمیشہ شعبدے دکھایا کرتا ہے''۔

اس کے جواب میں پہاڑ نے کہا: ''تم لوگ تو حضرت موسیٰؑ کی نبوت کا یہ ثبوت دیتے ہو کہ ان کے اوپر پہاڑ نے بادل کی طرح سے سایہ کیا تھا۔ جب تم محمدؐ کے لیے پہاڑ کا معجزہ دیکھ کر بھی انھیں نبی نہیں مانتے تو تم موسیٰؑ کو پہاڑ کے معجزہ کی وجہ سے کیسے نبی مانتے ہو۔ معلوم ہوا کہ تمھارا نہ تو محمدؐ پر ایمان ہے اور نہ ہی موسیٰؑ پر ایمان ہے۔ چنانچہ یہودیوں پر حجت قائم ہو گئی لیکن وہ پھر بھی ایمان نہ لائے۔

قساوتِ قلبی اور اس کے اسباب

۲۴۵۔ مجمع البیان میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؐ نے فرمایا:

''ذکر الٰہی کو چھوڑ کر زیادہ باتیں نہ کیا کرو کیونکہ کثرتِ کلام سے دلوں میں سختی پیدا ہوتی ہے اور سخت دل شخص خدا سے بہت زیادہ دُور ہوتا ہے۔

۲۴۶۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اعلانِ نبوت سے قبل ایک پتھر مجھے سلام کیا کرتا تھا اور اس پتھر کو میں اب بھی پہچانتا ہوں''۔

۲۴۷- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو وصیتیں کرتے ہوئے فرمایا:

''علی! تین چیزیں دل کو سخت کر دیتی ہیں: ۱- بے ہودہ گفتگو کو توجہ سے سننا ۲- شکار کی تلاش ۳- سلاطین کے دروازوں پر جانا''۔

۲۴۸- حضرت امیرالمومنین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

''امیدوں کے پھیلاؤں سے بچو ورنہ تمھارے دل سخت ہو جائیں گے''۔

۲۴۹- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد کا فرمان ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو وحی فرمائی کہ کثرت مال پر مغرور نہ ہونا اور میرے ذکر کو نہ چھوڑنا' میرا ذکر چھوڑنے سے دلوں میں سختی پیدا ہوتی ہے۔

۲۵۰- امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:

''آنکھیں دل کی سختی کی وجہ سے خشک ہو جاتی ہیں (یعنی خوف خدا میں گریہ نہیں کرتیں) اور دلوں کی سختی گناہوں کی کثرت سے پیدا ہوتی ہے''۔

۲۵۱- اصول کافی میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰؑ سے فرمایا:

موسیٰ! دنیا میں رہ کر اپنی امیدوں کو دراز نہ کرنا ورنہ تمھارا دل سخت ہو جائے گا اور سخت دل شخص مجھ سے دُور ہے۔

اَتُحَدِّثُوْنَهُمْ بِمَا فَتَحَ اللّٰهُ عَلَیْكُمْ (کیا تم انھیں وہ باتیں بتاتے ہو جو خدا نے تم پر ظاہر کی ہیں......)

۲۵۲- تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''یہودیوں میں کچھ نرم مزاج اور ہمدرد طبیعت رکھنے والے افراد بھی پائے جاتے تھے اور جب وہ مسلمانوں سے ملتے تھے تو وہ انھیں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ان صفات کے متعلق بتاتے تھے جو تورات میں موجود تھیں۔ جب ان کے سربراہوں کو پتہ چلا تو انھوں نے انھیں یہ کہہ کر روک دیا کہ خبردار ایسی غلطی کبھی نہ کرنا ورنہ اس سے مسلمانوں کو تقویت پہنچے گی اور یہ خدا کے حضور تمھاری ہی باتوں کو تمھارے خلاف بطور حجت وسند پیش کریں گے۔ چنانچہ یہ آیت ایسے ہی لوگوں کے متعلق نازل ہوئی:

وَمِنْهُمْ اُمِّيُّوْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ الْكِتٰبَ اِلَّآ اَمَانِيَّ وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ۝

''اور ان میں کچھ ایسے اَن پڑھ بھی رہتے ہیں جن کو اپنی مطلب کی آیات کے علاوہ کتابِ خدا کا کچھ بھی علم نہیں ہے اور وہ صرف خیالی باتیں کرتے ہیں''۔

۲۵۳- کتاب الاحتجاج میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے اس آیت کے ضمن میں مرقوم ہے' آپؑ نے فرمایا:

''لفظ اُمّی ''اُم'' کی طرف منسوب ہے اور اُم ماں کو کہا جاتا ہے اور اَن پڑھ شخص کو امی کہنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ ایسا ہی کورا ہے جیسا کہ وہ اپنی ماں کے شکم میں کورا تھا۔ وہ نہ تو لکھ سکتا ہے اور نہ ہی پڑھ سکتا ہے۔ اور یہودیوں میں اکثریت ایسے ہی سادہ اَن پڑھوں کی تھی جنہیں آسمانی کتاب کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا۔ انھیں کتاب بھیجنے والے کی کوئی معرفت حاصل نہیں تھی البتہ انھوں نے اپنے مطلب کی کچھ باتیں رَٹی ہوئی تھیں۔ ان کے احبار ور ہبان جو کچھ انھیں سنا دیتے تھے وہ اسے کتابِ الٰہی سمجھ لیتے تھے۔

وَاِنْ هُمْ اِلَّا يَظُنُّوْنَ ''وہ بس خیالی باتیں بنا رہے ہیں''۔

یہودیوں کے مذہبی علماء محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تکذیب کے متعلق انھیں جو کچھ غلط سلط باتیں بتاتے تھے تو عام یہودی ان کی باتوں کو کسی چوں چرا کے بغیر قبول کر لیتے تھے جب کہ ان پر ان کے احبار ور ہبان کی تقلید حرام تھی۔

کچھ یہودی علماء نے تورات میں جب رسول خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف کو پڑھا تو انھیں یہ اندیشہ ہوا کہ اگر عوام الناس نے ان صفات کو سن لیا تو وہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لے آئیں گے چنانچہ انھوں نے تورات کی ان آیات میں تحریف کر دی اور اس میں رسولؐ خدا کا جو حلیہ مذکور تھا انھوں نے اس کی جگہ اور حلیہ لکھ ڈالا اور انھوں نے اپنے خود ساختہ حلیہ میں لکھا کہ آخری نبی کا شکم پھیلا ہوا ہوگا اور اس کا قد بہت بڑا ہوگا اور اس کا چہرہ سرخ و سفید ہوگا۔

پھر ان یہودی علماء نے اپنے عوام الناس کو بتایا کہ ان صفات کے مالک نبی کے ظہور کو ابھی پانچ سو سال دیر ہے۔ ان کی اس حرکت کا مقصد صرف یہی تھا کہ کمزور عقیدہ رکھنے والے لوگ بدستور ان کی خدمت کرتے رہیں اور کہیں ایسا نہ ہو کہ لوگ انھیں چھوڑ کر محمدؐ و علیؑ کے دروازے پر چلے جائیں۔

چنانچہ ایسے ہی بدبخت علماء کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ يَكْتُبُوْنَ الْكِتٰبَ بِاَيْدِيْهِمْ ۗ ثُمَّ يَقُوْلُوْنَ هٰذَا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ لِيَشْتَرُوْا بِهٖ ثَمَنًا قَلِيْلًا ۭ فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ ۝

''وائے ہواُن لوگوں پر جو اپنے ہاتھوں سے کتاب لکھ لیتے ہیں پھر کہتے ہیں کہ یہ خدا کی طرف سے ہے تاکہ اس سے تھوڑی سی قیمت حاصل کرسکیں۔ پس افسوس ہے ان کے ہاتھوں کی لکھائی پر اور افسوس ہے ان کی اسی کمائی پر جسے وہ کمار ہے ہیں''۔

۲۵۴- مجمع البیان میں ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
''ویل دوزخ کی ایک وادی ہے جو اتنی گہری ہے کہ جب کافر کو اس میں ڈالا جائے گا تو وہ چالیس سال کے بعد اس کی پاتال میں جاکر گرے گا''۔

۲۵۵- اس آیت کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ ان یہودی علماء کے متعلق نازل ہوئی جنہوں نے تورات میں رسولؐ خدا کی اوصاف میں تبدیلی کی تھی تاکہ عامۃ الناس یہودی رسولؐ خدا پر ایمان نہ لائیں اور یہی مفہوم امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔

وَقَالُوْا لَنْ تَمَسَّنَا النَّارُ اِلَّآ اَيَّامًا مَّعْدُوْدَةً ؕ

''اور وہ کہتے ہیں کہ دوزخ کی آگ ہمیں چند گنتی کے دنوں سے زیادہ ہرگز نہیں چھوئے گی''۔

۲۵۶- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ بنی اسرائیل کہتے تھے کہ ہمیں اگر دوزخ کا عذاب دیا بھی گیا تو بھی چند گنتی کے ایام تک ہمیں عذاب دیا جائے گا ہم ہمیشہ کے لیے دوزخ میں نہیں جائیں گے۔ ہاں اگر ہم پر عذاب بھی ہوا تو صرف دس دن تک ہوگا کیونکہ ہم نے دس دن تک بچھڑے کی پوجا کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس غلط نظریے کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

قُلْ اَتَّخَذْتُمْ عِنْدَ اللّٰهِ عَهْدًا فَلَنْ يُّخْلِفَ اللّٰهُ عَهْدَهٗٓ اَمْ تَقُوْلُوْنَ عَلَى اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ۝

''آپ کہہ دیجیے کیا تم نے خدا سے کوئی اقرار لے لیا ہے کہ اب وہ اپنے اقرار کی ہرگز خلاف ورزی نہیں کرے گا یا پھر تم خدا کے متعلق وہ باتیں کہتے ہو جن کا تمہیں علم نہیں ہے''۔

بَلٰى مَنْ كَسَبَ سَيِّئَةً وَّاَحَاطَتْ بِهٖ خَطِيْٓـئَتُهٗ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

''جی ہاں جس نے بھی برائی کمائی اور اس کی غلطی نے اس کا احاطہ کرلیا ہو تو ایسے لوگ دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

۲۵۷- اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ امامت علیؑ کا منکر بھی اس آیت میں شامل ہے۔

۲۵۸- کتاب التوحید میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

"اہل کفر و جحود اور اہلِ ضلال و شرک دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے"۔

وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ الْجَنَّةِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۸۲﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۗ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا وَّذِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا وَّاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ۭ ثُمَّ تَوَلَّيْتُمْ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْكُمْ وَاَنْتُمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۸۳﴾ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ ۡ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ۭ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ۭ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ

الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿٨٥﴾ اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ اشْتَرَوُا الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا بِالْاٰخِرَةِ ۡ فَلَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ وَلَا ھُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿٨٦﴾

''اور جو ایمان لائے اور نیک عمل کیے وہ اہل جنت ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے اور جب ہم نے بنی اسرائیل سے عہد لیا کہ اللہ کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرو گے اور والدین، رشتہ داروں، یتیموں اور مسکینوں سے اچھا سلوک کرو گے اور لوگوں سے اچھی باتیں کرو اور نماز پابندی سے ادا کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ پھر چند افراد کے علاوہ تم اس معاہدہ سے پھر گئے اور تم تو بس منہ پھیرنے والے لوگ ہو۔ اور ہم نے تم سے عہد لیا کہ ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ گے اور اپنے لوگوں کو وطن سے جلاوطن نہ کرو گے۔ پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کے گواہ ہو۔ لیکن اس کے بعد تم اپنے لوگوں کو قتل کرنے لگے اور اپنے ایک گروہ کو شہروں سے جلاوطن کرنے لگے اور تم گناہ اور سرکشی سے ان پر غلبہ حاصل کرنے لگے حالانکہ اگر تمھارے پاس کوئی قیدی بن کر آتا ہے تو تم فدیہ دے کر اسے آزاد کراتے ہو جب کہ ان کا نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے ایک حصہ پر ایمان رکھتے ہو اور ایک حصے کا انکار کرتے ہو اور تم میں سے جو بھی ایسا کرے تو اس کی اس کے علاوہ اور کیا سزا ہے کہ وہ دنیاوی زندگی میں رسوا ہوں اور آخرت کے دن انھیں سخت ترین عذاب کی طرف پلٹایا جائے گا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے۔ یہی وہ لوگ ہیں جنہوں نے آخرت کے عوض دنیاوی زندگی خریدی ہے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی''۔

۲۵۹- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپ نے فرمایا کہ میرے والد علیہ السلام نے فرمایا: وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا (لوگوں سے اچھی باتیں کرو) کی آیت مجیدہ اہلِ ذمہ کے متعلق نازل ہوئی تھی پھر یہ حکم قرآن مجید کی آیت قَاتِلُوْا الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ (ان لوگوں سے جنگ کرو جو ایمان نہیں رکھتے) کی وجہ سے منسوخ ہوگیا۔

حدیث کافی لمبی ہے ہم نے بقدرِ ضرورت اس کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔

۲۶۰- تہذیب الاحکام میں ابوعلی سے روایت ہے کہ ہم امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے کہا:

''میں آپؑ پر قربان''۔ وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا کی آیت تمام لوگوں کے لیے ہے؟''

آپؑ مسکرا دیئے اور فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ تم "محمد رسول الله وعلی واهل بیته" کہو۔

حدیث کافی طویل ہے۔ ہم نے اسے بقدرِ ضرورت یہاں نقل کیا ہے۔

۲۶۱- تفسیر عیاشی میں سدیر سے روایت ہے' اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ ''کیا میں کسی ایسے سائل کو کھانا کھلا سکتا ہوں جس کے متعلق مجھے علم نہ ہو کہ وہ مسلم ہے؟''

آپؑ نے فرمایا: ''جی ہاں' جب تک تمہیں اس کے عقیدہ ولایت یا عداوت کا علم نہ ہو تب تک تم اسے کھانا کھلا سکتے ہو۔ اللہ تعالیٰ کے فرمان ہے: وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا۔

۲۶۲- عبداللہ بن سنان کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کو یہ کہتے ہوئے سنا:

''خدا سے ڈرو اور لوگوں کو اپنے کندھوں پر سوار نہ کرو۔ اللہ تعالیٰ اپنی کتاب میں فرما رہا ہے: وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ''اور لوگوں سے اچھی باتیں کرو''۔

۲۶۳- اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ اس حدیث کے ضمن میں آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اولادِ آدم کے اعضاء پر ایمان فرض کیا اور اسے ان اعضاء پر تقسیم کیا۔ زبان پر یہ فرض کیا کہ وہ دل کی کیفیت کی ترجمانی کرے اور دلی جذبات کا اظہار کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ''اور لوگوں سے اچھی باتیں کرو''۔

۲۶۴- امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا کی آیت مجیدہ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

''لوگوں سے اچھی گفتگو کرو اور سوچے سمجھے بغیر گفتگو نہ کرو''۔

۲۶۵-امام محمد باقر علیہ السلام نے وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا کی آیت مجیدہ کے ضمن میں فرمایا:

''لوگوں سے وہی باتیں کرو جو خود تم ان سے سننا چاہتے ہو''۔

جنت و دوزخ کی ہمیشگی کی وجہ

۲۶۶-اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''اہل دوزخ' دوزخ میں ہمیشہ اس لیے رہیں گے کہ ان کی نیت یہ تھی کہ اگر انھیں دنیا میں ہمیشہ کی زندگی ملی تو وہ ہمیشہ خدا کی نافرمانی کرتے رہیں گے اور اہلِ جنت بھی جنت میں اس لیے ہمیشہ رہیں گے کہ ان کی نیت یہ تھی کہ اگر وہ دنیا میں ہمیشہ رہے تو وہ ہمیشہ خدا کی اطاعت کرتے رہیں گے۔ نیت کی وجہ سے اہلِ دوزخ کو ہمیشہ کی دوزخ ملی اور اہلِ جنت کو ہمیشہ کی جنت نصیب ہوئی۔ پھر آپؑ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

قُلْ كُلٌّ يَّعْمَلُ عَلٰى شَاكِلَتِهٖ (آپ کہہ دیں کہ ہر شخص اپنی نیت کے مطابق عمل کرتا ہے)

۲۶۷- مصباح الشریعہ میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''کسی بھی حال میں مسلمانوں کی خیر خواہی نہ چھوڑو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَقُوْلُوْا لِلنَّاسِ حُسْنًا ''اور لوگوں سے اچھی باتیں کرو''۔

۲۶۸- اصول کافی میں ابو عمرو زبیری کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''کفر کی چوتھی بنیاد اللہ کے فرمان کی نافرمانی کرنا ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ۝ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰٓؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ ۔

اس آیت کے ان جملوں میں اللہ نے انھیں امر الٰہی ترک کرنے کی وجہ سے کفر کی طرف نسبت دی ہے اور ان کے ایمان کو بھی تسلیم کیا ہے لیکن ان کا ایمان خدا کے ہاں مقبول نہیں ہے۔ چنانچہ ان کے متعلق فرمایا:

فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰٓى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۭ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ۝

"تم میں سے جو بھی ایسا کرے تو اس کی سزا اس کے علاوہ اور کچھ نہیں کہ دنیاوی زندگی میں رسوائی اس کا مقدر بنے اور آخرت کے دن انھیں سخت ترین عذاب کی طرف لوٹایا جائے اور جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اس سے غافل نہیں ہے"۔

حدیث طویل ہے۔ ہم نے بقدر ضرورت اس میں سے ایک اقتباس نقل کیا ہے:

۲۶۹۔ کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ عبداللہ بن یزید بن سلام نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ قیامت کو قیامت کیوں کہا جاتا ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا کیونکہ اس دن لوگ حساب کے لیے قیام کریں گے۔

حدیث طویل ہے۔ ہم نے بقدر ضرورت اس کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔

۲۷۰۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت ابوذر نے اس آیت کی اپنے حالات پر بھی تطبیق کی تھی۔ حضرت ابوذرؓ کو جب معاویہ نے شام سے جلاوطن کر کے مدینہ میں حضرت عثمان کے پاس بھیجا تو وہ اپنے عصا کا سہارا لیے ہوئے نحیف و نزار حالت میں حضرت عثمان کے پاس پہنچے۔ اس وقت حضرت عثمان کے سامنے ایک لاکھ درہم کا ڈھیر لگا ہوا تھا جو کسی علاقہ سے ان کے عامل نے ان کے پاس روانہ کیا تھا۔ رقم کے ڈھیر کے گرد حضرت عثمان کے بہی خواہ حسرت آمیز نگاہوں سے اس دولت کو دیکھ رہے تھے اور انھیں توقع تھی کہ خلیفہ وہ رقم ان میں تقسیم کریں گے۔

حضرت ابوذرؓ نے حضرت عثمان سے کہا: یہ مال کتنا ہے؟

حضرت عثمان نے کہا: یہ ایک لاکھ درہم ہیں جو میرے ایک عامل نے میرے پاس روانہ کیے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اتنی رقم اور کہیں سے آجائے تو میں اس کے بارے میں کچھ سوچوں گا۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا: اچھا یہ بتاؤ کہ ایک لاکھ درہم بڑی رقم ہے یا چار دینار زیادہ ہیں؟

حضرت عثمان نے کہا: ایک لاکھ درہم بڑی رقم ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا: کیا تمھیں وہ موقع یاد ہے جب میں اور تم دونوں رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس گئے تھے تو ہم نے دیکھا کہ آپ مغموم اور پریشان تھے۔ ہم نے آنحضرت کو سلام کیا تھا لیکن آپؐ نے ہمیں جواب نہیں دیا تھا۔ پھر جب صبح کے وقت ہم آپؐ کے پاس گئے تو اس وقت آپؐ ہشاش بشاش تھے۔

ہم نے آپؐ سے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ہمارے ماں باپ آپؐ پر قربان، ہم رات آئے تھے تو آپؐ بہت پریشان تھے اور اس وقت آپؐ ہشاش بشاش دکھائی دے رہے ہیں!!

آنحضرتؐ نے فرمایا: رات میرے پاس مسلمانوں کے مال میں سے چار دینار بچ گئے تھے جنہیں میں تقسیم نہیں کر سکا تھا اور مجھے خدشہ تھا کہ کہیں مجھ پر موت آ گئی تو مجھ سے ان چار دیناروں کا حساب لیا جائے گا۔ اور اس وقت میں اس لیے خوش ہوں کہ میں نے وہ چار دینار تقسیم کر دیئے ہیں۔

اس وقت حضرت عثمان نے کعب الاحبار کی طرف دیکھ کر کہا:

ابواسحاق! اگر کوئی شخص اپنے مال کی زکوٰۃ ادا کرے تو کیا اس کے بعد بھی اس پر کچھ فرض باقی رہ جاتا ہے؟

کعب الاحبار نے کہا: ہرگز نہیں۔ زکوٰۃ ادا کرنے کے بعد اگر کوئی شخص سونے چاندی کی اینٹوں کا محل بھی تعمیر کرائے تو بھی اس کے ذمہ کوئی حق نہیں ہے۔

حضرت ابوذرؓ نے اپنا عصا اٹھا کر کعب الاحبار کے سر پر مار کر کہا:

یہودیہ کافرہ عورت کے فرزند! احکام مسلمین میں غور وفکر کرنے والا تو کون ہوتا ہے؟

خدا کا فرمان تیری بات سے کہیں زیادہ سچا ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ يَكْنِزُوْنَ الذَّهَبَ وَالْفِضَّةَ وَلَا يُنْفِقُوْنَهَا فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ○ يَوْمَ يُحْمٰى عَلَيْهَا فِيْ نَارِ جَهَنَّمَ فَتُكْوٰى بِهَا جِبَاهُهُمْ وَجُنُوْبُهُمْ وَظُهُوْرُهُمْ هٰذَا مَا كَنَزْتُمْ لِاَنْفُسِكُمْ فَذُوْقُوْا الْعَذَابَ بِمَا كُنْتُمْ تَكْنِزُوْنَ ○

''وہ لوگ جو سونے چاندی کے خزانے جمع کرتے ہیں اور اسے راہِ خدا میں خرچ نہیں کرتے انھیں دردناک عذاب کی بشارت دے دیں۔ جس دن اسی سونے چاندی کو دوزخ کی آگ میں تپایا جائے گا اور اس سے ان کی پیشانیوں اور پہلوؤں اور پشتوں کو داغا جائے گا (اور ان سے کہا جائے گا) یہ وہی ہے جسے تم نے جمع کیا تھا اور اب اپنے جمع شدہ خزانے کا عذاب چکھو''۔

حضرت عثمان نے حضرت ابوذرؓ سے کہا: تو بوڑھا ہو چکا ہے اور تیری عقل ختم ہو چکی ہے اور مجھے تیری صحبتِ رسول کا پس نہ ہوتا تو میں تجھے قتل کرا دیتا۔

حضرت ابوذر نے کہا: عثمان! تو نے غلط کہا۔ مجھے میرے حبیب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خبر دی تھی کہ وہ لوگ تجھے فتنہ میں نہ ڈال سکیں گے اور تجھے قتل بھی نہ کر سکیں گے۔ مجھ میں ابھی عقل باقی ہے اور میں تجھے رسولؐ خدا کی ایک حدیث سنانا چاہتا ہوں جسے آنحضرت نے تیرے اور تیری قوم کے متعلق فرمایا تھا:

حضرت عثمان نے کہا تو نے رسولؐ خدا سے میرے اور میری قوم کے متعلق کیا سنا تھا؟

حضرت ابوذرؓ نے کہا کہ میں نے آنحضرتؐ سے سنا تھا' آپؐ فرمایا کرتے تھے:

اذا بلغ ال ابی العاص ثلاثین رجلا صیّروا مال اللّٰه و کتاب اللّٰه دغلا وعباد اللّٰه خولا والفاسقین حزابا والصالحین حربا۔

"جب ابی العاص کے خاندان میں تیس (۳۰) مرد ہو جائیں گے تو وہ اللہ کے مال کو ایک دوسرے میں گردش دینے لگیں گے اور کتاب اللہ کو متروک کتاب قرار دیں گے اور اللہ کے بندوں کو غلام بنالیں گے اور فاسقوں کو اپنا گروہ بنائیں گے اور نیک لوگوں سے جنگ کریں گے"۔

جب حضرت عثمان نے اپنے خاندان کے متعلق یہ حدیث سنی تو انھوں نے حاضرین سے کہا:

"اصحابِ محمدؐ! کیا تم میں سے کسی نے رسولؐ خدا سے یہ حدیث سنی تھی؟

لوگوں نے کہا: "نہیں ہم نے یہ بات نہیں سنی تھی"۔

حضرت عثمان نے کہا کہ حضرت علیؑ کو یہاں بلاؤ۔ حضرت علیؑ آئے تو حضرت عثمان نے ان سے کہا: ابوالحسن! اس بڑھے کذاب کو دیکھیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: عثمان! رک جاؤ اور ابوذر کو کذاب نہ کہو۔ میں نے رسولؐ خدا سے سنا تھا' آپؐ فرمایا کرتے تھے:

ما اظلت الخضراء ولا اقلت الغبراء علی ذی لهجة اصدق من ابی ذر۔

"آسمان نے سایہ نہیں کیا اور زمین نے کسی ایسے شخص کو اپنی پشت پر نہیں اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو"۔

اس وقت صحابہ نے کہا: ابوذر نے بالکل سچ کہا ہے ہم نے یہ حدیث رسولؐ مقبول سے سنی ہے۔ اس وقت ابوذر رو

دیئے اور انھوں نے کہا کہ تم پر افسوس ہے تم نے اپنی گردنیں اس دولت کے حصول کے لیے دراز کی ہوئی ہیں۔تم نے یہ گمان کیا ہے کہ میں نے حبیبؐ خدا پر جھوٹ تراشا ہے۔اچھا تم لوگ مجھے یہ بتاؤ کہ اس وقت تم میں بہتر کون ہے؟

لوگوں نے کہا کہ آپ اپنے آپ کو ہم سے بہتر کہا کرتے ہیں۔

ابوذرؓ نے کہا: جی ہاں جب رسولؐ خدا اس جہان سے رخصت ہوئے تھے تو اس وقت میں نے یہ جُبہ پہنا ہوا تھا جو کہ ابھی تک میرے جسم پر موجود ہے۔ابھی تک میرا جُبہ بھی بوسیدہ نہیں ہوا جب کہ تم نے دین میں کئی بدعات شامل کر دی ہیں۔اللہ تعالیٰ تم سے اس کا حساب لے گا جب کہ مجھ سے اس کا حساب نہیں لیا جائے گا۔

حضرت عثمان نے کہا: ابوذر! تمھیں حقِ رسول کی قسم! یہ بتاؤ کہ تم کس شہر میں رہنے کے خواہش مند ہو؟

حضرت ابوذرؓ نے کہا: مجھے مکہ زیادہ پسند ہے کیونکہ وہ اللہ کا حرم ہے' میں چاہتا ہوں کہ مکہ میں رہ کر اللہ کی عبادت کرتا رہوں یہاں تک کہ مجھے موت آجائے۔

حضرت عثمان نے کہا: میں تجھے مکہ میں نہیں رہنے دوں گا۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا: مکہ کے بعد مجھے رسول کریمؐ کا حرم مدینہ پسند ہے۔

حضرت عثمان نے کہا: میں تجھے مدینہ میں بھی رہنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

پھر حضرت عثمان نے ان سے کہا: اچھا یہ بتاؤ تمھیں کون سی جگہ سب سے زیادہ ناپسند ہے؟

حضرت ابوذرؓ نے کہا: مجھے ''ربذہ'' زیادہ ناپسند ہے کیونکہ اسلام سے قبل میں وہاں رہتا تھا۔

حضرت عثمان نے کہا: پھر میں تجھے ربذہ جلاوطن کرتا ہوں۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا: آپ نے مجھ سے سوال پوچھا میں نے اس کا صحیح صحیح جواب دیا ہے اب میں بھی آپ سے کچھ پوچھنا چاہتا ہوں آپ بھی مجھے صحیح جواب دیں گے۔

حضرت عثمان نے کہا: پوچھو کیا پوچھنا چاہتے ہو؟

حضرت ابوذرؓ نے کہا: فرض کریں کہ آپ نے مجھے مجاہدین کے ہمراہ مشرکین سے جنگ کے لیے بھیجا ہو اور وہاں مشرک مجھے گرفتار کرلیں اور وہ میری آزادی کے لیے آپ سے یہ مطالبہ کریں کہ ہم اس قیدی کو اس شرط پر آزاد کریں گے کہ آپ اپنے مال کا تہائی حصہ بطور فدیہ دیں۔کیا تم اپنی تہائی دولت دے کر مجھے چھڑانا پسند کرو گے؟

حضرت عثمان نے کہا: جی ہاں میں اپنے مال کی تہائی بطور فدیہ دے کر تمھیں چھڑاؤں گا۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا: اگر گرفتار کرنے والے آپ سے آپ کی نصف مالیت کا مطالب کریں تو آپ کیا کریں گے؟

حضرت عثمان نے کہا: میں اپنی نصف دولت بطور فدیہ دے کر تمھیں ان کے ہاتھ سے آزاد کراؤں گا۔

حضرت ابوذرؓ نے کہا: اگر گرفتار کرنے والے مشرک میری رہائی کے بدلے میں آپ کی ساری دولت کا مطالبہ کریں تو آپ کیا کریں گے؟

حضرت عثمان نے کہا: میں ساری دولت فدیہ دے کر تمھیں مشرکین کی قید سے آزاد کراؤں گا۔

یہ سن کر ابوذر نے نعرۂ تکبیر بلند کیا اور فرمایا کہ ایک دن میرے حبیب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مجھ سے فرمایا تھا:

ابوذر! اس وقت تمھاری کیا حالت ہوگی جب تم سے پوچھا جائے گا کہ تمھیں کون سا شہر پسند ہے تو تم جواب میں کہو گے کہ مجھے خدا اور اس کے رسول کا حرم مکہ پسند ہے۔ میں مرتے دم تک اس میں عبادت کرنا چاہتا ہوں۔

اس وقت تم سے کہا جائے گا کہ تمھیں مکہ میں نہیں رہنے دیا جائے گا۔

اس وقت تم کہو گے کہ اگر میں مکہ میں تمھیں میرا رہنا گوارا نہیں تو پھر مجھے مدینہ میں رہنے دو۔

اس وقت تم سے کہا جائے گا کہ ہم تمھیں مدینہ میں بھی نہیں رہنے دیں گے۔

پھر تم سے کہا جائے گا کہ تمھیں کون سی جگہ سخت ناپسند ہے؟ اس وقت تم کہو گے کہ مجھے ربذہ سب سے زیادہ ناپسند ہے جہاں میں اسلام سے قبل رہتا تھا۔

تمھارا یہ جواب سن کر تم سے کہا جائے گا کہ تم ربذہ چلے جاؤ۔

میں نے اس وقت عرض کیا تھا: یارسولؐ اللہ! کیا ایسا ہو کر رہے گا؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جی ہاں۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ اختیار میں میری جان ہے ایسا ہو کر رہے گا۔

میں نے عرض کیا تھا: یارسولؐ اللہ! کیا اس وقت میں تلوار اپنے کندھے پر رکھ لوں اور جنگ شروع کر دوں؟

نبی اکرمؐ نے فرمایا: نہیں امیر کا حکم سنو اور اطاعت کرو اگرچہ وہ حبشی غلام ہی کیوں نہ ہو۔ اللہ نے تیرے اور تیرے حریف کے متعلق آیت نازل کی ہے۔

میں نے پوچھا: یارسولؐ اللہ! وہ کون سی آیت ہے؟

اس وقت رسولؐ خدا نے یہ آیت پڑھی:

وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ لَا تَسْفِكُوْنَ دِمَآءَكُمْ وَلَا تُخْرِجُوْنَ اَنْفُسَكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ ثُمَّ اَقْرَرْتُمْ وَاَنْتُمْ تَشْهَدُوْنَ ﴿۸۴﴾ ثُمَّ اَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تَقْتُلُوْنَ اَنْفُسَكُمْ وَتُخْرِجُوْنَ فَرِيْقًا مِّنْكُمْ مِّنْ دِيَارِهِمْ تَظٰهَرُوْنَ عَلَيْهِمْ بِالْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ ؕ وَاِنْ يَّاْتُوْكُمْ اُسٰرٰى تُفٰدُوْهُمْ وَهُوَ مُحَرَّمٌ عَلَيْكُمْ اِخْرَاجُهُمْ ؕ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِى الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰۤى اَشَدِّ الْعَذَابِ ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۸۵﴾

”اور ہم نے تم سے عہد لیا کہ ایک دوسرے کا خون نہ بہاؤ گے اور اپنے لوگوں کو وطن سے جلاوطن نہ کرو گے۔ پھر تم نے اس کا اقرار کیا اور تم اس کے گواہ ہو۔ لیکن اس کے بعد تم اپنے لوگوں کو قتل کرنے لگے اور اپنے ایک گروہ کو شہروں سے جلاوطن کرنے لگے اور تم گناہ اور سرکشی سے ان پر غلبہ حاصل کرنے لگے حالانکہ اگر تمھارے پاس کوئی قیدی بن کر آتا ہے تو تم فدیہ دے کر اسے آزاد کراتے ہو جب کہ ان کا نکالنا ہی تم پر حرام تھا۔ کیا تم کتاب کے ایک حصّہ پر ایمان رکھتے ہو اور ایک حصّے کا انکار کرتے ہو اور تم میں سے جو بھی ایسا کرے تو اس کی اس کے علاوہ اور کیا سزا ہے کہ وہ دنیاوی زندگی میں رسوا ہوں اور آخرت کے دن انھیں سخت ترین عذاب کی طرف پلٹایا جائے گا اور جو کچھ تم کر رہے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے“۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ ۫ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰۤى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ ۚ

فَفَرِيْقًا كَذَّبْتُمْ ۡ وَفَرِيْقًا تَقْتُلُوْنَ ﴿۸۷﴾ وَقَالُوْا قُلُوْبُنَا غُلْفٌ ؕ بَلْ لَّعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيْلًا مَّا يُؤْمِنُوْنَ ﴿۸۸﴾ وَلَمَّا جَآءَهُمْ كِتٰبٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ ۙ وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚۖ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ﴿۸۹﴾ بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ﴿۹۰﴾

”اور بے شک ہم نے موسٰیؑ کو کتاب دی اور اس کے بعد رسولوں کو مسلسل روانہ کیا اور ہم نے عیسٰی بن مریمؑ کو واضح معجزات عطا کیے اور ہم نے روح القدس سے ان کی تائید کرائی۔ لیکن تمھاری حالت یہ ہے کہ جب بھی کوئی رسول تمھاری خواہش کے خلاف پیغام لے کر آتا تو تم تکبر کرتے تھے اور تم نے رسولوں کی ایک جماعت کو جھٹلایا اور ایک جماعت کو قتل کرنے لگ گئے۔ اور انھوں نے کہا کہ ہمارے دلوں پر پردے آچکے ہیں۔ اصل بات یہ ہے کہ ان کے کفر کی وجہ سے اللہ نے ان پر لعنت کی ہے۔ یہ بہت کم ایمان لائیں گے۔ اور جب ان کے خدا کی طرف سے وہ کتاب

(قرآن) آئی جو ان کی کتابوں کی تصدیق کرتی ہے جب کہ وہ اس سے قبل کافروں کے خلاف اسی کے ذریعہ سے فتح طلب کیا کرتے اور جب ان کے پاس وہ چیز آئی جسے وہ پہچانتے تھے تو وہ اس کے آتے ہی اس کے منکر بن گئے۔ کافروں پر خدا کی لعنت ہے۔ ان لوگوں نے اپنی جانوں کا کتنا برا سودا کیا کہ سرکشی کرتے ہوئے خدا کی نازل کردہ چیز کا انکار کرنے لگے۔ انھیں صرف اس بات سے ضد ہے کہ خدا اپنے فضل وکرم سے اپنے جس بندے پر چاہے نازل کر دیتا ہے۔ یہ غضب بالائے غضب لے کر پلٹے اور ان کے لیے رُسوا کن عذاب ہے"۔

روح القدس

وَ اَیَّدۡنٰہُ بِرُوۡحِ الۡقُدُسِ (اور ہم نے روح القدس سے اس کی تائید کی)۔

۲۷۱- اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جسے ہم سورہ واقعہ کی تفسیر میں مکمل نقل کریں گے۔ اس حدیث میں امام علیہ السلام نے فرمایا:

"وہ اللہ کے رسول اور مخلوقات میں سے خدا کے خاص افراد ہیں۔ اللہ نے انھیں پانچ روح دیے ہیں۔ اللہ نے روح القدس کے ذریعے سے ان کی تائید کی ہے اور اسی کے ذریعے سے انھوں نے اشیاء کو پہچانا ہے"۔

۲۷۲- جابر کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے علمِ معصوم کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا:

"جابر! انبیاء و اوصیاء میں پانچ روح ہوتے ہیں۔ ۱- روح القدس ۲- روح الایمان ۳- روح الحیاۃ ۴- روحِ قوت ۵- روحِ شہوت۔

جابر! روح القدس کی وجہ سے وہ زیرِ عرش سے زیرِ خاک تک کا علم حاصل کرتے ہیں۔ پھر آپؑ نے فرمایا: جابر! باقی چار ارواح میں کمی بیشی ہوتی رہتی ہے مگر روح القدس میں کوئی کمی بیشی واقع نہیں ہوتی اور روح القدس لہوولعب میں گرفتار نہیں ہوتا۔

۲۷۳- مفضل بن عمر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ امام گھر میں بیٹھ کر زمین کے اطراف کے واقعات کیسے جان لیتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: مفضل! اللہ نے اپنے نبی میں پانچ روح قرار دیئے:

۱- روحِ حیات کے ذریعے سے وہ پلے بڑھے ۲- روحِ قوت کی وجہ سے انھوں نے جہاد کیا ۳- روحِ شہوت کے ذریعے سے وہ کھاتے پیتے تھے اور ازواج سے حقوقِ زوجیت ادا کرتے تھے۔ ۴- روح ایمان کے ذریعے سے وہ ایمان و عدل کا مظہر بنے۔ ۵- روح القدس سے انھوں نے بارِ نبوت اٹھایا۔ اور جب نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی وفات ہوئی تو روح القدس امام کو منتقل ہوا۔ روح القدس پر نہ تو نیند طاری ہوتی ہے اور نہ ہی وہ غافل ہوتا ہے اور روح القدس لہو ولعب سے مبرا ہوتا ہے جب کہ باقی چار ارواح پر نیند اور غفلت طاری ہو جاتی ہے۔

۲۷۴- تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت مروی ہے جس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ نے بنی اسرائیل کی ایک غلطی یہ بیان کی کہ جب بھی خدا کے کسی رسول نے ان کے سامنے ایسی تعلیمات پیش کیں جو انھیں ناپسند تھیں تو انھوں نے ایسے رسولوں میں سے کچھ کی تکذیب کی اور کچھ کو قتل کیا۔ اور بنی اسرائیل کی وہ عادت اُمت محمدؐ میں بھی پائی جاتی ہے کیونکہ جب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کی ولایت کا پیغام دیا تو یہ پیغام بہت سے افراد کے لیے ناگوار تھا اسی لیے لوگوں نے تکبر کیا اور آلِ محمدؐ کے ایک گروہ کو جھٹلایا گیا اور ایک گروہ کو تہِ تیغ کر دیا گیا۔ چنانچہ یہ اس کی باطنی تفسیر ہے۔

۲۷۵- اصولِ کافی میں بھی امام محمد باقر علیہ السلام سے قریباً یہی مفہوم منقول ہے۔

۲۷۶- ابی عمر زبیری کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ کتاب اللہ کی رو سے مجھے بتائیں کہ کفر کی کتنی اقسام ہیں؟

آپؑ نے فرمایا کہ کتاب اللہ میں کفر کی پانچ اقسام بیان کی گئی ہیں۔ ان میں سے ایک "کفر الجحود" ہے اور اس کی دو تفسیریں ہیں اور اس کی دوسری قسم یہ ہے کہ کوئی شخص کسی چیز کو حق سمجھتے ہوئے بھی جان بوجھ کر اس کا انکار کرے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَحَدُوْا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَآ اَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَّعُلُوًّا......

(انھوں نے ظلم اور بلندی کی خواہش میں اس کا انکار کیا جب کہ ان کے دلوں کو یقین تھا کہ یہ حق ہے)

اور اسی کفر جحود کی اس قسم کی مثال یہودیوں میں بھی پائی جاتی تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کی حالت کو ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

''اور یہ لوگ اس سے قبل اسی کے ذریعہ سے کافروں کے خلاف فتح طلب کیا کرتے تھے اور جسے وہ جانتے تھے جب وہ ان کے پاس آیا تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا۔ پس کافروں پر اللہ کی لعنت ہو''۔

۲۷۷۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت یہود و نصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ ''وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ اسے پہچانتے ہیں''۔ یعنی وہ ہمارے رسول کو پہچانتے ہیں۔ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ''وہ ہمارے رسول کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے توراتؑ زبور اور انجیل میں رسولؐ خدا اور ان کے اصحاب کی علامات بیان کی تھیں اور ان کتب سماویہ میں اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے مقامِ بعثت اور مقامِ ہجرت کا بھی تذکرہ فرمایا تھا۔ جیسا کہ قرآن مجید کی اس آیت مجید میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۔ (الفتح:۲۹)

محمدؐ اللہ کے رسول ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں رحم دل ہیں۔ تو ان کو رکوع و سجود کرتے ہوئے دیکھے گا اور اپنے پروردگار سے فضل و کرم اور اس کی خوشنودی کے طلب گار ہیں۔ کثرتِ سجود کی وجہ سے ان کے چہروں پر سجدہ کے نشانات پائے جاتے ہیں۔ یہی ان کی صفت تورات میں ہے اور یہی ان کی صفت انجیل میں ہے''۔

جب اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول کو بھیجا تو اہلِ کتاب نے آپ کو آپ کی علامات سے پہچان لیا تھا جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں فرمایا ہے: فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ۔ چنانچہ جب ان کے پاس وہ رسول آیا جسے وہ پہچانتے تھے تو انھوں نے اس کا انکار کردیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت سے قبل یہودی عربوں سے یہ کہا کرتے تھے:

"اے گروہِ عرب! اب اس نبی کے ظہور کا وقت آچکا ہے جو مکہ میں اعلانِ نبوت کرے گا اور پھر وہاں سے ہجرت کرکے مدینہ آئے گا اور وہ سلسلہ انبیاء کا خاتم ہوگا اور وہ تمام رسولوں کا سرتاج ہوگا۔ اس کی آنکھوں میں سرخ ڈورے ہوں گے اور اس کے کندھوں کے درمیان نبوت کی مہر ہوگی وہ چادر میں لپٹا رہے گا اور روٹی کے ٹکڑوں اور کھجور پر قناعت کرنے والا ہوگا۔ گدھے کی ننگی پشت پر سواری کرے گا۔ وہ مسکرانے والا اور جنگ کرنے والا ہوگا۔ وہ اپنے کندھے پر تلوار رکھے گا اور مقابلہ پر آنے والوں کی پرواہ نہیں کرے گا۔ اس کی سلطنت وہاں تک پھیل جائے گی جہاں تک اونٹ کے قدم اور گھوڑوں کے سُم جاسکتے ہیں اور جب وہ نبی آئے گا تو ہم اس کا ہراول دستہ بن کر تمھیں ایسے قتل کریں گے جیسا کہ خدا نے عاد کو قتل کیا تھا۔

لیکن جب اللہ نے ان صفات سے متصف نبی کو دنیا میں روانہ کیا تو انھوں نے ان سے حسد کیا اور ان کا انکار کیا۔

ان کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَكَانُوۡا مِنۡ قَبۡلُ يَسۡتَفۡتِحُوۡنَ عَلَى الَّذِيۡنَ كَفَرُوۡا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمۡ مَّا عَرَفُوۡا كَفَرُوۡا بِهٖ "یہ لوگ اس سے قبل کافروں کے خلاف اس کے نام سے فتح طلب کیا کرتے تھے اور جب ان کے پاس وہ آیا جسے وہ پہچانتے تھے تو انھوں نے اس کا انکار کردیا"۔

یہودیوں نے مدینہ میں رہائش کیوں اختیار کی تھی؟

۲۷۸- روضہ کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"یہودیوں نے اپنی کتاب میں یہ لکھا ہوا دیکھا کہ محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے وطن سے ہجرت کرکے کوہِ عیر اور کوہ احد کے درمیان آکر رہائش اختیار کریں گے۔ یہ پیشین گوئی پڑھنے کے بعد انھوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ ہمیں وہاں جاکر آباد ہونا چاہیے تاکہ جب آخری نبی ہجرت کرکے وہاں آئے تو ہم اس کی مدد کرسکیں۔

چنانچہ انھوں نے اپنے سابقہ گھروں کو چھوڑا اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقامِ ہجرت کو تلاش کرنا شروع

کیا۔ سفر کرتے کرتے جب وہ کوہ حداد کے قریب پہنچے تو انھوں نے کہا کہ ''احد'' اور ''حداد'' ایک ہی چیز ہے۔ وہاں انھوں نے ڈیرے لگا لیے اور ساتھ ساتھ کے علاقوں میں پھیل گئے۔ کچھ افراد۔تیماء جا کر آباد ہوئے اور کچھ نے فدک میں رہائش اختیار کر لی اور کچھ لوگوں نے خیبر میں ڈیرے ڈال دیئے۔

پھر تیماء میں رہنے والے کچھ یہودیوں کو ان کے بھائی بندوں کی یاد نے ستایا تو انھوں نے ایک شخص سے اونٹ کرایے پر لیے اور اس سے کہا تم انھیں اپنے رشتہ داروں کے پاس لے جاؤ۔ اونٹوں کے مالک نے کہا: میں تمھیں ''عیر'' و ''احد'' کے درمیان سے لے کر جاؤں گا۔ جب یہودیوں نے یہ نام سنے تو انھوں نے کہا جب تم وہاں پہنچو تو ہمیں اس وادی سے ضرور آگاہ کرنا۔ چنانچہ جب اونٹوں کا مالک انھیں لے کر ''عیر'' اور ''احد'' کی درمیانی وادی میں پہنچا تو اس نے یہودیوں سے کہا: بھائی یہ رہی تمھاری وادی' یہ دیکھو یہ کوہِ عیر ہے اور یہ کوہِ احد ہے۔

جب یہودیوں نے یہ سنا تو انھوں نے کہا کہ بس اب تم ہمیں اتار دو۔ اب ہم یہاں سے آگے نہیں جائیں گے۔ ہمیں ہماری مطلوبہ جگہ مل گئی ہے۔ لہٰذا ہمیں تمھارے اُونٹوں کی اب ضرورت ہی نہیں رہی۔

اس کے بعد اُونٹوں کا مالک اپنے اُونٹوں کو لے کر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد یہودیوں نے وہاں رہائش اختیار کر لی۔ اور کچھ دنوں کے بعد انھوں نے فدک اور خیبر میں مقیم رشتہ داروں کو خط لکھا کہ ہمیں ہماری مطلوبہ جگہ مل گئی ہے لہٰذا تم بھی ہمارے ہاں آ کر آباد ہو جاؤ۔

فدک وخیبر میں رہائش پذیر یہودیوں نے انھیں جواب میں لکھا کہ اب ہم یہاں آباد ہو چکے ہیں اور ہم نے کاروبار شروع کر دیا ہے ویسے ہم تم سے دُور نہیں ہیں۔ جب وہ نبی تمھارے پاس آ جائیں تو ہمیں اطلاع دے دینا ہم بڑی تیزی سے وہاں آ جائیں گے۔

جو یہودی مدینہ آ کر آباد ہوئے تھے انھوں نے وہاں پر کاروبار کیا اور تجارت کی وجہ سے انھوں نے بڑی دولت کمائی۔ ملوک ''حمیر'' میں سے ایک مشہور بادشاہ ''تبع'' کو معلوم ہوا کہ یثرب کے یہودی بڑے دولت مند ہیں تو اس نے انھیں تاراج کرنے کے لیے ان پر فوج کشی کی۔ جب یہودیوں کو ''تبع'' کی آمد کا علم ہوا تو وہ اپنے قلعوں میں چلے گئے۔ ''تبع'' نے ان کے قلعوں کا محاصرہ کیا۔ یہودیوں نے دیکھا کہ تبع کے لشکر میں کچھ کمزور افراد بھی ہیں تو یہودی رات کے وقت ان کے پاس کھجوریں اور جَو لے کر جاتے تھے۔

تبع کو معلوم ہوا کہ یہودی میرے ساتھیوں پر شفقت کر رہے ہیں تو اسے بھی ان پر ترس آ گیا اور اس نے ان کے

یے امن عام کا اعلان کر دیا۔

جب یہودیوں نے امن عام کا اعلان سنا تو انھوں نے اپنے قلعوں کے دروازے کھول دیئے اور تبع کے پاس گئے۔

تبع نے کہا کہ مجھے تمھارا علاقہ پسند آیا ہے میں یہاں مستقل رہائش رکھنا چاہتا ہوں۔

یہودیوں نے کہا: یہ شہر آپ کی رہائش گاہ نہیں ہے یہاں آخری نبی آ کر رہائش اختیار کریں گے اور ہم بھی ان کی نصرت کا جذبہ لے کر یہاں آباد ہوئے ہیں۔

جب تبع نے یہ سنا تو اس نے کہا: اچھا میں واپس جا رہا ہوں البتہ اپنے دو رشتہ دار قبیلے یہاں ٹھہرا رہا ہوں تا کہ جب آخری نبی یہاں آئیں تو یہ ان کی مدد کر سکیں۔ چنانچہ اس نے اوس وخزرج قبیلوں کو وہاں ٹھہرایا اور باقی فوج لے کر وہ واپس چلا گیا۔

جب اوس وخزرج قبائل کے افراد کی تعداد زیادہ ہوئی تو انھوں نے یہودیوں کی دولت کو لوٹنا شروع کر دیا۔

یہودیوں نے ان سے کہا: محمدؐ مبعوث ہونے والے ہیں اور جیسے ہی وہ مبعوث ہوں گے تو ہم ان پر ایمان لائیں گے اور ہم تمھیں اپنے علاقہ سے نکال دیں گے۔

جب اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مبعوث کیا تو انصار آپؐ پر ایمان لائے اور یہودیوں نے آپ کا انکار کر دیا اور اللہ تعالیٰ نے اسی مفہوم کو اس آیت میں یوں بیان کیا ہے

وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ۡ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ ۝

"اور وہ اس سے پہلے دشمنوں کے مقابلہ میں اسی کے ذریعہ فتح طلب کیا کرتے تھے لیکن جسے وہ پہچانتے تھے جب وہ ان کے پاس آیا تو وہ اس کے منکر ہو گئے۔ پس کافروں پر خدا کی لعنت ہے"۔

۲۷۹- علی بن ابراہیم نے اسحاق عمار سے یہ روایت نقل کی۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَكَانُوْا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُوْنَ عَلَى الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ کی آیت مجیدہ کا مفہوم دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانوں کے درمیان ایک قوم بت پرستوں کو نبی اکرمؐ کے ذریعہ سے ڈرایا کرتی تھی اور وہ کہتے تھے کہ ایک نبی آئے گا جو تمھارے ان بتوں کو توڑ دے گا لیکن جب

رسولِ خدا مبعوث ہوئے تو انھوں نے آپ کا انکار کر دیا۔

۲۸۰۔ تفسیر عیاشی میں اسی آیت کے سوال کے جواب میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت بنی امیہ کی حالت پر بھی دلالت کرتی ہے کیونکہ انھوں نے بھی رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جان کر ان کے اعلانِ ولایت کا انکار کیا تھا۔

بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ بَغْيًا اَنْ يُّنَزِّلَ اللّٰهُ مِنْ فَضْلِهٖ عَلٰى مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ ۚ فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰى غَضَبٍ ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ مُّهِيْنٌ ۝ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا نُؤْمِنُ بِمَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا وَيَكْفُرُوْنَ بِمَا وَرَآءَهٗ ۤ وَهُوَ الْحَقُّ مُصَدِّقًا لِّمَا مَعَهُمْ ۭ قُلْ فَلِمَ تَقْتُلُوْنَ اَنْۢبِيَآءَ اللّٰهِ مِنْ قَبْلُ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ وَلَقَدْ جَآءَكُمْ مُّوْسٰى بِالْبَيِّنٰتِ ثُمَّ اتَّخَذْتُمُ الْعِجْلَ مِنْۢ بَعْدِهٖ وَاَنْتُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝ وَاِذْ اَخَذْنَا مِيْثَاقَكُمْ وَرَفَعْنَا فَوْقَكُمُ الطُّوْرَ ۭ خُذُوْا مَآ اٰتَيْنٰكُمْ بِقُوَّةٍ وَّاسْمَعُوْا ۭ قَالُوْا سَمِعْنَا وَعَصَيْنَا ۤ وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ ۭ قُلْ بِئْسَمَا

يَأْمُرُكُمْ بِهٖٓ اِيْمَانُكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۹۳﴾ قُلْ اِنْ كَانَتْ لَكُمُ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ عِنْدَ اللّٰهِ خَالِصَةً مِّنْ دُوْنِ النَّاسِ فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۹۴﴾ وَلَنْ يَّتَمَنَّوْهُ اَبَدًا بِمَا قَدَّمَتْ اَيْدِيْهِمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۹۵﴾ وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰى حَيٰوةٍ ۚۛ وَمِنَ الَّذِيْنَ اَشْرَكُوْا ۚۛ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ يُعَمَّرُ اَلْفَ سَنَةٍ ۚ وَمَا هُوَ بِمُزَحْزِحِهٖ مِنَ الْعَذَابِ اَنْ يُّعَمَّرَ ؕ وَاللّٰهُ بَصِيْرٌۢ بِمَا يَعْمَلُوْنَ ﴿۹۶﴾ قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى وَّبُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۹۷﴾ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّلّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَرُسُلِهٖ وَجِبْرِيْلَ وَمِيْكٰلَ فَاِنَّ اللّٰهَ عَدُوٌّ لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۹۸﴾

"ان لوگوں نے اپنے نفس کا انتہائی بُرا سودا کیا کہ خدا کی نازل کردہ کتاب کا انکار کر بیٹھے۔ انھیں اس بات سے ضد محسوس ہوئی کہ خدا اپنے فضل وکرم سے اپنے جس بندے پر جو چاہے نازل کر دیتا ہے۔ یہ غضب بالائے غضب لے کر پلٹے اور کافروں کے لیے رُسوا کرنے والا عذاب ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے

نازل کیا ہے اس پر ایمان لے آؤ تو وہ کہتے ہیں ہم صرف اس پر ایمان لائیں گے جو ہم پر نازل ہوا ہے اور اس کے علاوہ باقی کلام الٰہی کا انکار کر دیتے ہیں' حالانکہ وہ حق ہے اور جو کچھ ان کے پاس ہے وہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔ آپ کہہ دیں اگر تم مومن ہو تو تم اس سے قبل خدا کے انبیاء کو کیوں قتل کرتے تھے۔ اور بے شک موسیٰؑ تمھارے پاس واضح نشانیاں لے کر آئے۔ پھر تم نے ان کے بعد بچھڑے کو معبود بنایا اور تم واقعی ظالم ہو۔ اور جب ہم نے تم سے عہد لیا اور ہم نے تم پر طور کو بلند کر دیا۔ جو کچھ ہم نے تمھیں دیا ہے اسے پوری قوت سے تھام لو اور حکمِ خدا سنتے رہو۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے سن لیا اور ہم نے نافرمانی کی اور ان کے دلوں میں ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت گھول کر پلا دی گئی۔ آپ کہہ دیں اگر تم مومن ہو تو تمھارا ایمان بہت برا حکم دیتا ہے۔

آپ کہہ دیں اگر دار آخرت میں باقی لوگوں کا کوئی حصہ نہیں اور وہ خدا کے ہاں صرف تمھاری ہی ہے تو پھر تم موت کی تمنا کرو اگر تم سچے ہو۔ جو کچھ عمل ان کے ہاتھوں کے ذریعے سے آگے روانہ ہو چکے ہیں یہ ان کی وجہ سے کبھی بھی موت کی ہرگز تمنا نہیں کریں گے۔ اللہ ظلم کرنے والوں سے واقف ہے۔ آپ انھیں تمام لوگوں میں سے زیادہ زندگی کا خواہش مند پائیں گے اور کچھ مشرک تو یہ چاہتے ہیں کہ انھیں ہزار سال کی عمر دے دی جائے۔ انھیں اگر ان کی مطلوبہ زندگی مل بھی جائے تو بھی وہ زندگی انھیں عذاب سے نہیں بچا سکتی۔ اللہ ان کے اعمال کو خوب دیکھ رہا ہے۔ آپ کہہ دیں جو بھی جبریلؑ کا دشمن ہو تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جبریلؑ نے آپ کے دل پر حکمِ خدا سے قرآن اتارا ہے جو پہلی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور ہدایت ہے اور

مومنین کے لیے بشارت ہے۔ جو بھی اللہ اور اس کے ملائکہ اور اس کے رسولوں اور جبریلؑ ومیکائیلؑ کا دشمن ہے تو اسے معلوم رہے کہ خدا بھی کافروں کا دشمن ہے"۔

۲۸۱- تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جس طرح سے یہودیوں نے آنحضرتؐ کی نبوت کا انکار کر کے اپنی جانوں کا بدترین سودا کیا تھا اسی طرح سے بنی اُمیہ نے بھی رسولؐ خدا کی ان احادیث کا انکار کیا جو انھوں نے فضائلِ علیؑ کے متعلق ارشاد فرمائی تھیں۔ لہٰذا باطنی طور پر بنی اُمیہ بھی فَبَآءُوْ بِغَضَبٍ عَلٰی غَضَبٍ کے مصداق قرار پائے۔

۲۸۲- تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے جس کا ماحصل یہ ہے جس طرح سے یہودیوں سے کہا جاتا تھا کہ خدا کے نازل کردہ احکام پر ایمان لاؤ تو وہ کہتے تھے کہ ہم تو بس اس کلام پر ایمان رکھتے ہیں جو ہم پر نازل کیا گیا ہے۔ اس کے علاوہ کسی دوسرے کلام کو تسلیم نہیں کرتے۔ یہی حالت دشمنانِ ولایت کی ہے جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو آیات فضائلِ علیؑ میں نازل ہوئی ہیں انھیں تسلیم کرو تو وہ بھی انھیں تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے۔

کسی کے فعل پر راضی ہونے والا بھی اس میں شریک ہے

۲۸۳- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ حکیم میں یہودیوں کا یہ قول نقل کیا ہے۔ انھوں نے کہا:

اِنَّ اللّٰهَ عَهِدَ اِلَيْنَا اَلَّا نُؤْمِنَ لِرَسُوْلٍ حَتّٰى يَاْتِيَنَا بِقُرْبَانٍ تَاْكُلُهُ النَّارُ۔

"اللہ نے ہم سے عہد لیا ہے کہ ہم اس وقت تک کسی رسول پر ایمان نہ لائیں جب تک وہ ایسی قربانی پیش نہ کرے جسے آسمانی آگ کھا جائے"۔

یہودیوں کے اس مطالبہ کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ سے فرمایا:

قُلْ قَدْ جَآءَكُمْ رُسُلٌ مِّنْ قَبْلِيْ بِالْبَيِّنٰتِ وَبِالَّذِيْ قُلْتُمْ فَلِمَ قَتَلْتُمُوْهُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۱۸۳﴾ (آل عمران:۱۸۳)

"آپ کہہ دیجیے! مجھ سے پہلے بہت سے رسول معجزات لے کر آئے اور تمھاری فرمائش کے مطابق

صداقت کی نشانی بھی لے کر آئے۔ پھر تم نے انھیں کیوں قتل کیا اگر تم سچے ہو"۔

یہ آیت مجیدہ مدینہ منورہ میں رہنے والے یہودیوں کے مطالبہ کے جواب میں نازل ہوئی جب کہ رسولِ خدا کے دور کے یہودیوں نے تو کسی نبی کو قتل نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ انبیائے سابقین کے زمانے میں موجود تھے مگر اس کے باوجود اللہ نے ان سے فرمایا کہ تم نے انبیاء کو قتل کیا تھا حالانکہ انبیاء کو ان کے آباء واجداد نے سینکڑوں برس پہلے قتل کیا۔ اللہ نے مدینہ کے یہودیوں کو انبیاء کا قاتل اس لیے قرار دیا کہ وہ اپنے آباء واجداد کے فعل پر راضی تھے (لہٰذا جو بھی کسی ظالم کے فعل پر راضی ہوگا اگرچہ وہ ظلم میں بذات خود شریک نہ بھی ہو پھر بھی وہ ظالم شمار کیا جائے گا)۔

۲۸۴- ابوبصیر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام تورات لے کر واپس آئے تو ان کی قوم گئوسالہ پرستی میں مبتلا ہو چکی تھی۔ آپؑ نے اس بچھڑے کے آری سے ٹکڑے کیے اور جلا کر اس کی راکھ تیار کی اور اس کی راکھ کو دریا میں پھینک دیا لیکن بچھڑے کے بہت سے پجاریوں نے دریا میں غوطے لگائے اور اس کی راکھ کو پی لیا۔ چنانچہ ان کے اس فعل کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے بیان کیا وَاُشْرِبُوْا فِيْ قُلُوْبِهِمُ الْعِجْلَ بِكُفْرِهِمْ "ان کے دلوں میں ان کے کفر کی وجہ سے بچھڑے کی محبت کو پلا دیا گیا۔

یہ حدیث کافی طویل ہے۔ ہم نے بقدر ضرورت اس کا صرف ایک اقتباس نقل کیا ہے۔

۲۸۵- اصولِ کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت علیؑ کے دشمن بھی تاویلی طور پر بِئْسَمَا اشْتَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ اَنْ يَّكْفُرُوْا بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ کے مصداق ہیں۔

موت کی تمنا

فَتَمَنَّوُا الْمَوْتَ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ○ "اگر تم سچے ہو تو موت کی تمنا کرو"۔

۲۸۶- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے بیان کیا کہ ایک شخص نے کھڑے ہو کر امیرالمومنین علیہ السلام سے کہا:

"یاامیرالمومنین! کیف عرفت ربک؟ "آپ نے اپنے رب کو کیسے پہچانا؟"

آپؑ نے فرمایا: عرفت ربی بفسخ العزائم ونقض الھمم "میں نے اپنے رب کو ارادوں کے ٹوٹنے اور ہمتوں کے کمزور ہونے سے پہچانا"۔

سائل نے کہا: فبماذا احببت لقاء ہ؟'' آپ اس کی ملاقات کے کیوں خواہش مند ہیں؟''

آپؑ نے فرمایا: جب میں نے دیکھا کہ اسی نے میرے لیے اپنے ملائکہ' رسل و انبیاء کا دین پسند کیا تو مجھے یقین ہوگیا کہ جس نے مجھے یہ عزت دی ہے وہ مجھے فراموش نہیں کرے گا۔ اسی لیے مجھ میں اس کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا۔

۲۸۷- امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے بیان فرمایا کہ ایک شخص نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس آیا اور اس نے کہا:

''یارسولؐ اللہ! میں موت کو ناپسند کرتا ہوں۔ پتہ نہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

آپؐ نے فرمایا: کیا تیرے پاس کچھ دولت ہے؟

اس نے کہا: جی ہاں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا تو نے اس دولت کا کچھ حصہ آگے بھی روانہ کیا ہے؟

اس نے کہا: نہیں یارسولؐ اللہ!

آپؐ نے فرمایا: یہی وجہ ہے کہ تم موت سے متنفر ہو۔

۲۸۸- تفسیر مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ جنگ صفین میں امیر المومنین دشمنوں کی صفوں میں عام گھریلو سے کپڑے پہن کر چل رہے تھے۔ حضرت حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے عرض کیا ابا جان! یہ جنگی لباس نہیں ہے۔

حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا: جانِ پدر! تیرا والد اس بات کی پرواہ نہیں کرتا کہ وہ موت پر جا پڑے یا موت اس پر آپڑے۔

نبی اکرمؐ نے فرمایا: کسی مصیبت کو دیکھ کر موت طلب مت کرو۔ اس کی جگہ یہ کہنا چاہیے:

اَللّٰهُمَّ اَحْیِنِیْ مَا دَامَتِ الْحَیَاةُ خَیْرًا لِّیْ وَتَوَفَّنِیْ اِذَا کَانَتِ الْوَفَاةُ خَیْرًا لِّیْ -

''خدایا! جب تک زندگی میرے لیے فائدہ مند ہو اس وقت تک مجھے زندہ رکھنا اور جب موت میرے لیے فائدہ مند ہو تو اس وقت مجھے موت دے دینا''۔

آنحضرتؐ نے موت طلب کرنے سے اس لیے منع فرمایا تھا کہ اس سے بے صبری اور جزع فزع کا اظہار ہوتا ہے جب کہ خدا نے صبر کا حکم دیا ہے اور بندے کو اپنے معاملات خدا کے سپرد کرنے کی تعلیم دی ہے اور ہمیں یہ یقین بھی نہیں ہوتا کہ ہم خدا کے امر کو بجا بھی لا سکیں گے یا نہیں جب کہ بقا میں ہمیں اُمید ہوتی ہے کہ ہم اپنی خطاؤں کی تلافی کر سکیں گے۔

یہودیوں کو جبریلؑ سے عداوت کیوں تھی؟

۲۸۹- احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پاس ایک یہودی آیا جس کا نام عبداللہ بن صوریا تھا وہ ایک آنکھ سے اندھا تھا اور یہودی اس کے متعلق یہ گمان رکھتے تھے کہ وہ اللہ کی کتاب اور علوم انبیاء کا ماہر ترین فرد ہے۔

چنانچہ اس نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سے مسائل دریافت کیے۔ آنحضرتؐ نے اسے ان تمام مسائل کے ایسے جواب دیئے جس کا انکار کرنا اس کے بس سے باہر تھا۔

آخر میں اس نے کہا: محمد! خدا کا پیغام آپ کے پاس لے کر کون سا فرشتہ آتا ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ میرے پاس جبریلؑ خدا کا پیغام لاتے ہیں۔

اس نے کہا اگر جبریلؑ کے علاوہ کوئی اور فرشتہ آپ کے پاس پیغام لے کر آتا تو میں آپؐ پر ضرور ایمان لے آتا۔ آپؐ کے پیغام رساں جبریلؑ ہیں اور وہ ہم یہودیوں کے دشمن ہیں۔ اگر جبریلؑ کے علاوہ آپؐ پر میکائیل یا کوئی دوسرا فرشتہ خدا کا پیغام لاتا تو میں آپؐ پر ایمان لے آتا۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: آخر تمھیں جبریلؑ سے دشمنی کیوں ہے؟

اس نے کہا جبریلؑ ہمیشہ بنی اسرائیل پر مصیبت اور عذاب لاتے رہے ہیں۔ انھوں نے دانیال کو بخت نصر کے قتل سے منع کیا تھا جس کے نتیجے میں بخت نصر بادشاہ بن گیا اور اس نے بنی اسرائیل کو تباہ کیا تھا۔ الغرض آج تک بنی اسرائیل پر جتنی بھی مصیبتیں آئی ہیں وہ سب کی سب جبریلؑ کی لائی ہوئی ہیں جب کہ اس کے برعکس میکائیل ہمارے لیے ہمیشہ رحمت لایا کرتے ہیں۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: تجھ پر افسوس! اس میں جبریلؑ کا کیا قصور ہے اس نے تو امرِ خدا کی اطاعت کی ہے۔ اسی طرح سے ملک الموت نے تمھارے آبادَ اجداد کی روحیں قبض کی ہیں تو کیا وہ بھی تمھارا دشمن ہے؟

کیا تم نے ماں باپ کو نہیں دیکھا وہ اپنے بچوں کو کڑوی کسیلی دوائیں پلاتے ہیں تو کیا اولاد اپنے والدین کو دشمن سمجھنے لگے؟ بات یہ ہے کہ والدین اپنے بچے کو کڑوی دوا پلاتے ہیں اس میں بچے کا فائدہ ہے لیکن تم لوگ خداشناسی سے تہی دامن ہو اور تم اس کی حکمت سے غافل ہو جب کہ میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ جبریل و میکائیل خدا کے فرمان پر عمل کرتے ہیں

اور وہ دونوں خدا کے اطاعت گزار ہیں اور جو بھی ایک سے دشمنی رکھے گا وہ دوسرے کا بھی دشمن ہوگا اور جو یہ گمان کرے کہ ایک سے دوستی رکھتا ہے اور دوسرے سے دشمنی رکھتا ہے تو ایسا شخص جھوٹا ہے اور جو ایک کا دشمن ہو وہ دوسرے کا بھی دشمن ہے۔ جس طرح سے جبریل و میکائیل بھائی ہیں اسی طرح میں اور علیؑ بھی بھائی ہیں۔ جو ہم دونوں سے محبت کرے گا تو وہ خدا کا دوست ہوگا اور جو ہم دونوں سے بغض رکھے گا تو وہ خدا کا دشمن ہوگا اور وہ شخص جھوٹ بولتا ہے جو یہ کہے کہ مجھے ان میں سے ایک سے محبت ہے لیکن دوسرے سے نہیں ہے۔ ایسے شخص سے ہم دونوں بیزار ہیں اور ہمارے علاوہ اللہ اور اس کے فرشتے اور اس کے نیک بندے بھی اس سے بیزار ہیں۔

نواصب و یہود کی ذہنی ہم آہنگی

۲۹۰- امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے یہود کی جبریلؑ دشمنی کے متعلق دو آیات نازل فرمائیں جب کہ نواصب (دشمنانِ آلِ محمدؐ) بھی اس جرم میں ان کے برابر کے شریک ہیں اور یہ آیات ان کے حال پر بھی منطبق ہوتی ہیں۔ نواصب یہودیوں سے بھی چار قدم آگے نکل گئے تھے۔ انھوں نے صرف جبریل دشمنی پر ہی اکتفا نہیں کی تھی بلکہ انھوں نے یہاں تک کہہ دیا تھا کہ ہم خدا، جبریل، میکائیل اور دوسرے تمام فرشتوں سے بیزار ہیں۔ انھوں نے یہ الفاظ اس وقت کہے جب انھوں نے نبی اکرمؐ سے حضرت علیؑ کے فضائل سنے اور آنحضرتؐ جب بھی حضرت علیؑ کی فضیلت و عظمت بیان کرتے تو فرماتے تھے مجھے جبریلؑ نے خدا کی طرف سے یہ خبر دی ہے"۔

کبھی آپؐ فرماتے تھے کہ جب علیؑ میدانِ جنگ میں قدم رکھتا ہے تو جبریلؑ اس کے دائیں ہوتا ہے، میکائیل اس کے بائیں ہوتا ہے۔ جبریل میکائیل پر فخر کر کے کہتا ہے کہ میں علیؑ کے دائیں طرف ہوں اور تو علیؑ کے بائیں طرف ہے اور دائیں طرف بائیں طرف سے افضل ہوتی ہے۔

پھر جبریل و میکائیل دونوں اسرافیل پر فخر کرتے ہیں کہ وہ تو علی کا صرف خدمت گزار ہے اور ملک الموت پر بھی جبریل و میکائیل فخر کر کے کہتے ہیں کہ تو تو صرف علیؑ کے دشمنوں کی (نجس) ارواح قبض کرتا رہتا ہے جب کہ ہم علیؑ کے دائیں بائیں رہتے ہیں۔

آنحضرتؐ فرمایا کرتے تھے:

''ملائکہ میں وہ فرشتہ خدا کا زیادہ مقرب ہوتا ہے جسے علیؑ سے زیادہ محبت ہوتی ہے اور ملائکہ جب اپنی بزم میں کوئی قسم کھاتے ہیں تو ان کی قسم کے الفاظ یہ ہوتے ہیں:

''اس ذات کی قسم جس نے محمد مصطفےٰ کے بعد علی مرتضیٰ کو تمام مخلوق پر فضیلت دی ہے''۔

کسی موقع پر آنحضرتؐ فرماتے تھے کہ آسمانوں اور حجابات کے فرشتوں کو علیؑ کی زیارت کا اسی طرح سے اشتیاق ہوتا ہے جس طرح سے ایک ماں کو اپنے پیارے بیٹے کی ملاقات کا اشتیاق ہوتا ہے۔

الغرض جب نواصب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے فضائلِ حیؑ کی یہ احادیث سن سن کر تنگ آگئے۔ آخرکار انھوں نے کہا کہ محمد کب تک جبریل ومیکائیل اور دوسرے فرشتوں کے حوالے دے کر علیؑ کی شان بڑھاتا رہے گا اور کب تک محمد خدا کا حوالہ دے کر علیؑ کی عظمتوں کو بیان کرتا رہے گا؟ اگر بالفرض یہ بات صحیح ہے تو ہم ایسے خدا سے بیزار ہیں اور ایسے جبریل ومیکائیل سے بھی بیزار ہیں جو محمدؐ کے بعد حیؑ کو افضل سمجھتے ہیں۔ ہم ان انبیائے سابقین سے بھی بیزار ہیں جو اپنی اُمتوں کو یہ تعلیم دے کر گئے کہ محمدؐ کے بعد حیؑ باقی لوگوں سے افضل ہوں گے''۔

یہود کو بھی جبریلؑ سے اس واسطے بیر تھا۔ جب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو یہودی عبداللہ بن صوریا کو رسولؐ خدا سے بحث کے لیے لے کر آئے۔ عبداللہ بن صوریا نے رسول اکرمؐ سے بہت سے مسائل دریافت کیے جن کا آپؐ نے اسے تسلی بخش جواب دیا۔ آخر میں اس نے کہا: اب آخر میں مجھے آپؐ سے صرف ایک بات پوچھنا ہے اگر وہ بات میرے مطلب کے موافق ہوئی تو میں آپ پر ایمان لے آؤں گا اور آپ کی پیروی کروں گا۔ آپ یہ بتائیں کہ آپ پر وحی لے کر کون سا فرشتہ نازل ہوتا ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: مجھ پر جبریلؑ وحی لایا کرتے ہیں۔

ابن صوریا نے کہا: تمام فرشتوں میں سے وہ ہمارا سخت دشمن ہے۔ وہ ہمیشہ بنی اسرائیل کے لیے عذاب اور قتل لے کر ہی آیا ہے جب کہ ہمارا پسندیدہ پیغام رساں فرشتہ میکائیل ہے۔ وہ ہمیشہ بنی اسرائیل کے لیے خوشی اور آسانی کا پیغام لایا کرتا ہے۔ اگر آپؐ پر میکائیل وحی لے کر آتا تو ہم آپؐ پر ضرور ایمان لاتے' کیونکہ میکائیل نے ہمیشہ ہماری سلطنت کو مضبوط کیا ہے جب کہ جبریلؑ نے ہمیشہ ہماری سلطنت کو تباہ کیا ہے۔ اسی لیے وہ ہمارا دشمن ہے۔

اس گفتگو کے وقت سلمان فارسی بھی موجود تھے۔ انھوں نے یہودی عالم سے کہا:

یہ بتاؤ جبریلؑ نے تم سے پہلی دشمنی کب کی تھی؟

عبداللہ بن صوریا نے کہا. اس نے کئی بار ہم سے اپنی دشمنی کا اظہار کیا ہے۔ البتہ اس کی سخت دشمنی کا واقعہ بھی سن لو۔ بات یہ ہے کہ اللہ نے اپنے انبیاء کو خبر دی کہ وہ عنقریب بیت المقدس کو ایک شخص کے ہاتھ سے تباہ کرائے گا جس کا نام "بخت نصر" ہوگا اور خدا نے ہمیں بیت المقدس کی بربادی کا وقت بھی بتا دیا۔ جب کہ ہمارا نظریہ یہ ہے کہ اللہ اپنی باتوں میں ردوبدل کرتا رہتا ہے۔ ایک بات کو مٹا کر اس جگہ دوسری بات لے آتا ہے اسی لیے جب ہمارے بزرگوں نے انبیاء کی زبان سے یہ بات سنی تو انھوں نے کچھ تنومند افراد منتخب کیے اور ان کے ساتھ کچھ فاضل افراد کو شامل کیا اور ان میں اس وقت کا ایک نبی بھی تھا جس کا نام دانیال تھا۔ ہمارے بزرگوں نے ان کو ہدایت کی کہ وہ بابل جائیں اور وہاں بخت نصر نامی لڑکے کو تلاش کریں اور جب وہ اسے پالیں تو اسے قتل کر دیں۔

چنانچہ ہماری قوم کے کچھ تنومند افراد حضرت دانیال کی معیت میں بابل گئے تھے۔ انھوں نے وہاں بخت نصر کو تلاش کی تو آخرکار وہ انھیں مل گیا۔ اس وقت وہ ایک نحیف و نزار لڑکا تھا جو کہ اپنی حفاظت نہیں کر سکتا تھا۔ دانیال نے اسے پکڑ کر ہلاک کرنا چاہا تو اس وقت جبریلؑ نے آ کر ان سے کہا تھا

"اگر تمھارے خدا نے تمھارے شہر کو اس لڑکے سے تباہ کرانے کا ارادہ کر لیا ہے تو اس کا ارادہ ہر قیمت پر پورا ہو کر رہے گا۔ تم اسے قتل نہیں کر سکو گے' اور اگر اللہ کا یہ ارادہ نہیں ہے تو ایک بے گناہ لڑکے کا خون آپ اپنی گردن پر کیوں لیتے ہیں؟"

دانیال نے جبریلؑ کی بات مان لی تھی اور اپنے ساتھیوں کو لے کر واپس آ گیا اور اس نے وطن واپس آ کر لوگوں کو جبریلؑ کی گفتگو سنائی تھی۔

چند دن گزرے کہ بخت نصر جوان ہو گیا اور تخت بابل پر قابض ہو گیا۔ پھر اس نے ہمارے ملک پر حملہ کر دیا تھا اور ہمارے شہر بیت المقدس کی اینٹ سے اینٹ بجا دی تھی۔ چنانچہ اس سخت دشمنی کی وجہ سے ہم جبریلؑ کو اپنا بدخواہ سمجھتے ہیں اور میکائیل بھی جبریلؑ کا دشمن ہے"۔

حضرت سلمان فارسی نے کہا: تم نے اپنی عقل کو غلط راستے پر ڈالا ہے۔ تمھارے آباء و اجداد بھی بے وقوف تھے جب وہ سن چکے تھے کہ اللہ بیت المقدس کو بخت نصر کے ہاتھوں سے تباہ کرانا چاہتا ہے تو انھوں نے اس کے قتل کی ترکیب کیوں سا کی تھی۔ اس ذریعہ سے وہ خدا اور اس کے انبیاء کی تکذیب کر رہے تھے اور ان کا خیال تھا کہ وہ اپنی تدبیر سے اللہ کی تقدیر پر غالب آ جائیں گے۔ اگر انھوں نے ایسا کیا تھا تو انھوں نے کفر کا ارتکاب کیا تھا اور پھر تمھاری حماقت کی انتہا یہ ہے کہ تم نے جبریل کو اس لیے اپنا دشمن بنا لیا ہے کہ اس نے دانیال کو بخت نصر کے قتل سے روکا تھا۔

ابن صوریا نے کہا: نہیں، بات یہ ہے کہ اگر چہ اللہ انبیاء کی زبانی اس کا اعلان کرا چکا تھا مگر اللہ قادر ہے اور وہ اپنے پرانے ارادوں کی جگہ پر نئے ارادے بھی لایا کرتا ہے۔ اس کے پاس ''محو واثبات'' کے اختیارات ہیں۔

حضرت سلمان نے کہا: تم نے تو ''محو واثبات'' کو سمجھا ہی نہیں۔ اور تم نے ''محو واثبات'' کا جو مفہوم بیان کیا ہے پھر تو تمھیں پوری تورات کا ہی انکار کرنا چاہیے کیونکہ تمھارے بیان کردہ مفہوم کے تحت اس بات کا امکان ہے کہ عین ممکن ہے کہ اللہ نے موسیٰؑ و ہارونؑ کو عہدہ نبوت سے معزول کر دیا ہو اور ان کے دعویٰ کو باطل کر دیا ہو کیونکہ خدا کے پاس محو واثبات کی قدرت موجود ہے اور اس مفروضہ کے تحت تو یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ خدا نے تمھیں جس جس واقعہ کے پیش آنے کی خبر دی ہے وہ واقعہ سرے سے ظہور پذیر ہی نہ ہو اور جس کے متعلق اس نے کہا ہو کہ ایسا نہیں ہوگا تو وہ بھی واقع ہو جائے۔ اس مفروضہ کے تحت یہ بھی کہا جا سکتا ہے کہ اللہ نے کسی عمل پر ثواب کا وعدہ کیا ہو تو اس نے اپنے ارادے کو بدل دیا ہو اور ثواب کی بجائے اس عمل پر عذاب بھی دے سکتا ہے۔

اصل بات یہ ہے کہ تمھیں خدا کے ''محو واثبات'' کے اختیارات کا مفہوم ہی معلوم نہیں ہے اسی لیے تم خدا کا انکار کرتے ہو اور خدا کی پیشین گوئیوں کے منکر بن چکے ہو۔ اور خدا کے دین سے منحرف ہو گئے ہو۔ جب کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ جبریلؑ کا دشمن میکائیلؑ کا بھی دشمن ہے کیونکہ جبریل و میکائیل دونوں دشمنانِ خدا کے دشمن ہیں اور جو ان سے دشمنی رکھے وہ اس سے دشمنی رکھتے ہیں اور جو ان سے صلح رکھے وہ اس سے صلح رکھتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے سلمان فارسی کے کلام کو قرآن مجید کی آیت کی شکل میں نازل کیا جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ ''آپ کہہ دیں کہ اگر کوئی جبریلؑ کا دشمن ہے، تو ہوتا رہے'' کیونکہ اس نے ہمیشہ دشمنانِ خدا کے خلاف دوستانِ خدا کی مدد کی ہے اور وہ علیؑ کے فضائل لے کر آیا ہے''۔ اگر اس بنا پر یہود و نواصب جبریلؑ سے دشمنی رکھتے ہیں تو رکھتے رہیں۔ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ بے شک وہ اسے یعنی قرآن کریم کو لے آیا ہے۔ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ وہ قرآن کو اللہ کے حکم سے آپ کے دل پر لے آیا ہے۔ مُصَدِّقًا لِّمَا بَيْنَ يَدَيْهِ وَهُدًى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ۝ ''قرآن سابقہ کتابوں کی تصدیق کرتا ہے اور قرآن سراپا ہدایت اور مومنین کے لیے بشارت ہے''۔ کیونکہ محمد مصطفیٰؐ کی عظمت اور علیؑ اور ائمہ ہدیٰ کے فضائل کی خوش خبری سناتا ہے اور جو لوگ نبی اکرمؐ، علی مرتضیٰؑ اور ان کی نسل کے ائمہ پر ایمان رکھتے ہیں قرآن انھیں نجات کی بشارت دیتا ہے۔

حدیث طویل ہے، ہم نے اس میں سے بقدر ضرورت حصہ نقل کیا ہے۔

۲۹۱- کتاب علل الشرائع میں انس بن مالک کی زبانی نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک طویل حدیث مذکور ہے جس میں عبداللہ بن سلام کے سوال اور رسول اکرمؐ کے جواب نقل کیے گئے ہیں۔ عبداللہ بن سلام نے نبی اکرمؐ سے پوچھا: آپ کو یہ باتیں کون بتاتا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: مجھے یہ باتیں ابھی ابھی جبریلؑ نے بتائی ہیں۔

اس نے کہا: کیا آپ کو جبریل نے خبر دی ہے؟

آپؐ نے فرمایا: جی ہاں۔

اس نے کہا: وہ ملائکہ میں یہود کا دشمن ہے۔ اس وقت یہ آیت مجیدہ نازل ہوئی۔

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِيْلَ فَإِنَّهُ نَزَّلَهُ عَلٰى قَلْبِكَ بِإِذْنِ اللّٰهِ ـ

”کہہ دیں کہ جو بھی جبریل کا دشمن ہو تو اسے معلوم ہونا چاہیے کہ جبریلؑ نے آپ کے دل پر حکمِ خدا سے قرآن اتارا ہے“۔

وَلَقَدْ اَنْزَلْنَآ اِلَيْكَ اٰيٰتٍ بَيِّنٰتٍ ۚ وَمَا يَكْفُرُ بِهَآ اِلَّا الْفٰسِقُوْنَ ﴿۹۹﴾ اَوَ كُلَّمَا عٰهَدُوْا عَهْدًا نَّبَذَهٗ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ ۚ بَلْ اَكْثَرُهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ ○ وَلَمَّا جَآءَهُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ نَبَذَ فَرِيْقٌ مِّنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ ۙ كِتٰبَ اللّٰهِ وَرَآءَ ظُهُوْرِهِمْ كَاَنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾ وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمٰنَ ۚ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ۗ

وَمَآ اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ؕ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ؕ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ؕ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ؕ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِى الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ۛ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝ وَلَوْ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا وَاتَّقَوْا لَمَثُوْبَةٌ مِّنْ عِنْدِ اللّٰهِ خَيْرٌ ؕ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ۝

''ہم نے آپ کی جانب واضح نشانیاں بھیجی ہیں جن کا انکار فاسقین کے علاوہ کوئی نہیں کرے گا۔ ان لوگوں نے جب بھی کوئی عہد کیا تو ان کے ایک فریق نے اسے توڑ ڈالا بلکہ ان کی اکثریت ایمان نہیں رکھتی۔ اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے وہ رسول آیا جو ان کی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے تو اہلِ کتاب کی ایک جماعت نے کتابِ خدا کو پس پشت ڈال دیا جیسے وہ انھیں جانتے ہی نہ ہوں۔ اور انھوں نے ان باتوں کی پیروی کی ہے جسے شیاطین سلیمان کی سلطنت کے خلاف جپا کرتے تھے۔ حالانکہ سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا لیکن شیطان کافر لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے۔ یہ لوگ ان تعلیمات کی پیروی کرتے ہیں جو دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر بابل میں نازل ہوئی تھیں۔ ہاروت

وماروت اس کی تعلیم اس وقت تک نہیں دیتے تھے جب تک یہ کہہ نہ دیتے کہ ہم تمھاری آزمائش کا ذریعہ ہیں۔ خبردار کفر نہ کرنا۔ لوگ ان سے وہ چیز سیکھتے تھے جس سے شوہر اور بیوی کے درمیان جدائی ڈال دیتے تھے اور وہ حکمِ خدا کے سوا کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے۔ وہ ان سے اس چیز کی تعلیم حاصل کرتے جو ان کے لیے نقصان دہ ہوتی تھی اور ان کو فائدہ نہ دیتی تھی اور وہ اس بات کو جانتے تھے کہ جو بھی جادو کا کاروبار کرتا ہے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ انھوں نے اپنی جانوں کا بری قیمت کے بدلے میں سودا کیا۔ کاش وہ جان لیتے۔ اور اگر وہ ایمان لے آتے اور تقویٰ اختیار کرتے تو خدا کی طرف سے انھیں بہتر جزا ملتی۔ کاش وہ جان لیتے''۔

کتابِ خدا کو چھوڑنے کی شکلیں

۲۹۲- روضہ کافی میں سعد الخیر کے نام امام محمد تقی علیہ السلام کا ایک خط مرقوم ہے جس کا ایک اقتباس حسب ذیل ہے:

جن اُمتوں نے آج تک کتاب کو چھوڑا اللہ نے ان پر ان کے دشمنوں کو مسلط کر دیا۔ کتاب چھوڑنے کی ایک معروف شکل یہ رہی ہے کہ ان لوگوں نے کتاب کے حروف کو تو قائم رکھا اور اس کے احکام وحدود میں تبدیلی کر دی۔ وہ کتب کی روایت تو کرتے تھے لیکن کتاب کے احکام کی رعایت نہیں کرتے تھے۔ جاہل ان کے حفظِ کتاب کو دیکھ کر تعجب کرتے تھے۔ جب کہ علماء احکامِ کتاب کی رعایت نہ کرنے کو دیکھ کر غمگین ہوتے تھے اور کتاب الٰہی کے تارکین نے کتاب کی تعبیمات کا ان لوگوں کو وارث بنا دیا جو کہ جاہل تھے۔ چنانچہ جاہلوں نے ان اُمتوں کو خواہشات کے گڑھے میں دھکیل دیا اور انھیں ہلاکت کے گھاٹ پر پہنچا دیا اور انھوں نے دین کی رسی کو بدل ڈالا۔

پھر آپ نے لکھا:

اُمم سابقہ کا طور طریقہ تمھیں اس اُمت میں بھی دکھائی دے سکتا ہے۔ اس اُمت میں بھی وہ لوگ موجود ہیں جنھوں

نے حروفِ کتاب کو تو قائم رکھا اور اس کے احکام و حدود کو بدل ڈالا اور ایسے لوگ ہمیشہ اہلِ اقتدار اور متکبرین کے ساتھ دکھائی دیں گے۔ اور اگر اہلِ اقتدار میں تفریق پیدا ہو جائے تو یہ اس کے ساتھ دکھائی دیں گے جس کے ساتھ لوگوں کی اکثریت ہوگی اور یہی ان کا مبلغ علم ہے۔

یہ لوگ ہمیشہ طمع و لالچ میں زندگی بسر کرتے رہتے ہیں اور یہ ابلیسی زبان کی ترجمانی کرتے ہوئے بہت سا جھوٹ بیان کرنے میں مصروف رہتے ہیں۔ ابلیس کی آواز کو ان کی زبانوں سے بخوبی سنا جا سکتا ہے۔

ہاروت و ماروت کا واقعہ

۲۹۳- کتاب عیون الاخبار میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

یہودیوں نے ان باتوں کی پیروی کی جسے حضرت سلیمان کے خلاف جادوگر بیان کیا کرتے تھے اور جادوگر کہتے تھے کہ سلیمان بن داؤد بہت بڑے جادوگر تھے اور انھوں نے جادو کے بل بوتے پر اتنی بڑی حکومت قائم کی تھی۔ اور اگر ہم بھی وہی جادو اور منتر شروع کر دیں تو ہم بھی سلیمان کی طرح سے بادشاہت قائم کر سکتے ہیں۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے خیالِ بد کی یہ کہہ کر تردید فرمائی: وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ ''سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا''۔ کیونکہ جادو کفر ہے اور سلیمان مومن کامل تھے۔ سلیمان جادوگر تھے [illegible] تھے۔ وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ ''کافر شیطان لوگوں کو جادو کی تعلیم دیا کرتے تھے۔''

علاوہ ازیں اہل کتاب نے اس جادو کی پیروی کی وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ ''اور جو کہ بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر نازل کیا گیا''۔

حضرت نوح علیہ السلام کے بعد جادوگروں اور شعبدہ بازوں کا زور ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے نبی کے پاس دو فرشتے نازل کیے تھے جنھوں نے اس نبی کو جادوگروں کا جادو اور ان کا توڑ بتلایا۔ نبی نے وہ سب کچھ یاد کر لیا اور پھر لوگوں کو اس کی تعلیم دی تاکہ لوگوں کو جادو کا علم ہو سکے اور جادو کا توڑ بھی کرنے کے لائق ہو سکیں۔ نبی نے لوگوں کو جادو کرنے اور کسی کو نقصان پہنچانے سے سختی کے ساتھ منع کیا۔ اور اس کی مثال وہی ہے کہ زہر کا تریاق تلاش کرنے سے پہلے زہر کو سمجھنا ضروری ہے۔ اسی طرح سے جادو کے توڑ سے قبل جادو کو سمجھنا ضروری ہے۔

پھر اس نبی نے فرشتوں سے کہا کہ یوں بات نہیں بنتی تم انسانی شکل اختیار کرو اور لوگوں کو جادو اور اس کے توڑ کی

نعیم دو۔ چنانچہ ہاروت و ماروت دو فرشتے شہر بابل میں انسانی شکل میں آئے اور انھوں نے لوگوں کو جادو اور اس کے دفیعہ کی تعلیم دی۔ وَمَا يُعَلِّمٰنِ مِنْ اَحَدٍ حَتّٰى يَقُوْلَآ اِنَّمَا نَحْنُ فِتْنَةٌ فَلَا تَكْفُرْ ''وہ جس کو بھی تعلیم دیتے تو وہ اس سے کہتے تھے کہ ہم تمھارے لیے آزمائش ہیں لہٰذا کافر نہ بننا''۔ جادوگر نہ بننا اور لوگوں کو نقصان نہ پہنچانا۔ انھوں نے لوگوں کو بتایا کہ موت وحیات خدا کے قبضۂ اختیار میں ہے۔ خدا کے اختیارات میں کسی کو شریک کرنا کفر ہے۔ فَيَتَعَلَّمُوْنَ مِنْهُمَا مَا يُفَرِّقُوْنَ بِهٖ بَيْنَ الْمَرْءِ وَزَوْجِهٖ ''لوگ ان سے وہ چیز سیکھا کرتے تھے جس سے وہ میاں بیوی میں جدائی ڈالتے تھے''۔

اس دور کے لوگ ان فرشتوں سے ایسے تعویذ گنڈے حاصل کرتے تھے جن سے شوہر بیوی اور دوستوں کے درمیان جدائی ڈالتے تھے۔ وَمَا هُمْ بِضَآرِّيْنَ بِهٖ مِنْ اَحَدٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ''وہ کسی کو حکمِ خدا کے بغیر نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے''۔ کیونکہ اگر اللہ جبری طور پر ان کے اثرات کو ختم کرنا چاہتا تو ان میں تاثیر پیدا نہیں ہو سکتی تھی۔

وَيَتَعَلَّمُوْنَ مَا يَضُرُّهُمْ وَلَا يَنْفَعُهُمْ ''لوگ ان سے وہ چیز سیکھا کرتے تھے جو ان کو نقصان پہنچاتی تھیں اور انھیں فائدہ نہ دیتی تھیں''۔ جادوگروں کا جادو صرف دنیاوی طور پر ہی لوگوں کے لیے نقصان دہ نہیں ہوتا تھا بلکہ خود ان کی آخرت کے لیے بھی باعثِ نقصان تھا۔ وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ ''جادو سیکھنے والوں کو اس بات کا بخوبی علم ہے کہ وہ جنت سے محروم رہیں گے اور ان کا انجام انتہائی برا ہوگا''۔ وَلَبِئْسَ مَا شَرَوْا بِهٖٓ اَنْفُسَهُمْ ''انھوں نے اپنی جانوں کو بہت ہی بُری قیمت کے عوض فروخت کیا''۔ کیونکہ انھوں نے آخرت پر دنیا کو ترجیح دی اور اپنے آپ کو آخرت کے دائمی عذاب کے سپرد کر دیا۔ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ''اگر انھیں اس بات کا علم ہوتا''۔ جادو کے طلب گار ابھی تک اس حقیقت کو فراموش کیے ہوئے ہیں کہ وہ مستحقِ عذاب بن چکے ہیں۔ اسی لیے وہ حجِ الٰہی کا انکار کر رہے ہیں اور باطل عقیدہ کی پیروی میں مصروف ہیں اور حق سے منہ موڑ چکے ہیں۔

ہاروت و ماروت کے متعلّق ایک غلط مفروضہ کی تردید

یوسف بن محمد بن زیاد اور علی بن محمد بن سیار نے اپنے اپنے والد سے روایت کی۔ انھوں نے کہا کہ ہم نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے کہا کہ ہمارے قرب وجوار میں کچھ لوگ رہتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ جب بنی آدم نے کثرت سے خدا کی نافرمانی کی تو اس وقت بزمِ ملائکہ میں سے ہاروت و ماروت نے خدا سے کہا کہ یہ لوگ دن رات تیری نافرمانی کر رہے ہیں پھر بھی تو ان پر اپنا عذاب نازل نہیں کرتا!!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ میں نے ان میں خواہشات رکھی ہیں اسی لیے وہ میری نافرمانی کرتے ہیں اور اگر میں یہ خواہشات تمھارے اندر رکھ دوں تو تم بھی گناہوں سے محفوظ نہیں رہو گے۔

ہاروت و ماروت نے کہا: خدایا! اگر تو ہمیں شکل انسانی دے کر اور انسانی خواہشات دے کر بھی دنیا میں بھیج دے پھر بھی ہم تیری نافرمانی نہیں کریں گے۔

چنانچہ اللہ نے ان دونوں کو آزمائش کی خاطر انسانی خواہشات اور انسانی شکل وصورت دے کر شہر بابل میں جادو اور اس کے دفعیہ کی تعلیم کے لیے بھیجا اور جب وہ زمین پر آئے تو وہ زہرہ نامی عورت پر فریفتہ ہوگئے اور اس کی ترغیب پر انھوں نے شراب پی اور ایک شخص کو ناحق قتل کیا۔ جب انھوں نے اس سے زنا کا ارادہ کیا تو اس نے کہا: میں تمھاری جنسی خواہش ضروری پوری کروں گی لیکن اس سے پہلے تم مجھے وہ کلام تعلیم کرو گے جس کی وجہ سے تم آسمان تک پرواز کرتے ہو۔ چنانچہ جنسی ہوس کے جذبہ سے مجبور ہو کر انھوں نے اسے وہ کلام بھی سکھایا اور جب وہ عورت کلام سیکھ چکی تو اس نے کلام پڑھا اور آسمان کی طرف پرواز کر گئی اور یہ حیران ہو کر اسے دیکھتے ہی رہ گئے۔ خدا نے اس عورت کو ''زہرہ'' ستارہ بنا دیا جو ہمیں روزانہ دکھائی دیتا ہے۔ پھر اللہ نے فرشتوں سے کہا کہ میں نہ تم سے کہتا تھا کہ بنی آدم اپنی خواہشات کے ہاتھوں مجبور ہو کر میری نافرمانی کرتے ہیں۔ لیکن تم تو فرشتے تھے تم نے میری نافرمانی کیوں کی؟ اب اگر چاہو تو اس دنیا میں سزا حاصل کرو اور اگر چاہو تو آخرت کا عذاب اختیار کرلو۔

فرشتوں نے دنیا کا عذاب اختیار کیا۔ خدا نے انھیں بابل کے ایک کنوئیں میں اوندھا لٹکا دیا اور وہ قیامت تک اس کنوئیں میں اوندھے لٹکتے رہیں گے اور جادوگر انھی سے جادو سیکھتے رہتے ہیں''۔

جب امام حسن عسکری علیہ السلام نے یہ سنا تو آپؑ نے فرمایا:

خدا کی پناہ! فرشتے معصوم ہیں اور وہ ہر طرح کے کفر اور غلط کاریوں سے محفوظ ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا: لَا یَعْصُوْنَ اللّٰهَ مَاۤ اَمَرَهُمْ وَیَفْعَلُوْنَ مَا یُؤْمَرُوْنَ (تحریم:۶) ''وہ اللہ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے اور وہ وہی کرتے ہیں جس کا انھیں حکم دیا جاتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَهٗ مَنْ فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَمَنْ عِنْدَهٗ لَا یَسْتَكْبِرُوْنَ عَنْ عِبَادَتِهٖ ''اور آسمانوں اور زمین میں رہنے والے سب اسی کے ہیں اور جو اس کے پاس (ملائکہ) ہیں وہ اس کی عبادت سے نہ تو تکبر کرتے ہیں اور نہ ہی اُکتاتے ہیں''۔ یُسَبِّحُوْنَ الَّیْلَ وَالنَّهَارَ لَا یَفْتُرُوْنَ (انبیاء: ۱۹-۲۰) ''وہ دن رات خدا کی تسبیح

کرتے ہیں اور تھکاوٹ محسوس نہیں کرتے''۔

اللہ تعالیٰ نے صنفِ ملائکہ کے لیے فرمایا:

بَلْ عِبَادٌ مُّكْرَمُوْنَ لَا يَسْبِقُوْنَهٗ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِاَمْرِهٖ يَعْمَلُوْنَ ○ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُوْنَ اِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى وَهُمْ مِّنْ خَشْيَتِهٖ مُشْفِقُوْنَ ○ (انبیاء: ۲۷-۲۸) ''بلکہ وہ خدا کے محترم بندے ہیں وہ خدا کی کسی بات پر سبقت نہیں کرتے اور وہ اس کے فرمان پر عمل کرتے ہیں۔ خدا جانتا ہے جو کچھ ان کے آگے اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اور وہ صرف اسی کی شفاعت کریں گے جس پر خدا راضی ہوگا اور وہ اس کے خوف سے خوفزدہ رہتے ہیں۔

پھر امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا انبیاء اور ائمہ سے غلطیاں ہوتی ہیں اور کیا انبیاء و ائمہ سے زنا اور قتل ناحق جیسے افعال صادر ہوتے ہیں؟

اللہ تعالیٰ اپنی زمین کو نبی یا امام کے وجود سے خالی نہیں رکھتا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے

وَمَا اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ اِلَّا رِجَالًا نُّوْحِيْ اِلَيْهِمْ مِّنْ اَهْلِ الْقُرٰى (یوسف ۱۰۹)

''اور ہم نے آپ سے پہلے اہل قریٰ میں جو بھی رسول بھیجے وہ سب مرد تھے''۔

اس آیت سے اللہ نے یہ بتایا ہے کہ ملائکہ کو زمین پر حاکم اور امام بنا کر نہیں بھیجا گیا بلکہ ملائکہ خدا کے پیغام رساں بن کر انبیاء کے پاس آتے تھے۔ جب نبی غلط کاری نہیں کر سکتا تو جو نبی کے پاس خدا کا پیغام لاتے ہیں وہ بدکاری کا ارتکاب کیسے کر سکتے ہیں؟

ہم نے عرض کیا پھر تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ ابلیس بھی فرشتہ نہیں تھا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ہرگز نہیں! وہ فرشتہ نہیں تھا اس کا تعلق قومِ جنات سے تھا۔ کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا وَاِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ (کہف: ۵۰) ''اور جب ہم نے ملائکہ سے کہا کہ تم آدم کو سجدہ کرو ابلیس کے سوا سب نے سجدہ کیا اس کا تعلق جنات سے تھا''۔

اور جنات کی صنف ملائکہ سے علیحدہ ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالْجَآنَّ خَلَقْنٰهُ مِنْ قَبْلُ مِنْ نَّارِ السَّمُوْمِ (الحجر: ۲۷) ''اس سے قبل ہم نے جنات کو زہریلی آگ سے پیدا کیا''۔

عصمتِ ملائکہ

۲۹۴- راوی بیان کرتے ہیں کہ امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے فرمایا کہ حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ نے ہم آلِ محمدؐ کو چُنا اور اس نے انبیاء اور ملائکہ مقربین کا انتخاب کیا اور اس نے انھیں اس لیے منتخب کیا کہ خدا جانتا تھا کہ وہ کوئی ایسا کام نہیں کریں گے جس کی وجہ سے وہ خدا کی سرپرستی سے باہر نکل جائیں۔ ملائکہ کو خدا کی طرف سے عصمت عطا ہوئی ہے اور وہ عذاب اور غضب کے مستحقین پر عذاب نازل کرتے ہیں''۔

جب امام حسن عسکریؑ نے رسولؐ خدا کا یہ فرمان سنایا تو ہم (راویان) نے عرض کیا: ہم تک تو یہ روایت پہنچی ہے کہ جب رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان کیا تو اللہ نے حضرت علیؑ کی ولایت کو ملائکہ کی ہر ایک جماعت کے سامنے پیش کیا۔ کچھ ملائکہ نے ولایت علیؑ قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ اللہ نے انھیں مسخ کر کے مینڈک بنا دیا تھا۔

یہ سن کر امام حسن عسکریؑ نے فرمایا:

خدا کی پناہ! جن لوگوں نے یہ روایت تخلیق کی ہے انھوں نے ہم پر بہتان تراشی کی ہے۔ جس طرح سے انبیائے کرام اہل زمین کے لیے پیغام رساں ہیں اسی طرح سے ملائکہ انبیاء کے لیے خدا کی طرف سے مقرر کردہ احکام کے لیے پیغام رساں ہیں۔ ملائکہ کا مقام بہت عظیم ہے اور ان کی شان بہت بلند ہے۔

۲۹۵- علی بن محمد بن دلہم کا بیان ہے کہ مامون الرشید نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا کہ فرزند رسولؐ! لوگ زہرہ نامی عورت کی داستان بیان کرتے ہیں کہ ہاروت و ماروت اس پر فریفتہ ہوئے تھے اور ''سہیل'' ستارے کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ وہ یمن میں ٹیکس وصول کرنے والا تھا۔ آپ کی اس کے متعلق کیا رائے ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

وہ لوگ جھوٹ بولتے ہیں جو یہ کہتے ہیں کہ وہ مسخ ہو کر آسمانی ستارے بن گئے۔ زہرہ اور سہیل صرف اجرام فلکی ہی نہیں بلکہ سمندر میں بھی دو جانور رہتے ہیں جن کے نام زہرہ اور سہیل ہیں۔ لوگوں کو مغالطہ ہوا ہے انھوں نے ان ناموں سے آسمانی اجسام مراد لیے ہیں۔

یہ بات ناممکن ہے کہ اللہ اپنے نافرمان افراد کو مسخ کر کے چمکدار نور کی شکل عطا کر دے اور پھر انھیں اس وقت تک

باقی رکھے جب تک زمین و آسمان قائم ہیں، جب کہ سنت الٰہی یہ ہے کہ اس نے کسی بھی مسخ شدہ چیز کو تین دن سے زیادہ زندہ نہیں رہنے دیا اور ان کی نسل جاری نہیں کی۔ آج روئے زمین پر کوئی بھی مسخ شدہ جانور موجود نہیں ہے۔ اور یہ جو بندر، خنزیر اور ریچھ وغیرہ دکھائی دیتے ہیں یہ پہلے سے ہی اسی شکل وصورت کے تھے البتہ کچھ گناہ گاروں کو ان کی شکل وصورت میں مسخ کیا گیا تھا۔ اور جہاں تک ہاروت و ماروت کا تعلق ہے تو وہ دونوں فرشتے تھے خدا کے حکم سے انھوں نے لوگوں کو جادو کی تعلیم دی تا کہ لوگ جادو کا توڑ کر سکیں اور وہ جس کسی کو بھی تعلیم دیتے تھے تو وہ تعلیم سے پہلے اس سے کہتے تھے کہ خبردار جادوگر بن کر کافر نہ ہو جانا۔ یہ علیحدہ بات ہے کہ لوگوں نے ان سے تعلیم حاصل کرنے کے بعد ان کی نصیحت پر عمل نہیں کیا تھا اور جادو کر کے میاں بیوی میں جدائی ڈالتے تھے اور وہ اللہ کے علم کے بغیر کسی کو نقصان نہیں پہنچا سکتے تھے۔

۲۹۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک طویل حدیث میں گناہانِ کبیرہ بیان کیے۔ اپنی اس حدیث میں آپ نے یہ بھی فرمایا: جادو گناہ کبیرہ ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَقَدْ عَلِمُوْا لَمَنِ اشْتَرٰىهُ مَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ خَلَاقٍ "انھیں معلوم ہے کہ جو بھی جادو کا کاروبار کرے اس کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے"۔

۲۹۷- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے امیر المومنین علیہ السلام سے روایت کی۔ آپؑ نے فرمایا:

بنی آدم میں سے تیرہ قسم کی چیزیں مسخ ہوئیں۔ ان مسخ ہونے والوں میں "زہرہ" بھی شامل ہے۔ وہ ایک عورت تھی جس پر ہاروت و ماروت فریفتہ ہوئے تھے۔ خدا نے اسے مسخ کر کے ستارہ بنا دیا تھا۔

۲۹۸- حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ میں نے حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مسخ شدہ جانوروں کے متعلق سوال کیا تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

تیرہ قسم کے جاندار مسخ شدہ ہیں ان میں زہرہ بھی شامل ہے۔ وہ ایک نصرانی عورت تھی اور وہ بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ کی بیوی تھی۔ ہاروت و ماروت اس پر فریفتہ ہو گئے تھے۔ اس کا اصلی نام "ناہید" تھا۔

۲۹۹- کتاب علل الشرائع میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

"زہرہ" ایک عورت تھی جس پر ہاروت و ماروت فریفتہ ہو گئے تھے اور خدا نے اسے مسخ کر دیا تھا۔

۳۰۰- امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کے ایک حصہ میں یہ کلمات موجود ہیں:

"زہرہ" ایک عورت تھی جسے "ناہید" کہا جاتا تھا اور یہ وہی عورت ہے جس کے متعلق لوگ کہتے ہیں کہ ہاروت و

ماروت اس پر فریفتہ ہو گئے تھے۔

۳۰۱- امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ "زہرہ" ایک عورت تھی جس پر ہاروت و ماروت فریفتہ ہو گئے تھے۔خدا نے اسے مسخ کر کے زہرہ ستارہ بنا دیا۔

حضرت سلیمان کے بعد جادو کا راج

۳۰۲- تفسیر علی بن ابراہیم میں ابوبصیر سے مروی ہے۔اس نے کہا کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

حضرت سلیمان بن داؤد نے جنات کو ایک شیش محل تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ایک دن وہ اپنے محل کی چھت پر اپنے عصا کا سہارا لے کر کھڑے تھے اور شیاطین و جنات کو کام کرتا ہوا دیکھ رہے تھے۔اچانک آپ نے دیکھا کہ ایک نوجوان اس چھت پر پہنچ گیا۔اسے دیکھ کر آپ گھبرا گئے اور اس سے فرمایا: تم کون ہو؟

آنے والے نے کہا کہ میں وہ ہوں جو رشوت قبول نہیں کرتا اور میں بادشاہوں سے نہیں ڈرتا۔ میں ملک الموت ہوں۔ چنانچہ اس نے اسی حالت میں حضرت سلیمان کی روح قبض کی۔ وفات کے بعد بھی ایک سال تک آپ اپنے عصا کے سہارے کھڑے رہے اور جنات بھی آپ کو کھڑا دیکھ کر کام میں مصروف رہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے ان کے عصا پر دیمک مسلط کی جب دیمک نے عصا کو چاٹا تو عصا ٹوٹ گیا اور حضرت سلیمانؑ گر پڑے۔آپ کے گرنے کے بعد جنات کو آپ کی موت کا علم ہوا۔اگر ان کے پاس غیب کا علم ہوتا تو وہ ایک سال تک رسوا کن عذاب میں مبتلا نہ رہتے۔عصا چاٹنے کی وجہ سے جن آج تک دیمک کے شکرگزار ہیں۔تمہیں جہاں بھی دیمک دکھائی دے گی تو اس کے پاس مٹی اور پانی ضرور نظر آئے گا جسے جن مہیا کرتے ہیں۔حضرت سلیمانؑ کی وفات کے بعد ابلیس نے جادو پر مشتمل ایک کتاب لکھی اور اس کی پشت پر اس نے یہ عبارت تحریر کی:

"یہ وہ علمی ذخیرہ ہے جسے آصف بن برخیا نے سلیمان بادشاہ کے لیے تحریر کیا ہے"۔

کتاب میں ابلیس نے لکھا جو فلاں مطلب حاصل کرنا چاہتا ہو وہ یہ منتر پڑھے اور جو فلاں حاجت کا خواہش مند ہو وہ یہ منتر پڑھے۔

پھر اس نے اپنی تالیف کردہ کتاب کو سلیمانؑ کے تخت کے نیچے چھپا دیا۔پھر اس نے حیلے بہانوں سے اسے ظاہر کر دیا۔جب کافروں نے اس مجموعہ کو دیکھا تو انھوں نے کہا سلیمان جادوگر تھے انھوں نے جادو کے زور پر ہم پر حکومت کی تھی۔

اہلِ ایمان نے کہا: سلیمان اللہ کے بندے اور اس کے نبی تھے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيَاطِيْنُ عَلٰى مُلْكِ سُلَيْمَانَ وَمَا كَفَرَ سُلَيْمَانُ وَلٰكِنَّ الشَّيَاطِيْنَ كَفَرُوْا يُعَلِّمُوْنَ النَّاسَ السِّحْرَ وَمَا اُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكَيْنِ بِبَابِلَ هَارُوْتَ وَمَارُوْتَ............الآية

"انھوں نے اس چیز کی پیروی کی جسے شیاطین سلیمان کی حکومت کے خلاف پڑھا کرتے تھے جب کہ سلیمان نے کفر نہیں کیا تھا۔ لیکن کافر شیاطین لوگوں کو جادو کی تعلیم دیتے تھے اور جو کچھ بابل میں دو فرشتوں ہاروت و ماروت پر اتارا گیا"

۳۰۲- محمد بن قیس کا بیان ہے کہ عطا نے امام محمد باقر علیہ السلام سے مکہ میں ہاروت و ماروت کے متعلق سوال کیا تو امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"آسمانی فرشتے انسانوں کے اعمال نقل کرنے کے لیے دن رات نازل ہوتے تھے اور وہ بنی آدم کے جرائم دیکھتے تھے اور بنی آدم کے جرائم دیکھ دیکھ کر وہ تنگ آ گئے اور انھوں نے خدا سے درخوست کی پروردگار! کیا تو بنی آدم کے غلط اعمال پر غضب ناک نہیں ہوتا؟ جب کہ وہ تجھ پر بہتان تراشی کر رہے ہیں اور تیرے سامنے جسارت کا مظاہرہ کر رہے ہیں اور وہ دن رات گناہوں میں مصروف رہتے ہیں جب کہ تو نے انھیں گناہوں سے منع کیا ہے اور وہ تیرے قبضۂ قدرت و اختیار میں ہیں اس کے باوجود تو بردباری سے کام لے رہا ہے"!

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے ارادہ کیا کہ وہ فرشتوں کو یہ بتائے کہ اگر وہ محفوظ ہیں تو خدا کی عطا کردہ عصمت کی وجہ سے محفوظ ہیں۔ چنانچہ اللہ نے فرشتوں کو وحی کی کہ تم اپنی بزم میں سے دو فرشتوں کا انتخاب کرو جنھیں تم منتخب کرو گے میں انھیں زمین پر انسانی طبیعت اور انسانی شکل وصورت دے کر بھیج دوں گا۔ پھر میں ان کا امتحان لوں گا اور دیکھوں گا کہ وہ میری کس قدر اطاعت کرتے ہیں۔

فرشتوں نے اتفاق رائے سے ہاروت و ماروت کا انتخاب کیا۔ کیونکہ یہ دونوں بنی آدم پر اعتراض کرنے میں پیش پیش رہا کرتے تھے۔ اللہ نے ان کی طرف وحی کی کہ تم دونوں زمین پر چلے جاؤ۔ میں نے تمھارے اندر کھانے پینے کی احتیاج اور جنسی خواہشات رکھ دی ہیں۔ میں نے تم میں وہ تمام خواہشات رکھ دی ہیں جو بنی آدم میں پائی جاتی ہیں۔ اور میں تمھیں ان خواہشات کے بعد آزما کر دیکھوں گا کہ تم میری کتنی اطاعت کرتے ہو۔ یاد رکھنا زمین پر جا کر کسی کو میرا

شریک نہ بنانا اور ناحق کسی کو قتل نہ کرنا اور زنا نہ کرنا اور شراب نہ پینا۔

پھر خدا نے انھیں زمین پر اتار دیا۔ وہ شہر بابل میں اترے اور ان کے لیے ایک بہترین محل مقرر کیا گیا۔ جب وہ اپنے محل کی جانب جا رہے تھے تو انھیں ایک خوبصورت عورت دکھائی دی جس نے خوب زیب و زینت کی ہوئی تھی اور اس نے عطر لگایا ہوا تھا۔

ہاروت و ماروت نے جب اسے دیکھا اور اس سے گفتگو کی تو ان کے دل میں اس عورت کی محبت گھر کر گئی۔ پھر انھوں نے اس سے جنسی تسکین کا سوال کیا۔ اس کے جواب میں اس عورت نے کہا کہ میرا ایک دین ہے جس پر میں عقیدہ رکھتی ہوں۔ میں تمھاری خواہش اس وقت تک پوری نہیں کر سکتی جب تک تم میرا دین اختیار نہ کرو۔

ہاروت و ماروت نے اس سے کہا کہ تیرا دین کیا ہے؟

اس عورت نے کہا: میرا ایک معبود ہے جس کی میں عبادت کرتی ہوں اور میں شربت وصال اسے پلاؤں گی جو میرے معبود کی عبادت کرے گا۔

ہاروت و ماروت نے کہا کہ تیرا معبود کون ہے؟ اس نے کہا یہ پتھر کا تراشا ہوا بت میرا معبود ہے۔

یہ سن کر فرشتوں نے ایک دوسرے کو گھور کر دیکھا اور دونوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ خدا نے تو ہمیں زنا اور شرک سے منع کیا تھا اور ہماری اس وقت حالت یہ ہو رہی ہے کہ ہم زنا کے شوق میں بت پرستی پر آمادہ ہوتے جا رہے ہیں جب کہ اس کا وصال شرک کے بغیر ممکن نہیں ہے۔ پھر انھوں نے آپس میں مشورہ کیا۔ اس وقت ان دونوں پر جنسی خواہش سوار تھی جس کی وجہ سے انھوں نے اس عورت سے کہا کہ ہم تیری ہر شرط ماننے پر آمادہ ہیں۔

عورت نے ان سے کہا: اگر یہ بات ہے تو پہلے تم دونوں شراب پیو اس کے ذریعے سے تمھیں میرے معبود کا تقرب حاصل ہوگا اور اس سے تم اپنا مقصد بہتر طریقے سے حاصل کر سکو گے۔

عورت کی یہ نئی فرمائش سن کر انھوں نے پھر آپس میں مشورہ کیا کہ یہ آخر کیا ہوتا جا رہا ہے۔ اللہ نے تو ہمیں زنا، شرک اور شراب نوشی سے منع کیا تھا مگر ہم ایک عورت کے دام میں پھنس کر خدا کی نافرمانی پر تلے جا رہے ہیں۔

مگر اس وقت وہ جنسی خواہش سے پوری طرح مغلوب ہو چکے تھے۔ انھوں نے اس عورت سے کہا: تیری وجہ سے ہماری بہت بڑی آزمائش ہو رہی ہے مگر ہم تیری محبت میں تیری ہر بات ماننے پر آمادہ ہیں۔

عورت نے کہا تو پھر آؤ یہ شراب پیو اور اس بت کی عبادت کرو اور اس کے سامنے سجدہ کرو۔

چنانچہ ان دونوں نے عورت کے کہنے پر شراب پی اور بت کے سامنے سجدہ کیا۔ پھر وہ عورت کے ساتھ بدکاری کے لیے جیسے ہی آمادہ ہوئے اس وقت ایک شخص ان کے مکان میں آیا۔ اس نے اس عورت کے ساتھ ناشائستہ حالت میں دیکھا تو یہ اس شخص کو دیکھ کر گھبرا گئے۔ اس شخص نے ان سے کہا تم دونوں بدکار شخص ہو ایک حسین وجمیل عورت کے ساتھ تم خلوت میں بری نیت سے بیٹھے ہوئے ہو۔ یہ کہہ کر وہ شخص باہر چلا گیا۔ اس وقت اس عورت نے ان سے کہا کہ مجھے اپنے رب کی قسم! اب تم مجھ سے وصال نہیں کر سکو گے کیونکہ یہ شخص ہمیں دیکھ کر گیا ہے اور اب یہ باہر جا کر لوگوں کو تمھارے متعلق سب کچھ بتا دے گا۔ اب نجات اسی میں ہے کہ تم اٹھ اور اس کو قتل کر ڈالو ورنہ یہ مجھے اور تمھیں رسوا کرے گا۔ اس کو جا کر قتل کر دو پھر مطمئن ہو کر اپنی جنسی ضرورت پوری کرو۔

عورت کی ترغیب پر وہ اٹھے اور انھوں نے اس شخص کو قتل کر دیا۔ قتل کرنے کے بعد وہ اس عورت کے پاس واپس آئے تو وہ عورت انھیں کہیں دکھائی نہ دی۔ اس وقت ان کی شرم گاہیں کھل گئیں اور ان کے پر جھڑ گئے اور ان سے قوت پرواز سلب ہو گئی۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو وحی فرمائی۔ میں نے تمھیں زمین پر اتارا تھا تو میں نے تمھیں چار قسم کی نافرمانیوں سے بچنے کا حکم دیا تھا لیکن تم نے میرا فرمان نہ مانا اور تم نے میرا حیا نہ کیا جب کہ اس سے پہلے تو تم دونوں اہل زمین پر اعتراض کرنے میں پیش پیش رہتے تھے۔ میں نے چند لمحات کے لیے تم سے اپنی عصمت کو ہٹایا تو تم نے میری نافرمانی کی حد کر دی۔ اب یہ تمھاری صوابدید پر منحصر ہے۔ اگر دنیا میں سزا پانا پسند کرو تو میں تمھیں دنیا میں سزا دوں گا اور گر آخرت کا عذاب پسند کرو تو میں تمھیں آخرت میں عذاب دوں گا۔

یہ فرمان الٰہی سن کر ایک نے دوسرے سے کہا: ہم فی الحال دنیا کی لذتیں کیوں نہ حاصل کریں۔ کم از کم دنیا کی رنگینیوں سے تو فائدہ اٹھا لیں۔ آخرت کو بھی دیکھ لیا جائے گا۔

دوسرے نے کہا: ہرگز نہیں! دنیا کی زندگی اور مہلت انتہائی قلیل ہے جب کہ آخرت کی کوئی انتہا نہیں ہے۔ ہمیں عذاب آخرت کی بجائے دنیا کا عذاب قبول کر لینا چاہیے۔ کیونکہ دنیا کے عذاب کی ایک حد ہے جب کہ آخرت کے عذاب کی کوئی حد نہیں ہے۔

چنانچہ دونوں نے عذاب دنیا کو پسند کیا۔ یہ بابل میں لوگوں کو جادو سکھاتے تھے۔ اللہ نے انھیں زمین سے ہوا میں اٹھا لیا۔ وہ قیامت کے دن تک ہوا میں اُلٹے لٹکے رہیں گے اور ان پر خدا کا عذاب ہوتا رہے گا۔

۳۰۴۔ روضہ کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا: وَاتَّبَعُوْا مَا تَتْلُوا الشَّيٰطِيْنُ

کا مقصد ہے کہ ان لوگوں نے اس چیز کی پیروی کی جسے شیاطین پڑھا کرتے تھے یعنی شیاطین اپنی سرپرستی کے لیے جو کچھ پڑھا کرتے تھے۔

۳۰۴- احتجاج طبرسی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے، اس حدیث کا ایک حصہ یہ ہے:

ایک سائل نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ شیاطین نے جادو کہاں سے سیکھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جہاں سے اطباء نے طب کو سیکھا۔ طب کا کچھ حصہ تجربہ کچھ حصہ علاج پر مشتمل ہوتا ہے۔

سائل نے کہا: آپؑ ہاروت و ماروت دو فرشتوں کے متعلق کیا کہیں گے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ تو لوگوں کی آزمائش کے لیے آئے تھے۔ وہ تو لوگوں کو بتاتے تھے کہ اگر انسان ایسا کرے تو اس کا نتیجہ یہ ہوگا اور اگر اس کا علاج فلاں طریقہ سے کیا جائے تو اس کا نتیجہ یہ برآمد ہوگا۔ جادو کی بھی کئی اقسام ہیں۔ لوگ آکر ان سے جادو سیکھتے تھے وہ ہر سیکھنے والے سے یہ کہتے تھے کہ ہم تمہاری آزمائش کے لیے آئے ہیں۔ ہم سے ایسی چیزیں حاصل نہ کرو جو تمہارے لیے غیر مفید ہوں اور تمہارے لیے نقصان کا موجب ہوں۔

سائل نے کہا: کیا جادوگر اپنے جادو سے کسی انسان کو کتا یا گدھا وغیرہ بنا سکتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ اس سے کہیں عاجز ہے کہ وہ اللہ کی عطا کردہ شکل و صورت میں تبدیلی پیدا کرسکے۔ اور جو خدا کی دی ہوئی شکل و صورت میں تبدیلی کرسکتا ہو تو وہ خدا کا شریک بن جائے گا جب کہ خدا اس سے کہیں بلند و بالا ہے۔

۳۰۶- اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے ایک صحابی جمیل سے منقول ہے کہ "طیار" مجھ سے ہمیشہ کہتا تھا کہ شیطان نے اگر حضرت آدمؑ کا سجدہ نہیں کیا تھا تو اس میں اس کا کوئی قصور نہیں تھا کیونکہ سجدہ آدم کا حکم ملائکہ کو دیا گیا تھا جب کہ ابلیس کا تعلق صنفِ ملائکہ سے نہیں تھا۔ اسے تو سرے سے سجدہ آدم کا حکم ہی نہیں دیا گیا تھا۔[1]

چنانچہ ایک دن میں اور طیار امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اس نے اپنا سوال خوبصورت انداز میں پیش کیا اور کہا کہ مولاؑ! آپ یہ بتائیں کہ جو حکم "یا ایھا الذین امنوا" سے شروع ہوتا ہو کیا اس حکم کا اطلاق

[1] یہ سوال بے جان ہے اور اس کے جواب بھی تکلف پر مبنی ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ابلیس کی سرکشی کے بعد ابلیس سے فرمایا تھا مَا مَنَعَكَ اَلَّا تَسْجُدَ اِذْ اَمَرْتُكَ الاعراف ۱۲۔ "جب میں نے تجھے سجدہ کا حکم دیا تھا تو تجھے کس بات نے سجدہ سے منع کیا ہے؟"
اس آیت مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اسے خصوصی طور پر سجدہ کا حکم دیا گیا تھا اور اس سوال کے جواب میں ابلیس نے یہ نہیں کہا تھا کہ مجھے تو تو نے سرے سے حکم ہی نہیں دیا تھا۔ بھلا میں سجدہ کیسے کرتا۔ فافہم۔ من المترجم!

منافقین پر بھی ہوگا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

جی ہاں' اس حکم کا اطلاق تمام گمراہ افراد پر بھی ہوگا اور ہر اس شخص پر اس حکم کا اطلاق ہوگا جس نے اسلام کی دعوت کو ظاہری طور پر قبول کیا ہو۔

۳۰۷- یہ روایت روضہ کافی میں بھی انھی الفاظ سے مروی ہے۔ مذکورہ روایت اس سے قبل قصہ آدم کے ضمن میں بھی نقل کی جا چکی ہے۔

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ؕ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾ مَا يَوَدُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَلَا الْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يُّنَزَّلَ عَيْكُمْ مِّنْ خَيْرٍ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ﴿۱۰۵﴾ مَا نَنْسَخْ مِنْ اٰيَةٍ اَوْ نُنْسِهَا نَاْتِ بِخَيْرٍ مِّنْهَاۤ اَوْ مِثْلِهَا ؕ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۰۶﴾ اَلَمْ تَعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَمَا لَكُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۰۷﴾ اَمْ تُرِيْدُوْنَ اَنْ تَسْـَٔلُوْا رَسُوْلَكُمْ كَمَا سُئِلَ مُوْسٰى مِنْ قَبْلُ ؕ وَمَنْ يَّتَبَدَّلِ الْكُفْرَ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ ضَلَّ سَوَآءَ السَّبِيْلِ ﴿۱۰۸﴾ وَدَّ

كَثِيرٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَوْ يَرُدُّوْنَكُمْ مِّنْۢ بَعْدِ اِيْمَانِكُمْ
كُفَّارًا ۚۖ حَسَدًا مِّنْ عِنْدِ اَنْفُسِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ
الْحَقُّ ۚ فَاعْفُوْا وَاصْفَحُوْا حَتّٰى يَاْتِيَ اللّٰهُ بِاَمْرِهٖ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى
كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝ وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ ؕ وَمَا
تُقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ مِّنْ خَيْرٍ تَجِدُوْهُ عِنْدَ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا
تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ۝ وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ
هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ؕ تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ ؕ قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ
كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ بَلٰى ۚ مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ
فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ عِنْدَ رَبِّهٖ ۠ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ
يَحْزَنُوْنَ ۝ وَقَالَتِ الْيَهُوْدُ لَيْسَتِ النَّصٰرٰى عَلٰى شَيْءٍ ۠
وَّقَالَتِ النَّصٰرٰى لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۙ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ
الْكِتٰبَ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ مِثْلَ قَوْلِهِمْ ۚ فَاللّٰهُ
يَحْكُمُ بَيْنَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ فِيْمَا كَانُوْا فِيْهِ يَخْتَلِفُوْنَ ۝ وَمَنْ
اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسٰجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ

خَرَابِهَا ؕ اُولٰٓئِكَ مَا كَانَ لَهُمْ اَنْ يَّدْخُلُوْهَآ اِلَّا خَآئِفِيْنَ ؕ
لَهُمْ فِى الدُّنْيَا خِزْىٌ وَّلَهُمْ فِى الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ﴿۱۱۴﴾ وَلِلّٰهِ
الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ
وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۱۵﴾ وَقَالُوا اتَّخَذَ اللّٰهُ وَلَدًا ۙ سُبْحٰنَهٗ ؕ بَلْ لَّهٗ
مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ كُلٌّ لَّهٗ قٰنِتُوْنَ ﴿۱۱۶﴾ بَدِيْعُ
السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَاِذَا قَضٰٓى اَمْرًا فَاِنَّمَا يَقُوْلُ لَهٗ كُنْ
فَيَكُوْنُ ﴿۱۱۷﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ لَا يَعْلَمُوْنَ لَوْلَا يُكَلِّمُنَا اللّٰهُ اَوْ
تَاْتِيْنَآ اٰيَةٌ ؕ كَذٰلِكَ قَالَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ مِّثْلَ قَوْلِهِمْ ؕ
تَشَابَهَتْ قُلُوْبُهُمْ ؕ قَدْ بَيَّنَّا الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يُّوْقِنُوْنَ ﴿۱۱۸﴾ اِنَّآ
اَرْسَلْنٰكَ بِالْحَقِّ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ۙ وَّلَا تُسْئَلُ عَنْ اَصْحٰبِ
الْجَحِيْمِ ﴿۱۱۹﴾ وَلَنْ تَرْضٰى عَنْكَ الْيَهُوْدُ وَلَا النَّصٰرٰى حَتّٰى
تَتَّبِعَ مِلَّتَهُمْ ؕ قُلْ اِنَّ هُدَى اللّٰهِ هُوَ الْهُدٰى ؕ وَلَئِنِ
اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ بَعْدَ الَّذِىْ جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ مَا لَكَ مِنَ
اللّٰهِ مِنْ وَّلِىٍّ وَّلَا نَصِيْرٍ ﴿۱۲۰﴾ اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ

حَقَّ تِلَاوَتِهٖ ؕ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ؕ وَمَنْ يَّكْفُرْ بِهٖ فَاُولٰٓئِكَ
هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۱۲۱﴾ يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ
اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا
لَّا تَجْزِيْ نَفْسٌ عَنْ نَّفْسٍ شَيْـًٔا وَّلَا يُقْبَلُ مِنْهَا عَدْلٌ وَّلَا
تَنْفَعُهَا شَفَاعَةٌ وَّلَا هُمْ يُنْصَرُوْنَ ﴿۱۲۳﴾ وَاِذِ ابْتَلٰٓى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ
بِكَلِمٰتٍ فَاَتَمَّهُنَّ ؕ قَالَ اِنِّيْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ؕ قَالَ
وَمِنْ ذُرِّيَّتِيْ ؕ قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۲۴﴾ وَاِذْ جَعَلْنَا
الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ؕ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ
مُصَلًّى ؕ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ
لِلطَّآئِفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ﴿۱۲۵﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ
رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ
اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ قَالَ وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ
قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗٓ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۱۲۶﴾ وَاِذْ
يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ

مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ﴿۱۲۷﴾ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ
لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۠ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ
عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿۱۲۸﴾ رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيْهِمْ
رَسُوْلًا مِّنْهُمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ
وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيْهِمْ ؕ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۱۲۹﴾

''ایمان والو! ''راعنا'' (ہماری رعایت کرو) نہ کہا کرو۔ ''اُنظُرنَا'' کہا کرو اور غور سے سنا کرو۔ اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اہل کتاب کے کافر افراد اور مشرکین نہیں چاہتے کہ تمھارے رب کی طرف سے تم پر کوئی بھلائی نازل ہو۔ حالانکہ اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص کر لیتا ہے اور اللہ فضلِ عظیم کا مالک ہے۔ ہم جس بھی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا فراموش کرا دیتے ہیں تو اس سے بہتر یا اس جیسی آیت لے آتے ہیں۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ کیا تمھیں معلوم نہیں کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے اور اللہ کے سوا تمھارا کوئی سرپرست اور مددگار نہیں ہے۔ کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسولؐ سے ویسا ہی سوال کرو جیسا کہ اس سے قبل موسیٰؑ سے سوال کیا گیا تھا جس نے ایمان کا سودا کفر سے کیا تو وہ سیدھے راستے سے بھٹک گیا۔ بہت سے اہلِ کتاب یہ چاہتے ہیں کہ وہ تمھیں ایمان کے بعد کافر بنا لیں۔ انھیں تم سے حسد ہے ورنہ حق ان کے لیے واضح ہو چکا ہے۔ پس تم معاف کر دو اور درگزر کرو یہاں تک کہ اللہ اپنا فیصلہ بھیج دے۔ بے شک اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

اور تم نماز قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو اور جو بھی بھلائی تم آگے کے لیے روانہ کرو گے تو تم اسے خدا کے یہاں پالو گے۔ بے شک جو کچھ تم کر رہے ہو خدا اسے دیکھنے والا ہے۔ اور اہلِ کتاب نے کہا کہ یہودیوں اور نصرانیوں کے علاوہ کوئی ہرگز جنت میں داخل نہیں ہوگا۔ یہ صرف ان کی آرزوئیں ہی ہیں۔ آپ کہہ دیجیے اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔ کیوں نہیں جو شخص اپنا رخ خدا کے لیے جھکا دے اور وہ نیک عمل کرنے والا ہو تو اس کا اجر اس کے پروردگار کے پاس ہے۔ ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ ہی وہ گھبرائیں گے۔ اور یہودی کہتے ہیں کہ نصاریٰ کا مذہب کچھ نہیں ہے اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہودیوں کا مذہب کچھ بھی نہیں ہے حالانکہ وہ کتاب کی تلاوت کرتے ہیں۔ اسی طرح سے جاہل بھی ان جیسی باتیں کہا کرتے تھے۔ اللہ قیامت کے دن ان کے درمیان ان کے اختلافات کا فیصلہ کرے گا۔ اور اس سے بڑھ کر اور ظالم کون ہو سکتا ہے جو خدا کی مساجد میں اس کا نام لینے سے منع کرے اور مساجد کی ویرانی کی کوشش کرے۔ ایسے لوگ صرف خوف زدہ ہو کر ہی مساجد میں داخل ہوں۔ ان کے لیے دنیا میں رُسوائی ہے اور ان کے لیے آخرت میں عذابِ عظیم ہے۔ اور اللہ کے لیے مشرق و مغرب ہے تم جس جگہ بھی منہ کرو گے تو وہاں خدا موجود ہوگا۔ بے شک اللہ صاحبِ وسعت اور صاحبِ علم ہے۔ اور انھوں نے کہا کہ خدا نے ایک بیٹا بنایا ہے حالانکہ وہ اس سے پاک و پاکیزہ ہے بلکہ آسمان اور زمین کی تمام چیزیں خدا کی ملکیت ہیں۔ سب اسی کے فرمانبردار ہیں۔ وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے اور جب وہ کسی امر کا فیصلہ کر لیتا ہے تو وہ فقط "کُــنْ" کہتا ہے وہ چیز ہو جاتی ہے۔ اور جاہلوں نے کہا کہ خدا ہم سے کلام کیوں نہیں کرتا یا ہمارے پاس کوئی نشانی کیوں نہیں آجاتی۔ ان سے پہلے لوگوں نے بھی

ایسی ہی بات کہی تھی ان کے دل آپس میں ملتے جلتے ہیں۔ یقین کرنے والے لوگوں کے لیے ہم نے آیات کو واضح کر دیا ہے۔ بے شک ہم نے آپ کو حق کے ساتھ بشارت دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے۔ اہلِ دوزخ کے متعلق آپ سے نہیں پوچھا جائے گا۔ اور یہود ونصاریٰ کی ملت کی جب تک آپ پیروی اختیار نہ کریں اس وقت تک وہ آپ سے ہرگز راضی نہیں ہوں گے۔ آپ کہہ دیجیے کہ سچی ہدایت صرف اللہ کی ہدایت ہے اور اگر آپ نے علم آ جانے کے بعد ان کی خواہشات کی پیروی کی تو پھر خدا کی طرف سے آپ کا کوئی سرپرست اور مددگار نہیں ہوگا۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں اور وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں اور جو اس کا انکار کریں وہی خسارہ اٹھانے والے ہوں گے۔

اے بنی اسرائیل! میری اس نعمت کو یاد کرو جو میں نے تم پر کی ہے اور میں نے تمھیں تمام جہانوں پر فضیلت دی ہے۔ اور اس دن سے ڈرتے رہو جس دن کوئی کسی کا بدلہ نہ ہو سکے گا اور نہ ہی کوئی معاوضہ قبول کیا جائے گا اور نہ کوئی سفارش فائدہ دے گی اور نہ ہی ان کی مدد کی جائے گی۔ جب رب ابراہیم نے ابراہیم کو چند کلمات سے آزمایا اور اس نے وہ پورے کر دیئے۔ اللہ نے کہا کہ میں تجھے انسانوں کا امام بنا رہا ہوں۔ ابراہیم نے کہا کہ میری ذریت میں سے بھی امام بنانا۔ خدا نے کہا: میرا یہ عہد ظالموں تک نہیں پہنچے گا۔ اور جب ہم نے بیت اللہ کو جمع ہونے اور امن کا مقام بنایا اور تم مقامِ ابراہیم کو مصلّٰی بناؤ اور ہم نے ابراہیم واسماعیل سے عہد لیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاکیزہ بنائے رکھو۔

اور جب ابراہیم نے کہا: پروردگار! اس شہر کو امن بنا اور اس شہر کے رہنے والوں کو جو اللہ

اور آخرت پر ایمان رکھتے ہوں انھیں پھلوں کا رزق عطا فرما۔ خدا نے کہا اور جو کفر اختیار کرے میں اسے تھوڑا فائدہ پہنچاؤں گا پھر اسے دوزخ کے عذاب کی طرف دھکیل دوں گا جو بدترین انجام ہے۔ اور جب ابراہیم و اسماعیل خانہ کعبہ کی بنیادوں کو اٹھا رہے تھے۔ پروردگار ہماری محنت کو قبول فرما۔ بے شک تو سننے والا جاننے والا ہے۔
اے ہمارے پروردگار! ہم دونوں کو اپنا فرماں بردار بنا اور ہماری نسل میں ایک فرمانبردار اُمت قائم فرما اور ہمیں ہمارے مناسک دکھا دے اور ہم پر رجوع فرما' بے شک تو بہت توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔
پروردگار! ان میں ایک رسول مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیات کی تلاوت کرے اور انھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاکیزہ بنائے' بے شک تو غالب اور صاحبِ حکمت ہے"۔

ادبِ رسولؐ کا تقاضا

۳۰۸۔ تفسیر مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسولؐ خدا کے اصحاب جب آپ کو مخاطب کرتے تو وہ آپ کو "راعنا" کہہ کر مخاطب کیا کرتے تھے جس کے معنی ہیں آپ ہماری رعایت کریں۔ مدینہ کے یہودی گھریلو طور پر جو زبان بولا کرتے تھے اس میں لفظ "راعنا" ایک گالی تھی۔ چنانچہ انھوں نے بھی آپ کو "راعنا" کہہ کر مخاطب کرنا شروع کیا۔ اب صورت حال یہ بن گئی کہ جب آنحضرت کے اصحاب یہ جملہ کہتے تو ان کی نظر میں آپ کا ادب ہوتا تھا اور جب یہودی آپ کو اس لفظ سے مخاطب کرتے تو وہ دراصل آپ کو سب کر رہے ہوتے تھے۔ چنانچہ اس ذو معنی جملہ کو اللہ نے اہلِ ایمان کے لیے ممنوع کر دیا اور انھیں حکم دیا کہ وہ آنحضرتؐ کو "راعنا" کہہ کر مخاطب نہ کریں۔ اس کی بجائے "اُنظرنا" (ہماری طرف نظر کریں) کہہ کر مخاطب کریں۔ چنانچہ رب العزت کا فرمان ہے:

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۗ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

''ایمان والو ''راعنا'' نہ کہو اور ''اُنظرنا'' کہا کرو۔ اور فرمانِ خدا کو سنا کرو اور کافروں کے لیے دردناک عذاب ہے''۔

نبوت رحمت ہے

وَاللّٰہُ یَخۡتَصُّ بِرَحۡمَتِہٖ مَنۡ یَّشَآءُ ''اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے لیے مخصوص کر لیتا ہے''۔

۳۰۹- تفسیر مجمع البیان میں امیر المومنین اور امام محمد باقر علیہما السلام سے منقول ہے کہ اس آیت میں جس ''رحمت'' کا تذکرہ کیا گیا ہے اس سے مراد نبوت ہے۔ (اس لحاظ سے آیت کا مفہوم یہ ہے کہ خدا جسے چاہتا ہے اپنی رحمت یعنی نبوت کے لیے مخصوص کر دیتا ہے)۔

ناسخ و منسوخ

اللہ تعالیٰ نے اپنے کچھ احکام مصلحت وقت کے تحت منسوخ بھی کیے ہیں لیکن اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے باقاعدہ ہے کہ وہ جب بھی کسی آیت کو منسوخ کرتا ہے تو اس کی جگہ اس سے بہتر یا اس جیسی آیت نازل کرتا ہے۔

تاویلی طور پر آیت سے ہادی بھی مراد ہو سکتا ہے جیسا کہ ائمہ ہدیٰ کی کچھ احادیث میں اس مفہوم کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اور ائمہ نے بطور استشہاد اسی آیت کو پیش کیا ہے، جیسا کہ حسب ذیل روایات میں مذکور ہے۔

۳۱۰- اصولِ کافی میں شاہویہ بن عبداللہ الجلال سے منقول ہے۔ اس نے کہا: امام علی نقی علیہ السلام نے مجھے ایک خط تحریر کیا جس میں انھوں نے لکھا:

تو یہ پوچھنے کا خواہش مند ہے کہ میرے بعد میرا جانشین کون ہے اور تو اس وجہ سے پریشان ہے۔ تجھے غمگین نہیں ہونا چاہیے اللہ تعالیٰ ہدایت دینے کے بعد کسی قوم کو گمراہی میں نہیں ڈالتا۔ میرے بعد تمھارا امام میرا فرزند ابو محمد ہے اور اس کے پاس وہ سب کچھ ہے جس کی تمھیں ضرورت پڑ سکتی ہے۔ خدا جسے چاہتا ہے آگے لے آتا ہے اور جسے چاہتا ہے پیچھے کر دیتا ہے۔ مَا نَنۡسَخۡ مِنۡ اٰیَۃٍ اَوۡ نُنۡسِہَا نَاۡتِ بِخَیۡرٍ مِّنۡہَاۤ اَوۡ مِثۡلِہَا ''ہم جس بھی آیت کو منسوخ کرتے ہیں یا اسے فراموش کراتے ہیں تو اس سے بہتر آیت یا اس جیسی آیت اس کی جگہ پر لاتے ہیں''۔ میری اس تحریر میں وضاحت ہے اور بیدار عقل رکھنے والے کے لیے اس میں قناعت ہے۔

۳۱۱۔ تفسیر عیاشی میں اس آیت کے متعلق امام جعفر صادق سے ایک حدیث منقول ہے جس کا ما حصل یہ ہے کہ امام اللہ کی آیت ہوتا ہے اور نسخ آیات کے قانون کے تحت جب بھی خدا کسی امام کو وفات دیتا ہے یا اس کا ذکر فراموش کراتا ہے تو اس سے بہتر یا اس جیسا امام اس کی صلب سے پیدا کرتا ہے۔

یہود و نصاریٰ کی خوش فہمی

۳۱۲۔ احتجاج طبرسی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ اس حدیث کا یہ حصہ یہ بھی ہے کہ رسولؐ خدا نے اپنے اصحاب سے فرمایا کہ تم کہو ہم صرف تجھ واحد کی ہی عبادت کرتے ہیں ہم دہریوں کی طرح سے یہ نہیں کہتے کہ اشیاء ازل سے موجود تھیں اور ابد تک موجود رہیں گی اور ہم مجوسیوں کی طرح سے یہ عقیدہ بھی نہیں رکھتے کہ نور وظلمت مدبر کائنات ہیں اور ہم مشرکین عرب کی طرح سے بتوں کو اپنا معبود بھی نہیں مانتے۔ ہم کسی کو تیرا شریک نہیں بناتے اور تیرے علاوہ کسی معبود کو نہیں پکارتے جیسے کہ دوسرے کافروں کا وطیرہ ہے اور ہم یہود و نصاریٰ کی طرح سے تیرے کسی بیٹے کے بھی قائل نہیں ہیں۔ تو ان باتوں سے کہیں بلند و برتر ہے۔

اہل کتاب نے کہا تھا: وَقَالُوْا لَنْ يَّدْخُلَ الْجَنَّةَ اِلَّا مَنْ كَانَ هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۔ ''انھوں نے کہا کہ جنت میں بس وہ جائیں گے جو یہودی یا نصرانی ہوں گے''۔

ان کے علاوہ دوسرے کفار نے بھی بہت کچھ کہا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی تردید میں فرمایا:

تِلْكَ اَمَانِيُّهُمْ یہ صرف ان کی آرزوئیں ہی ہیں اور ان کے پاس اپنے دعویٰ کی کوئی علمی اور عقلی دلیل موجود نہیں ہے۔

قُلْ هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ''آپ کہہ دیں کہ اگر تم سچے ہو تو دلیل پیش کرو۔ اگر تمھارے پاس اپنے دعویٰ کی صداقت کی کوئی دلیل ہے تو اسے منظر عام پر لاؤ جب کہ ہمارا رسول محمد مصطفےؐ تو اپنے دعویٰ کے ثبوت میں دلائل پیش کر چکا ہے جنھیں تم سن چکے ہو۔

جنت اعمال کا بدلہ ہے

بَلٰى مَنْ اَسْلَمَ وَجْهَهٗ لِلّٰهِ وَهُوَ مُحْسِنٌ ''جی ہاں جو اپنے چہرے کو خدا کے لیے جھکا دے اور وہ نیکوکار بھی ہو''۔ جس طرح سے رسولؐ خدا کے مخلص صحابہ نے آنحضرتؐ کے دلائل وشواہد سن کر اپنا چہرہ خدا کے حضور جھکایا ہے''۔

اس کے ساتھ ایک شرط یہ بھی ہے کہ انسان نیکوکار بھی ہو۔ فَلَهٗۤ اَجْرُهٗ ''اس کے لیے اس کا اجر ہے جسے اللہ قیامت کے دن عطا کرے گا''۔ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ''ان پر نہ تو خوف ہوگا اور نہ ہی وہ گھبرائیں گے''۔ جب کفار عذاب آخرت کو دیکھ کر خوف محسوس کر رہے ہوں گے تو نیکوکار اشخاص کسی طرح کا خوف محسوس نہیں کریں گے اور موت کے وقت ان پر کوئی پریشانی طاری نہ ہوگی کیونکہ انھیں جنت کی بشارت مل چکی ہوگی۔

''جدال احسن'' جائز ہے

۳۱۳۔ احتجاج طبرسی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا ایک اقتباس یہ ہے: جدال احسن کو اللہ نے علماء کے لیے مخصوص کیا ہے جب کہ خدا نے ''جدال غیر احسن'' کو حرام قرار دیا ہے اور ہمارے شیعوں کے لیے اسے حرام قرار دیا ہے۔ مجموعی طور پر اللہ نے ''جدال'' (مباحثہ) کو حرام نہیں کیا۔ کیونکہ جب یہود و نصاریٰ نے یہ دعویٰ کیا تھا کہ یہود و نصاریٰ کے بغیر کوئی جنت میں نہیں جائے گا تو اس کے جواب میں اللہ نے فرمایا: یہ صرف ان کی آرزوئیں ہیں۔ پھر اللہ نے اپنے حبیب سے کہا هَاتُوْا بُرْهَانَكُمْ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ۝ ''اگر تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو''۔ اور اصول یہ ہے کہ دلیل و برہان کو ہمیشہ احسن مباحثہ میں ہی پیش کیا جاتا ہے۔

یومِ شوریٰ حضرت علیؑ کا احتجاج

۳۱۴۔ کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے حضرت عمر کی تشکیل کردہ مجلسِ شوریٰ کے ارکان سے فرمایا تھا:

''میں تمھیں خدا کا واسطہ دے کر تم سے پوچھتا ہوں کہ کیا تم میں سے کوئی ایسا بھی ہے جسے رسولؐ خدا نے میری طرح سے فرمایا ہو:

تیری ولایت کا عقیدہ رکھنے والے افراد جب قیامت کے دن اپنی قبروں سے نکلیں گے تو انھیں سفید رنگ کی اونٹنیوں پر سوار کرایا جائے گا۔ ان کی جوتیوں کے تسمے بھی چمک رہے ہوں گے۔ ان کے لیے قیامت کے مواقف آسان کردیئے جائیں گے اور ان سے آخرت کے شدائد دُور کردیئے جائیں گے۔ انھیں دوزخ سے امان دی جائے گی ان سے تمام غم ختم کردیئے جائیں گے۔ انھیں کشاں کشاں عرشِ رحمٰن کے سائے میں لے جایا جائے گا۔ حساب ختم ہونے تک انھیں

دستر خوان پر بٹھایا جائے گا جہاں وہ انواع واقسام کی نعمتیں کھاتے رہیں گے۔ اس دن لوگ خوفزدہ ہوں گے اور ان پر کوئی خوف نہیں ہوگا۔ لوگ غمگین ہوں گے اور ان پر کوئی غم نہیں ہوگا۔

حاضرین نے کہا: بے شک رسولؐ خدا نے یہ بات آپؑ سے ہی کہی تھی۔

مساجد سے منع کرنے والا بہت بڑا ظالم ہے

۳۱۵- مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا: جب قریش نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو مسجد الحرام اور دخولِ مکہ سے منع کیا تو ان کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ مَّنَعَ مَسَاجِدَ اللّٰهِ اَنْ يُّذْكَرَ فِيْهَا اسْمُهٗ وَسَعٰى فِيْ خَرَابِهَا -

''اور اس سے بڑھ کر اور ظالم کون ہوگا جو خدا کی مساجد میں اس کا نام لینے سے منع کرے اور مساجد کی ویرانی میں کوشاں ہو''۔

۳۱۶- حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت کی وعید میں ہر وہ شخص داخل ہے جو کسی بھی شخص کو زمین پر ذکرِ خدا سے منع کرے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے

جعلت لی الارض مسجدا وترابها طهورا

''میرے لیے تمام زمین کو مسجد اور اس کی خاک کو پاکیزگی کا ذریعہ بنایا گیا ہے''۔

خدا ہر طرف موجود ہے

۳۱۷- کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ یہودیوں نے حضرت علی علیہ السلام سے پورا ایک سو سوال کیے۔ ان سوالات میں سے ایک سوال یہ تھا کہ تمھارے رب کا چہرہ کہاں ہے؟

آپ نے ابن عباس سے فرمایا:

''ابن عباس! تم میرے پاس لکڑیاں اور آگ لے آؤ''۔

ابن عباس لکڑیاں اور آگ لے آئے۔ آپؑ نے آگ روشن کی۔ جب آگ اچھی طرح سے جلنے لگی تو آپؑ نے یہودیوں سے فرمایا:

تم بتاؤ اس آگ کا منہ کس طرف ہے؟

یہودیوں نے کہا: ہم اس کا منہ کسی ایک سمت میں مقرر نہیں کر سکتے اس کا تو ہر طرف منہ ہے۔

یہ سن کر حضرتؑ نے فرمایا: اسی طرح سے خدا کا رخ بھی ہر طرف ہے۔ اسے کسی خاص سمت میں محدود نہیں کیا جا سکتا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ -

''مشرق و مغرب اللہ کے لیے ہے تم جدھر بھی رخ کرو تو اسی طرف خدا کا چہرہ موجود ہے''۔

۳۱۸- کتاب الخصال میں بھی اسی مفہوم کی ایک روایت مذکور ہے۔

۳۱۹- کتاب علل الشرائع میں مذکور ہے کہ حلبی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص اپنی سواری کے جانور کی پشت پر بیٹھ کر آیت سجدہ پڑھے تو وہ سجدہ کیسے کرے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ اپنے جانور کی پشت پر ہی سجدہ کرے خواہ اس کا رخ کسی طرف بھی کیوں نہ ہو۔ رسول اکرمؐ مدینہ آتے وقت اپنی ناقہ پر بیٹھ کر نماز پڑھا کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ''تم جدھر بھی رخ کرو تو ادھر خدا کا چہرہ موجود ہے''۔

۳۲۰- من لا یحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ معاویہ بن عمار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص نے نماز پڑھی اور جب وہ نماز سے فارغ ہوا تو اسے معلوم ہوا کہ وہ قبلہ سے دائیں ہٹا ہوا تھا یا بائیں ہٹا ہوا تھا تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

آپ نے فرمایا: اس کی نماز صحیح ہے۔ مشرق و مغرب کے درمیان قبلہ ہی قبلہ ہے اور جو قبلہ کی سمت متعین کرنے سے قاصر رہے اس کے لیے اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے۔

وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ -

''اور اللہ کے لیے ہی مشرق و مغرب ہے۔ تم جدھر بھی رخ کرو گے ادھر خدا کا چہرہ موجود ہوگا''۔

کیا دو قبلے مقرر کرنے سے اللہ پر الزام آتا ہے؟

۳۲۱- امام حسن عسکری علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند حضرت علی علیہ السلام سے نقل کیا کہ کچھ یہودی تحویل قبلہ کے متعلق رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مباحثہ کرنے کے لیے آئے۔ انھوں نے کہا کہ آپ یہ بتائیں کہ آپ کل تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے تھے اور اب آپ نے خانہ کعبہ کی طرف رخ پھیر لیا ہے۔ جب آپ بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے تھے تو کیا اپنی طرف سے ایسا کرتے تھے یا خدا کے حکم کے تحت ایسا کرتے تھے اور اب جو آپ نے اپنا رخ وہاں سے پھیر لیا ہے تو یہ اپنی مرضی سے پھیرا ہے یا خدا کے حکم سے پھیرا ہے؟ اور اب اگر آپ یہ کہیں کہ یہ بیت المقدس کی طرف آپ نے جو رخ کیا تھا وہ حکمِ خدا کے تحت تھا اور اب آپ نے اگر خانہ کعبہ کی طرف رخ کیا ہے تو یہ بھی حکمِ خدا کے تحت ہے۔

اگر آپ کا جواب یہی ہے تو پھر بتائیں خدا نے آپ کو بیت المقدس کی طرف رخ کرنے کا حکم دے کر غلطی کی تھی کہ بعد میں اس نے اپنی غلطی کی تلافی کرتے ہوئے آپ کو کعبہ کی طرف پھیر دیا ہو؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

بندگانِ خدا! تم سردیوں میں اور کپڑے پہنتے ہو؟ اور گرمیوں میں اور کپڑے پہنتے ہو؟ کیا سردیوں میں موٹے کپڑے پہن کر غلطی کرتے ہو جس کی تلافی تم گرمیوں میں باریک کپڑے پہن کر کرتے ہو؟

انھوں نے کہا: ہرگز نہیں۔ موٹے کپڑے پہننے میں بھی مصلحت ہے اور گرمیوں میں باریک کپڑے پہننے میں بھی مصلحت ہے۔

رسولؐ خدا نے فرمایا: اسی طرح سے بیت المقدس کی طرف رخ کرنے میں بھی مصلحت تھی اور اللہ نے قبلہ تبدیل کر کے ہمیں خانہ کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا ہے تو اس میں بھی مصلحت ہے اور ہم نے خدا کے دونوں احکام پر عمل کر کے ثواب حاصل کیا ہے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: وَلِلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ "اور مشرق و مغرب اللہ کے لیے ہیں تم جدھر بھی رخ کرو گے تو ادھر اللہ کا چہرہ ہوگا"۔

حدیث طویل ہے ہم نے بقدر ضرورت اس کا ایک اقتباس نقل کیا ہے۔

ہادیانِ دین بھی مجازی طور پر ''وجہ اللہ'' ہیں

۳۲۲۔ احتجاج طبرسی میں امیر المومنین علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے:

سائل نے کہا: خدا کی حجتیں کون ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: وہ اللہ کا رسولؐ اور ان کے قائم کردہ اصفیاء ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ ''تم جدھر بھی رخ کرو گے ادھر خدا کا چہرہ موجود ہوگا''۔

۳۲۳۔ احتجاج طبرسی میں امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حجج خدا اللہ کا وہ چہرہ ہیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا: ''فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ''۔

۳۲۴۔ مناقب ابن شہر آشوب میں ابوالمضاء سے منقول ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا: فَاَيْنَمَا تُوَلُّوْا فَثَمَّ وَجْهُ اللّٰهِ میں ''وجہ اللہ'' نے حضرت علی علیہ السلام مراد ہیں۔

وضاحت: ہادیانِ دین کو ''وجہ اللہ'' کہنے کا مقصد یہ ہے کہ جس طرح سے کسی کی رضامندی اور ناراضگی کا علم اس کے چہرے سے ہوتا ہے اسی طرح سے ہادیانِ دین بھی اللہ کا چہرہ ہیں۔ مقصد یہ ہے کہ اگر کسی نے خدا کی رضا یا ناراضگی کو دیکھنا ہو تو وہ انھیں دیکھے۔ اگر یہ راضی ہوں تو خدا راضی ہے اور اگر یہ ناراض ہوں تو پھر خدا ناراض ہے۔

وجہ اللہ کا ایک اور مفہوم یہ ہے کہ کسی کی پہچان اس کے چہرے سے ہوتی ہے اور ہادیانِ دین خدا کی پہچان کا ذریعہ ہیں۔ اس لحاظ سے یہ ''وجہ اللہ'' ہیں۔ کیونکہ ہادیانِ دین نے ہی اللہ کی پہچان کرائی اور اگر ان کا وجود نہ ہوتا تو لوگوں کو خدا کی معرفت حاصل نہ ہوتی۔ (من المترجم عفی عنہ)

۳۲۵۔ مجمع البیان میں مرقوم ہے:

اس آیت کے متعلق ایک قول یہ بھی ہے کہ اس آیت کا تعلق سواری پر بیٹھ کر نوافل پڑھنے سے ہے۔ حالت سفر میں مسافر اپنی سواری پر بیٹھ کر نوافل پڑھ سکتا ہے خواہ سواری کا رخ کسی بھی سمت کی طرف ہو جب کہ فرائض کے لیے استقبال قبلہ ضروری ہے کیونکہ فرمان خداوندی ہے:

وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ، اس آیت کے تحت فرائض کے لیے روبقبلہ ہونا ضروری ہے اور ائمہ اہل بیتؑ سے بھی یہی بات مروی ہے۔

خدا کے ہاں کوئی اولاد نہیں ہے

۳۲۶- کتاب علل الشرائع میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''خدا نے جتنے بھی درخت بنائے انھیں ثمر دار بنایا اور ہر ایک کا پھل کھانے کے کام آتا تھا اور جب لوگوں نے اِتَّخَذَ اللّٰہُ وَلَدًا (خدا نے ایک بیٹا بنایا ہے) کہا تو اس کا آدھا پھل ضائع ہو گیا اور جب لوگوں نے خدا کے ساتھ اور معبود کی عبادت کی تو درختوں پر کانٹے اُگ آئے۔

اللہ نے کسی سابقہ مثال کے بغیر کائنات تخلیق کی

۳۲۷- اصول کافی میں حمران بن اعین سے منقول ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے بَدِیۡعُ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ (وہ آسمانوں اور زمین کا موجد ہے) کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے کسی سابقہ نمونے اور مثال کو سامنے رکھے بغیر تمام شیء کو پیدا کیا۔ اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا۔ زمین و آسمان کی تخلیق سے پہلے زمین و آسمان کا وجود نہیں تھا۔ کیا تو نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا:

وَکَانَ عَرۡشُہٗ عَلَی الۡمَآءِ (اور اس کی سلطنت پانی پر قائم تھی)

یہ حدیث کافی طویل ہے۔ ہم نے اس کا صرف ایک حصہ نقل کیا ہے۔

۳۲۸- نہج البلاغہ میں امیر المومنین علیہ السلام سے یہ الفاظ منقول ہیں۔

''اللہ جسے پیدا کرنا چاہتا ہے اسے ''کن'' (ہو جا) کہتا ہے جس سے وہ ہو جاتی ہے۔ بغیر کسی آواز کے جو کانوں (کے پردوں) سے ٹکرائے اور بغیر ایسی صدا کے جو سنی جا سکے۔ بلکہ اللہ سبحانہ کا کلام بس اس کا ایجاد کردہ فعل ہے اور اسی طرح کا کلام پہلے سے موجود نہیں ہو سکتا اور اگر وہ قدیم ہوتا تو دوسرا خدا ہوتا۔

نہج البلاغہ کے اسی خطبہ میں یہ الفاظ بھی ہیں:

''خدا بات کرتا ہے بغیر تلفظ کے وہ ہر چیز کو یاد رکھتا ہے بغیر یاد کرنے کی زحمت کے وہ ارادہ کرتا ہے بغیر قلب و ضمیر کے''۔

۳۳۰- کتاب احتجاج طبرسی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے:

''میں خدا کے کلام کو منہ کھول کر لفظ ادا کرنے سے تعبیر نہیں کرتا۔ خدا کا حکم اس کے ارادے کا دوسرا نام ہے جیسا کہ

فرمانِ الٰہی ہے: اِنَّمَآ اَمْرُهٗۤ اِذَاۤ اَرَادَ شَيْـًٔا اَنْ يَّقُوْلَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ ۔
اس کا امر تو بس یہی ہے کہ جب وہ کسی چیز کا ارادہ کرتا ہے تو اسے کہتا ہے: ''ہو جا'' وہ ہو جاتی ہے۔ خدا کو الفاظ ادا کرنے کی احتیاج نہیں ہے اس کی مشیت کو الفاظ کے تکرار کی ضرورت نہیں ہوتی۔

۳۳۱- کتاب الاہلیلجہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:
''ارادۂ فعل سے مراد اس کو منصۂ شہود پر لانا ہے۔ اس کے ''کُن'' کہنے میں کسی طرح کی تھکاوٹ اور کیفیت کو دخل نہیں ہوتا''۔

۳۳۲- کتاب عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کے چند کلمات یہ ہیں:
''اللہ کے ارادہ سے بس اس کا فعل مراد ہوتا ہے۔ اس کے علاوہ اور کچھ مراد نہیں ہوتا۔ وہ ''کُن'' کہتا ہے لیکن اس میں لفظ اور زبان سے تکلم شامل نہیں ہوتا اور اس میں سوچ بچار اور کیفیت شامل نہیں ہوتی۔ جس طرح سے خدا پر کیفیت طاری نہیں ہوتی اسی طرح سے اس کا کلام بھی کیفیت کی صفت سے خالی ہوتا ہے۔

۳۳۳- کتاب مذکور میں ہے کہ لفظ ''کُن'' اس کی طرف سے صفت ہے اور اسی لفظ سے بننے والی چیز مصنوع ہے۔

۳۳۴- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ نافع ''وَلَا تُسْئَلُ '' کو ''وَلَا تَسْئَلْ'' فعل نہی حاضر کی شکل میں پڑھا کرتا تھا اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہ الفاظ منقول ہیں۔

تلاوتِ کتاب کا حق

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَتْلُوْنَهٗ حَقَّ تِلَاوَتِهٖ اُولٰٓئِكَ يُؤْمِنُوْنَ بِهٖ ۔
''جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ اس کی تلاوت کا حق ادا کرتے ہیں اور وہ اس پر ایمان رکھتے ہیں''۔

۳۳۵- اصول کافی میں ابی ولاد کی زبانی منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: اس سے مراد ائمہ ہیں۔

۳۳۶- تفسیر مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ ''حق تلاوت'' کے مفہوم کے متعلق کئی اقوال مذکور ہیں۔ اس کا ایک مفہوم تو وہ ہے جو امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''حق تلاوت تب ادا ہوتا ہے جب تلاوت کرنے والا جنت و دوزخ کے ذکر پر رک جائے اور اللہ سے جنت کا سوال کرے اور دوزخ سے پناہ طلب کرے''۔

امامت ابراہیم علیہ السلام

۳۳۷- کتاب الخصال میں مفضل بن عمر سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:

وَاِذِ ابْتَلٰۤى اِبْرٰهٖمَ رَبُّهٗ بِكَلِمٰتٍ (جب ابراہیمؑ کے رب نے اسے چند کلمات سے آزمایا) میں ''کلمات'' سے کیا مراد ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس سے وہی کلمات مراد لیے گئے ہیں جو حضرت آدم کو تعلیم کیے گئے تھے جیسا کہ ارشاد الٰہی ہے:

فَتَلَقّٰۤى اٰدَمُ مِنْ رَّبِّهٖ كَلِمٰتٍ فَتَابَ عَلَيْهِ - آدم کو اس کے پروردگار کی طرف سے کچھ کلمات ملے جس کی وجہ سے اللہ نے اس کی توبہ قبول فرمائی اور وہ کلمات یہ تھے

يَا رَبِّ اَسْئَلُكَ بِحَقِّ مُحَمَّدٍ وَّعَلِيٍّ وَّفَاطِمَةَ وَالْحَسَنِ وَالْحُسَيْنِ اِلَّا تُبْتَ عَلَيَّ -

''بارالہا! میں تجھے محمدؐ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ کے حق کا واسطہ دے کر سوال کرتا ہوں کہ میری توبہ قبول فرما''۔

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کلمات کی برکت سے آدم کی توبہ قبول فرمائی کیونکہ وہ زیادہ توبہ قبول کرنے والا مہربان ہے۔

میں (راوی) نے عرض کیا: ''فَاَتَمَّهُنَّ'' (اس نے پورے کر دیئے) کا کیا مقصد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس نے قائم تک بارہ امام پورے کر دیئے جن میں سے نو کا تعلق نسلِ حسین سے ہے۔

۳۳۸- مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو خواب میں ان کے فرزند کے ذبح کا حکم دے کر آزمایا تو ابراہیم علیہ السلام نے خدا کے اس فرمان کو پورا کر دیا اور حکمِ الٰہی کی تعمیل پر کمر بستہ ہوئے اور انھوں نے اپنا خواب سچ کر دکھایا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں انعام دیتے ہوئے فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ''میں تجھے تمام لوگوں کا رہبر مقرر کرتا ہوں''۔

پھر اللہ نے ان پر حنیفیت کو نازل فرمایا اور حنیفیت کا تعلق انسان کے دس اجزا سے ہے جن میں سے پانچ کا تعلق سر سے ہے اور باقی پانچ کا تعلق بدن کے دوسرے اعضاء سے ہے جن کا تعلق سر سے ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ مونچھیں کتروانا ۲۔ داڑھی رکھنا ۳۔ بالوں میں کنگھی کرنا ۴۔ مسواک کرنا ۵۔ خلال کرنا۔

جن کا تعلق بدن کے دوسرے اعضاء سے ہے وہ یہ ہیں:

۱۔ جسم کے بال منڈوانا ۲۔ ختنہ کرنا ۳۔ ناخن کاٹنا ۴۔ غسل جنابت کرنا ۵۔ پانی سے طہارت کرنا۔

یہ وہ حنیفیت ہے جسے ابراہیم لائے تھے جو کہ نہ تو منسوخ ہوئی ہے اور نہ روزِ قیامت تک کبھی منسوخ ہوگی اور "وَاتَّبِعْ مِلَّةَ اِبْرٰهِيْمَ حَنِيْفًا" کی آیت میں اللہ نے اپنے حبیب کو انھی چیزوں کے اپنانے کا حکم دیا ہے۔

۳۳۹۔ عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے اوصاف امام کے متعلق ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے:

''اللہ تعالیٰ نے نبوت وخلّت کے عہدوں کے بعد حضرت ابراہیم علیہ اسلام کو امامت کے ساتھ مخصوص کیا۔ اللہ نے انھیں پہلے نبی بنایا پھر خلیل بنایا اور پھر انھیں تیسرا عہدہ امامت کا عطا کیا۔ امامت ایک فضیلت ہے جس سے اللہ نے ابراہیم کو شرف بنایا اور اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔

اِنِّیْ جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ''میں تجھے لوگوں کا امام مقرر کرتا ہوں''۔

حضرت خلیلؑ نے خوش ہو کر کہا تھا: وَمِنْ ذُرِّيَّتِیْ ''اور میری نسل میں سے بھی امام بنانا''۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا:

لَا يَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِيْنَ ''میرا عہدہ ظالموں کو نہیں ملے گا''۔

چنانچہ اس آیت مجیدہ نے ہمیشہ کے لیے ہر ظالم کی امامت کو باطل کر دیا اور امامت کو خدا کے چنے ہوئے لوگوں میں رکھ دیا۔

بت پرست کلمہ پڑھ کر مسلمان بن سکتا ہے لیکن امام نہیں بن سکتا

۳۴۰۔ اصولِ کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا: ابراہیم علیہ السلام پہلے نبی تھے

لیکن امام نہ تھے اور جب اللہ نے انھیں امام بنایا تو ان سے فرمایا:

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ''میں تجھے لوگوں کا امام مقرر کرتا ہوں''۔

انھوں نے امامت کے عہدہ کے لیے اپنی اولاد کی درخواست پیش کرتے ہوئے کہا: وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ''خدایا! میری نسل میں بھی امامت کا سلسلہ جاری رکھنا''۔

خدا نے فرمایا:

لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ''میرا عہدہ ظالموں کو نہیں ملے گا''۔

لہٰذا جس نے بھی زندگی میں کبھی بت پرستی کی ہوگی وہ امام نہیں بن سکے گا۔

۳۴۱- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

''اللہ تعالیٰ نے ابراہیم کو نبی بنانے سے قبل اپنا ''عبد'' بنایا اور رسول بنانے سے قبل انھیں اپنا نبی بنایا۔ اور خلیل بنانے سے قبل انھیں اپنا رسول بنایا اور امام بنانے سے قبل انھیں اپنا خلیل بنایا۔ چنانچہ جب وہ عبد، نبی، رسول اور خلیل کے چاروں عہدے حاصل کر چکے تو آخر میں اللہ نے انھیں امام بنایا اور ان سے فرمایا

اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا (میں تجھے لوگوں کا امام بنا رہا ہوں)۔ ابراہیم کو یہ منصب اتنا بھلا اور عظیم محسوس ہوا کہ انھوں نے اپنی اولاد کے لیے اس منصب کی درخواست کرتے ہوئے کہا وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ''خدایا! میری نسل میں بھی امام بنانا''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ''میرا عہدہ ظالموں کو نہیں ملے گا''۔

۳۴۲- کتاب احتجاج طبرسی میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

''جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لیے امامت کی درخواست کی تھی تو اللہ نے اس کے جواب میں فرمایا: لَا یَنَالُ عَهْدِی الظّٰلِمِیْنَ ''میرا عہدہ ظالموں کو نہیں ملے گا''۔ یہاں ظالموں سے مراد مشرکین ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اِنَّ الشِّرْکَ لَظُلْمٌ عَظِیْمٌ ''بے شک شرک بہت بڑا ظلم ہے''۔

جب ابراہیم علیہ السلام نے دیکھا کہ مشرک امامت کے لائق نہیں ہوتا تو انھوں نے فوراً یہ دعا مانگی:

رَبِّ اجْنُبْنِیْ وَبَنِیَّ اَنْ نَّعْبُدَ الْاَصْنَامَ ''پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے محفوظ رکھ''۔ کیونکہ انھوں نے جان لیا تھا کہ جس دامن پر بت پرستی کا دھبہ لگ جائے تو وہ شخص امامت کے قابل نہیں رہتا۔ (من المترجم)

۳۴۴۔ مجمع البیان میں ہے کہ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظّٰلِمِيْنَ کے متعلق مجاہد نے کہا:
''عہد'' سے مراد امامت ہے۔ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہم السلام سے بھی یہی مفہوم مروی ہے۔

عظمت بیت اللہ

وَاِذْ جَعَلْنَا الْبَيْتَ مَثَابَةً لِّلنَّاسِ وَاَمْنًا ۭ وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰھٖمَ مُصَلًّى ۭ وَعَهِدْنَآ اِلٰٓى اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ اَنْ طَهِّرَا بَيْتِىَ لِلطَّاۗىِٕفِيْنَ وَالْعٰكِفِيْنَ وَالرُّكَّعِ السُّجُوْدِ ۝

اور جب ہم نے بیت اللہ کو جمع ہونے کا مقام اور امن کا مقام بنایا اور تم مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ اور ہم نے ابراہیم واسماعیل سے عہد لیا کہ تم دونوں میرے گھر کو طواف اور اعتکاف کرنے والوں اور رکوع اور سجدہ کرنے والوں کے لیے پاکیزہ بنائے رکھو۔

۳۴۵۔ تہذیب الاحکام میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپ نے فرمایا:
''جب تم مسجد الحرام میں جاؤ تو اپنے دونوں ہاتھ بلند کرو اور قبلہ رو ہو کر یہ دعا پڑھو
اللھم انی اشھدک ان ھذا بیتک الحرام الذی جعلتہ مثابۃ للناس وامنا مبارکا وھدی للعالمین
''پروردگار! میں تجھے گواہ بنا کر گواہی دیتا ہوں کہ یہ تیرا محترم گھر ہے جسے تو نے لوگوں کے لیے اجتماع اور امن کا مقام بنایا ہے۔ اسے تو نے بابرکت بنایا ہے اور تمام جہانوں کے لیے ہدایت بنایا ہے''۔

۳۴۶۔ کتاب التوحید میں جابر جعفی سے روایت ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے اس سے فرمایا:
''جابر! اہل شام نے خدا پر کتنا بڑا بہتان تراشا ہے وہ گمان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بیت المقدس کی چٹان پر قدم رکھ کر آسمان کی طرف چڑھا تھا جب کہ خدا کے ایک بندے (ابراہیم علیہ السلام) نے ایک پتھر پر قدم رکھے تو خدا نے اس کے متعلق ہمیں حکم دیا کہ تم مقام ابراہیم کو مصلی بناؤ''۔
حدیث کافی طویل ہے۔ ہم نے بقدر ضرورت صرف ایک اقتباس نقل کیا ہے۔

۳۴۷۔ الکافی میں ابوالصباح الکنانی سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:

اگر کسی شخص کو طوافِ حج اور طوافِ عمرہ کے بعد مقامِ ابراہیم پر نماز پڑھنا یاد نہ رہے تو وہ کیا کرے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر وہ شخص مکہ میں موجود ہو تو اسے چاہیے کہ مقامِ ابراہیم پر آ کر نماز پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ''تم مقام ابراہیم کو مصلّٰی بناؤ''۔ اور اگر وہ شخص مکہ سے روانہ ہو چکا ہو تو میں اسے واپس آنے کا حکم نہیں دیتا۔

۳۴۸- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ اگر کوئی شخص طواف واجب کرے لیکن مقامِ ابراہیم پر دو رکعت نماز پڑھنا بھول جائے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ وہاں نماز ضرور پڑھے اگرچہ ایک عرصہ کے بعد بھی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ''تم مقام ابراہیمؑ کو اپنا مصلّٰی بناؤ''۔

۳۴۹- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: تین پتھر آسمان سے اتارے گئے: ۱- مقامِ ابراہیم ۲- حجر بنی اسرائیل ۳- حجر اسود۔

۳۵۰- تہذیب الاحکام میں ابی عبداللہ البزاری بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر کوئی شخص طواف واجب کرنے کے بعد بھول کر مقام ابراہیم کی بجائے ''حجر اسماعیل'' میں نماز پڑھے تو اس کی نماز کا کیا حکم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ اپنی نماز کا اعادہ کرے اور مقامِ ابراہیمؑ کے پیچھے نماز طواف ادا کرے۔

۳۵۱- ابو بصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا کہ اگر کسی شخص کو مقام ابراہیم پر دو رکعت نماز طواف پڑھنی یاد نہ رہے تو وہ کیا کرے؟ جب کہ اللہ تعالیٰ کا بھی فرمان ہے: وَ اتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ''تم مقام ابراہیمؑ کو اپنا مصلّٰی بناؤ''۔ اور وہ شخص مکہ سے بھی چلا جائے تو وہ کیا کرے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر وہ مکہ سے رخصت ہو چکا ہے تو میں اس پر سختی نہیں کرتا اور اسے ہر قیمت پر واپس آنے کا حکم نہیں دیتا۔ اس کے لیے بس یہی حکم ہے کہ جب اسے یاد آ جائے تو دو رکعت نماز طواف پڑھ لے۔

۳۵۲- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: طواف فریضہ کی دو رکعت نمازِ مقامِ ابراہیمؑ پر ہی پڑھنی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَاتَّخِذُوْا مِنْ مَّقَامِ اِبْرٰهٖمَ مُصَلًّى ''تم مقام ابراہیمؑ کو اپنا مصلّٰی بناؤ''۔ لہٰذا اگر تم نے مقامِ ابراہیم کے علاوہ کہیں اور نماز طواف ادا کی تو تم پر نماز کا اعادہ ضروری ہے۔

۳۵۳- علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ عبیداللہ بن علی حلبی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا جب عورتیں بیت اللہ میں آئیں تو کیا وہ بھی غسل کر کے آئیں؟

آپ نے فرمایا: جی ہاں' اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: اَنْ طَهِّرَا بَيْتِيَ لِلطَّآئِفِيْنَ وَ الْعٰكِفِيْنَ وَ الرُّكَّعِ السُّجُوْدِ "میرے گھر کو طواف کرنے والوں' اعتکاف کرنے والوں اور رکوع وسجدہ کرنے والوں کے لیے پاکیزہ بنائے رکھو"۔

۳۵۴- تفسیر علی بن ابراہیم میں طَهِّرَا بَيْتِيَ (تم دونوں میرے گھر کو پاکیزہ رکھو) کے تحت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"پاکیزہ رکھنے کا یہ مطلب ہے کہ تم میرے گھر سے مشرکین کو دُور رکھو"۔

امام صادق علیہ السلام فرماتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام نے بیت اللہ تعمیر کیا اور لوگوں نے حج کیا تو کعبہ نے خدا کے حضور مشرکین کے منہ سے برآمد ہونے والی بدبو کا شکوہ کیا۔ اللہ نے اسے وحی کی اور فرمایا:

"میرے کعبہ! ٹھہرے رہو۔ میں آخری زمانہ میں ایک قوم مبعوث کروں گا جو درختوں کی شاخوں کا مسواک کریں گے اور خلال کریں گے۔ (ان کے منہ سے بدبو نہیں ہوگی)

۳۵۵- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

"اللہ تعالیٰ ہر شب و روز میں بیت اللہ پر ایک سو بیس رحمتیں نازل کرتا ہے۔ جن میں سے ساٹھ رحمتیں طواف کرنے والوں کے لیے ہوتی ہیں۔ چالیس رحمتیں وہاں نماز پڑھنے والوں کے لیے ہوتی ہیں اور بیس رحمتیں کعبہ کو دیکھنے والوں کے لیے ہوتی ہیں۔

طائف کی وجہ تسمیہ

۳۵۶- کتاب علل الشرائع میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے: آپؑ نے علی بن مہزیار سے فرمایا:

"جانتے ہو طائف کو طائف کیوں کہا جاتا ہے؟"

اس نے کہا: مجھے معلوم نہیں ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ ابراہیم علیہ السلام نے خانہ کعبہ کے تعمیر کے وقت دعا کی تھی کہ خدایا! اہلِ مکہ کو ثمرات کا رزق عطا فرما۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا قبول فرمائی۔ اُردن سے زمین کا ایک ٹکڑا کاٹا۔ زمین کے اس ٹکڑے نے بیت اللہ کے گرد

طواف کے چکر لگائے پھر اللہ تعالیٰ نے اسے اس مقام پر رکھا جہاں اب طائف موجود ہے۔ طائف کو طائف اس لیے کہا گیا کہ اس زمین نے بیت اللہ کا طواف کیا تھا۔

۳۵۷- امام علی رضا علیہ السلام سے بھی طائف کی یہی وجہ تسمیہ منقول ہے۔

۳۵۸- تفسیر علی بن ابراہیم میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام تعمیر کعبہ سے فارغ ہوئے تو آپؑ نے یہ دعا مانگی تھی:

رَبِّ اجْعَلْ هٰذَا بَلَدًا اٰمِنًا وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ

''پروردگار! اس شہر کو امن کا شہر بنا اور یہاں کے رہنے والوں میں سے جو بھی اللہ اور روز آخرت پر ایمان رکھتا ہو اسے ثمرات کا رزق عطا فرما''۔

اس دعا میں ''ثمرات'' کا ایک مفہوم یہ بھی ہے کہ یہاں کے اہلِ ایمان افراد کو ثمرات قلوب عطا فرما۔ یعنی انھیں لوگوں کی محبت کا مرکز بنا تاکہ لوگ اس محبت کی وجہ سے ان کے پاس بار بار آتے رہیں۔

۳۵۹- تفسیر عیاشی میں امام علی بن الحسین علیہ السلام سے منقول ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی دعا میں کہا تھا: وَّارْزُقْ اَهْلَهٗ مِنَ الثَّمَرٰتِ مَنْ اٰمَنَ مِنْهُمْ بِاللّٰهِ اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا کے مصداق ہم اور ہمارے شیعہ ہیں۔

حضرت ابراہیم کی دعا کے جواب میں اللہ نے کہا تھا: وَمَنْ كَفَرَ فَاُمَتِّعُهٗ قَلِيْلًا ثُمَّ اَضْطَرُّهٗۤ اِلٰى عَذَابِ النَّارِ (اور جو کوئی انکار کرے تو میں اسے چند دن مہلت دوں گا پھر اسے دوزخ کے عذاب کی طرف کھینچ لوں گا)۔ آیت کے اس حصے میں ان لوگوں کا تذکرہ کیا گیا ہے جنہوں نے حضرت ابراہیم کے وحی کا انکار کیا تھا اور ان کی پیروی نہیں کی تھی۔ اس اُمت کے بہت سے افراد بھی اس آیت کے مفہوم میں شامل ہیں۔

۳۶۰- مجمع البیان میں ہے: اٰمِنًا کا معنی ہے "یامنون فیه" جس میں لوگ امن حاصل کریں اور یہ لفظ "لَيْلٌ نَائِمٌ" کی طرح سے ہے جس کا معنی ہے نیند بھری رات۔

ابن عباس کا قول ہے اس سے مراد حالتِ احرام والے شخص کا احرام ہے کیونکہ احرام باندھنے والا حرم میں نہ تو کسی پرندے کا شکار کر سکتا ہے اور نہ ہی حرم کا درخت کاٹ سکتا ہے اور آداب احرام کے منافی کوئی کام نہیں کر سکتا۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے بھی اسی کے قریب شہر امن کا مفہوم بیان کرتے ہوئے فرمایا:

جو حرم میں پناہ حاصل کرنے کی نیت سے داخل ہو تو وہ خدا کی ناراضگی سے محفوظ ہو جائے گا اور جو جنگلی جانور اور پرندہ حدود حرم میں داخل ہوگا تو وہ پریشانی اور اذیت سے محفوظ ہو جائے گا یہاں تک کہ وہ حرم کی حدود سے خود باہر نہ چلا جائے۔

۳۶۱۔ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فتح مکہ کے دن فرمایا:

"جس دن سے اللہ نے آسمانوں اور زمین کو پیدا کیا ہے اس دن سے مکہ کو حرمت والا شہر قرار دیا ہے اور وہ قیام قیامت تک محترم رہے گا۔ یہ شہر مجھ سے پہلے کسی کے لیے حلال نہیں ہوا اور میرے بعد بھی کسی کے لیے حلال نہیں ہوگا۔ یہ شہر میرے لیے بھی دن کی ایک ساعت کے لیے حلال ہوا ہے"۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث اور اس جیسی دوسری احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے پہلے بھی حرم جائے امن تھا اور حضرت ابراہیمؑ کی دعا سے اس کی حرمت میں تاکید پیدا ہوئی۔

ایک قول یہ بھی ہے کہ مکہ حضرت ابراہیمؑ کی دعا کی وجہ سے حرم بنا تھا اور اس سے پہلے وہ بھی دوسرے شہروں کی طرح سے ایک عام شہر تھا اور اس قول کی دلیل یہ ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

"ابراہیمؑ نے مکہ کو حرم بنایا تھا اور میں نے مدینہ کو حرم بنایا ہے"۔

وَاِذْ یَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَیْتِ وَاِسْمٰعِیْلُ

"اور جب ابراہیم و اسماعیل بیت اللہ کی دیواروں کو بلند کر رہے تھے......

۳۶۲۔ کتاب علل الشرائع میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے فرمایا:

حضرت آدم حجر اسود کو جنت سے لے کر آئے تھے۔ بیت اللہ سفید موتی کی شکل میں تھا اللہ نے اسے آسمان کی طرف اٹھا لیا۔ اس کی بنیادیں زمین پر رہ گئیں اور وہ سفید موتی والا بیت اللہ آسمان میں خانہ کعبہ کے عین مقابل ہے۔ روزانہ اس میں ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں جو کبھی دوبارہ وہاں واپس نہیں آتے۔ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم و اسماعیل کو ان بنیادوں پر بیت اللہ بنانے کا حکم دیا۔

۳۶۳۔ امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ سے روایت کی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت جبریلؑ کو وحی

فرمائی کہ میں رحمٰن و رحیم خدا ہوں۔ آدم وحوا نے مجھ سے شکوہ کیا ہے میں نے ان پر رحم کر دیا ہے۔ تم جنت سے ایک خیمہ لے کر جاؤ۔ میں نے ان کے گریہ وبکا اور ان کی تنہائی پر رحم کیا ہے۔ تم یہ خیمہ لے جاؤ اور مکہ کے پہاڑوں کے درمیان جا کر نصب کرو۔

چنانچہ جبریلؑ نے مقام بیت اللہ اور اس کی دیواروں پر خیمہ نصب کیا۔ پھر جبریلؑ صفا سے اُترے اور انھوں نے مروہ سے حوا کو اتارا اور خیمہ میں انھوں نے آدم وحوا کی ملاقات کرائی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے جبریلِ امینؑ کو وحی فرمائی کہ آدم وحوا کو میرے گھر کی بنیادوں سے ہٹا دو اور میرے گھر کی دیواروں کو ملائکہ اور نسلِ آدم کے لیے بلند کرو۔

اس حکم کے بعد جبریلؑ آدم وحوا کے پاس گئے اور انھیں خیمہ سے باہر نکال کر بیت اللہ کی بنیادوں سے کچھ فاصلہ پر دوبارہ خیمہ نصب کیا۔ پھر انھوں نے بیت اللہ کی دیواروں کو بلند کیا۔ دیوار میں ایک پتھر "صفا" کا رکھتے تھے اور ایک پتھر "مروہ" کا رکھتے تھے اور ایک پتھر طور سینا اور ایک پتھر پشت کوفہ کے قریب کوہِ سلم کا رکھتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے جبریلِ امینؑ کو وحی فرمائی کہ میرے گھر کی تعمیر مکمل کرو۔ چنانچہ جبریلؑ نے اذن خداوندی سے اپنے پروں سے چاروں پتھروں کو اکھیڑا اور انھیں خدا کے فرمان کے تحت بیت اللہ کی بنیادوں اور دیواروں میں رکھا۔

اللہ تعالیٰ نے دوبارہ وحی فرمائی۔ اس گھر کی عمارت کی تکمیل کو ابو قبیس کے پتھروں سے کرو اور اس کے دو دروازے بناؤ۔ ایک دروازہ مشرق کی سمت میں ہو اور دوسرا دروازہ مغرب کی سمت میں ہو۔

حضرت جبریلؑ نے فرمانِ خداوندی کے تحت تعمیر کعبہ کی تکمیل کی اور جب بیت اللہ بن گیا تو ملائکہ نے اس کے گرد طواف کیا۔ جب حضرت آدم وحوا نے ملائکہ کو طواف کرتے ہوئے دیکھا تو انھوں نے بھی کعبہ کے گرد سات چکر لگائے۔ اس کے بعد وہ رزق روزی کی تلاش میں نکل پڑے۔

۳۶۴- تفسیر عیاشی میں ابوالورد سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے حضرت علی علیہ السلام سے پوچھا کہ آسمان سے پہلی اُتاری جانے والی چیز کون سی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: آسمان سے پہلی اتاری جانے والی چیز وہ بیت اللہ ہے جو مکہ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اسے سرخ یاقوت کی شکل میں اتارا تھا۔ جب حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے فسق وفجور کیا تو اللہ نے اسے زمین سے اٹھا لیا۔ اسی کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے:

وَاِذۡ يَرۡفَعُ اِبۡرٰهٖمُ الۡقَوَاعِدَ مِنَ الۡبَيۡتِ وَاِسۡمٰعِيۡلُ

"اور جب ابراہیم واسماعیل بیت اللہ کی بنیادوں کو بلند کر رہے تھے......

۳۶۵- الکافی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک طویل حدیث کے ضمن میں مذکور ہے: "سکینہ" جنت سے نکلنے والی ایک ہوا کا نام ہے جس کی انسان جیسی شکل وصورت ہے۔ اس ہوا کو خدا نے عمدہ خوشبو عطا کی ہے اور یہ وہی ہے جو ابراہیم پر نازل ہوئی تھی۔ جب ابراہیم ستون کھڑے کر رہے تھے تو یہ ہوا ارکانِ بیت کے گرد چکر لگاتی رہتی تھی۔

۳۶۶- امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ وہ اسماعیل کو ساتھ لے کر حج کریں اور انھیں حرم میں ٹھہرائیں۔ چنانچہ باپ بیٹے نے ایک سرخ رنگ کے اُونٹ پر حج کیا۔ اس وقت ان کے ساتھ جبریلؑ کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ پھر جب دوسرا سال ہوا تو اللہ نے حضرت ابراہیمؑ کو حج اور تعمیر کعبہ کی اجازت دی۔ اس وقت اہلِ عرب میں حج کا رواج موجود تھا بیت خانہ کعبہ کی دیواریں گری ہوئی تھیں مگر اس کی بنیادیں ظاہر تھیں۔

جب لوگ چلے گئے تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے پتھر جمع کیے اور نہیں جوفِ کعبہ میں پھینک دیا۔ جب ابراہیم تعمیر کعبہ کے لیے آئے تو انھوں نے اپنے فرزند سے کہا کہ فرزند اللہ نے ہمیں تعمیر کعبہ کا حکم دیا ہے۔ اس کے بعد انھوں نے وہاں سے پتھر ہٹائے تو انھیں آخر میں ایک سرخ رنگ کا پتھر دکھائی دیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی فرمائی کہ اس پر بنیاد اٹھاؤ۔

پھر اللہ نے چار فرشتے نازل کیے جو پتھر جمع کرتے تھے اور ابراہیم واسماعیل پتھر لگاتے تھے اور یوں کعبہ کی اونچائی بارہ ہاتھ ہوگئی۔ پھر ابراہیم واسماعیل نے اس میں دو دروازے لگائے۔ ایک دروازے سے آدمی داخل ہوتا تھا اور دوسرے سے باہر نکلتا تھا۔

۳۶۷- امام محمد باقر وامام جعفر صادق علیہ السلام میں سے ایک بزرگوار سے مروی ہے۔ انھوں نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو تعمیر کعبہ اور اس کی بنیادوں کو بلند کرنے اور لوگوں کو مناسکِ حج تعلیم دینے کا حکم دیا۔ چنانچہ حضرت ابراہیم واسماعیل علیہما السلام روزانہ ایک ساق کے برابر کعبہ کی تعمیر کرتے تھے اور جب حجر اسود رکھنے کے مقام پر پہنچے تو اس وقت کوہِ ابوقبیس نے ابراہیم کو آواز دے کر کہا: میرے پاس آپ کی ایک امانت ہے۔

یہ آواز سن کر آپ پہاڑ کے پاس آئے اور پہاڑ سے حجر اسود کو اٹھایا اور اسے وہاں نصب کیا جہاں یہ آج دکھائی دیتا ہے۔

۳۶۸- امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ ابراہیم علیہ السلام کے عہد میں کعبہ کی اونچائی نو ہاتھ تھی اور اس کے دو دروازے تھے۔ عبداللہ بن زبیر نے کعبہ کو بنایا تو اس نے اس کی اونچائی اٹھارہ ہاتھ رکھی۔ حجاج نے کعبہ منہدم کرایا اور پھر اس نے کعبہ بنوایا تو اس نے کعبہ کی اونچائی ستائیس ہاتھ رکھی۔

۳۶۹- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''ابتدا میں کعبہ کی اونچائی نو ہاتھ تھی اور اس پر چھت بھی نہیں ہوتی تھی۔ قریش نے اسے ازسرِنو تعمیر کیا تو انھوں نے اس کی اونچائی اٹھارہ ہاتھ رکھی اور انھوں نے اس پر چھت بھی ڈالی''۔

۳۷۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''قریش نے زمانۂ جاہلیت میں کعبہ کو گرا کر ازسرِنو تعمیر کرنے کا ارادہ کیا۔ جب کعبہ کو گرا چکے اور پھر اس کی تعمیر کا انھوں نے ارادہ کیا تو ان کے دلوں میں خدا کی طرف سے رعب ڈال دیا گیا۔ چنانچہ ایک کہنے والے نے کہا:

''کعبہ کی تعمیرِ نو کے لیے ہر شخص اپنا پاکیزہ رزق لائے اور قطع رحمی یا حرام سے کمائی ہوئی دولت اس میں شامل نہ کرے۔ پھر انھوں نے کعبہ کی تعمیرِ نو کی اور جب حجر اسود نصب کرنے کی باری آئی تو ان کا آپس میں جھگڑا ہو گیا۔ ہر قبیلہ چاہتا تھا کہ حجر اسود اس کے افراد کے ہاتھ سے نصب کیا جائے اور اس تنازعہ نے اتنا طول کھینچا کہ تلواریں نیاموں سے باہر آنے لگیں۔ پھر انھوں نے کہا کہ فی الحال کوئی بھی حجر اسود نصب نہ کرے کل صبح جو سب سے پہلے حرم میں داخل ہو وہی اس کی تنصیب کا فیصلہ کرے گا۔

چنانچہ دوسرے دن سب سے پہلے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہاں نمودار ہوئے۔ آپؐ نے وہاں چادر بچھائی اور حجر اسود کو اٹھا کر اپنی چادر پر رکھا اور قبائل سے فرمایا کہ وہ اس چادر کے اطراف سے پکڑ کر اسے اس کی جگہ تک لے جائیں۔ چنانچہ ہر قبیلہ کے افراد نے چادر کے اطراف سے پکڑا اور حجر اسود کو اس کے مقام تک لے گئے۔ پھر آنحضرتؐ نے آگے بڑھ کر حجر اسود اٹھایا اور اسے اس کی جگہ پر نصب کیا''۔

۳۷۱- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"تعمیر کعبہ کے وقت قریش نے آدھے کعبہ کی تعمیر اپنے ذمہ لی تھی اور آدھے کعبہ کی تعمیر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ذمہ لگائی تھی۔ چنانچہ باب کعبہ سے حجر اسود اور رکن یمانی تک کعبہ کی تعمیر آنحضرتؐ کے دستِ مبارک سے سرانجام پائی"۔

۳۷۲- ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ حجر اسود سے لے کر رکن شامی تک کعبہ کا یہ حصّہ بنی ہاشم نے تعمیر کرایا تھا۔

امام زین العابدین اور کعبہ کی سنگِ بنیاد

۳۷۳- ابان بن تغلب راوی ہیں کہ جب حجاج نے کعبہ شریف کو گرایا تو مکہ کے لوگ اس کی مٹی کو متبرک سمجھ کر وہاں سے اٹھا کر لے گئے۔ پھر امن بحال ہونے کے بعد حجاج نے بیت اللہ کی تعمیر نو کا ارادہ کیا۔ جب حجاج مزدوروں کو لے کر وہاں گیا تو ایک اژدہا نمودار ہوا جس کو دیکھ کر لوگ وہاں سے بھاگ کھڑے ہوئے اور کعبہ کی تعمیر نو شروع نہ ہو سکی۔ حجاج نے کئی بار ایسا کیا مگر ہر بار اژدہا نکل کر لوگوں کو وہاں سے بھگا دیتا تھا۔

آخر کار حجاج نے کہا اگر کوئی شخص ہماری یہ مشکل حل کر سکتا تو خدارا مجھے اس کا نام بتاؤ۔

اس وقت ایک بوڑھا شخص اٹھا اور اس نے کہا: اگر یہ مشکل دنیا میں کوئی شخص حل کر سکتا ہے تو وہ فقط ایک ہی شخص ہے جسے کل میں نے دیکھا وہ بیت اللہ کی ٹوٹی دیواروں کے پاس گیا اور اس نے وہاں سے بیت اللہ کی تھوڑی سی خاک اٹھائی اور پھر وہاں سے چلا گیا۔

حجاج نے کہا: وہ کون ہیں؟

اس شخص نے کہا: وہ علی بن الحسین زین العابدین ہیں۔

حجاج نے کہا: بے شک وہ وارث کعبہ ہے۔ پھر حجاج نے اپنا قاصد بھیج کر امام علیہ السلام کو اپنے پاس بلایا اور بتایا کہ خدا انھیں اپنا گھر بنانے سے روکے ہوئے ہے۔

امام زین العابدین نے فرمایا: حجاج! تو نے بڑا ظلم کیا ہے تو نے ابراہیم و اسماعیل کی رکھی ہوئی بنیاد کو اکھڑوا کر گلیوں پر پھینکوا دیا ہے اور تو نے کعبہ کو یوں لوٹا جیسے وہ تیری میراث ہو۔ اب اس کا حل یہ ہے کہ تم منبر پر اعلان کرو کہ جس جس

شخص کے پاس کعبہ کی مٹی یا کوئی چیز ہو وہ آ کر واپس کر دے۔

حجاج نے امامؑ کے فرمان کے مطابق اعلان کیا جس کے نتیجے میں جس بھی شخص کے پاس بیت اللہ کی مٹی تھی اس نے وہ واپس کر دی۔ پھر امام زین العابدین نے تمام مٹی کو جمع کر کے ایک طرف رکھوا دیا۔ پھر آپؑ نے مزدوروں سے فرمایا کہ اس کی بنیاد تلاش کرو۔ جب آپؑ تشریف لائے تو اژدہا بھی غائب ہو گیا۔ مزدوروں نے زمین کھودی یہاں تک کہ کعبہ کی بنیادیں نمودار ہو گئیں۔ پھر آپؑ نے مزدوروں کو وہاں سے ہٹا دیا اور آپؑ خود نیچے اُترے اور بنیادوں پر اپنا کپڑا ڈال کر اسے ڈھانپ دیا۔ پھر آپؑ نے گریہ کیا بعدازاں آپؑ نے اس کا سنگ بنیاد رکھا۔ اس کے بعد آپؑ نے مزدوروں اور معماروں سے فرمایا کہ اب تم اس کی دیواریں بنانی شروع کرو۔ جب دیواریں زمین کی سطح سے کچھ اُوپر اٹھ آئیں تو آپؑ کے حکم سے کعبہ کی تمام مٹی اندر ڈال دی گئی۔ یہی وجہ ہے کہ کعبہ بلند ہو گیا اور دروازہ کعبہ میں داخل ہونے کے لیے سیڑھی کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔

۳۷۳- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"جب قریش نے تعمیر نو کے ارادہ سے کعبہ شریف کو منہدم کیا تو انھیں اس کی بنیاد میں ایک پتھر دکھائی دیا جس پر ایک کتبہ لکھا ہوا تھا۔ قریش اس کتبہ کو نہ پڑھ سکے۔ آخر کار وہ ایک ایسے شخص کو لے آئے جو کتبہ پڑھ سکتا تھا۔ اس کتبہ پر یہ لکھا تھا:

"میں مکہ کا مالک اللہ ہوں۔ میں نے اسے تخلیق ارض و سماء کے وقت سے اسے محترم بنایا ہے اور اسے ان دو پہاڑوں کے درمیان قرار دیا ہے اور میں نے اسے سات فرشتوں کے گھیرے میں دیا ہے"۔

۳۷۴- معاویہ بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:

کیا "حجر اسماعیل" بیت اللہ کا حصہ ہے یا اس میں بیت اللہ کا کچھ حصہ بھی شامل ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"نہیں، ایک ناخن کے برابر بھی نہیں۔ یہاں اسماعیل نے اپنی والدہ کو دفن کیا تھا۔ انھیں یہ بات ناگوار محسوس ہوئی کہ لوگ ان کی والدہ کی قبر کو اپنے قدموں سے پامال کرتے رہیں اسی لیے انھوں نے اوپر پتھر رکھ دیئے اور اس مقام پر بہت سے انبیاء کی بھی قبریں ہیں"۔

۳۷۵- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"جب حضرت اسماعیلؑ جوانی کو پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ کو بیت اللہ بنانے کا حکم دیا"۔

حضرت ابراہیمؑ نے عرض کیا: "پروردگار! کس سرزمین پر تیرا گھر بناؤں؟"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "تم اس جگہ میرا گھر بناؤ جہاں میں نے آدم کے لیے خیمہ اتارا تھا اور حرم جگمگا اُٹھا تھا۔ وہ خیمہ دورِ طوفانِ نوح تک قائم رہا۔ جب طوفان آیا تو طوفان کی وجہ سے ساری دنیا غرق ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ نے اس خیمہ کو آسمان کی طرف اٹھالیا اور خانہ کعبہ کی زمین ڈوبنے سے محفوظ رہی۔ اسی لیے خانہ کعبہ کو "بیت عتیق" کہا جاتا ہے کیونکہ وہ غرق ہونے سے بچ گیا تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بیت اللہ کی جگہ کا علم نہیں تھا۔ اللہ تعالیٰ نے جبریل امینؑ کو بھیجا اور انھوں نے خط کھینچ کر بیت اللہ کی جگہ کی نشان دہی کی۔ پھر اللہ تعالیٰ نے اس کی بنیاد کے پتھر جنت سے نازل کیے۔ جو پتھر حضرت آدمؑ پر نازل ہوا تھا وہ برف سے زیادہ سفید تھا۔ پھر جب کفار نے اسے اپنے ہاتھوں سے مس کیا تو اس کی رنگت بدل گئی اور وہ سیاہ ہوگیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے بیت اللہ تعمیر کیا اور اسماعیل "ذی طویٰ" سے پتھر لاتے رہے۔ ابراہیم علیہ السلام نے کعبہ کی بلندی نو ہاتھ رکھی۔ پھر خدا نے ابراہیم کو حجر اسود کے مقام کی نشان دہی کی۔ ابراہیم نے اسے زمین سے برآمد کیا اور اسے اسی جگہ پر نصب کیا جہاں وہ آج دکھائی دیتا ہے۔ حضرتؑ نے کعبہ میں دو دروازے لگائے۔ ایک مشرق کی جانب تھا اور دوسرا مغرب کی جانب تھا۔ جو دروازہ مغرب کی جانب تھا اسے "مستجار" کہا جاتا ہے۔ آخر میں ابراہیم علیہ السلام نے اس پر شہتیر ڈال کر اوپر "اذخر" گھاس ڈالی اور یوں اس کی چھت مکمل کی۔ حضرت ہاجرہ نے اپنی ایک چادر ڈال کر کعبہ کو غلاف پہنایا اور اس کے نیچے جھاڑو دیا کرتی تھیں"......

حدیث کافی طویل ہے۔ ہم نے اس میں سے صرف ایک حصّہ کو نقل کیا ہے۔

۳۷۶- مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"حضرت اسماعیلؑ پہلے انسان تھے جن کی زبان پر عربی زبان جاری ہوئی تھی اور جب باپ بیٹا بیت اللہ کی تعمیر میں مصروف تھے تو حضرت ابراہیم اپنی سریانی زبان میں ان سے کہتے: یا اسماعیل ھابی ابن "یعنی اسماعیل مجھے پتھر پکڑاؤ"۔

اور اسماعیل اس کے جواب میں کہتے: یا ابت ھاك حجرا ''ابا جان لیجیے یہ پتھر ہے''۔

ذریت ابراہیم میں سے اُمت مسلمہ

وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ''اور ہماری نسل میں سے اپنی فرماں بردار اُمت جاری کرنا''۔

۳۷۷- مجمع البیان میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''اُمت مسلمہ سے بنی ہاشم خصوصی طور پر مراد ہیں''۔

۳۷۸- تفسیر عیاشی میں ابوعمرو الزبیری سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ حضرت ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام نے جس ''اُمت مسلمہ'' کی خدا سے درخواست کی تھی وہ ''اُمت مسلمہ'' کون سی ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: وہ اُمت مسلمہ بنی ہاشم ہیں۔

میں (راوی) نے عرض کیا کہ اس بات کا کیا ثبوت ہے کہ ''اُمت مسلمہ'' سے رسول اکرم کا خاندان ہی مراد ہے ان کے علاوہ کوئی اور نہیں ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: قرآن مجید پڑھ کر دیکھو اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ ؕ رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَآ اُمَّةً مُّسْلِمَةً لَّكَ ۪ وَاَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا ۚ اِنَّكَ اَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ۝

''اور جب ابراہیم و اسماعیل علیہم السلام بیت اللہ کی بنیادیں اٹھا رہے تھے (اور زبان حال سے کہہ رہے تھے) اے ہمارے پروردگار! ہماری خدمت کو قبول فرما بے شک تو سننے والا اور علم رکھنے والا ہے۔ اے ہمارے پروردگار! ہمیں اپنا مسلم (فرماں بردار) بنا اور ہماری نسل میں اُمت مسلمہ جاری فرما اور ہمیں ہمارے مناسک دکھا اور ہم پر رجوع فرما بے شک تو بہت زیادہ رجوع فرمانے والا اور مہربان ہے''۔

اللہ نے انھیں ان کی دعا کی قبولیت کی خبر دی اور فرمایا کہ میں تمھاری نسل میں ''اُمت مسلمہ'' کا سلسلہ جاری رکھوں گا تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی:

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ ۚ إِنَّكَ أَنتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿١٢٩﴾

''پروردگار! ان میں ایک رسول مبعوث فرما جو ان کے سامنے تیری آیات کی تلاوت کرے اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے اور انھیں پاکیزہ بنائے بے شک تو غالب اور صاحب حکمت ہے''۔

ابراہیم علیہ السلام نے ''اُمت مسلمہ'' کے لیے شرک سے محفوظ رہنے کی دعا مانگی تھی تا کہ جب آخری نبی اس اُمت میں مبعوث ہوں تو وہ ان کی پیروی کے لیے پہلے سے آمادہ ہوں۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ نے ان الفاظ سے دعا مانگی تھی:

وَاجْنُبْنِي وَبَنِيَّ أَن نَّعْبُدَ الْأَصْنَامَ رَبِّ إِنَّهُنَّ أَضْلَلْنَ كَثِيرًا مِّنَ النَّاسِ فَمَن تَبِعَنِي فَإِنَّهُ مِنِّي وَمَنْ عَصَانِي فَإِنَّكَ غَفُورٌ رَّحِيمٌ (ابراھیم: ۳۵)

''پروردگار! مجھے اور میری اولاد کو بت پرستی سے بچا۔ خدایا! انھوں نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کردیا ہے پس جو میری پیروی کرے وہ مجھ سے ہے اور جو میری نافرمانی کرے تو تو بخشنے والا مہربان ہے''۔

یہ آیات اس حقیقت کا ثبوت ہیں کہ ائمہ اور اُمت مسلمہ کا تعلق ذریت ابراہیمؑ سے ہے جنہوں نے بت پرستی سے اپنے دامن کو محفوظ رکھا ہے۔

۳۷۹-الکافی میں ابوعمرو الزبیری سے منقول ہے۔ اس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث نقل کی جس کا ایک حصّہ یہ ہے:

''پھر اللہ تعالیٰ نے بیان کیا کہ ابراہیم کو محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعا کے بعد کن لوگوں کے لیے دعا کی اجازت دی گئی ہے۔ چنانچہ اللہ نے فرمایا:

وَلْتَكُن مِّنكُمْ أُمَّةٌ يَدْعُونَ إِلَى الْخَيْرِ وَيَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ ۚ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ ﴿﴾

''اور تم میں ایک اُمت ایسی ہونی چاہیے جو نیکی کی دعوت دے اور اچھائی کا حکم دے اور برائی سے منع کرے اور وہی لوگ کامیاب ہونے والے ہیں''۔ (آل عمران: ۱۰۴)

اس ''اُمت'' کے متعلق اللہ نے بتایا کہ وہ اُمت کون ہے اور اس کا تعلق کس خاندان سے ہے چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ اس کامیاب اُمت کا تعلق ابراہیمؑ و اسماعیلؑ کی ذُریت سے ہے اور یہ وہی اُمت ہے جو کہ حرم میں رہائش پذیر ہے اور جنہوں نے آج تک غیر اللہ کی عبادت نہیں کی ہے اور انھی کے لیے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے دعا کی تھی اور یہ وہی پاکیزہ گروہ ہے جن کے لیے اللہ نے قرآن مجید میں آیت تطہیر نازل کی ہے۔

وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِّنْهُمْ ''اور ان میں ایک رسول بھیج جو ان میں سے ہو''۔

۳۸۰۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اس سے مراد اولادِ اسماعیلؑ ہے۔ اسی لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے: انا دعوۃ ابی ابراھیم ''میں اپنے والد ابراہیمؑ کی دعا کا ثمر ہوں''۔

۳۸۱۔ کتاب الخصال میں ابوامامہ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا: یارسولؐ اللہ! آپ کی رسالت کی ابتدا کیسے ہوئی؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میرے والد ابراہیم علیہ السلام کی دعا اور حضرت عیسٰی علیہ السلام کی بشارت اور میری امی جان کا وہ خواب جس میں انھوں نے دیکھا تھا کہ ان کے وجود سے ایک چیز برآمد ہوئی جس کی روشنی سے شام کے محلات چمک اٹھے تھے۔ (یہ سب چیزیں میری نبوت کی تمہید تھیں)

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ۭ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِي الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِي الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗٓ اَسْلِمْ ۙ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۳۱﴾ وَوَصّٰى بِهَآ اِبْرٰهٖمُ بَنِيْهِ وَيَعْقُوْبُ ۭ يٰبَنِيَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ

الدِّيْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝۱۳۲ اَمْ كُنْتُمْ شُهَدَآءَ
اِذْ حَضَرَ يَعْقُوْبَ الْمَوْتُ ۙ اِذْ قَالَ لِبَنِيْهِ مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ
بَعْدِيْ ۭ قَالُوْا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآىِٕكَ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ
وَاِسْحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۱۳۳ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ
خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّا
كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝۱۳۴ وَقَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى تَهْتَدُوْا ۭ
قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرٰهٖمَ حَنِيْفًا ۭ وَمَا كَانَ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ۝۱۳۵
قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهٖمَ
وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى
وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ ۚ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ
مِّنْهُمْ ۡ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ ۝۱۳۶ فَاِنْ اٰمَنُوْا بِمِثْلِ مَآ اٰمَنْتُمْ بِهٖ
فَقَدِ اهْتَدَوْا ۚ وَاِنْ تَوَلَّوْا فَاِنَّمَا هُمْ فِيْ شِقَاقٍ ۚ فَسَيَكْفِيْكَهُمُ
اللّٰهُ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْعَلِيْمُ ۝۱۳۷ صِبْغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ اَحْسَنُ
مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً ۡ وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ ۝۱۳۸ قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِي

اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ ۚ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ ۚ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ ﴿۱۳۹﴾ اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهٖمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى ۗ قُلْ ءَاَنْتُمْ اَعْلَمُ اَمِ اللّٰهُ ۗ وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۰﴾ تِلْكَ اُمَّةٌ قَدْ خَلَتْ ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَلَكُمْ مَّا كَسَبْتُمْ ۚ وَلَا تُسْــَٔلُوْنَ عَمَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۱﴾

''اور کون ہے جو ابراہیمؑ کی ملت سے نفرت کرے مگر جو اپنے آپ کو احمق بنائے۔ بے شک ہم نے اسے دنیا میں منتخب کیا ہے اور وہ ضرور آخرت میں بھی نیک لوگوں میں سے ہوگا۔ جب اس سے اس کے پروردگار نے کہا کہ تسلیم و سپردگی کا مقام اختیار کر تو اس نے کہا میں رب العالمین کے لیے سراپا تسلیم ہوں۔ اور اسی طریقہ کی ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کو وصیّت کی اور یعقوبؑ نے بھی کہ اے میرے فرزندو! اللہ نے تمھارے لیے دین کو چُن لیا ہے اس وقت تک دنیا سے نہ جانا جب تک واقعی مسلمان نہ ہو جاؤ۔ کیا تم اس وقت موجود تھے جب یعقوبؑ کی موت کی گھڑی آئی اس وقت انھوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟ انھوں نے کہا ہم آپ کے معبُود اور آپ کے آباء واجداد ابراہیمؑ، اسماعیلؑ اور اسحاقؑ کے معبُود کی عبادت کریں گے اور ہم

اسی کے فرمانبردار ہیں۔ وہ ایک قوم تھی جو چلی گئی جو انھوں نے کمایا وہ انھیں ملے گا اور جو کچھ تم کمائی کرو گے وہ تمھیں ملے گا ان کے اعمال کی بازپُرس تم سے نہ کی جائے گی۔
اور (اہل کتاب کہتے ہیں کہ) کہ تم یہودی یا نصرانی بن جاؤ ہدایت پا لو گے۔ آپ کہہ دیں ہم ابراہیمؑ کے طریقہ پر چلنے والے ہیں جو کہ باطل سے کترا کر چلنے والے تھے اور وہ مشرکین میں سے نہیں تھے۔ (اے مسلمانو) تم یہ کہو کہ ہم خدا پر اور اس پر ایمان رکھتے ہیں جو ہماری طرف بھیجا گیا ہے اور جو کچھ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوبؑ پر بھیجا گیا ہے ہم اس پر ایمان رکھتے ہیں اور موسٰیؑ اور عیسٰیؑ اور انبیاء کو ان کے رب کی طرف سے ملا ہے ہمارا اس پر ایمان ہے۔ ہم ان میں سے کسی ایک میں بھی تفریق نہیں کرتے اور ہم تو خدا کے فرمانبردار ہیں۔ پس اگر یہ لوگ تمھاری طرح سے ایمان لے آئیں تو وہ راہ راست پر آ جائیں گے اور اگر وہ اس سے منہ موڑ لیں تو یہ صرف ان کے عناد کا ہی اظہار ہوگا اور عنقریب خدا تمھیں ان سب کے شر سے بچا لے گا اور وہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ رنگ تو صرف خدا ہی کا رنگ ہے اور خدا کے رنگ سے بھلا بہتر رنگ اور کس کا ہوگا اور ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں۔
(اے رسولؐ) کہہ دیں کیا تم ہم سے اس خدا کے متعلق جھگڑتے ہو جو ہمارا بھی رب ہے اور تمھارا بھی رب ہے۔ ہمارے لیے ہمارے اعمال ہیں اور تمھارے لیے تمھارے اعمال ہیں۔ ہم تو صرف اس کے مخلص بندے ہیں۔ کیا تم یہ کہتے ہو کہ ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ اور اولادِ یعقوب یہودی یا نصرانی تھے۔ آپ کہہ دیں کہ کیا تم بہتر جانتے ہو یا خدا بہتر جانتا ہے اور اس سے بڑا ظالم کون ہوگا جس کے پاس خدائی شہادت موجود ہو اور وہ پھر پردہ پوشی کرے اور اللہ تمھارے اعمال سے غافل نہیں ہے۔

وہ ایک اُمت تھی جو چلی گئی اور جو کچھ وہ کما گئے وہ ان کے لیے تھا اور جو کچھ تم کماؤ گے وہ تمھارے لیے بہتر ہوگا اور ان کے اعمال کی تم سے پوچھ گچھ نہ کی جائے گی۔

۳۸۲- اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''میرے والد نے کچھ چیزیں میرے پاس امانت رکھیں اور جب ان کی وفات کا وقت آیا تو انھوں نے مجھ سے کہا: میرے پاس کچھ گواہ لے کر آؤ۔ میں قریش کے چار افراد ان کے پاس لے گیا جن میں عبداللہ بن عمر کا غلام نافع بھی شامل تھا۔ میرے والد نے فرمایا:

فرزند! لکھو یہ وہ وصیت ہے جو یعقوب علیہ السلام نے اپنے فرزندوں کو کی تھی:

یٰبَنِیَّ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰى لَكُمُ الدِّیْنَ فَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَ اَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ۝

''میرے بیٹو! اللہ نے تمھارے لیے دین کو منتخب کیا ہے مرنا تو مسلمان ہو کر ہی مرنا''۔

محمد بن علیؑ جعفر بن محمد کو اپنے معاملات کی وصیت کرتا ہے اور اسے حکم دیتا ہے کہ وہ اسے اس چادر کا کفن پہنائے جس میں وہ جمعہ پڑھتا تھا۔

۳۸۳- کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں ایک طویل حدیث مذکور ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ تمام انبیاء وصیت کرتے رہے اور ہر نبی نے اپنے جانشین کو اپنا وصی قرار دیا اور ہر نبی کا وصی اس کی اہل بیتؑ میں سے ہوتا تھا۔

۳۸۴- کتاب علل الشرائع میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔

آپؑ نے فرمایا:

''یعقوب اور عیص دونوں جڑواں بھائی تھے۔ پہلے عیص پیدا ہوئے پھر یعقوب پیدا ہوئے۔ یعقوب کا نام یعقوب اس لیے رکھا گیا کہ وہ اپنے بھائی عیص کے عقب (بعد) میں پیدا ہوا۔

چچا بھی والد کے قائم مقام ہوتا ہے

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں اپنی اولاد کو جمع کر کے فرمایا:

مَا تَعْبُدُوْنَ مِنْۢ بَعْدِیْ ''تم میرے بعد کس کی عبادت کرو گے؟''

اولاد نے کہا: نَعۡبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَآئِكَ اِبۡرٰهٖمَ وَاِسۡمٰعِيۡلَ وَاِسۡحٰقَ اِلٰهًا وَّاحِدًا ۚۖ وَّنَحۡنُ لَهٗ مُسۡلِمُوۡنَ "ہم تیرے معبود اور تیرے آباء ابراہیمؑ واسماعیلؑ واسحاقؑ کے معبود یکتا کی عبادت کریں گے اور ہم اسی کے فرمانبردار ہیں"۔

۳۸۵۔ مجمع البیان میں آیت بالا کے حوالے سے مرقوم ہے کہ اولاد یعقوب نے تین شخصیات ابراہیم واسماعیل و اسحاق کو اپنا "اب" کہا جب کہ ابراہیمؑ دادا تھے اور اسماعیلؑ رشتہ میں ان کے چچا تھے اور اسحاقؑ ان کے والد تھے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ "اب" کثیر المعنٰی لفظ ہے۔ یہ لفظ باپ، چچا اور دادا سب کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ چنانچہ یہی وجہ ہے کہ رسولِ خدا نے اپنے چچا عباس کے لیے کہا تھا: ردوا علی ابی "میرا باپ مجھے واپس کرو"۔

۳۸۶۔ تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

اِذۡ قَالَ لِبَنِيۡهِ مَا تَعۡبُدُوۡنَ مِنۡۢ بَعۡدِىۡ کی آیت قاعدہ "جری" کے تحت امام قائم کو بھی شامل ہے۔

۳۸۷۔ کتاب الخصال میں مروی ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

"جب تم قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ ..... مُسۡلِمُوۡنَ کی آیت پڑھو تو تم خود بھی یہ الفاظ اپنی طرف سے دہراؤ"۔

۳۸۸۔ من لا یحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے فرزند محمد بن حنفیہ کو وصیت کرتے ہوئے یہ الفاظ بھی ارشاد فرمائے:

"اللہ نے زبان پر اقرار اور دل کی ترجمانی کو واجب کیا ہے۔ اسی لیے اس نے فرمایا ہے: قُوۡلُوۡۤا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَاۤ اُنۡزِلَ اِلَيۡنَا "تم کہو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے اور جو کچھ ہماری طرف نازل کیا گیا ہے اس پر بھی ایمان لائے"۔

۳۸۹۔ مجمع البیان میں سدیر سے منقول ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا:

"کیا حضرت یعقوب علیہ السلام کے سب بیٹے نبی تھے؟"

آپؑ نے فرمایا:

"نہیں وہ "اسباط" تھے۔ انبیاء کی اولاد تھے۔ وہ دنیا سے خوش نصیب ہو کر رخصت ہوئے تھے۔ انھوں نے توبہ کی تھی اور اپنی غلطیوں کی تلافی کر لی تھی"۔

ہادیانِ دین مثالی مومن تھے

۳۹۰- اصولِ کافی کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ مثالی مومن ہیں اور ان کی طرح سے باقی ائمہ بھی مثالی مومن ہیں''۔

اللہ تعالیٰ نے باقی لوگوں سے کہا ہے: فَاِنۡ اٰمَنُوۡا بِمِثۡلِ مَاۤ اٰمَنۡتُمۡ بِهٖ فَقَدِ اهۡتَدَوۡا ''اگر دوسرے لوگ بھی تمہاری طرح سے ایمان لائیں تو وہ ہدایت پالیں گے''۔

مقصد یہ ہے کہ اگر باقی لوگ بھی ان ذوات طاہرہ کی طرح سے ایمان لائیں تو ہدایت یافتہ بن جائیں گے۔

۳۹۱- مجمع البیان میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ: فَاِنَّمَا هُمۡ فِىۡ شِقَاقٍ (یعنی اگر وہ منہ پھیر لیں تو وہ صرف ان کا عناد ہی ہوگا) میں لفظ ''شقاق'' سے مراد کفر ہے۔

اسلام اور ولایت ہی خدائی رنگ ہے

صِبۡغَةَ اللّٰهِ ۚ وَمَنۡ اَحۡسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبۡغَةً

(یہ خدا کا رنگ ہے' خدا کے رنگ سے بھلا کس کا رنگ بہتر ہو سکتا ہے؟)

۳۹۲- کتاب معانی الاخبار میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''خدائی رنگ سے مراد اسلام ہے''۔

۳۹۳- اصولِ کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''روز میثاق اہلِ ایمان کو ولایت علیؑ کے رنگ میں رنگا گیا تھا''۔

۳۹۴- ایک اور روایت میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے کہ صبغۃ اللہ سے اسلام مراد ہے۔

۳۹۵- محمد بن مسلم سے مروی ایک روایت میں بھی امام صادق علیہ السلام سے یہی منقول ہے کہ صبغۃ اللہ سے اسلام مراد ہے۔

۳۹۶- حمران سے بھی مروی ایک روایت میں امام صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ صبغۃ اللہ (خدائی رنگ) سے اسلام مراد ہے۔

ضرورت کے وقت گواہی چھپانا حرام ہے

۳۹۷۔ عیون الاخبار میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے ایک شخص سے فرمایا:

"جب تجھ سے گواہی پوچھی جائے تو اسے ادا کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُكُمْ اَنْ تُؤَدُّوا الْاَمَانَاتِ اِلٰى اَهْلِهَا

"بے شک خدا تمھیں حکم دیتا ہے کہ امانتوں کو ان کے مالکوں تک پہنچاؤ۔

اور اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَتَمَ شَهَادَةً عِنْدَهٗ مِنَ اللّٰهِ ۔

"اور اس سے بڑا ظالم اور کون ہوگا جس کے پاس خدائی گواہی موجود ہو اور وہ اس کو چھپائے"۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۭ قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۭ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ۝۱۴۲ وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَاۗءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا ۭ وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِيْ كُنْتَ عَلَيْهَآ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَّتَّبِعُ الرَّسُوْلَ مِمَّنْ يَّنْقَلِبُ عَلٰي عَقِبَيْهِ ۭ وَاِنْ كَانَتْ لَكَبِيْرَةً اِلَّا عَلَي الَّذِيْنَ هَدَى اللّٰهُ ۭ وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيْعَ اِيْمَانَكُمْ ۭ اِنَّ اللّٰهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۴۳ قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي

السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ
الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ ؕ
وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ؕ
وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۴﴾ وَلَئِنْ اَتَيْتَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا
الْكِتٰبَ بِكُلِّ اٰيَةٍ مَّا تَبِعُوْا قِبْلَتَكَ ۚ وَمَآ اَنْتَ بِتَابِعٍ قِبْلَتَهُمْ ۚ
وَمَا بَعْضُهُمْ بِتَابِعٍ قِبْلَةَ بَعْضٍ ؕ وَلَئِنِ اتَّبَعْتَ اَهْوَآءَهُمْ
مِّنْ بَعْدِ مَا جَآءَكَ مِنَ الْعِلْمِ ۙ اِنَّكَ اِذًا لَّمِنَ الظّٰلِمِيْنَ ﴿۱۴۵﴾
اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ ؕ
وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴۶﴾ اَلْحَقُّ
مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ ﴿۱۴۷﴾ وَلِكُلٍّ وِّجْهَةٌ هُوَ
مُوَلِّيْهَا فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ
جَمِيْعًا ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۱۴۸﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ
فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَاِنَّهٗ لَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ
ؕ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۴۹﴾ وَمِنْ حَيْثُ خَرَجْتَ فَوَلِّ

وَجۡهَكَ شَطۡرَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ ؕ وَحَيۡثُ مَا كُنۡتُمۡ فَوَلُّوۡا وُجُوۡهَكُمۡ شَطۡرَهٗ ۙ لِئَلَّا يَكُوۡنَ لِلنَّاسِ عَلَيۡكُمۡ حُجَّةٌ ۙ اِلَّا الَّذِيۡنَ ظَلَمُوۡا مِنۡهُمۡ ۚ فَلَا تَخۡشَوۡهُمۡ وَاخۡشَوۡنِىۡ ۚ وَلِاُتِمَّ نِعۡمَتِىۡ عَلَيۡكُمۡ وَلَعَلَّكُمۡ تَهۡتَدُوۡنَ ﴿۱۵۰﴾ كَمَاۤ اَرۡسَلۡنَا فِيۡكُمۡ رَسُوۡلًا مِّنۡكُمۡ يَتۡلُوۡا عَلَيۡكُمۡ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيۡكُمۡ وَيُعَلِّمُكُمُ الۡكِتٰبَ وَالۡحِكۡمَةَ وَيُعَلِّمُكُمۡ مَّا لَمۡ تَكُوۡنُوۡا تَعۡلَمُوۡنَ ﴿۱۵۱﴾ فَاذۡكُرُوۡنِىۡۤ اَذۡكُرۡكُمۡ وَاشۡكُرُوۡا لِىۡ وَلَا تَكۡفُرُوۡنِ ﴿۱۵۲﴾

''عنقریب احمق یہ کہیں گے کہ ان مسلمانوں کو اس قبلہ سے کس نے موڑا ہے جس پر وہ پہلے قائم تھے۔ آپ کہہ دیجیے کہ مشرق و مغرب سب خدا کے ہیں۔ وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے۔ اور اس طرح سے ہم نے تمھیں درمیانی اُمت قرار دیا ہے تاکہ تم لوگوں کے گواہ بنو اور رسولؐ تمھارے گواہ ہوں اور جس قبلہ پر آپ پہلے قائم تھے اسے ہم نے اس لیے تبدیل کیا تاکہ ہم یہ دیکھیں کہ رسولؐ کی پیروی کون کرتا ہے اور اُلٹے پاؤں کون پھر جاتا ہے۔ تحویل قبلہ یقیناً خدا کی طرف سے ہدایت یافتہ افراد کے علاوہ باقی لوگوں کے لیے انتہائی گراں ہے۔ اور خدا ایسا نہیں جو تمھارے ایمان کو ضائع کردے۔ یقیناً اللہ لوگوں پر مہربان اور رحم کرنے والا ہے۔ ہم آپ کے چہرے کو آسمان کی جانب اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں ہم آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں

گے جسے آپ پسند کرتے ہیں۔ آپ اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف موڑ دیں اور مسلمانو!
تم جہاں بھی رہو اسی طرف اپنے چہروں کو موڑ دو۔ یقیناً اہلِ کتاب اس بات سے آگاہ
ہیں کہ تحویل قبلہ ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور جو کچھ وہ عمل کر رہے ہیں خدا
اس سے غافل نہیں ہے۔ اور اگر آپ اہلِ کتاب کو تمام آیتیں بھی پیش کیوں نہ کریں
پھر بھی وہ آپ کے قبلہ کی پیروی نہیں کریں گے اور آپ بھی ان کے قبلہ کی پیروی
کرنے والے نہیں ہیں اور یہ ایک دوسرے کے قبلہ کے بھی پیروکار نہیں ہیں اور اگر علم
آ جانے کے بعد آپ نے ان کی خواہشات کی پیروی کی تو آپ کا شمار ظالموں میں سے
ہوگا۔ جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ رسولؐ کو اسی طرح سے پہچانتے ہیں جیسا کہ
وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں اور ان میں سے ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپا رہا ہے۔
حق آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے آپ شک کرنے والوں میں سے ہرگز نہ
بنیں۔ ہر ایک کے لیے ایک رُخ معین ہے جس کی طرف وہ منہ کرتا ہے پس تم نیکیوں
میں سبقت کرو۔ تم جہاں بھی رہو گے خدا تم سب کو جمع کرے گا۔ بے شک اللہ ہر چیز پر
قدرت رکھتا ہے۔ اور آپ جہاں سے بھی نکلیں اپنا رُخ مسجد الحرام کی طرف رکھیں اور
یقیناً یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اور اللہ تمھارے اعمال سے غافل نہیں
ہے۔ آپ جدھر سے بھی نکلیں اپنا رخ مسجد الحرام کی طرف رکھیں (اے مسلمانو) تم
جہاں بھی رہو اپنا رخ اس کی طرف رکھو تا کہ لوگوں کے لیے تم پر کوئی حجت باقی نہ رہ
جائے سوائے ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں۔ تم ان سے مت ڈرو اور مجھ ہی
سے ڈرو تا کہ میں تم پر اپنی نعمت تمام کروں تا کہ تم ہدایت یافتہ بن جاؤ۔ جس طرح ہم
نے تم میں ایک رسولؐ بھیجا ہے جو تم میں سے ہے وہ تم پر ہماری آیات تلاوت کرتا ہے

اور تمھیں پاک و پاکیزہ بناتا ہے اور تمھیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمھیں ان چیزوں کی تعلیم دیتا ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ پس تم مجھے یاد کرو میں تمھیں یاد کروں گا اور میرا شکر ادا کرو اور میرا انکار مت کرو"۔

تحویلِ قبلہ

۳۹۸- احتجاج طبرسی میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مکہ میں تھے تو اللہ نے انھیں حکم دیا تھا کہ وہ نماز میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں۔ نبی اکرم کوشش کرتے تھے کہ کعبہ بھی درمیان میں آ جائے اور بیت المقدس کی طرف رخ بھی ہو جائے۔ اور جب ایسا کرنا ممکن نہ ہوتو پھر آپ بیت المقدس کی طرف ہی رخ کر کے نماز ادا کرتے تھے۔ چنانچہ آنحضرتؐ نے مکہ میں رہ کر پورے تیرہ برس تک بیت المقدس کی طرف رخ کیا اور جب آپ ہجرت کر کے مدینہ تشریف لائے تو پورے سترہ یا سولہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتے رہے۔

جب شریر یہودی آپ کی نماز کو دیکھتے تو وہ کہتے تھے کہ ہمیں تو محمد کی نبوت کا آج تک پتہ ہی نہیں چلا کہ وہ ہمارے قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز پڑھتا ہے اور ہماری ہدایت پر عمل کرتا ہے مگر اس کے باوجود وہ ہماری مخالفت بھی کرتا ہے۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان کے یہ طعنے سن سن کر تنگ آ گئے اور آپؐ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ خدا آپ کو ان کے قبلہ سے منحرف کر کے کعبہ کی طرف منہ کرنے کا حکم دے دے۔

ایک مرتبہ جبریل امینؑ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپؐ نے فرمایا:

"جبریلؑ! میں چاہتا ہوں کہ خدا مجھے بیت المقدس کے قبلہ سے پھیر دے اور مجھے کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دے دے کیونکہ میں یہودیوں کے طعنے سن کر تنگ آ چکا ہوں"۔

حضرت جبریلؑ نے عرض کیا:

"آپ اپنے رب سے تحویل قبلہ کی درخواست کریں اور مجھے یقین ہے کہ خدا آپ کی درخواست رد نہیں کرے گا"۔

یہ سن کر آپؐ نے دعا مانگی۔ پھر آپؐ نے نماز شروع کی تو نماز کے دوران ہی جبریلؑ آپؐ پر نازل ہوئے اور یہ آیات لائے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۠ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ؕ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ شَطْرَهٗ

''ہم آپ کے چہرے کو آسمان کی جانب اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں ہم ضرور بالضرور آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جس کو آپ پسند کریں گے۔ آپ مسجد الحرام کی سمت اپنا چہرہ پھیر لیں اور (مسلمانو) تم جہاں بھی رہو اپنا چہرہ مسجد الحرام کی جانب پھیرا کرو''۔

جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیات نازل ہوئیں تو آپؐ نے دوران نماز ہی اپنا رخ کعبہ شریف کی طرف پھیر لیا اور آپ کو دیکھ کر دوسرے مسلمانوں نے بھی اپنا رخ تبدیل کر لیا۔

جب یہود نے دیکھا کہ مسلمانوں نے اپنا قبلہ تبدیل کر لیا ہے تو انھوں نے اعتراض کیا کہ پہلے قبلہ میں انھیں کون سی خرابی نظر آئی کہ انھوں نے اپنا رخ اس سے تبدیل کر دیا ہے؟

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان کے سوال کو ان الفاظ سے بیان کیا:

سَيَقُوْلُ السُّفَهَآءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ؕ

''عنقریب بے وقوف لوگ کہیں گے کہ انھیں پہلے قبلہ سے کس چیز نے منحرف کیا ہے؟''

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ؕ

''آپ کہہ دیں کہ مشرق و مغرب خدا کی ملکیت ہیں''۔

اور اگر اس نے ایک طرف سے منہ تبدیل کرا کے دوسری طرف کرایا ہے تو آخر اس میں اعتراض کی کیا بات ہے؟

يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۱۴۲﴾

''وہ جسے چاہے صراط مستقیم کی ہدایت کرے''۔

وہ اپنی مخلوق کی مصلحت کو بہتر جانتا ہے اسی لیے وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت کر کے جنت النعیم پہنچا

رہتا ہے۔

٣٩٩- امام حسن عسکری علیہ السلام نے فرمایا:

"تحویل قبلہ کے بعد یہودیوں کا ایک گروہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور انھوں نے کہا:

"محمدؐ! آپ نے چودہ ماہ تک بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی ہے اب آپؐ نے اس قبلہ کو چھوڑ دیا ہے۔ اگر پہلا قبلہ حق تھا تو آپؐ نے اسے چھوڑ کر باطل کو کیوں اپنایا۔ کیونکہ حق کے مقابلہ میں باطل ہی ہوا کرتا ہے۔ اور اگر پہلا قبلہ باطل تھا اور موجودہ قبلہ حق ہے تو آپ نے ایک طویل عرصہ تک باطل قبلہ کی طرف رخ کیوں کیا اور اب بھی آپ کے متعلق امکان ہے کہ کہیں آپ باطل کی پیروی نہ کر رہے ہوں؟!!"

حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"وہ قبلہ بھی حق تھا اور یہ بھی حق تھا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

قُلْ لِّلّٰهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَآءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ۝

"آپ کہہ دیں کہ مشرق ومغرب اللہ کی ملکیت ہے وہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت کرتا ہے"۔

جب اس نے دیکھا کہ اس کے بندوں کی صلاح وفلاح مشرق کی سمت رخ کرنے میں ہے تو اس نے تمھیں مشرق کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا اور جب اس نے دیکھا کہ اس کے بندوں کی صلاح وفلاح مغرب کی طرف رخ کرنے میں مضمر ہے تو اس نے تمھیں مغرب کی سمت رخ کرنے کا حکم دے دیا۔ لہٰذا تم بندوں کے متعلق خدا کی تدبیر کا انکار مت کرو اور اس نے تمھاری فلاح کا جو ارادہ کیا ہے اس میں شک نہ کرو۔

درمیانی اُمت

٤٠٠- بصائر الدرجات میں بندار بن عاصم کی کتاب کے حوالہ سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

''اور اس طرح سے ہم نے تمھیں درمیانی اُمت بنایا تاکہ تم لوگوں کے گواہ بنو اور رسولؐ تمھارے گواہ بنیں''۔

وہ درمیانی اُمت ہم ہیں اور لوگوں کے لیے حلال وحرام کے ہم گواہ ہیں اور ہم اس امر کے بھی گواہ ہیں کہ لوگوں نے حلال وحرام کو کتنا ضائع کیا ہے۔

۴۰۱- اصول کافی میں برید عجلی سے روایت ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا کی آیت مجیدہ کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

نحن الامة الوسطی ونحن شهداء الله علی خلقه وحججه فی ارضه

''وہ درمیانی اُمت ہم ہیں (یعنی خدا سے فیض حاصل کر کے مخلوق کو پہنچاتے ہیں) اور خدا کی مخلوق پر خدا کے گواہ ہم ہیں اور خدا کی زمین پر اس کی حجت ہم ہیں''۔

۴۰۲- برید عجلی کا بیان ہے کہ میں نے وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا کی آیت مجیدہ کے متعلق امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''ہم ہی درمیانی اُمت ہیں اور ہم ہی مخلوق پر خدا کے گواہ ہیں اور زمین پر اس کی حجت ہیں''۔

مذکورہ دونوں احادیث کافی طویل ہیں۔ ہم نے بقدر ضرورت ان کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔

۴۰۳- امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل حدیث میں یہ الفاظ منقول ہیں:

''اس بات کا فیصلہ کر دیا گیا ہے کہ اہلِ ایمان میں اختلاف نہیں ہونا چاہیے اسی لیے اللہ نے انھیں لوگوں پر گواہ مقرر کیا ہے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پر گواہ ہوں گے اور ہم اپنے شیعوں پر گواہ ہوں گے اور ہمارے شیعہ لوگوں پر گواہ ہوں گے''۔

۴۰۴- مجمع البیان میں برید بن معاویہ کی روایت کے بعد مرقوم ہے کہ ایک اور روایت میں معصومؑ نے فرمایا:

الینا یرجع الغالی وبنا یلحق المقصّر

"غالی ہماری طرف لوٹ کر آتا ہے اور مقصر ہم سے آ کر ملتا ہے"۔

۴۰۵- حاکم ابوالقاسم الحسکانی نے اپنی کتاب "شواہد التنزیل" میں سلیم بن قیس الہلالی سے نقل کیا کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کے مصداق ہم ہیں۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہم پر شاہد ہیں اور ہم خدا کی مخلوق پر خدا کی طرف سے شاہد ہیں اور زمین پر خدا کی حجت ہیں اور ہم ہی وہ لوگ ہیں جن کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا (اور اس طرح سے ہم نے تمھیں درمیانی اُمت بنایا ہے)

۴۰۶- تفسیر عیاشی میں ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا' آپؑ نے فرمایا:

"ہم جماعت حجاز ہیں"۔

میں (راوی) نے کہا: جماعت حجاز کا کیا مقصد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: "ہم درمیانی راستہ ہیں"۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے. وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا "اور اس طرح سے ہم نے تمھیں درمیانی اُمت بنایا"۔

پھر آپؑ نے فرمایا: "غالی ہماری طرف لوٹ کر آتا ہے اور مقصر ہم سے آ کر ملتا ہے"۔

۴۰۷- ابوبصیر راوی ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لِتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ کے تحت ہم لوگوں پر گواہ ہیں کیونکہ ہمیں حلال وحرام کا مکمل علم ہے اور ہم یہ بھی جانتے ہیں کہ لوگوں نے حلال وحرام کو کتنا ضائع کیا ہے۔

۴۰۸- ابوعمرو الزبیری کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

"اور اس طرح سے ہم نے تمھیں درمیانی اُمت قرار دیا ہے تاکہ تم لوگوں کے گواہ بنو اور رسولؐ تمھارے گواہ بنیں"۔

کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ اس آیت مجیدہ کے ذریعے سے تمام توحید پرست اہلِ قبلہ مراد ہیں۔ اگر تمھاری یہ سوچ ہے تو یہ غلط ہے کیونکہ کچھ اہلِ قبلہ تو ایسے بھی ہیں جن کی گواہی تین کلوگرام کھجوروں کے لیے بھی قابلِ قبول نہیں ہے تو تم کیا سمجھتے ہو

جن کی گواہی کھجوروں کی ایک مٹھی کے لیے بھی جائز نہ ہو تو کیا خدا ان سے امم سابقہ کی گواہی لے گا اور انھیں تمام انسانوں کا گواہ تسلیم کرے گا؟

ہرگز نہیں ایسا کبھی نہ ہوگا۔ اس سے وہ اُمت مسلمہ مراد ہے جن کے لیے حضرت ابراہیمؑ نے دعا مانگی تھی کہ خدایا ہماری ذُریت میں اُمت مسلمہ کا سلسلہ جاری فرما اور یہ وہی اُمت ہے جن کے لیے اللہ نے فرمایا ہے:

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ

''تم بہترین اُمت ہو جنہیں لوگوں کے لیے بطور نمونہ بنایا گیا ہے''۔

اور وہی ''خیر اُمت'' ہی اُمت وسطیٰ ہے جو لوگوں کے اعمال کی گواہ ہوگی''۔

۴۰۹- حمران بن اعین نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی' آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا

''اور اس طرح سے ہم نے تمھیں درمیانی اُمت قرار دیا ہے تا کہ تم لوگوں کے گواہ بنو اور رسول تمھارے گواہ بنیں''۔

اللہ تعالیٰ نے اُمت کی صفت ''وسطا'' سے کی ہے یعنی عادل اُمت لوگوں پر گواہ بنائی گئی ہے اور اس عادل اُمت پر رسول گواہ ہوں گے۔

لوگوں کے گواہ یا تو ائمہ ہو سکتے ہیں یا پھر رسول ہو سکتے ہیں۔ اس سے اُمت کے تمام افراد مراد نہیں ہیں کیونکہ افراد اُمت میں تو ایسے اشخاص بھی موجود ہیں جن کی گواہی ایک مٹھی بھر سبزی کے لیے بھی قابلِ قبول نہیں ہے۔

۴۱۰- کتاب المناقب میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا: ''لوگوں کے گواہ ہم ہیں''۔

تحویلِ قبلہ سے اہلِ ایمان کی آزمائش مقصود تھی

۴۱۱- احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے امام حسن عسکری علیہ السلام سے پوچھا کہ خدا نے اپنے رسول کو بیت المقدس کے قبلہ کی طرف رخ کرنے کا حکم کیوں دیا تھا؟

آپؑ نے فرمایا کہ بیت المقدس کی طرف رخ کرنے اور کعبہ کی طرف رخ کرنے سے اہلِ ایمان کی آزمائش مقصود

تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ

''ہم نے آپ کے لیے سابقہ قبلہ اس لیے مقرر کیا تاکہ ہم یہ دیکھیں کہ رسول کی پیروی کون کرتا ہے اور اُلٹے پاؤں کون پھر جاتا ہے''۔

اہلِ مکہ یہ چاہتے تھے کہ ان کا قبلہ کعبہ ہو مگر اللہ نے مکہ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا کہ وہ بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھیں۔ اس حکم سے اللہ نے اہلِ مکہ کو آزمایا اور جب آنحضرتؐ مدینہ تشریف لائے تو انصار مدینہ کی خواہش تھی کہ بیت المقدس کا قبلہ بدستور برقرار رہے۔ مگر مدینہ میں اللہ نے بیت المقدس کا قبلہ تبدیل کر دیا اور کعبہ کی طرف رخ کرنے کا حکم دیا۔ اس حکم سے اہل مدینہ کا امتحان لیا گیا جنھیں بیت المقدس کے قبلہ سے عقیدت تھی۔ دونوں طرف منہ کر کے اللہ تعالیٰ نے مکی اور مدنی دو قسم کے مسلمانوں کا امتحان لیا۔ اسی لیے اللہ نے فرمایا:

وَإِنْ كَانَتْ لَكَبِيرَةً إِلَّا عَلَى الَّذِينَ هَدَى اللَّهُ

''خدا کی طرف سے ہدایت پانے والوں کے علاوہ تحویل قبلہ کا حکم لوگوں کے لیے بہت گران تھا''۔

۴۱۲- تہذیب الاحکام میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مدینہ پہنچ کر چاہتے تھے کہ ان کا قبلہ تبدیل کر دیا جائے اور انھوں نے اس کے لیے کئی بار آسمان کی طرف چہرہ اٹھا کر دیکھا (اور زبان سے کچھ نہ کہا) اللہ نے ان کے دل کی تمنا کو دیکھ کر انھیں تحویل قبلہ کا حکم دیا اور اپنے حبیب کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا:

قَدْ نَرَىٰ تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَاءِ ۖ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضَاهَا

''ہم آپ کے چہرے کو آسمان کی جانب اُٹھا ہوا دیکھ رہے ہیں ہم ضرور آپ کو اس قبلہ کی طرف پھیر دیں گے جسے آپ پسند کرتے ہوں گے''۔

۴۱۳- ابوبصیر نے امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہما السلام میں سے کسی ایک امام سے کہا ''مولا! یہ بتائیں کیا اللہ تعالیٰ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بیت المقدس کی طرف منہ کرنے کا حکم دیا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، کیا تم نے خدا کا یہ فرمان نہیں پڑھا:

وَمَا جَعَلْنَا الْقِبْلَةَ الَّتِي كُنْتَ عَلَيْهَا إِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يَتَّبِعُ الرَّسُولَ مِمَّنْ يَنْقَلِبُ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ

(اور جس قبلہ کی طرف آپ پہلے رخ کیا کرتے تھے ہم نے اسے اس لیے آپ کا قبلہ مقرر کیا تھا تاکہ ہم یہ دیکھیں کہ رسول کی پیروی کون کرتا ہے اور الٹے پاؤں کون پھر جاتا ہے؟)

بنی عبدالاشہل نماز پڑھ رہے تھے اور وہ نماز کی دو رکعتیں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھ چکے تھے۔ انھیں باہر سے آ کر کسی نے بتایا کہ تمھارے پیغمبرؐ نے کعبہ کی طرف منہ پھیر لیا ہے۔ یہ سن کر انھوں نے اپنا رخ تبدیل کر دیا۔ عورتیں مردوں کی جگہ پر آ گئیں اور مرد عورتوں کی جگہ پر آ گئے اور انھوں نے باقی دو رکعتیں کعبہ کی طرف رخ کر کے پڑھیں۔ اور یوں انھوں نے ایک نماز دو قبلوں کی طرف پڑھی۔ اسی لیے ان کی مسجد کا نام ''مسجد القبلتین'' (یعنی دو قبلوں والی مسجد) مشہور ہو گیا۔

۴۱۴- اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپؑ نے فرمایا:

''۔۔ حاسہ بدن پر ایمان کو تقسیم کیا گیا مثلاً کانوں پر فرض کیا گیا کہ وہ غیبت و بہتان اور غنا سے پرہیز کریں اور قرآن مجید اور دوسری نفع بخش تعلیمات کو دھیان سے سنیں''۔

اس حدیث کے آخر میں آپؑ نے فرمایا:

''تمام اعضائے بدن پر ایمان کے حصے تقسیم کیے گئے اور اللہ نے مکمل ایمان نماز کو قرار دیا ہے۔ جب آنحضرتؐ کو تحویل قبلہ کا حکم دیا گیا تھا تو بہت سے اذہان میں یہ سوال پیدا ہوا تھا کہ ہماری ان نمازوں کا کیا بنے گا جو ہم نے بیت المقدس کی طرف رخ کر کے پڑھی تھیں؟

اللہ تعالیٰ نے ان کو تسلی دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ إِيمَانَكُمْ

''اور خدا ایسا نہیں ہے جو تمھارے ایمان کو ضائع کر دے''۔

اس آیت میں ''ایمان'' سے نماز مراد ہے۔

۴۱۵- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"جب نماز میں قبلہ رخ ہو جاؤ تو پھر نماز کے دوران قبلہ سے منہ نہ پھیرو ورنہ تمھاری نماز باطل ہو جائے گی' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی سے فرمایا ہے:

فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ وَحَيْثُ مَا كُنْتُمْ فَوَلُّوا وُجُوهَكُمْ شَطْرَهُ

"تم اپنا چہرہ مسجد الحرام کی جانب پھیر لو اور (مسلمانو) تم جہاں بھی ہو تو اپنے چہروں کو اسی طرف پھیر لیا کرو"۔

۴۱۶۔ من لا یحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اعلانِ نبوت کے بعد تیرہ سال تک مکہ میں بیت المقدس کی طرف رخ کر کے نماز پڑھی اور ہجرت کے بعد آپ انیس مہینوں تک مدینہ میں بھی بیت المقدس کی طرف منہ کر کے نماز پڑھتے رہے۔

یہودیوں نے آپ کو طعنے دیئے اور انھوں نے کہا "آپ تو ہمارے قبلہ کے پیرو ہیں"۔

ان کے اس طرح کے طعنوں سے آپ کو سخت دکھ محسوس ہوا۔ چنانچہ آپ رات کے ایک حصہ میں اٹھے اور ملتجیانہ نگاہوں سے آسمان کو دیکھتے رہے۔ پھر صبح کے وقت آپ نے فجر کی نماز پڑھی اور جب آپ نمازِ ظہر کی دو رکعات پڑھ چکے تو اس وقت جبریلؑ امین یہ آیت لے کر نازل ہوئے:

قَدْ نَرٰى تَقَلُّبَ وَجْهِكَ فِي السَّمَآءِ ۚ فَلَنُوَلِّيَنَّكَ قِبْلَةً تَرْضٰىهَا ۪ فَوَلِّ وَجْهَكَ شَطْرَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

"ہم آپ کے چہرے کو آسمان کی طرف اٹھتا ہوا دیکھ رہے ہیں ہم ضرور آپ کو اس قبلہ کی طرف موڑیں گے جس پر آپ راضی ہوں گے۔ آپ اپنا چہرہ مسجد الحرام کی طرف پھیر لیں"۔

پھر جبریل امینؑ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہاتھ سے پکڑا اور آپ کے چہرے کو خانہ کعبہ کی طرف پھیر دیا۔ آپ نے جیسے ہی چہرہ بدلا تو آپ کے پیچھے کھڑے ہوئے افراد نے بھی اپنی سمت تبدیل کر دی یہاں تک کہ مرد عورتوں کی جگہ پر آگئے اور عورتیں مردوں کی جگہ پر آگئیں۔ چنانچہ آپ کی یہ نماز بیت المقدس کی طرف رخ کرنے سے شروع ہوئی تھی اور کعبہ کی طرف رخ کرنے پر ختم ہوئی۔ اور جب یہی خبر مدینہ کی ایک مسجد میں پہنچی تو وہاں نمازی عصر کی نماز پڑھ رہے تھے اور ابھی انھوں نے دو رکعتیں مکمل کی تھیں یہ خبر سن کر انھوں نے فوری طور پر اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف

پھیر دیا۔ چنانچہ اس مسجد کا نام ''مسجد القبلتین'' رکھ دیا گیا۔

تحویلِ قبلہ کے بعد مسلمانوں نے رسول اکرمؐ سے پوچھا: ''کیا ہماری سابقہ نمازیں ضائع تو نہ ہو جائیں گی؟''

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَمَا كَانَ اللّٰهُ لِيُضِيعَ اِيْمَانَكُمْ

''اللہ ایسا نہیں کہ تمھارے ایمان کو ضائع کر دے''۔

یعنی اللہ تمھاری ان نمازوں کو ضائع نہیں کرے گا جو تم نے بیت المقدس کی طرف منہ کر کے پڑھی ہیں۔

۴۱۷- زوارہ کہتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''قبلہ رو ہوئے بغیر نماز صحیح نہیں ہے''۔

میں نے عرض کیا: حد قبلہ کہاں تک ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ''مشرق و مغرب کے درمیان سارا ہی قبلہ ہے''۔

میں نے کہا: جو شخص قبلہ سے ہٹ کر نماز پڑھے یا کوئی شخص بادل والے دن میں وقت سے پہلے نماز پڑھ لے تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

آپؑ نے فرمایا: ''وہ اپنی نماز کا اعادہ کرے''۔

۴۱۸- ایک اور حدیث میں مذکور ہے کہ امام علیہ السلام نے سائل سے فرمایا:

''اپنا چہرہ قبلہ کی طرف رکھو اور قبلہ سے روگردانی نہ کرو''۔

اہلِ کتاب جانتے تھے کہ تحویلِ قبلہ حق ہے

۴۱۹- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ تحویل قبلہ کے بعد اہلِ کتاب نے رسولؐ خدا سے کہا:

''آپ نے یہ چیز اپنے دل سے گھڑلی ہے۔ آپ کی حالت یہ ہے کہ کبھی اُدھر رخ کر رہے ہیں اور کبھی اِدھر رخ کر رہے ہیں''۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَاِنَّ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ لَيَعْلَمُوْنَ اَنَّهُ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ

"بے شک جنہیں کتاب دی گئی ہے وہ جانتے ہیں کہ یہ (تحویل قبلہ) ان کے پروردگار کی طرف سے حق ہے اوراب یہ لوگ جان بوجھ کر اعتراض کر رہے ہیں"۔

۴۲۰- اصولِ کافی میں اصبغ بن نباتہ سے روایت ہے۔اس نے کہا کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:

"اصحاب مشئمہ (بائیں ہاتھ والے) یہود و نصاریٰ ہیں۔اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا ہے:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ

"وہ لوگ جنہیں ہم نے کتاب دی ہے وہ ہمارے رسول محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اچھی طرح سے جانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں"۔

اہل کتاب تورات وانجیل میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصاف پڑھ چکے ہیں اور وہ نبی اکرم کو یوں جانتے پہچانتے ہیں جیسا کہ اپنے گھروں میں موجود اپنے بیٹوں کو جانتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان کی حالت یہ ہے:

وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنْهُمْ لَيَكْتُمُوْنَ الْحَقَّ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ۝ اَلْحَقُّ مِنْ رَّبِّكَ فَلَا تَكُوْنَنَّ مِنَ الْمُمْتَرِيْنَ۝

"اوران میں سے ایک گروہ جان بوجھ کر حق کو چھپا رہا ہے۔حق آپ کے پروردگار کی طرف سے ہے۔آپ ہرگز شک کرنے والوں میں سے نہ بنیں"۔

۴۲۱- تفسیر علی بن ابراہیم میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

اَلَّذِيْنَ اٰتَيْنٰهُمُ الْكِتٰبَ يَعْرِفُوْنَهٗ كَمَا يَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَهُمْ

(ہم نے جن لوگوں کو کتاب دی ہے وہ اس (رسول) کو ایسے ہی جانتے پہچانتے ہیں جیسا کہ وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں)

یہ آیت یہود ونصاریٰ کے متعلق نازل ہوئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تورات' زبور اور انجیل میں حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اوران کے اصحاب اور آپ کے مقامِ بعثت اور مقامِ ہجرت کے متعلق تمام علامات بیان کردی تھیں۔اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰهِ وَالَّذِيْنَ مَعَهٗۤ اَشِدَّآءُ عَلَى الْكُفَّارِ رُحَمَآءُ بَيْنَهُمْ تَرٰىهُمْ رُكَّعًا سُجَّدًا يَّبْتَغُوْنَ فَضْلًا مِّنَ اللّٰهِ وَرِضْوَانًا سِيْمَاهُمْ فِيْ وُجُوْهِهِمْ مِّنْ اَثَرِ السُّجُوْدِ ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ وَمَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ...... (الفتح: ۲۹)

''محمد اللہ کے رسولؐ ہیں اور جو ان کے ساتھ ہیں وہ کفار پر سخت ہیں اور آپس میں مہربان ہیں تو انھیں رکوع اور سجدہ کرتے ہوئے دیکھے گا وہ خدا کا فضل اور اس کی رضامندی کے طلبگار ہیں۔ سجدوں کے نشانات ان کے چہروں پر دکھائی دیتے ہیں اور توریت و انجیل میں ان کی یہ مثال دی گئی ہے''۔

چنانچہ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کو مذکورہ صفات دے کر دنیا میں روانہ کیا تو اہلِ کتاب نے آپ کی علامات کی بدولت آپ کو پہچان لیا تھا جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے۔ فَلَمَّا جَآءَهُمْ مَّا عَرَفُوْا كَفَرُوْا بِهٖ ''جب ان کے پاس وہ پہنچا جسے وہ پہچانتے تھے تو انھوں نے اس کا انکار کر دیا''۔

قائم آلِ محمدؐ کی پیشین گوئی

۴۲۲- کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں سید عبدالعظیم حسنی سے منقول ہے۔ ان کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد تقی علیہ السلام سے عرض کیا:

''مجھے امید ہے کہ حضرت قائمؑ کا تعلق اہل بیت محمدؐ سے ہوگا جو کہ ظلم و جور سے بھری ہوئی زمین کو عدل و انصاف سے بھر دے گا''۔

امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا:

''ہم میں سے ہر امام قائم بامر اللہ ہے اور دین خدا کا ہادی ہے لیکن جس قائم کے ذریعے سے اللہ زمین کو اہل کفر وعناد سے پاک کرے گا اور انصاف وعدل سے بھرے گا۔ قائم وہ ہوگا جس کی ولادت لوگوں سے مخفی ہوگی اور اس کا وجود لوگوں سے غائب ہوگا اور لوگوں کے لیے اس کا نام لینا حرام ہوگا۔ وہ رسولِ خدا کا ہم نام اور ہم کنیت ہوگا۔ اس کے لیے زمین کو سمیٹ دیا جائے گا اور ہر مشکل امر اس کے لیے آسان کر دیا جائے گا۔ اس کے پاس اصحاب بدر کی تعداد میں

اصحاب جمع ہوں گے اور وہ زمین کے مختلف اطراف واکناف سے اس کے پاس تین سو تیرہ کی تعداد میں جمع ہوں گے۔ انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا

"تم جہاں بھی رہو گے تو اللہ تمہیں جمع کر دے گا بے شک اللہ ہر چیز پر قادر ہے"۔

جب تین سو تیرہ اہلِ اخلاص آپؑ کے پاس جمع ہو جائیں گے تو اللہ ان کے امر کو ظاہر کرے گا اور جب آپؑ کی بیعت کی جائے گی تو دس ہزار افراد آپؑ کے ہاتھ پر بیعت کریں گے۔ آپؑ انھیں لے کر خروج کریں گے اور دشمنانِ خدا کو قتل کریں گے یہاں تک کہ اللہ راضی ہو جائے گا۔

میں (راوی) نے کہا: انھیں کیسے پتہ چلے گا کہ خدا راضی ہو گیا ہے؟

امام محمد تقی علیہ السلام نے فرمایا:

"اللہ ان کے دل میں رحمت ڈال دے گا اور جب وہ مدینہ داخل ہوں گے تو وہ مدینہ کے پرانے دو بتوں کو نکال کر جلا ڈلیں گے۔

۴۲۳- امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

"تین سو تیرہ افراد غزوۂ بدر کے مجاہدین کی تعداد کے برابر اپنے بستروں سے گم پائے جائیں گے۔ صبح کے وقت وہ مکہ میں ہوں گے"۔

اللہ تعالیٰ نے ان کے متعلق فرمایا ہے: اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا "تم جہاں بھی رہو گے تو اللہ تم سب کو ایک ہی جگہ پر لے آئے گا"۔ یہ لوگ امام قائمؑ کے اصحاب ہوں گے۔

۴۲۴- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا کی آیت مجیدہ اصحاب قائمؑ کے لیے نازل ہوئی ہے۔ وہ رات کے وقت اپنے بستروں سے اچانک گم ہو جائیں گے اور صبح کے وقت وہ مکہ میں ہوں گے ان میں سے کچھ بادلوں پر سفر کریں گے اور "امام کے نام ولدیت، حلیہ اور ان کے نسب سے واقف ہوں گے۔

میں (راوی) نے عرض کیا: ان میں سے ایمانی لحاظ سے زیادہ باعظمت کون ہو گا؟

آپؑ نے فرمایا: ''وہ جو دن کے وقت بادل پر سواری کرے گا''۔

۴۲۵- تفسیر علی بن ابراہیم میں ابوخالد کابلی سے روایت ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''میں گویا قائمؑ کو دیکھ رہا ہوں کہ انھوں نے اپنی پشت خانہ کعبہ کی دیوار سے لگائی ہوئی ہے۔ پھر وہ خدا سے اپنے حق کا سوال کر رہا ہے ...اور قرآن کی اس آیت مجیدہ اَمَّنْ يُّجِيْبُ الْمُضْطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكْشِفُ السُّوْٓءَ (بھلا وہ کون ہے جو مضطر کی فریاد کو سنتا ہے جب وہ اس کو آواز دیتا ہے اور اس کی مصیبت کو دُور کر دیتا ہے) میں ان کا نام ''مضطر'' ہے۔

سب سے پہلے جبریلؑ ان کے ہاتھ پر بیعت کریں گے ان کے بعد تین سو تیرہ افراد ان کی بیعت کریں گے اور جو ان کی مدد کے لیے روانہ ہو چکے ہوں گے وہ ان سے جا کر ملیں گے اور جو بھی ان کی نصرت کے لیے گھروں سے روانہ نہیں ہوئے ہوں گے تو وہ اپنے بستروں سے غائب پائے جائیں گے اور اسی طرف اللہ تعالیٰ نے اس آیت میں اشارہ کیا ہے:

فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا

''تم نیکیوں میں ایک دوسرے سے سبقت کرو۔ (نیکیوں سے ہماری ولایت مراد ہے) تم جہاں بھی ہو گے تو اللہ تم سب کو ایک ہی جگہ پر لے آئے گا''۔

۴۲۶- روضہ کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرٰتِ ؕ اَيْنَ مَا تَكُوْنُوْا يَاْتِ بِكُمُ اللّٰهُ جَمِيْعًا کی آیت مجیدہ کے متعلق فرمایا کہ ''خیرات'' سے مراد ہماری ولایت ہے اور جن کو خدا نے یکجا کرنے کا وعدہ کیا ہے وہ امام قائمؑ کے تین سو تیرہ افراد ہیں اور خدا کی قسم! ان کی تعداد مقرر ہے اور وہ خریف کے بادل کے ٹکڑوں کی طرح سے ایک دوسرے سے مل جائیں گے۔

۴۲۷- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

''خدا کی قسم! اگر ہمارا قائمؑ قیام کرے تو اللہ تمام مقامات سے ہمارے شیعوں کو ان کے لیے جمع کر دے گا''۔

ذکرِ خدا

۴۲۸- کتاب معانی الاخبار میں محمد بن مسلم سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے:

''تسبیح فاطمہؑ کا تعلق خدا کے اس ذکرِ کثیر سے ہے جس کے متعلق اللہ نے فرمایا:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ''تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا''۔

۴۲۹۔ اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپ نے کفر کی اقسام بیان کی ہیں۔ اس حدیث کے ضمن میں آپؑ نے فرمایا:

''کفر کی تیسری قسم نعمات الٰہی کا کفر ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ وَاشْكُرُوا لِي وَلَا تَكْفُرُونِ ۝

''تم میرا ذکر کرو میں تمہارا ذکر کروں گا اور تم میرا شکر ادا کرو اور میرا کفر نہ کرو''۔

(مقصد یہ ہے کہ تم میری نعمات کا شکر ادا کرو اور کفرانِ نعمت نہ کرو)

۴۳۰۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپ نے وَلَذِكْرُ اللَّهِ أَكْبَرُ (اور یقیناً اللہ کا ذکر بہت بڑا ہے) کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

''نمازی اپنی نماز میں اللہ کو یاد کرتے ہیں مگر ان کے ذکر کی وہ حیثیت نہیں ہے جو خدا کی طرف سے ان کے ذکر کی اہمیت ہے۔ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اللہ نے فرمایا ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ''تم مجھے یاد کرو میں تمہیں یاد کروں گا''۔

(اس آیت مجیدہ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ تم زمین پر مجھے یاد کرو میں ملاء اعلیٰ میں تمہارا ذکر کروں گا)

علاوہ ازیں اس کا ایک مفہوم یہ ہے کہ تم میرا ذکر قائم کرو' میں تمہارا ذکر قائم کراؤں گا' اور جب میں نے تمہارا ذکر قائم کر دیا تو تمہارے ذکر پر فنا طاری نہ ہوگی۔ (من المترجم)

۴۳۱۔ روضہ کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے:

''جو مومن خدا کا ذکر کرے تو اللہ اس کا ذکر کرتا ہے اور یاد رکھو جو بھی بندۂ مومن اللہ کا ذکر کرتا ہے اللہ لوگوں میں اس کا ذکر خیر جاری کر دیتا ہے لہٰذا پوری کوشش بروئے کار لاتے ہوئے خدا کی اطاعت کرو اور اس کا ذکر کرو''۔

۴۳۲۔ مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''جیسے ہی دن شروع ہوتا ہے تو اس کے پہلے حصہ میں فرشتہ صحیفہ لے کر آتا ہے اور رات کے پہلے حصہ میں بھی صحیفہ

لے کر آتا ہے جس میں فرزندِ آدم کے عمل لکھے جاتے ہیں لہٰذا دن کے پہلے حصے میں اپنے صحیفہ میں نیکی لکھواؤ اور رات کے پہلے حصہ میں بھی نیکی لکھواؤ۔ اور اگر درمیان میں کوئی غلطیاں ہوں گی تو خدا معاف کر دے گا۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے:

فَاذْكُرُونِي أَذْكُرْكُمْ ''تم میرا ذکر کرو میں تمھارا ذکر کروں گا''۔

۴۳۳- کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو بہت سی وصیتیں کی تھیں جن میں سے ایک وصیت یہ تھی:

''تین چیزیں ایسی ہیں جن کو یہ اُمت برداشت نہیں کر سکتی

۱- اپنے بھائی کے ساتھ مالی ہمدردی ۲- اپنی ذات سے لوگوں کو انصاف فراہم کرنا ۳- ہر حالت میں اللہ کا ذکر کرنا اور یاد رکھو ذکر خدا صرف سُبْحَانَ اللّٰهِ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ وَلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ تک ہی محدود نہیں ہے۔ صحیح ذکر خدا یہ ہے کہ جب انسان کے سامنے کوئی فعلِ حرام آئے تو وہ خدا سے ڈر جائے اور فعلِ حرام کو چھوڑ دے''۔

۴۳۴- امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ حدیث انہی الفاظ سے منقول ہے البتہ اس میں ان الفاظ کا اضافہ ہے۔ ذکر خدا یہ ہے کہ جب خدا کا کوئی حکم تمھارے سامنے آئے تو اس پر عمل کرو۔

۴۳۵- ابو حمزہ ثمالی کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا آپؑ فرمایا کرتے تھے:

''انسان کے لیے تین حالتیں ہیں اور وہ یہ ہیں ۱- بلاء ۲- قضا ۳- نعمت''۔

بلاء یعنی آزمائش کے وقت خدا کی طرف سے صبر فرض ہے۔ قضا کی شکل میں انسان پر خدا کی طرف سے تسلیم و رضا واجب ہے اور نعمت کے وقت خدا کی طرف سے انسان پر شکر واجب ہے۔

۴۳۶- ابو حمزہ ثمالی کہتے ہیں کہ امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

''جس نے ''الحمد للہ'' کہا اس نے خدا کی تمام نعمات کا شکر ادا کر دیا''۔

۴۳۷- امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

''خدا کو ہر جگہ یاد کرو وہ تمھارے ساتھ ہے''۔

۴۳۸- امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

''ہر نعمت کے شکر کی عملی کیفیت یہ ہے کہ انسان حرام چیزوں سے پرہیز کرے''۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾ وَلَا تَقُولُوا لِمَنْ يُقْتَلُ فِي سَبِيلِ اللَّهِ أَمْوَاتٌ ۚ بَلْ أَحْيَاءٌ وَلَٰكِنْ لَا تَشْعُرُونَ ﴿١٥٤﴾ وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنْفُسِ وَالثَّمَرَاتِ ۗ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٥﴾ الَّذِينَ إِذَا أَصَابَتْهُمْ مُصِيبَةٌ قَالُوا إِنَّا لِلَّهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ ﴿١٥٦﴾ أُولَٰئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوَاتٌ مِنْ رَبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۖ وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُونَ ﴿١٥٧﴾ إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ ۖ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ أَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطَّوَّفَ بِهِمَا ۚ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَإِنَّ اللَّهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ ﴿١٥٨﴾

"ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے مدد طلب کرو۔ یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جو لوگ اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں انھیں مردہ نہ کہو بلکہ وہ زندہ ہیں لیکن تمھیں ان کی زندگی کا شعور نہیں ہے۔ اور ہم تمھیں ضرور کچھ خوف اور بھوک اور اموال اور نفوس اور پھلوں کی کمی سے آزمائیں گے۔ آپ صبر کرنے والوں کو بشارت دے دیں۔ وہ جب ان پر مصیبت آتی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم اللہ ہی کے لیے ہیں اور ہم اس کی طرف واپس جانے والے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں پر ان کے پروردگار کی طرف سے

صلوات اور رحمت ہے اور وہی ہدایت یافتہ ہیں۔ بے شک صفا اور مروہ کی پہاڑیاں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ جو بھی بیت اللہ کا حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ ان دونوں کا چکر لگائے اور جو مزید بھلائی کرے گا تو یقیناً خدا قدردان اور جاننے والا ہے"۔

۴۳۹- مصباح الشریعہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے:
"جو کوئی مصائب کا استقبال کھلے دل اور صبر وسکون اور وقار سے کرے تو وہ شخص خاصانِ خدا میں سے ہے اور وہ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ کے حق داروں میں سے ہے۔

۴۴۰- تفسیر عیاشی میں فضیل سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے مجھ سے کہا:
"فضیل! ہمارا جو بھی محب تمھیں ملے اسے ہماری طرف سے سلام پہنچاؤ۔ اور ان تک میرا یہ پیغام پہنچاؤ کہ میں تقویٰ کے بغیر تمھیں خدا سے نہیں بچا سکوں گا لہٰذا اپنی زبانوں کی حفاظت کرو اور اپنے ہاتھوں کو روک لو اور صبر اور نماز کا دامن نہ چھوڑو۔ بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

۴۴۱- مجمع البیان میں ہے کہ شہداء کے زندہ ہونے کے متعلق بہت سے اقوال ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے:

"شہداء کو زندہ کہنے کا ایک مقصد یہ ہے کہ ان کی نیک نامی اور تعریف ہمیشہ قائم رہتی ہے اور وہ لوگوں کے قلوب و اذہان میں ہمیشہ زندہ رہتے ہیں جیسا کہ امیر المومنین علیہ السلام نے علماء کے متعلق اپنے ایک خطبہ میں یہ الفاظ کہے تھے:
"دولت جمع کرنے والے ہلاک ہو چکے ہیں اور علماء رہتی دنیا تک باقی ہیں اگرچہ ان کے مادی اجسام گم ہو چکے ہیں لیکن ان کے آثار دلوں میں موجود ہیں"۔

۴۴۲- یونس بن ظبیان کہتے ہیں کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ آپؑ نے فرمایا:
"لوگ ارواحِ مومنین کے متعلق کیا کہتے ہیں؟"
میں نے عرض کیا: لوگ کہتے ہیں زیرِ عرش قندیلیں ہیں اور وہاں سبز رنگ کے پرندے ہیں اور اہلِ ایمان کی روحیں ان پرندوں کے پوٹوں میں رہتی ہیں۔

یہ سن کر آپؑ نے فرمایا:

"سبحان اللہ! مومن کی شان اس سے کہیں زیادہ ہے کہ خدا اس کی روح کو سبز رنگ کے پرندے کے پوٹے میں رکھے۔

یونس! جب کسی مومن کی وفات ہوتی ہے تو اللہ اس کی روح کو دنیاوی جسم کی طرح ایک جسم دیتا ہے اور مومن کھاتے پیتے رہتے ہیں اور جب کوئی نیا آدمی ان کے پاس جاتا ہے تو وہ ان کی دنیاوی شکل وصورت کی وجہ سے انھیں پہچان لیتا ہے"۔

۴۴۳-ابوبصیر کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ارواحِ مومنین کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا:

"وہ جنت میں اپنے دنیاوی اجسام کی طرح سے جسم رکھتے ہیں اگر تو انھیں دیکھ لے تو انھیں پہچان کر کہے گا یہ فلاں ہے یہ فلاں ہے۔ مومن کے لیے ان کی قبر [illegible] وسیع کر دیا جاتا ہے اور اس سے کہا جاتا ہے دلہن کی طرح سے سو جاؤ۔

اہلِ ایمان کی آزمائش

ایمان کے تقاضوں کی تکمیل کے لیے امتحان وآزمائش کا ہونا ضروری ہے کیونکہ ہمیشہ کھرا سونا آگ میں تپ کر کندن ہو جاتا ہے اسی لیے ایمان کے امتحان کے لیے خوف' بھوک' اموال' نفوس اور ثمرات کی کمی کا امتحان مقرر کیا گیا ہے اور جو اہلِ ایمان ان تمام مصائب ومشکلات کو صبر سے برداشت کریں گے اور یہ عقیدہ رکھیں گے کہ وہ اول وآخر خدا کی ملکیت میں ہیں اور ان کی بازگشت خدا کے حضور ہوتی ہے تو ایسے لوگوں پر اللہ کی طرف سے صلوات اور رحمت کا نزول ہوتا ہے اور یہی لوگ حقیقی ہدایت یافتہ ہوتے ہیں۔ ویسے تو مومن ہمیشہ ہی امتحان کے مراحل سے گزرتا رہتا ہے لیکن بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ قائم آلِ محمدؑ کے ظہور سے قبل اس امتحان میں شدت پیدا ہو جائے گی جیسا کہ حسب ذیل روایات میں مروی ہے۔

۴۴۴- کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں محمد بن مسلم سے منقول ہے' اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا' آپؑ نے فرمایا:

قائم علیہ السلام کے خروج کی کچھ علامات ہیں:

میں (راوی) نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! وہ علامات کون سی ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: ان آزمائشات کا ذکر خداوند عالم نے اس آیت میں کیا ہے:

وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْاَمْوَالِ وَالْاَنْفُسِ وَالثَّمَرٰتِ ۭ وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ۝

''اور ہم تمہیں کچھ خوف' بھوک اور اموال ونفوس وثمرات کی کمی سے ضرور آزمائیں گے اور صبر کرنے والوں کو بشارت دے دو''۔

اس ذریعہ سے اللہ نے اہلِ ایمان کو یہ پیغام دیا ہے کہ قیامِ قائم سے قبل فلاں خاندان کی حکومت کے آخری ایام میں ان پر سختیاں کی جائیں گی اور اجناس کی قیمتیں آسمان سے باتیں کرنے لگیں گی اسی لیے اہلِ ایمان کو بھوک وفاقہ کشی کی مصیبتیں جھیلنا پڑیں گی اور تجارت کی کساد بازاری کی وجہ سے دولت و مال میں کمی واقع ہوگی اور کثرت اموات سے ان کا امتحان لیا جائے گا اور ثمرات کی پیداوار میں بے حد کمی واقع ہوجائے گی اور ان حالات وشدائد میں صبر کرنے والوں کے لیے قائم علیہ السلام کے تعجیلِ فرج کی خوش خبری دے دو۔

اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ (راوی) سے فرمایا

محمد بن مسلم! یہ اس آیت مجیدہ کی تاویل ہے اور تاویل کا علم ''راسخین فی العلم'' کے پاس ہے۔

۴۴۵- تفسیر عیاشی میں ثمالی سے منقول ہے' اس نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے وَلَنَبْلُوَنَّكُمْ بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوْعِ... کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''بھوک دو طرح کی ہوگی۔ ایک عام ہوگی اور ایک خاص ہوگی۔ شام میں عام بھوک ہوگی اور کوفہ میں خاص بھوک ہوگی لیکن وہ آلِ محمدؐ کے دشمنوں پر بھیجی جائے گی جس سے وہ ہلاک ہوجائیں گے اور قائم علیہ السلام کے خروج کے وقت پورے شام پر خوف طاری ہوگا''۔

۴۴۶- کتاب علل الشرائع میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا: ''کتاب علی'' میں یہ جملے مرقوم ہیں:

''تمام لوگوں سے زیادہ آزمائش انبیاء کی ہوتی ہے پھر اوصیاء کی ہوتی ہے' پھر ان سے مشابہ افراد کی ہوتی ہے' پھر ان کے مشابہ افراد کی ہوتی ہے۔ اللہ تعالیٰ مومن کے نیک اعمال کی مقدار میں اسے آزماتا ہے۔ چنانچہ جس کا دین اور عمل صحیح ہوگا اس کی آزمائش سخت کی جائے گی کیونکہ یہ دنیا نہ تو مومن کے ثواب کا گھر ہے اور نہ ہی کافر کی عقوبت کا مقام ہے اور جس کا دین اور عمل کمزور ہوگا اس کی آزمائش بھی کم ہوگی، اور جس طرح سے نشیبی زمین کی طرف تیزی سے بارش کا پانی آتا ہے اسی طرح سے آزمائش بھی متقی مومن کی طرف تیزی [illegible] آتی ہے۔

۴۴۷۔ نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''بداعمالیوں کے وقت اللہ [illegible] کے، روکنے اور بھلائیوں کے خزانے بند کرنے سے آزماتا ہے تاکہ توبہ کرنے والا توبہ کر [illegible] نصیحت حاصل کرے اور باز آنے والا باز آ جائے''۔

۴۴۸۔ مصباح الشریعہ میں [illegible] حدیث منقول ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے:

''اللہ جس شخص کو کسی تکلیف میں مبتلا [illegible] خالق کا شکوہ نہ کرے اور لوگوں کے روبرو بے صبری کا مظاہرہ نہ کرے تو ایسا شخص [illegible] کے متعلق اللہ نے فرمایا ہے:

وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ ''اور آپ صبر کرنے والو [illegible] بشارت دیں۔

۴۴۹۔ کتاب الخصال میں ہے کہ امام [illegible] اپنے آبائے طاہرین کی سند سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی۔

آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''میں نے اپنے بندوں کو دنیا دی ہے اور جو بندہ میری عطا کردہ دنیا سے مجھے قرض دے گا تو میں اسے ایک کے بدلے سات سو گنا عطا کروں گا اور جس سے میں دنیا زبردستی (ارضی وسماوی حادثات سے) لے لوں تو میں اس صدمہ کے عوض اسے تین خصلتیں عطا کروں گا اور وہ خصلتیں اتنی قیمتی ہیں کہ اگر میں اپنے فرشتوں کو بھی ان میں سے ایک خصلت دے دوں تو وہ بھی خوش ہو جائیں گے۔ صدمہ برداشت کرنے والے مومن کو میں اپنی طرف سے صلوات' ہدایت اور رحمت عطا کروں گا۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

الَّذِيْنَ اِذَآ اَصَابَتْهُمْ مُّصِيْبَةٌ ۙ قَالُوْٓا اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ ﴿۱۵۶﴾ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ صَلَوٰتٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَرَحْمَةٌ ۫ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُهْتَدُوْنَ ﴿۱۵۷﴾

''وہ لوگ جب ان پر کوئی مصیبت وارد ہوتی ہے تو وہ کہتے ہیں ہم اللہ کی ملکیت ہیں اور ہم اسی کی طرف رجوع کرنے والے ہیں۔ ان پر اللہ کی طرف سے صلوات اور رحمت ہے اور وہی لوگ ہی ہدایت یافتہ ہیں''۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ تینوں انعام اسے ملیں گے جو خدا کے دیئے ہوئے صدمہ پر صبر کرے گا''۔

۴۵۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی' آنحضرتؐ نے فرمایا:

''جس میں چار خصلتیں ہوں گی تو وہ اللہ کے نور اعظم میں ہوگا:

۱- وہ شخص جس کے ہر کام کا آغاز لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ کی گواہی سے ہو۔

۲- وہ شخص جس پر کوئی مصیبت آئے تو وہ ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' کہے۔

۴۵۱- اصول کافی میں ہارون بن فضل سے منقول ہے کہ جس دن امام محمد تقی علیہ السلام کی وفات ہوئی تو اس وقت علی نقی علیہ السلام بیٹھے تھے کہ اچانک انھوں نے ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' پڑھا اور کہا کہ میرے والد محمد تقی کی وفات ہوگئی ہے۔

آپؑ سے پوچھا گیا کہ آپؑ کو یہ بات کس نے بتائی؟

آپؑ نے فرمایا: ابھی بیٹھے بٹھائے اچانک میرے دل میں ایک دُکھ سا پیدا ہوا جس سے میں نے اندازہ کیا کہ ہو نہ ہو میرے والد محمد تقی کی وفات ہو چکی ہے۔

۴۵۲- الکافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''جب کسی مومن پر کوئی مصیبت نازل ہو اور وہ صبر کرے اور ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' کہے تو اللہ اس کے تمام گذشتہ گناہ معاف کر دے گا اور جب وہ اپنے صدمہ کو یاد کرے اور انا للہ پڑھے تو صدمہ کے دن اور یاد کرنے کے دن کے

درمیان جتنے اس کے گناہ ہوں گے خدا انھیں معاف کر دے گا''۔

۴۵۳- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جو شخص اپنے اوپر پڑنے والی مصیبت کو یاد کرے اگرچہ اسے کتنا ہی عرصہ کیوں نہ گزر گیا ہو اور وہ مصیبت کو یاد کر کے انا للہ وانا الیہ راجعون والحمدللہ رب العالمین اللھم اجرنی علی مصیبتی واخلف علیّ افضل منھا پڑھے تو اسے اتنا ہی ثواب ملے گا جتنا کہ صدمہ کی ابتدا پر ملا تھا''۔

۴۵۴- امیر المومنین علیہ السلام اشعث بن قیس کے پاس اس کے بھائی کی تعزیت کے لیے تشریف لے گئے اور آپؑ نے اس سے فرمایا:

''اگر تو جزع وفزع کرے تو اس سے رشتہ داری کا حق ادا ہو گا اور اگر تو صبر کرے تو اس سے تو اللہ کے حق کو ادا کر سکے گا۔ یاد رکھو! اگر تو نے قضا کے جاری ہونے والے فیصلہ پر صبر کیا تو تو قابلِ تعریف قرار پائے گا اور اگر تو نے بے صبری کا مظاہرہ کیا تو قضا کا فیصلہ تو بہرحال نافذ ہو کر رہے گا مگر تو لائقِ مذمت قرار پائے گا۔

یہ سن کر اشعث نے ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' کہا۔

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: اس جملے کی تاویل بھی جانتے ہو؟

اس نے کہا: نہیں۔

آپؑ نے فرمایا: لو سنو! ''انا للہ'' کے لفظوں سے تم اقرار کرتے ہو کہ تم خدا کی ملکیت میں ہو اور ''وانا الیہ راجعون'' کے الفاظ سے تم اپنی موت کا اقرار کرتے ہو۔

۴۵۵- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ کسی نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: یوسف کی جدائی پر یعقوب کو دکھ کتنا ہوا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: اگر ستر پسر مردہ ماؤں کا دکھ درد جمع کیا جائے تو حضرت یعقوب کو حضرت یوسفؑ کی جدائی پر اتنا دکھ اور غم ہوا تھا۔ مگر جناب یعقوبؑ کو ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' کے الفاظ کا علم نہیں تھا اسی لیے وہ ''واسفا علی یوسف'' کہہ کر اپنے غم کا اظہار کرتے تھے۔

۴۵۶- نہج البلاغہ میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے کسی شخص کو ''اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رٰجِعُوْنَ'' کہتا ہوا

پایا۔ آپؑ نے اس سے فرمایا:

''ہماری طرف سے ''انا للہ'' کے الفاظ اس بات کی دلیل ہیں کہ ہم خدا کی ملکیت ہیں اور ہماری طرف سے ''وانا الیہ راجعون'' کے الفاظ اس بات کی گواہی ہیں کہ ہم نے مرنا ہے''۔

۴۵۷- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حدیث ہے:

''جو مصیبت کے وقت ''اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رٰجِعُوْنَ'' کہے گا تو اللہ اس کی مصیبت کی تلافی کرے گا اور اس کا انجام بہتر کرے گا اور اسے اس کا نعم البدل عطا کرے اور اسے راضی کرے گا''۔

۴۵۸- جس شخص پر کوئی مصیبت نازل ہوئی ہو اور وہ کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس کو یاد کر کے اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّاۤ اِلَیْهِ رٰجِعُوْنَ پڑھے تو اسے مصیبت کے دن کا سا اجر وثواب عطا کیا جائے گا۔

صفا ومروہ کی پہاڑیاں

۴۵۹- کتاب علل الشرائع میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''صفا کو اس لیے ''صفا'' کہا جاتا ہے کہ آدم صفی اللہ اس پر اترے تھے چنانچہ حضرت آدم کی صفوت کی وجہ سے پہاڑ کا نام ''صفا'' پڑ گیا۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰۤى اٰدَمَ وَنُوْحًا وَّاٰلَ اِبْرٰهِیْمَ وَاٰلَ عِمْرٰنَ عَلَى الْعٰلَمِیْنَ ۙ

''بے شک اللہ نے آدم ونوح اور آل ابراہیم اور آل عمران کو تمام جہانوں سے چُن لیا''۔

مروہ کی پہاڑی پر حضرت حوا اُتری تھیں۔ حضرت حوا عورت تھیں اور عورت کو ''امراۃ'' کہا جاتا ہے اس لیے جس پہاڑی پر بی بی اتری تھیں اسے لفظ ''امراۃ'' کی مناسبت سے ''مروہ'' کا نام دیا گیا۔

۴۶۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب ابراہیم علیہ السلام نے اپنے فرزند اسماعیل کو مکہ میں چھوڑا تو اسماعیل پیاسے ہوئے۔ اس وقت صفا ومروہ کے درمیان ایک درخت تھا۔ ان کی والدہ نے انھیں لٹایا اور پانی کی تلاش کے لیے وہ صفا پر کھڑی ہوئیں اور آواز دے کر کہا: کیا وادی میں کوئی انسان ہے؟

کسی طرف سے جواب موصول نہ ہوا۔ اس کے بعد بی بی ''مروہ'' پر آئیں اور یہاں بھی یہی آواز دی لیکن انھیں

کہیں سے جواب نہ ملا۔ پھر بی بی صفا پر گئیں اور وہاں سے واپس مروہ آئیں۔ الغرض آپ نے صفا و مروہ کے سات چکر لگائے۔ اللہ نے ان کے عمل کو سنت کا درجہ دے دیا۔

حدیث طویل ہے۔ ہم نے بقدر ضرورت اس کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔

۴۶۱۔ معاویہ بن عمار کا بیان ہے کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کا پس منظر یہ ہے کہ ایک مرتبہ ابراہیم علیہ السلام کے سامنے ابلیس نمودار ہوا۔ حضرت جبرئیلؑ نے حضرت ابراہیمؑ کو حکم دیا کہ وہ اس پر حملہ کر دیں۔ چنانچہ آپ نے اس پر حملہ کیا تو ابلیس صفا و مروہ پر دوڑنے لگا اور حضرت ابراہیمؑ بھی اس کے تعاقب میں چلتے رہے۔ چنانچہ حضرت ابراہیمؑ کے عمل کو اللہ نے سنت کا درجہ [illegible] اور [illegible] کا حصہ بنا دیا۔

۴۶۲۔ حلبی کہتے ہیں کہ [illegible] صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کی ابتدا کیسے ہوئی؟ آپؑ نے فرمایا: [illegible] شیطان ظاہر ہوا تھا۔ آپ اس کو مارنے کے لیے بھاگے تھے۔

۴۶۳۔ الکافی میں [illegible] قول ہے آپؑ نے فرمایا:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے [illegible] سال تک قیام کیا مگر اس دوران آپؐ نے حج نہیں کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کو حج کا حکم دیا۔ آپ نے [illegible] والوں کو حکم دیا کہ وہ مدینہ اور اس کے گردونواح میں جا کر اعلان کر دیں کہ اس سال رسولؐ خدا حج پر [illegible] گے جس نے حج کرنا ہو وہ ہمارے ساتھ چلے۔

اس اعلان کے بعد مدینہ اور اس کے گردونواح سے انسانوں کی ایک بڑی تعداد آپ کے پاس جمع ہوگئی۔ لوگ چاہتے تھے کہ آپ کے ساتھ حج کر کے آپ سے مناسک حج کی تعلیم حاصل کریں۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ۲۶ ذی القعدہ کو گھر سے روانہ ہوئے اور جب مقام ذی الحلیفہ (یہ جگہ مدینہ سے چھ میل کے فاصلہ پر ہے اور اسے آج کل میقات بیر علی کے نام سے پکارا جاتا ہے) پر پہنچے تو اس وقت سورج ڈھل چکا تھا۔ آپؐ نے وہاں غسل کیا اور درخت کے قریب واقع مسجد میں آئے اور آپ نے وہاں نماز ظہر ادا کی اور آپ نے حجِ افراد کا ارادہ کیا۔ پھر یہاں سے روانہ ہو کر آپ مقام "بیدا" پر پہنچے وہاں لوگوں کی کچھ صفیں آپ کے ساتھ شامل ہوئیں۔ آپ نے حج افراد کا تلبیہ کہا اور آپ اپنے ساتھ ۶۶ یا ۶۴ قربانی کے جانور لے کر گئے تھے اور سفر کر کے آپ ۴ ذی الحجہ کو مکہ پہنچے۔ آپ نے بیت اللہ کے طواف کے ساتھ چکر لگائے اور طواف کے بعد مقامِ ابراہیم کے پیچھے آپ نے دو رکعت نماز

طواف پڑھی۔ پھر وہاں سے اٹھ کر آپ حجر اسود کے قریب آئے اور اسے بوسہ دیا جب کہ آپ اسے پہلے طواف میں بھی بوسہ دے چکے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا: اِنَّ الصَّفَا وَ الْمَرْوَۃَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰہِ (صفا و مروہ کی پہاڑیاں خدا کی نشانیاں ہیں) میں وہاں سے شروع کرتا ہوں جہاں سے خدا نے شروع کیا ہے۔ (یعنی سعی کے عمل کی ابتدا صفا سے کرنی چاہیے)۔

آنحضرتؐ کے اس اعلان سے قبل مسلمان یہ سمجھتے تھے کہ صفا و مروہ کے درمیان رسم سعی مشرکین کی ایجاد کردہ بدعت ہے اور جب آنحضرتؐ نے آیت قرآن سے اس کی سعی کا حکم دیا تو مسلمانوں کو پتہ چلا کہ صفا و مروہ کی رسم سعی حج و عمرہ کا حصہ ہے۔

حدیث طویل ہے۔ ہم نے بقدر ضرورت اس کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔

۴۶۴- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

''میں سعی کا آغاز اس مقام سے کروں گا جس کا خدا نے پہلے ذکر کیا ہے۔ چنانچہ آنحضرتؐ صفا پر تشریف لائے اور وہاں سے سعی کا عمل شروع کیا''۔

۴۶۵- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میں وہاں سے ابتدا کروں گا جس کا خدا نے ذکر پہلے کیا ہے۔ پھر آپ ''صفا'' پر چڑھے اور وہاں اتنی دیر کھڑے رہے جتنی دیر میں سورہ بقرہ پڑھی جاسکتی ہے''۔

حدیث طویل ہے ہم نے بقدر ضرورت اس کا ایک حصہ نقل کیا ہے۔

۴۶۶- عبید بن زرارہ کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ ایک شخص نے بیت اللہ کا طواف کیا اور سات چکر پورے کیے۔ پھر وہ صفا و مروہ کے درمیان سعی کے لیے گیا اور اس نے وہاں چار چکر لگائے کہ اس کو قضائے حاجت کی ضرورت محسوس ہوئی۔ چنانچہ اس نے صفا و مروہ کی سعی کو چھوڑا اور قضائے حاجت سے فارغ ہوا۔ پھر اس نے اپنی بیوی سے جماع کیا تو اس شخص کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ غسل کرے اور واپس آ کر صفا و مروہ کے بقیہ تین چکر پورے کرے اور خدا سے مغفرت طلب کرے۔ اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے''۔

راوی کہتا ہے کہ پھر میں نے عرض کیا کہ اگر ایک شخص طواف فریضہ میں مشغول ہو اور چار چکر پورے کر چکا ہو پھر اسے قضائے حاجت کی ضرورت محسوس ہو اور وہ مسجد الحرام سے باہر چلا جائے اور قضائے حاجت سے فارغ ہو اور بعد ازاں اپنی بیوی سے جماع کرے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اس کا حج فاسد ہوگیا اور اس کو ایک اونٹ بطور کفارہ قربان کرنا ہوگا اور وہ غسل کرے اور پھر واپس آ کر طواف کے سات چکر پورے کرے۔ پھر صفا و مروہ کے درمیان سعی بجالائے اور خدا سے مغفرت طلب کرے''۔

میں (راوی) نے عرض کیا: بھلا اس کی کیا وجہ ہے کہ جس نے صفا و مروہ کی سعی کو چھوڑ کر یہ کام کیا تھا تو اس پر تو کفارہ واجب نہیں ہے جب کہ جس نے طواف کو نامکمل چھوڑا اور بیوی سے ہم بستر ہوا تو اس پر کفارہ واجب ہے۔ آخر یہ فرق کیوں ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: بات یہ ہے کہ طواف فرض ہے اور اس کے بعد نماز بھی ہے جب کہ سعی رسولؐ خدا کی سنت ہے۔

میں نے کہا: کیا اللہ نے یہ نہیں فرمایا: إِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللهِ (بے شک صفا و مروہ کی پہاڑیاں خدا کی نشانیاں ہیں)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

جی ہاں خدا نے یہ تو فرمایا ہے مگر اس کے آگے یہ بھی فرمایا ہے: وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَإِنَّ اللهَ شَاكِرٌ عَلِيمٌ (جو از خود بھلائی کرے تو خدا قدردان اور علم رکھنے والا ہے) اور اگر سعی فرض ہوتی تو اللہ تعالیٰ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا کے الفاظ کبھی نہ فرماتا۔

سعی کا آغاز صفا سے کرنا چاہیے

۴۶۷۔امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: جب رسول اکرم طواف کر چکے اور دو رکعت نماز طواف ادا کر چکے تو آپؐ نے فرمایا:

''میں سعی کا آغاز ''صفا'' سے کروں گا کیونکہ اللہ نے اس کا ذکر پہلے کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے: وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا ۙ فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ (بے شک صفا اور مروہ کی پہاڑیاں خدا کی نشانیوں میں سے ہیں''۔

یہ حدیث طویل ہے ہم نے بقدرِ ضرورت اس کا صرف یہ حصّہ نقل کیا ہے۔

۴۶۸- حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپ نے فرمایا:

''تمام مناسک حج میں سے اللہ کو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنا زیادہ پسند ہے کیونکہ یہاں آ کر جبار اور متکبر افراد بھی دوسروں کے ساتھ دوڑ میں شریک ہوتے ہیں''۔

۴۶۹- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے صفا و مروہ میں دوڑنے کے ذریعہ سے متکبرین کے تکبر کو خاک میں ملایا ہے''۔

۴۷۰- امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ آیا صفا و مروہ میں سعی کرنا فرض ہے یا سنت ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: فرض ہے۔

سائل نے کہا تو کیا اللہ تعالیٰ نے سعی کے متعلق یہ نہیں فرمایا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا (حج و عمرہ کرنے والے کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ ان کا چکر لگائے)۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اس آیت کا تعلق عمرۃ القضا سے ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اہلِ مکہ کے ساتھ معاہدہ کیا تھا کہ جب آپ آئندہ سال عمرہ کے لیے آئیں گے تو اہلِ مکہ صفا و مروہ سے بت ہٹالیں گے''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا گیا کہ معاہدے کے تین روز بعد کفار نے بت دوبارہ وہاں رکھ دیے ہیں اور ایک شخص نے ابھی تک صفا و مروہ کے درمیان سعی نہیں کی تو اب اسے کیا کرنا چاہیے۔ کیا بتوں کی موجودگی میں صفا و مروہ کے درمیان سعی بجالائے یا سرے سے صفا و مروہ کی سعی کو ہی ترک کردے؟

اس سوال کے جواب میں اللہ نے یہ آیت نازل کی:

اِنَّ الصَّفَا وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَآئِرِ اللّٰهِ ۚ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ اَوِ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ اَنْ يَّطَّوَّفَ بِهِمَا

''صفا و مروہ خدا کی نشانیوں میں سے ہیں جو کوئی حج یا عمرہ کرے تو اس کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ ان کے درمیان چکر لگائے''۔

مقصد آیت یہ ہے کہ بتوں کی موجودگی میں بھی صفا و مروہ کے درمیان سعی کا عمل بجا لانا چاہیے۔

۴۷۱- من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ زرارہ بن اعین اور محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ ہم نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ چار رکعتی نماز کو سفر میں کیسے پڑھا جائے؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق حکم دیا ہے:

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوۃِ -

''جب تم سفر کرو تو تمھارے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ تم نماز قصر پڑھو''۔

چنانچہ سفر میں قصرِ نماز پڑھنا اسی طرح سے فرض ہے جس طرح سے گھر میں مکمل نماز پڑھنا فرض ہے۔

ہم نے عرض کیا:

اس آیت مجیدہ سے وجوب ثابت نہیں ہوتا کیونکہ آیت میں فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ کے الفاظ ہیں جس کا معنی یہ ہے کہ تمھارے لئے قصر نماز پڑھنے میں کوئی حرج نہیں ہے اور اگر قصر نماز واجب ہوتی تو اللہ تعالیٰ فعل امر کے واضح الفاظ سے اس کی فرضیت کو بیان کر دیتا جیسا کہ اس نے پوری نماز کا واضح حکم دیا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے تو صفا و مروہ کے درمیان سعی کرنے کے لیے بھی کم و بیش یہی الفاظ استعمال کیے ہیں اور فرمایا: فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ اَنْ یَّطَّوَّفَ بِهِمَا ''حج و عمرہ کرنے والے کے لیے کوئی حرج نہیں کہ وہ صفا و مروہ کے درمیان چکر لگالے''۔

ان الفاظ کی موجودگی میں صفا و مروہ کی سعی واجب ہے کیونکہ اللہ نے اپنی کتاب میں اس کا ذکر کیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔ تو جس طرح سے فَلَا جُنَاحَ عَلَیْهِ کے الفاظ کی موجودگی میں صفا و مروہ کی سعی واجب ہے اسی طرح سے فَلَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ کے الفاظ کی موجودگی میں بھی سفر میں نماز قصر پڑھنا واجب ہے کیونکہ اللہ نے اس کا ذکر کیا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر عمل کر کے دکھایا ہے۔

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ
مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِى الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ
اللّٰعِنُوْنَ ﴿١٥٩﴾ اِلَّا الَّذِيْنَ تَابُوْا وَاَصْلَحُوْا وَبَيَّنُوْا فَاُولٰٓئِكَ
اَتُوْبُ عَلَيْهِمْ ۚ وَاَنَا التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٠﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا
وَمَاتُوْا وَهُمْ كُفَّارٌ اُولٰٓئِكَ عَلَيْهِمْ لَعْنَةُ اللّٰهِ وَالْمَلٰٓئِكَةِ
وَالنَّاسِ اَجْمَعِيْنَ ﴿١٦١﴾ خٰلِدِيْنَ فِيْهَا ۚ لَا يُخَفَّفُ عَنْهُمُ الْعَذَابُ
وَلَا هُمْ يُنْظَرُوْنَ ﴿١٦٢﴾ وَاِلٰهُكُمْ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ
الرَّحْمٰنُ الرَّحِيْمُ ﴿١٦٣﴾ اِنَّ فِىْ خَلْقِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ
وَاخْتِلَافِ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِىْ تَجْرِىْ فِى الْبَحْرِ بِمَا
يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنْ مَّآءٍ فَاَحْيَا بِهِ
الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَبَثَّ فِيْهَا مِنْ كُلِّ دَآبَّةٍ ۖ وَّتَصْرِيْفِ
الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الْمُسَخَّرِ بَيْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ لَاٰيٰتٍ
لِّقَوْمٍ يَّعْقِلُوْنَ ﴿١٦٤﴾ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ
اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ ؕ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ ؕ

وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا اِذْ يَرَوْنَ الْعَذَابَ ۙ اَنَّ الْقُوَّةَ لِلّٰهِ
جَمِيْعًا ۙ وَّاَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعَذَابِ ﴿۱۶۵﴾ اِذْ تَبَرَّاَ الَّذِيْنَ اتُّبِعُوْا
مِنَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا وَرَاَوُا الْعَذَابَ وَتَقَطَّعَتْ بِهِمُ الْاَسْبَابُ ﴿۱۶۶﴾
وَقَالَ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْا لَوْ اَنَّ لَنَا كَرَّةً فَنَتَبَرَّاَ مِنْهُمْ كَمَا تَبَرَّءُوْا
مِنَّا ؕ كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَا هُمْ
بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ ﴿۱۶۷﴾ يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ كُلُوْا مِمَّا فِي الْاَرْضِ
حَلٰلًا طَيِّبًا ۖ وَّلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ
مُّبِيْنٌ ﴿۱۶۸﴾ اِنَّمَا يَاْمُرُكُمْ بِالسُّوْٓءِ وَالْفَحْشَآءِ وَاَنْ تَقُوْلُوْا عَلَى
اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۱۶۹﴾ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمُ اتَّبِعُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ
قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَآ اَلْفَيْنَا عَلَيْهِ اٰبَآءَنَا ؕ اَوَلَوْ كَانَ اٰبَآؤُهُمْ لَا
يَعْقِلُوْنَ شَيْـًٔا وَّلَا يَهْتَدُوْنَ ﴿۱۷۰﴾ وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ
الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ؕ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ
فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۱۷۱﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا
رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ ﴿۱۷۲﴾

”یقیناً وہ لوگ ہمارے نازل کردہ واضح بیانات اور ہدایات کو چھپاتے ہیں جسے ہم لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر چکے ہیں۔ ان لوگوں پر اللہ لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں۔ سوائے ان لوگوں کے جو توبہ کرلیں اور اصلاح کرلیں اور جس کو چھپایا ہے اس کو واضح کر دیں تو ان لوگوں کی میں توبہ قبول کرتا ہوں اور میں توبہ قبول کرنے والا مہربان ہوں۔ یقیناً وہ لوگ جنہوں نے کفر کیا اور کافر ہو کر مرے تو ان پر اللہ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے۔ وہ اس لعنت میں ہمیشہ رہیں گے ان سے عذاب ہلکا نہ کیا جائے گا اور نہ ہی انھیں مہلت دی جائے گی۔ اور تمھارا بس ایک ہی معبود ہے۔ اس رحمٰن و رحیم کے علاوہ اور کوئی معبود نہیں ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی خلقت اور روز و شب کی آمد و رفت اور ان کشتیوں میں جو دریاؤں میں چلتی ہیں جن سے لوگ فائدہ اٹھاتے ہیں اور اس پانی میں جسے اللہ نے آسمان سے برسا کر مردہ زمین کو زندگی دی ہے اور اس میں ہر طرح کے چوپائے پھیلا دیے ہیں اور ہواؤں کے چلنے میں اور اس بادل میں جو زمین و آسمان کے درمیان مسخر ہیں صاحبانِ عقل کے لیے نشانیاں پائی جاتی ہیں۔ اور لوگوں میں کچھ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کا مثل قرار دیتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت بھی کرتے ہیں اور جو لوگ ایمان دار ہیں وہ ان سے بڑھ کر اللہ سے محبت رکھتے ہیں اور کاش ظالموں کو اس وقت یہ بات سوجھتی جو انھیں عذاب دیکھنے کے بعد سوجھے گی کہ یقیناً ہر طرح کی قوت خدا ہی کو ہے اور بے شک خدا سخت عذاب دینے والا ہے۔ اور جب پیشوا اپنے پیروکاروں سے بیزاری اختیار کریں گے اور وہ عذاب دیکھ چکے ہوں گے اور تمام وسائل ٹوٹ چکے ہوں گے۔ اور پیروکار کہیں گے کہ اگر ہمیں دوبارہ پلٹنا نصیب ہو جائے تو ہم بھی ان سے اسی

طرح بیزار ہو جائیں گے جس طرح سے وہ ہم سے بیزار ہوئے ہیں۔ خدا ان کے اعمال کو حسرت بنا کر پیش کرے گا اور وہ دوزخ سے نہ نکل سکیں گے۔ اے انسانو! زمین جو بھی حلال و پاکیزہ چیزیں ہیں انھیں کھاؤ اور شیطان کے قدموں کی پیروی نہ کرو وہ تمھارا کھلم کھلا دشمن ہے۔ وہ تو بس تمھیں برائی اور بے حیائی کا حکم دیتا ہے اور وہ تمھیں اس بات پر آمادہ کرتا ہے کہ تم خدا کے متعلّق وہ باتیں کہو جن کا تمھیں علم نہیں ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جو کچھ خدا نے نازل کیا ہے تم اس کی پیروی کرو تو وہ کہتے ہیں کہ ہم تو اس کا اتباع کریں گے جس پر ہم نے اپنے باپ دادا کو پایا ہے۔ اگرچہ ان کے باپ دادا کچھ بھی نہ سمجھتے ہوں اور نہ ہی راہِ راست پر چلتے رہے ہوں۔ اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے ان کی مثال تو اس شخص جیسی ہے جو ایسے جانور کو پکار کر اپنا حلق پھاڑے جو آواز و پکار کے سوا اور کچھ نہ سنتا ہو۔ وہ بہرے، گونگے، اندھے ہیں وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے۔ ایمان والو! ہمارے عطا کردہ پاکیزہ رزق میں سے کھاؤ اور اللہ کا شکر ادا کرو اگر تم اسی کی عبادت کرتے ہو"۔

علمائے سوء ملعون ہیں

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْتُمُوْنَ مَآ اَنْزَلْنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالْهُدٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا بَيَّنّٰهُ لِلنَّاسِ فِي الْكِتٰبِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ۝

"یقیناً وہ لوگ جو ہمارے نازل کردہ واضح بیانات اور ہدایت کو چھپاتے ہیں جسے ہم لوگوں کے لیے کتاب میں بیان کر چکے ہیں، ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں"۔

اہل علم کی یہ شرعی ذمہ داری ہے کہ وہ خدا کے نازل کردہ احکام و ہدایت کو لوگوں کے سامنے بیان کریں اور اس کے

لیے خود ساختہ مصلحتوں کے اسیر نہ بنیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے لیے واضح کیا ہے کہ جو اہلِ علم خدا کے واضح احکام و ہدایت کو چھپاتے ہیں وہ ملعون ہیں۔ ان پر خدا کی لعنت ہے اور تمام لعنت کرنے والوں کی بھی ان پر لعنت ہے۔

ویسے تو خدا کے تمام واضح بیانات و ہدایت کو چھپانا بدترین فعل اور گناہ کبیرہ ہے مگر ہادیانِ دین کے فضائل و مناقب کو چھپانا زیادہ برا ہے۔ اسی لیے ہادیانِ دین نے اس کتمانِ حق کی شدید مذمت کی ہے جیسا کہ حسب ذیل روایات میں ہے:

۴۷۲- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ ... کے مصداقِ اتم وہ ہیں جو حضرت علی علیہ السلام کے فضائل و مناقب کو چھپاتے ہیں۔

۴۷۳- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''جو لوگ ہمارے فضائل و مناقب کو چھپاتے ہیں وہ اِنَّ الَّذِیْنَ یَکْتُمُوْنَ ...... کی آیت کے مصداق ہیں۔ واللہ المستعان!''

۴۷۴- امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس آیت مجیدہ کے ضمن میں فرمایا:

''اس آیت کے تحت ہر امام پر بھی واجب ہے کہ وہ اپنے بعد والے امام کے متعلق لوگوں کو بتائے''۔

۴۷۵- محمد بن مسلم نے کہا کہ اس آیت سے اہلِ کتاب مراد ہیں۔

اُولٰٓئِكَ یَلْعَنُهُمُ اللّٰهُ وَیَلْعَنُهُمُ اللّٰعِنُوْنَ ''ان پر اللہ لعنت کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے لعنت کرتے ہیں''۔

۴۷۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ لعنت کرنے والے ہم ہیں''۔

مفسرین کے ایک قول کے مطابق تمام چوپائے ان پر لعنت کرتے ہیں۔

۴۷۷- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے:

''جس پر خدا لعنت کرے تو تمام جن وانس اس پر لعنت کرتے ہیں''۔

۴۷۸- احتجاج طبرسی میں امام حسن عسکری علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

امیر المومنین علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ائمہ ہدیٰ اور مصابیح دُجیٰ کے بعد اللہ کی بہترین مخلوق کون سی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ علماء ہیں اگر وہ صحیح ہوں۔

پھر آپ سے پوچھا گیا کہ ابلیس، فرعون، ثمود اور آپؑ کے دشمنوں اور غاصبوں کے بعد خلقِ خدا میں بدتر کون ہے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ علماء ہیں جب بگڑ جائیں، کیونکہ بگڑے ہوئے علماء باطل کے اظہار کرنے والے اور حقائق کو چھپانے والے ہوتے ہیں اور انہی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اُولٰٓئِكَ يَلۡعَنُهُمُ اللّٰهُ وَيَلۡعَنُهُمُ اللّٰعِنُوۡنَ (ان پر اللہ لعن کرتا ہے اور تمام لعنت کرنے والے ان پر لعنت کرتے ہیں)

۴۷۹۔ مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"جس کسی سے ایسی بات پوچھی جائے جسے وہ جانتا ہو اور وہ اسے چھپالے تو قیامت کے دن اس کے منہ میں دوزخ کی لگام ڈالی جائے گی"۔

مظاہرِ فطرت آیاتِ الٰہی ہیں

۴۸۰۔ اصول کافی میں ہشام بن الحکم سے منقول ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

ہشام! اللہ تعالیٰ نے عقل کے ذریعہ سے انسانوں پر اپنی حجت تمام کی ہے اور بیان کے ذریعہ سے انبیاء کی مدد کی ہے اور دلائل سے اپنی ربوبیت کا اثبات کیا ہے۔ جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

وَاِلٰهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الرَّحۡمٰنُ الرَّحِيۡمُ۝ اِنَّ فِىۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ وَاخۡتِلَافِ الَّيۡلِ وَالنَّهَارِ وَالۡفُلۡكِ الَّتِىۡ تَجۡرِىۡ فِى الۡبَحۡرِ بِمَا يَنۡفَعُ النَّاسَ وَمَآ اَنۡزَلَ اللّٰهُ مِنَ السَّمَآءِ مِنۡ مَّآءٍ فَاَحۡيَا بِهِ الۡاَرۡضَ بَعۡدَ مَوۡتِهَا وَبَثَّ فِيۡهَا مِنۡ كُلِّ دَآبَّةٍ ۖ وَّتَصۡرِيۡفِ الرِّيٰحِ وَالسَّحَابِ الۡمُسَخَّرِ بَيۡنَ السَّمَآءِ وَالۡاَرۡضِ لَاٰيٰتٍ لِّقَوۡمٍ يَّعۡقِلُوۡنَ۝

(تمہارا معبود یکا و تنہا معبود ہے۔ اس رحمٰن و رحیم کے علاوہ اور کوئی عبادت کے لائق نہیں ہے۔ بے شک آسمانوں اور زمین کی تخلیق اور روز و شب کی آمد و رفت اور دریاؤں میں چلنے والی وہ کشتیاں جن سے لوگوں کو فائدہ حاصل ہوتا ہے اور اللہ نے آسمان سے پانی اُتار کر جو زمین مُردہ کو حیات بخشی ہے اور طرح طرح کے جاندار پھیلائے اور ہواؤں کے چلانے، اور آسمان و زمین

کے درمیان مسخر بادل میں صاحبانِ عقل کے لیے نشانیاں ہیں)۔

۴۸۱- کتاب اہلیلجہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے ایک طویل گفتگو کے ضمن میں فرمایا:

''آنکھ خدا کی عظیم نشانیوں کا مشاہدہ کرسکتی ہے۔ چنانچہ آنکھ ان بادلوں کو دیکھ سکتی ہے جو زمین و آسمان کے درمیان مسخر ہیں اور سینۂ سنگ سے پیدا ہونے والے درختوں کو آنکھ دیکھ سکتی ہے۔ ہر شخص دیکھ سکتا ہے کہ بادل کتنے لطیف ہیں مگر وہ اپنی لطافت کے باوجود بے حد حساب پانی اٹھائے ہوئے ہیں۔ پانی کے علاوہ بادلوں میں رعد و برق بھی موجود ہے اور بادلوں میں اتنی برف موجود ہے جس کا اندازہ لگانے سے ہم قاصر ہیں۔ یہ بادل ٹکڑیوں کی شکل میں ہوتا ہے۔ پھر وہ جمع ہوجاتا ہے اور پھر بعض اوقات جمع ہونے کے بعد یہ دوبارہ پھٹ جاتا ہے اور بادل کئی ہزار میلوں کا سفر طے کرتا ہے۔ اللہ تعالیٰ اس سے قطرات کی شکل میں بارش نازل کرتا ہے۔ اگر یکدم پانی اتار دے تو تمام کھیتیاں تباہ ہوجائیں۔ اللہ تعالیٰ اُوپر سے پانی برساتا ہے تاکہ ہر نشیب و فراز یکساں طور پر مستفید ہوسکے اور اکثر ایسا بھی ہوتا ہے کہ بادل ایک شہر کے اُوپر سے گزر جاتا ہے اور وہاں ایک بوند تک بھی نہیں برستا اور اس سے کچھ فاصلے پر دوسرے شہر میں موسلا دھار بارش برتی ہے''۔

تمام مصنوعات صانع کی دلیل ہیں

۴۸۲- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ اس حدیث کے ضمن میں آپؑ نے منکرین خدا کے سامنے توحید کے دلائل دیتے ہوئے فرمایا:

''جب میں اپنے وجود کو دیکھتا ہوں تو میں دیکھتا ہوں کہ یہ جسم طول و عرض میں کامل ہے اور اس میں یہ نظام موجود ہے کہ اپنے سے تکالیف کو دُور کرے اور اپنی منفعت کو اپنی جانب جذب کرسکے۔ چنانچہ عمارتِ جسم دیکھ کر میں اس نتیجہ پر پہنچا کہ اس عمارت کا کوئی نہ کوئی معمار ضرور ہے۔ چنانچہ میں نے اس کا اقرار کیا۔ صرف جسم ہی وجود خدا کی دلیل نہیں اس کے علاوہ گردشِ افلاک' بادلوں کا برسنا' ہواؤں کا چلنا' سورج چاند اور ستاروں کا وقت پر طلوع و غروب کرنا یہ سب کی سب خدا کے وجود کی محکم دلیل ہیں۔ چنانچہ یہ تمام چیزیں دیکھ کر مجھے معلوم ہوگیا کہ کوئی نہ کوئی ہستی اس نظام کو چلا رہی ہے (اور وہ ہستی خدا کی ہے)

۴۸۳- کتاب التوحید میں ہشام کی زبانی روایت ہے کہ ایک زندیق (دہریہ) نے امام جعفر صادق علیہ السلام

ے کہا آپؑ کے پاس خدا کے وجود کی کیا دلیل ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:

''مصنوعات کو دیکھ کر صانع کا پتہ چلتا ہے۔ اگر تم ایک مضبوط عمارت دیکھو تو تم فوراً یہ فیصلہ کرتے ہو کہ یہ ازخود وجود میں نہیں آئی۔ اس کا کوئی نہ کوئی بنانے والا ہے۔ اگر چہ تم نے بنانے والے کو نہ بھی دیکھا ہو تو بھی تمہاری عقل یہ فیصلہ کرتی ہے کہ بنانے والے کے بغیر کوئی چیز ازخود نہیں بن جاتی۔ (یہ تمام مظاہر فطرت اس بات کی دلیل ہیں کہ ان کا بھی کوئی خالق اور مدبر ہے اور اسی خالق و مدبر کو ''اللہ'' کہا جاتا ہے)۔

اصول کافی میں بھی یہ روایت انہی الفاظ سے مرقوم ہے۔

قیامت کے دن جھوٹے پیر اپنے مریدوں سے بیزاری کا اعلان کریں گے

۴۸۴- امالی طوسی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''جب قیامت کا دن ہوگا تو عرش کے پیچھے سے آواز آئے گی: زمینِ خدا پر خدا کا خلیفہ کہاں ہے؟ یہ آواز سن کر حضرت داؤد علیہ السلام کھڑے ہو جائیں گے۔ اس وقت خدا کی طرف سے یہ آواز آئے گی: اگر چہ تم بھی ہمارے خلیفہ ہو لیکن ہم اس وقت تمہیں یاد نہیں کر رہے۔

پھر دوبارہ ندا بلند ہوگی کہ زمینِ خدا پر خدا کا خلیفہ کہاں ہے؟

اس وقت امیر المومنین علی بن ابی طالبؑ کھڑے ہوں گے۔ قدرت کی طرف سے آواز آئے گی:

اے گروہ خلائق! یہ علی بن ابی طالبؑ میری زمین پر میرا خلیفہ ہے اور میرے بندوں پر میری حجت ہے جس کسی نے دنیا میں رہ کر اس کی رسی کو پکڑا تھا وہ آج بھی اسی کی رسی کو تھام لے۔

اس وقت علیؑ کا نور چمکنے لگے گا اور اس کے پیرکاروں کو جنت کے بلند درجات کی بشارت دی جائے گی۔ چنانچہ جن لوگوں نے دنیا میں رہ کر ان کی رسی کو تھاما تھا وہ اٹھ کر علیؑ کے پیچھے جنت کی جانب چل پڑیں گے۔ اس کے بعد خدا کی طرف سے یہ آواز آئے گی کہ جس نے دنیا میں کسی امام کی پیروی کی تھی آج وہ اس امام کے پیچھے چلا جائے۔

اس اعلان کے بعد رہبر اپنے پیروکاروں سے اظہار برأت کریں گے اور ان کے تمام اسباب منقطع ہو چکے ہوں گے۔

جب رہبر اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اعلان کریں گے تو اس وقت ان کے پیروکار کہیں گے: کاش ہمیں پھر زمین پر بھیج دیا جائے تو ہم بھی ان سے اسی طرح سے بیزاری اختیار کریں گے جیسے یہ ہم سے بیزاری اختیار کر چکے ہیں۔ اس وقت اللہ ان کے اعمال کو حسرت بنا کر پیش کرے گا اور انھیں دوزخ میں ڈال دیا جائے گا جہاں سے نکلنا انھیں نصیب نہ ہوگا"۔

۴۸۵- اصول کافی میں جابر سے منقول ہے' اس نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ اَنْدَادًا يُّحِبُّوْنَهُمْ كَحُبِّ اللّٰهِ (اور کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو اللہ کے علاوہ دوسروں کو اس کا مثل قرار دیتے ہیں اور ان سے اللہ جیسی محبت بھی کرتے ہیں) کی آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

اس سے "فلاں فلاں" کے پیروکار مراد ہیں جنہوں نے خدا کے مقرر کردہ امام کو چھوڑ کر انھیں اپنا امام بنایا ہے اور انہی لوگوں کے لیے وَلَوْ يَرَى الَّذِيْنَ ظَلَمُوْٓا کی آیات نازل ہوئی ہیں۔

پھر آپؑ نے فرمایا:

"قیامت کے دن ظالموں کے رہبر اپنے پیروکاروں سے بیزاری کا اعلان کریں گے اور ان کے پیروکار کہیں گے کہ کاش ہمیں اگر دنیا میں جانے کا موقع مل جائے تو ہم بھی ان سے اظہار بیزاری کریں گے"۔

۴۸۶- تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے' انھوں نے فرمایا:

"وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَشَدُّ حُبًّا لِّلّٰهِ (اہل ایمان خدا سے بہت زیادہ محبت رکھتے ہیں) کی آیت مجیدہ کے مصداق آل محمدؐ ہیں"۔

۴۸۷- منصور بن حازم کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَمَا هُمْ بِخٰرِجِيْنَ مِنَ النَّارِ (اور وہ دوزخ سے نکلنے والے نہیں ہیں) کی تفسیر پوچھی تو آپؑ نے فرمایا:

"علیؑ کے دشمن دوزخ میں ہمیشہ رہیں گے اور انھیں وہاں سے رہائی نصیب نہیں ہوگی"۔

کنجوس دولت مند حسرتوں کا شکار ہوگا

كَذٰلِكَ يُرِيْهِمُ اللّٰهُ اَعْمَالَهُمْ حَسَرٰتٍ عَلَيْهِمْ

(اس طرح خدا ان کے اعمال کو حسرت بنا کر ان کے لیے پیش کرے گا)

۴۸۸- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''اس آیت کا مصداق وہ شخص ہے جسے خدا نے دولت دی ہو اور وہ بخل کر کے اپنی دولت چھوڑ جائے اور اسے راہِ خدا میں خرچ نہ کرے۔ اب دو ہی حالتیں ہیں یا تو اس کی دولت کا وارث ایسا شخص ہوگا جو اپنے باپ کی دولت کو راہِ خدا میں خرچ کرے گا اور جب قیامت کے دن بخیل باپ اپنی رسوائی دیکھے گا اور اپنے بیٹے کے درجات ملاحظہ کرے گا تو اسے اس وقت شدید حسرت ہوگی اور کہے گا کہ کاش میں نے بھی یہ دولت راہِ خدا میں خرچ کی ہوتی تو آج مجھے بھی ذلت و رسوائی نصیب نہ ہوتی۔

دوسری حالت یہ ہے کہ اس کی دولت کا وارث ایسا شخص ہوگا جس نے اس کی دولت کو خدا کی نافرمانی میں خرچ کیا ہوگا اور دولت چھوڑنے والا اس کا مددگار تصور کیا جائے گا۔ چنانچہ وہ اس حالت میں بھی حسرت کا اظہار کرے گا کہ کاش میں نے یہ دولت نہ چھوڑی ہوتی تو میری اولاد اسے خدا کی نافرمانی میں خرچ نہ کرتی''۔

۴۸۹- نہج البلاغہ میں امیرالمومنین علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''قیامت کے دن سب سے بڑی حسرت اس شخص کی ہوگی جس نے اللہ کی نافرمانی کر کے مال حاصل کیا ہو اور اس کا وارث وہ شخص ہوا ہو جس نے اسے اللہ کی اطاعت میں صرف کیا ہو کہ یہ تو اس مال کی وجہ سے جنت میں داخل ہو جائے اور دولت چھوڑنے والا اس مال کی وجہ سے جہنم میں چلا جائے''۔

۴۹۰- مجمع البیان میں حَسَرٰتٍ عَلَيۡهِمۡ کی تفسیر کے متعلق کچھ اقوال بیان کیے گئے ہیں چنانچہ اس کا ایک حصہ یہ ہے

تیسری توجیہ جو ہمارے اصحاب نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کی ہے' آپؑ نے فرمایا:

''اس سے وہ شخص مراد ہے جس نے دولت حاصل کی ہو اور اسے کارِ خیر میں خرچ نہ کیا ہو اور اس کے بعد اس کا وارث اسی دولت کو کارِ خیر میں خرچ کرے چنانچہ جب دولت چھوڑنے والا اپنے وارث کے میزان کی نیکیوں کو دیکھے گا تو اسے اس وقت سخت حسرت ہوگی''۔

۴۹۱- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے:

''ایک شاذ قرأت میں لفظ ''خطوات'' کو ''خطؤات'' پڑھا گیا ہے''۔

شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو

وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ

(اور شیطان کے نقشِ قدم پر مت چلو)

۴۹۲- امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے انھوں نے فرمایا:

''طلاق کی قسم کھانا' معصیت خداوندی کی نذر ماننا اور غیر اللہ کی قسم کھانا شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی ہے''۔

۴۹۳- تفسیر عیاشی میں محمد بن مسلم سے منقول ہے انھوں نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا آپ نے فرمایا:

''وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (اور شیطان کے نقش قدم پر مت چلو۔) غیر اللہ کی ہر قسم کا تعلق شیطان کے نقشِ قدم سے ہے''۔

کافروں پر دعوتِ اسلام کا اثر مرتب نہیں ہوتا

وَمَثَلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا كَمَثَلِ الَّذِيْ يَنْعِقُ بِمَا لَا يَسْمَعُ اِلَّا دُعَآءً وَّنِدَآءً ۭ صُمٌّۢ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَعْقِلُوْنَ ۔

''اور جن لوگوں نے کفر اختیار کیا ہے ان کی مثل تو اس شخص جیسی ہے جو ایسے جانور کو پکار کر اپنا حلق پھاڑے جو آواز و پکار کے سوا کچھ نہ سنتا ہو۔ وہ بہرے' گونگے اور اندھے ہیں وہ کچھ بھی نہیں سمجھتے''۔

۴۹۴- تفسیر مجمع البیان میں مرقوم ہے:

''اس آیت مجیدہ کی تقدیر کلام اور تاویل کے متعلق مفسرین میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ اس کا پہلا مفہوم تو یہ ہے کہ اللہ نے اپنے حبیبؐ سے فرمایا ہے:

''جن کافروں کو آپؐ دعوتِ اسلام دے رہے ہیں یہ لوگ تو چوپاؤں کی مانند ہیں جس طرح سے کوئی چوپایہ اپنے مالک کے صرف مخصوص الفاظ سے مانوس ہوتا ہے اس کے علاوہ اسے مالک کے کسی قول سے کوئی سروکار نہیں ہوتا وہ مالک

کی آواز تو سن سکتا ہے لیکن وہ اسے سمجھنے سے قاصر ہوتا ہے۔ اسی طرح سے آپ بھی جب سرسخت کافروں کو ایمان کی دعوت دیتے ہیں تو آپؐ کے الفاظ ان کے کانوں تک بمشکل پہنچتے ہیں اور اگر بالفرض وہ آپؐ کے الفاظ سن بھی لیں تو وہ اپنے کفر کی وجہ سے ان پر توجہ کرنے پر آمادہ نہیں ہوتے اور یوں وہ دولت ایمان کے حصول سے قاصر رہتے ہیں''۔

ابن عباس، حسن، مجاہد اور قتادہ سے اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی مفہوم منقول ہے۔

إِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيرِ وَمَا أُهِلَّ بِهِ لِغَيْرِ اللَّهِ ۖ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَلَا عَادٍ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ ۚ إِنَّ اللَّهَ غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿۱۷۳﴾ إِنَّ الَّذِينَ يَكْتُمُونَ مَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ الْكِتَابِ وَيَشْتَرُونَ بِهِ ثَمَنًا قَلِيلًا ۙ أُولَٰئِكَ مَا يَأْكُلُونَ فِي بُطُونِهِمْ إِلَّا النَّارَ وَلَا يُكَلِّمُهُمُ اللَّهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَلَا يُزَكِّيهِمْ وَلَهُمْ عَذَابٌ أَلِيمٌ ﴿۱۷۴﴾ أُولَٰئِكَ الَّذِينَ اشْتَرَوُا الضَّلَالَةَ بِالْهُدَىٰ وَالْعَذَابَ بِالْمَغْفِرَةِ ۚ فَمَا أَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ ﴿۱۷۵﴾ ذَٰلِكَ بِأَنَّ اللَّهَ نَزَّلَ الْكِتَابَ بِالْحَقِّ ۗ وَإِنَّ الَّذِينَ اخْتَلَفُوا فِي الْكِتَابِ لَفِي شِقَاقٍ بَعِيدٍ ﴿۱۷۶﴾ لَيْسَ الْبِرَّ أَنْ تُوَلُّوا وُجُوهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَالْمَغْرِبِ وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ آمَنَ بِاللَّهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَالْمَلَائِكَةِ وَالْكِتَابِ وَالنَّبِيِّينَ وَآتَى الْمَالَ عَلَىٰ حُبِّهِ

ذَوِي الْقُرْبٰى وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ ۙ وَالسَّآئِلِيْنَ
وَفِي الرِّقَابِ ۚ وَاَقَامَ الصَّلٰوةَ وَاٰتَى الزَّكٰوةَ ۚ وَالْمُوْفُوْنَ
بِعَهْدِهِمْ اِذَا عٰهَدُوْا ۚ وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ
وَحِيْنَ الْبَاْسِ ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ؕ وَاُولٰٓئِكَ هُمُ
الْمُتَّقُوْنَ ﴿۱۷۷﴾ يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ
فِي الْقَتْلٰى ؕ اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى
بِالْاُنْثٰى ؕ فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ
وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ ؕ ذٰلِكَ تَخْفِيْفٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ
وَرَحْمَةٌ ؕ فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۷۸﴾
وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ
تَتَّقُوْنَ ﴿۱۷۹﴾ كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ
تَرَكَ خَيْرًا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ
حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾ فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ
عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۸۱﴾ فَمَنْ خَافَ

مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَاۤ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۸۲﴾

"اس نے تو تم پر بس مُردار اور خون اور سور کا گوشت اور جس پر خدا کے سوا کسی اور کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے پس جو شخص مجبور ہو اور سرکشی کرنے والا اور زیادتی کرنے والا نہ ہو تو اس پر (ان چیزوں کے کھانے میں) کوئی گناہ نہیں ہے بے شک خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ بے شک وہ لوگ جو ان باتوں کو چھپاتے ہیں جنھیں خدا نے کتاب میں نازل کیا ہے اور اسے تھوڑی سی قیمت پر بیچ ڈالتے ہیں وہ تو دراصل اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں اور اللہ روزِ قیامت ان سے کلام نہیں کرے گا اور نہ انھیں پاک کرے گا اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جنھوں نے ہدایت کے بدلہ میں گمراہی اور مغفرت کے عوض عذاب خریدا ہے۔ آخر یہ آتشِ دوزخ پر کس قدر صبر کریں گے۔ اس عذاب کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے کتاب کو حق کے ساتھ نازل کیا ہے اور جنھوں نے کتاب میں اختلاف کیا ہے وہ پرلے درجے کی مخالفت میں ہیں۔ نیکی یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق اور مغرب کی طرف کرلو بلکہ نیکی اس شخص کا حصّہ ہے جو اللہ اور آخرت اور ملائکہ اور کتاب اور انبیاء پر ایمان لائے اور خدا کی محبت میں رشتہ داروں، یتامیٰ اور مساکین اور غربت زدہ مسافروں اور سوال کرنے والوں اور غلاموں کی آزادی کے لیے مال دے، اور نماز قائم کرے اور زکوٰۃ ادا کرے اور وہ جو عہد کر کے اسے پورا کرنے والے ہیں اور جو پریشانیوں اور بیماریوں اور جنگ کے حالات میں صبر کرنے والے ہیں۔ یہی لوگ ہیں جو اپنے ایمانی دعویٰ میں سچے ہیں اور یہی لوگ پرہیزگار

ہیں۔ ایمان والو! تم پر مقتولین کے بارے میں قصاص فرض کیا گیا ہے۔ آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت۔ اور اگر کسی کو مقتول کے وارث کی طرف سے معافی مل جائے تو اسے بھی اس کے قدم بقدم نیکی کرنا اور خوش معاملگی سے اس کے حق کو ادا کرنا چاہیے۔ یہ تمھارے پروردگار کی طرف سے تخفیف اور رحمت ہے اور جو اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے۔ اور اے اہلِ عقل! قصاص میں تمھارے لیے زندگی ہے تاکہ تم (خون ریزی سے) پرہیز کرو۔ تمھارے اوپر یہ فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کی موت سامنے آجائے تو اگر مرنے والا کوئی مال چھوڑ کر مر رہا ہے تو اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے وصیّت کرے۔ یہ صاحبانِ تقویٰ پر حق ہے۔ اور جو وصیّت سننے کے بعد اس میں تبدیلی کرے تو اس کا گناہ تبدیل کرنے والے پر ہوگا۔ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ (ہاں البتہ) جو شخص وصیّت کرنے والے سے بے جا طرفداری یا بے انصافی کا خوف رکھتا ہو اور وارثوں میں صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک خدا بخشنے والا مہربان ہے"۔

مُردار اور خون وغیرہ کیوں حرام ہیں؟

۴۹۵- شیخ صدوق رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی کتاب عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام کا ایک خط نقل کیا ہے جو انھوں نے محمد بن سنان کے خط کے جواب میں تحریر کیا تھا اور اس میں آپ نے احکام شرعیہ کے علل و اسباب بیان کیے تھے۔ اس خط میں آپؑ نے یہ بھی لکھا:

"اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کے لیے مُردار کا کھانا حرام کیا ہے کیونکہ یہ جسمِ انسانی کے لیے خرابی اور تباہی کا ذریعہ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ حلال و حرام میں فرق رہے اور اسی فرق کو قائم رکھنے کے لیے اللہ نے ذبح کے وقت تکبیر

پڑھنے کا حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مُردار کی طرح سے خون کا کھانا بھی حرام کیا ہے کیونکہ خون کا کھانا بھی انسانی جسم کے لیے سخت نقصان دہ ہے اور اس کے کھانے سے جسم میں زرد پانی پیدا ہوتا ہے اور جسم سے بدبو آتی ہے اور اس سے بدخلقی اور دل میں سختی پیدا ہوتی ہے اور خون کھانے والے سے شفقت و مہربانی ختم ہو جاتی ہے اور ایسا شخص اتنا بے رحم ہو سکتا ہے کہ وہ اپنے بیٹے یا والد کو بھی قتل کر سکتا ہے اور اس سے اس کا کوئی دوست بے خوف نہیں رہ سکتا۔

اللہ نے خنزیر کو حرام کیا ہے کیونکہ یہ مسخ شدہ جانور ہے۔ خدا نے بدکار افراد کو خنزیر کی شکل میں مسخ کر کے انھیں وعظ و نصیحت اور عبرت کا ذریعہ بنایا تھا اس کی حُرمت کے اعلان سے اللہ نے اپنی مخلوق کو یہ بتایا ہے کہ اس پر غضب نازل ہوا ہے۔ غیر اللہ کے نام پر ذبح ہونے والا جانور اس لیے حرام کیا گیا کیونکہ مخلوق پر خدا کا اقرار واجب کیا گیا ہے اور اس کی حرمت سے خدا کے نام پر ذبح ہونے والے اور بتوں کے نام پر ذبح ہونے والے کے درمیان فرق کو واضح کیا گیا ہے۔

خدا کا نام لینے سے خدا کی ربوبیت اور اس کی توحید کا اقرار ہوتا ہے جب کہ غیر اللہ کا نام پکارنے سے شرک اور غیر اللہ کی قربت کی خواہش کا اظہار ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے شرک اور توحید کے فرق کو واضح کرنے کے لیے اس جانور کا کھانا حرام کیا ہے جس پر غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو"۔

۴۹۶- کتاب علل الشرائع میں ہے کہ ایک شخص نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا:

"اللہ نے شراب، مُردار، خون اور سور کے گوشت کو کیوں حرام قرار دیا؟"

آپؑ نے فرمایا:

"اللہ نے ان اشیاء کو حرام کر کے لوگوں کو خواہ مخواہ دوسری اشیاء کی ترغیب نہیں دی۔ اصل بات یہ ہے کہ اللہ نے انسان کو پیدا کیا اور اسے بہتر طور پر علم ہے کہ انسان کے لیے فائدہ مند چیز کیا ہے اور نقصان دہ چیز کون سی ہے۔ چنانچہ جو چیزیں انسان کے لیے مفید تھیں انھیں اللہ نے حلال کیا ہے اور جو چیزیں انسان کے لیے مضر تھیں، اللہ نے اسے حرام قرار دیا۔ اور مجبور شخص کے لیے ان کا بقدر ضرورت استعمال حلال کیا اور مجبور کو یہ اجازت دی گئی کہ وہ اتنا حرام کھا سکتا ہے جس سے اس کی جان محفوظ رہ سکے۔ اس سے زیادہ کھانا حرام ہے۔

مُردار انسانی صحت کے لیے سخت نقصان دہ ہے جو بھی مُردار کا گوشت کھائے گا تو اس کا جسم کمزور ہو جائے گا اور

اس کی طاقت جاتی رہے گی اور اس کی نسل منقطع ہو جائے گی اور مُردار خوار اتفاقی موت مرے گا۔

خون کھانے سے زرد پانی پیدا ہوتا ہے اور باؤلے پن کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔ اس سے دل کی سختی اور شفقت و رحمت کی کمی پیدا ہوتی ہے۔ ایسا شخص اپنے قریبی دوست اور رشتہ دار کو بھی قتل کر سکتا ہے۔

اللہ نے بہت سے نافرمان لوگوں کو مسخ کیا تھا چنانچہ کچھ لوگ بندر بنے تھے اور کچھ بدکاروں کو ریچھ کی صورت دی گئی اور کچھ بدبختوں کو مسخ کر کے خنزیر کی شکل دی گئی۔ کیونکہ خنزیر مسخ شدہ جانور ہے اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اسے حرام کیا ہے تاکہ خدا کے عذاب کو معمولی نہ سمجھ لیا جائے۔

حدیث طویل ہے۔ ہم نے بقدر ضرورت اس کا صرف ایک حصّہ نقل کیا ہے۔

۴۹۷- الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا: مُردار کی دس چیزیں پاک ہیں۔

۱- ہڈی ۲- بال ۳- پشم ۴- پَر ۵- سینگ ۶- سُم ۷- انڈہ ۸- شیردان ۹- دودھ ۱۰- دانت۔

۴۸۹- الکافی میں علی بن المغیرہ سے روایت ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا:

کیا مردار سے کچھ فائدہ حاصل کرنا جائز ہے؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں۔

میں نے کہا: ہم تک تو یہ روایت پہنچی ہے کہ رسولؐ خدا کا ایک مردہ بکری کے پاس سے گزر ہوا' آپؐ نے فرمایا: اس بکری کے مالکوں نے اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟ (اس سے ثابت ہوتا ہے کہ مُردار کی کھال اتار کر بیچنا جائز ہے)

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''وہ بکری رسول اکرمؐ کی زوجہ سودہ بنت زمعہ کی تھی اور وہ انتہائی لاغر بکری تھی اسی لیے اسے کسی نے ذبح نہ کیا اور کچھ دنوں کے بعد وہ بکری مر گئی تھی۔ رسولؐ خدا نے اسی کے متعلق فرمایا تھا۔ اگر اس کے مالک اس کے گوشت کے خواہش مند نہ تھے تو انھوں نے اس کی کھال سے فائدہ کیوں نہیں اٹھایا؟ اور انھوں نے اسے زندگی میں ذبح کر کے اس کی کھال کیوں نہیں اُتاری؟''

۴۹۹- محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:

"اگر کسی مرد یا عورت کی نظر کمزور ہو جائے اور اطباء یہ کہیں کہ تم ہماری دوا استعمال کرو لیکن ایک مہینے تک تم چت پڑے رہو، بستر سے حرکت نہ کرو اور لیٹے لیٹے نماز ادا کرو۔ کیا بیمار کو طبیب کی یہ بات مان لینی چاہیے؟"

امام علیہ السلام نے اس کی اجازت دی اور آپ نے فَمَنِ اضْطُرَّ کی آیت پڑھی۔ مقصد امام یہ تھا کہ مجبوری کی حالت میں تو حرام چیزیں بھی حلال ہو جاتی ہیں۔

باغی کون اور عادی کون ہے؟

۵۰۰- من لا یحضرہ الفقیہ میں سید عبدالعظیم حسنی سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے امام محمد تقی علیہ السلام سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا ہے:

"فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ جو کوئی مُردار، خون، خنزیر کا گوشت اور جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو کے کھانے پر مجبور ہو جائے بشرطیکہ وہ "باغی" اور "عادی" نہ ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ آپ یہ بتائیں کہ "باغی و عادی" سے کیا مراد ہے؟"

آپؑ نے فرمایا: "عادی" سے چور مراد ہے اور "باغی" سے وہ شکاری مراد ہے جو صرف تفریح طبع کے لیے شکار کرتا ہو۔ چنانچہ اگر یہ افراد مجبور بھی ہو جائیں پھر بھی ان کے لیے حرام اشیاء کا کھانا حرام ہے۔

۵۰۱- امام صادق علیہ السلام کا فرمان ہے:

"جو شخص مُردار، خون اور خنزیر کا گوشت کھانے پر مجبور ہو جائے اور وہ مجبوری کے باوجود بھی نہ کھائے اور مر جائے تو وہ کافر ہو کر مرے گا"۔

۵۰۲- کتاب معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ آپ نے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کی آیت پڑھی اور فرمایا:

"باغی" وہ ہے جو امام کے خلاف خروج کرے اور "عادی" وہ ہے جو رہزنی کرے۔ ان دونوں کے لیے مجبوری کی حالت میں بھی مُردار حلال نہیں ہے۔

۵۰۳- الکافی میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کی آیت پڑھی اور

فرمایا:

''باغی'' سے شکار کا طالب اور ''عادی'' سے چور مراد ہے۔ ان دونوں کے لیے حالت اضطرار میں بھی حرام کھانا جائز نہیں ہے۔

لولا علی لھلك عمر

۵۰۴- من لایحضرہ الفقیہ میں مذکور ہے کہ ایک عورت حضرت عمر کے پاس آئی اور ان سے کہا: امیرالمومنین! میں نے بدکاری کی ہے آپ مجھ پر حد شرعی نافذ کریں۔

حضرت عمر نے اس عورت کے رجم کا حکم دیا۔ اس وقت حضرت علی علیہ السلام بھی وہاں موجود تھے۔ آپؑ نے حضرت عمر سے کہا کہ پہلے اس سے یہ تو پوچھو کہ اس نے کن حالات میں بدکاری کی تھی؟

حضرت عمر نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا:

ایک مرتبہ میں صحرا میں جارہی تھی وہاں مجھے سخت پیاس لگی میں نے اِدھر اُدھر دیکھا تو مجھے دور سے ایک خیمہ دکھائی دیا میں وہاں گئی تو وہاں ایک مرد بیٹھا ہوا تھا۔ میں نے اس سے پانی مانگا تو اس نے کہا کہ میں تجھے اس شرط پر پانی دوں گا کہ تو اپنا آپ میرے حوالے کرے گی۔

میں نے انکار کردیا اور وہاں سے واپس چلی آئی مگر کافی دیر اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے کے بعد مجھے کہیں بھی پانی نہ ملا اور میں پیاس کی وجہ سے ہلاکت کے قریب پہنچ گئی۔ آخر کار مجبور ہوکر میں اس خیمہ میں گئی اور اس سے پانی طلب کیا۔ اس شخص نے مجھ سے وہی پہلے والا مطالبہ کیا۔ مجبور ہوکر میں نے اس کے مطالبہ کی حامی بھرلی۔ چنانچہ اس شخص نے مجھے پانی پلایا پھر اس نے مجھ سے بدکاری کی۔

جب حضرت علی علیہ السلام نے اس عورت کی داستان سنی تو آپؑ نے فرمایا:

''اس عورت پر حد شرعی جاری نہ کی جائے کیونکہ یہ فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کے تحت بے قصور ہے۔ اس نے انتہائی مجبوری کی وجہ سے بدکاری کی ہے''۔

جب حضرت عمر نے حضرت علیؑ کا یہ فیصلہ سنا تو انھوں نے بے ساختہ کہا: لَوْلَا عَلِيٌّ لَهَلَكَ عُمَرُ ''اگر علی نہ ہوتے تو

ہلاک ہوجاتا"۔

۵۰۵۔ تہذیب الاحکام میں ہے کہ سماعہ نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر کسی شخص کی آنکھوں میں پانی اتر آئے اور طبیب کہے کہ وہ ایک مہینہ یا چالیس دن چت لیٹا رہے تو کیا وہ شخص لیٹ کر نماز پڑھ سکتا ہے؟

امام علیہ السلام نے جواب دیا: "ہر حرام چیز ضرورت کے وقت حلال ہو جاتی ہے"۔

۵۰۶۔ تفسیر مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ کے متعلق مفسرین سے تین اقوال مروی ہیں۔ چنانچہ ان میں تیسرا قول یہ ہے:

"وہ امام مسلمین کے خلاف بغاوت کرنے والا نہ ہو اور معصیت کر کے حق پرستوں کے راستے سے تجاوز کرنے والا نہ ہو اور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے بھی یہی مفہوم مروی ہے"۔

فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ

۵۰۷۔ اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے اس آیت کی تفسیر کرتے ہوئے کہا کہ اس کا مفہوم یہ ہے:

"وہ لوگ ایسے فعل پر کتنی ثابت قدمی سے قائم ہیں جس کے متعلق انھیں معلوم ہے کہ اس کا انجام دوزخ کی شکل میں نمودار ہوگا"۔

۵۰۸۔ مجمع البیان میں مرقوم ہے: فَمَآ اَصْبَرَهُمْ عَلَى النَّارِ کے متعلق مفسرین سے کئی اقوال منقول ہیں۔ ایک قول کا مفہوم یہ ہے کہ دوزخ میں جلنے کے لیے کتنے جری ہیں!

علی بن ابراہیم نے اس مفہوم کو اپنی اسناد کے ساتھ امام جعفر صادق علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔ اس آیت کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ "یہ لوگ اہلِ دوزخ کے کردار کو کس درجہ اپنائے ہوئے ہیں!"

یہ مفہوم امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی منقول ہے۔

وَاٰتَى الْمَالَ عَلٰى حُبِّهٖ ذَوِی الْقُرْبٰى خدا کی محبت میں رشتہ داروں ...... کو مال دے۔

"ذوی القربیٰ" کے متعلق ایک احتمال یہ بھی ہے کہ اس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے رشتہ دار مراد

ہیں۔ جیسا کہ آیت مودت میں ''ذوی القربٰی'' سے آنحضرتؐ کے قرابت دار مراد ہیں۔

چنانچہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے یہی مفہوم مروی ہے۔

''وَالسَّآئِلِيْنَ'' اور سوال کرنے والوں کو مال دے۔

۵۰۹- من لایحضرہ الفقیہ میں امام زین العابدین علیہ السلام سے افراد معاشرہ کے حقوق مروی ہیں۔ ان حقوق کے ضمن میں آپؑ نے فرمایا:

''سائل کا حق یہ ہے کہ اسے اس کی حاجت کی مقدار میں دیا جائے اور مسئول کا حق یہ ہے کہ اگر وہ سائل کو عطا کرے تو وہ شکریہ کے ساتھ قبول کرے اور اس کی فضیلت کو پہچانے اور اگر وہ کچھ نہ دے تو اس کے عذر کو قبول کرے''۔

وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ

''اور جو تنگی' بیماری اور جنگ کے اوقات میں صبر کرتے ہیں''۔

۵۱۰- عیون الاخبار میں امام رضا علیہ السلام کے غلام حارث بن دلہاث سے منقول ہے۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے حضرت امام علی رضا علیہ السلام سے سنا کہ مومن اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا جب تک اس میں تین خصلتیں نہ ہوں۔ اس میں ایک سنت رب کی ہونی چاہیے اور ایک سنت خدا کے نبی کی ہونی چاہیے اور ایک سنت خدا کے ولی کی ہونی چاہیے۔ ولی کی سنت دکھ اور بیماری میں صبر کرنا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ ''وہ جو تنگی اور بیماری میں صبر کرتے ہیں''۔

۵۱۱- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے: وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ کا مقصد یہ ہے کہ وہ بھوک' خوف' پیاس اور بیماری کے عالم میں صبر کرتے ہیں۔ وَحِيْنَ الْبَاْسِ یعنی جنگ میں قتل ہونے کے وقت بھی صبر کرتے ہیں۔

قصاص

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِصَاصُ

(اے ایمان والو! تم پر قصاص فرض کیا گیا ہے)

۵۱۲- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"قصاص کا حکم پوری جماعت مسلمین کے لیے ہے۔ قصاص صرف مومنین کے ساتھ مخصوص نہیں ہے"۔

۵۱۳- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

اَلْحُرُّ بِالْحُرِّ وَالْعَبْدُ بِالْعَبْدِ وَالْاُنْثٰى بِالْاُنْثٰى

(آزاد کے بدلے آزاد اور غلام کے بدلے غلام اور عورت کے بدلے عورت)

اسی آیت کے ضمن میں سماعہ بن مہران نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے، آپؑ نے فرمایا:

"غلام کے بدلے میں آزاد کو قتل نہ کیا جائے گا۔ البتہ اسے سخت پیٹا جائے گا اور غلام کی دیت اس سے وصول کی جائے گی اور اگر کوئی مرد کسی عورت کو قتل کرے اور مقتول کے وارث قاتل کو قصاص میں قتل کرنا چاہیں تو انھیں اس مرد کی آدھی دیت اس کے وارثوں کو ادا کرنا ہوگی"۔

۵۱۴- تہذیب الاحکام میں ابوبصیر نے امام محمد باقر یا امام جعفر صادق علیہما السلام میں سے کسی ایک بزرگوار سے روایت کی، انھوں نے فرمایا:

"غلام کے قصاص میں آزاد کو قتل نہ کیا جائے گا البتہ اسے سخت جسمانی سزا دی جائے گی اور اس سے غلام کی قیمت وصول کی جائے گی"۔

۵۱۵- مجمع البیان میں ہے کہ عورت مرد کے مساوی نہیں ہے وہ مرد کے نصف کے مساوی ہے لہٰذا اگر عورت کے بدلے میں مرد کو قتل کیا جائے تو عورت کے وارثوں سے آدھی دیت وصول کی جائے گی۔ طبری نے حضرت علی علیہ السلام سے بھی یہی قول نقل کیا ہے۔

۵۱۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"آزاد کو غلام کے بدلے میں قتل نہ کیا جائے گا البتہ اسے سخت جسمانی سزا دی جائے گی اور غلام کی دیت اس سے وصول کی جائے گی"۔

معافی کی صورت میں

فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ شَيْءٌ فَاتِّبَاعٌ بِالْمَعْرُوْفِ وَاَدَآءٌ اِلَيْهِ بِاِحْسَانٍ

(پس اگر کسی کو مقتول کے وارث کی طرف سے معافی مل جائے تو اسے بھی اس کے قدم بقدم نیکی کرنی چاہیے اور خوش معاملگی سے اس کے حق کو ادا کرنا چاہیے)

۵۱۷- الکافی میں حلبی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت کا مفہوم دریافت کیا تو آپ نے فرمایا:

''اس کا مقصد یہ ہے کہ جس نے حق لینا ہے اور دیت پر قاتل سے مصالحت کر چکا ہو تو وہ دیت کے متعلق سختی نہ کرے اور جس نے دیت ادا کرنی ہے اگر وہ دیت ادا کرنے کے قابل ہو تو پھر دیت کی ادائیگی میں ٹال مٹول نہ کرے اور آبرومندانہ طریقے سے دیت ادا کرے''۔

۵۱۸- ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ...... کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا:

''اس سے وہ شخص مراد ہے جو دیت پر مصالحت کرلے تو دیت کے طالب کو چاہیے کہ وہ نرمی سے کام لے اور سختی نہ کرے اور جس کے ذمہ دیت ہے اگر وہ دیت کی ادائیگی کے قابل ہو تو پھر دیت کی ادائیگی میں ٹال مٹول سے کام نہ لے''۔

۵۱۹- سماعہ بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے قرآن مجید کی آیت فَمَنْ عُفِيَ لَهٗ مِنْ اَخِيْهِ...... کا مقصد دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''اس سے مراد وہ شخص ہے جو دیت قبول کرے۔ اللہ تعالیٰ نے دیت لینے والے کو حکم دیا ہے کہ وہ خوش اسلوبی سے دیت کا مطالبہ کرے اور سختی نہ کرے اور اس کے ساتھ ساتھ دیت دینے والے کو حکم دیا ہے کہ اگر وہ دیت ادا کرنے کے قابل ہو تو پھر خوش اسلوبی سے دیت ادا کرے۔

سماعہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا: فَمَنِ اعْتَدٰى بَعْدَ ذٰلِكَ فَلَهٗ عَذَابٌ اَلِيْمٌ (جو اس کے بعد زیادتی کرے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے) کا کیا مطلب ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اس کا مقصد یہ ہے کہ جو شخص دیت لے لے یا مصالحت کرے اور دیت وصول کرنے کے بعد وہ کسی کو قصاص

میں قتل کرے یا کسی کے جسم کا حلیہ بگاڑے تو اس کے لیے دردناک عذاب ہے"۔

قصاص میں زندگی مضمر ہے

اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں فرمایا:

وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ

(اور تمہارے لیے قصاص میں زندگی ہے)

۵۲۱- کتاب احتجاج طبرسی میں امام زین العابدین علیہ السلام کے متعلق لکھا ہے کہ آپ نے وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ کی آیت پڑھ کر فرمایا کہ اس آیت کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو خطاب کر کے کہا:

"اے اُمت محمدؐ! قصاص تمہارے لیے زندگی کا پیغام ہے کیونکہ جو بھی کسی کو قتل کا ارادہ کرے گا تو قتل کرنے سے پہلے وہ ضرور سوچے گا کہ اس کے قصاص میں وہ خود بھی زندہ نہیں رہے گا۔ اسی لیے وہ قتل سے باز رہے گا اور یوں قانون قصاص کی برکت سے دونوں افراد قتل سے بچ جائیں گے۔ اسی لیے اے عقل مند لوگو! قصاص کو واجب قرار دیا گیا تا کہ تم قتل سے بچ جاؤ"۔

۵۲۲- نہج البلاغہ میں حضرت علی علیہ السلام کا فرمان ہے:

"اللہ نے ایمان فرض کیا تا کہ شرک کی ناپاکی دور ہو اور قصاص واجب کیا تا کہ خون محفوظ رہیں"۔

۵۲۳- امالی طوسی میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ نے میری چار باتوں کی قرآن میں تصدیق کی ہے جن میں سے ایک بات میں نے یہ کہی تھی: القتل یقل القتل "قتل، قتل کو کم کر دیتا ہے"۔ اللہ تعالیٰ نے میری اس بات کی تصدیق کرتے ہوئے قرآن حکیم میں یہ آیت نازل فرمائی: وَلَكُمْ فِي الْقِصَاصِ حَيٰوةٌ يّٰاُولِي الْاَلْبَابِ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ (اور اے اہلِ عقل! قصاص میں تمہارے لئے زندگی ہے تا کہ تم بچ جاؤ)

وصیت

كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ اِنْ تَرَكَ خَيْرَا ۖۚ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ

بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۸۰﴾

(تمھارے اوپر یہ فرض کیا گیا کہ جب تم میں سے کسی کی موت سامنے آئے تو اگر مرنے والا کوئی مال چھوڑ کر مر رہا ہے تو اپنے ماں باپ اور رشتہ داروں کے لیے دستور کے مطابق وصیت کرے۔ یہ صاحبانِ تقویٰ پر حق ہے)

۵۲۴- اصولِ کافی میں محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا:

''کیا وارث کے لیے وصیت جائز ہے؟''

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں!

پھر آپؑ نے كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ کی آیت تلاوت فرمائی۔

۵۲۵- من لایحضرہ الفقیہ میں سماعہ بن مہران سے روایت کی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا کی آیت مجیدہ کی وضاحت دریافت کی تو آپؑ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے اس چیز کو مال دار افراد کے لیے مقرر کیا ہے''۔

میں نے عرض کیا کہ کیا وصیت کی کوئی حد بھی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں! اس کی کم از کم حد ۹/۱ حصہ تک ہے۔

۵۲۶- کتاب احتجاج طبرسی میں مذکور ہے کہ جب اہلِ اقتدار نے دختر پیغمبرؐ کو ان کے حق میراث سے محروم کیا تو حضرت سیدہ سلام اللہ علیہا نے مسجد نبویؐ میں خطبہ دیا۔ اس خطبہ میں آپؑ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے:

وَاُولُوا الْاَرْحَامِ بَعْضُهُمْ اَوْلٰى بِبَعْضٍ فِيْ كِتَابِ اللّٰهِ

(اور قرابت دار قانونِ خدا کے تحت ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حق دار ہیں)

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يُوْصِيْكُمُ اللّٰهُ فِيْٓ اَوْلَادِكُمْ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ

(اللہ تمھیں تمھاری اولاد کے متعلق وصیت کرتا ہے کہ لڑکے کو لڑکی کے دو برابر حصہ دیا جائے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اِنْ تَرَكَ خَيْرًا ۖ الْوَصِيَّةُ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ۝

(اگر کوئی مر رہا ہو اور اس کے پاس مال و دولت ہو تو وہ دستور کے مطابق والدین اور قریبی رشتہ داروں کے لیے وصیت کرے۔ یہ صاحبانِ تقویٰ پر فرض ہے)

مگر اس کے باوجود تم نے یہ گمان کرلیا ہے کہ میرا کوئی حصہ نہیں ہے اور میں اپنے والد کی میراث کی حقدار نہیں ہوں اور میرے اور میرے والد کے درمیان کوئی تعلق نہیں ہے تو کیا اللہ نے تمھیں کسی آیت سے مخصوص کیا ہے اور میرے والد کو اس سے مستثنیٰ قرار دیا ہے؟''

۵۲۷- تفسیر عیاشی میں ابوبصیر کا بیان ہے کہ صادقین علیہما السلام میں سے ایک بزرگوار نے فرمایا کہ: كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ ... کی آیت مجیدہ کو میراث کی آیات نے منسوخ کردیا ہے اور اس آیت مجیدہ میں فَمَنْۢ بَدَّلَهٗ کے الفاظ سے وہ شخص مراد ہے جس کو مرنے والے نے وصیت کی ہو۔

۵۲۸- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا: کیا وارث کے لیے وصیت کرنا جائز ہے؟ آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔

پھر آپ نے كُتِبَ عَلَيْكُمْ اِذَا حَضَرَ کی آیت مجیدہ تلاوت فرمائی۔

۵۲۹- حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا:

''جس شخص نے مرتے وقت اپنے ایسے رشتہ دار کے لیے وصیت نہ کی جس تک میراث نہیں پہنچتی تو اس نے اپنی زندگی کا اختتام معصیت پر کیا''۔

۵۳۰- مجمع البیان میں مرقوم ہے:

''مفسرین کا اس امر میں اختلاف ہے کہ انسان کے پاس کتنی دولت ہو تو اس کے لیے وصیت کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ ابن عباس کا قول ہے کہ جس کے پاس آٹھ سو درہم ہوں تو اس کے لیے وصیت کرنا ضروری ہے''۔

حضرت علی علیہ السلام اپنے ایک غلام کی عیادت کے لیے گئے اور وہ زندگی کے آخری سانس لے رہا تھا۔ اس کے پاس کل دولت سات سو یا چھ سو درہم تھی۔ اس نے آپؑ سے کہا:

مولاؑ! کیا میں وصیت نہ کروں؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں۔ وصیت کے لیے اللہ نے اِنۡ تَـرَكَ خَيۡـرًا کے الفاظ فرمائے ہیں جب کہ تیرے پاس کوئی زیادہ مال نہیں ہے۔

روایت کے آخر میں صاحب مجمع البیان لکھتے ہیں ہم بھی اسی پر عمل کرتے ہیں۔

۵۳۱- الکافی میں محمد بن مسلم سے منقول ہے' انھوں نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص نے موت کے وقت وصیت کی کہ اس کا مال ''سبیل اللہ'' میں دیا جائے۔ (تو کیا اس کی وصیت پر عمل کرنا درست ہے؟)

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر مرنے والا کسی یہودی اور نصرانی کے متعلق بھی وصیت کرے تو بھی اس کی وصیت کو پورا کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنۡ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ

''جو کوئی وصیت سن کر اسے تبدیل کرے تو اس کا گناہ تبدیل کرنے والے پر ہوگا''۔

۵۳۲- محمد بن مسلم نے صادقین علیہما السلام میں سے کسی ایک بزرگوار سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص وصیت کرے کہ اس کا مال ''سبیل اللہ'' میں دیا جائے۔

آپؑ نے فرمایا: تم اس کا مال وہاں دو جس کے متعلق اس نے وصیت کی ہے۔ اگرچہ وہ یہودی و نصرانی بھی کیوں نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنۡ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ

(جو کوئی وصیت سن کر اسے تبدیل کر دے تو اس کا گناہ ان پر ہوگا جو اسے تبدیل کریں گے)

۵۳۳- الکافی میں ایک روایت مذکور ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے وصیت کی اور فرمایا کہ وصیت پر عمل کرنے میں تمھاری نجات ہے اور خبردار وصیت کو ضائع نہ کرنا کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنۡ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۸۱﴾

(جو کوئی وصیت سن کر اسے بدل دے تو اس کا گناہ بدلنے والوں پر ہوگا بے شک خدا سننے والا جاننے والا ہے)

۵۳۴۔ یونس بن یعقوب کا بیان ہے کہ ہمدان میں ایک مومن کا والد فوت ہوگیا اور اسے امرِ امامت کے متعلق کچھ بھی معلوم نہیں تھا۔ مرتے وقت اس نے اپنے کچھ مال کے متعلق وصیت کی کہ اسے ''سبیل اللہ'' میں خرچ کیا جائے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس کی وصیت کا ذکر کیا گیا۔ آپؑ نے فرمایا:

''اگر کوئی شخص کچھ مال میرے ہاتھ میں دے کر مجھے یہ وصیت کرے کہ یہ مال فلاں یہودی یا نصرانی کو دے دینا تو میں اس کی بھی وصیت پر عمل کروں گا''۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ (جو کوئی وصیت سن سمجھ کر اس میں تبدیلی کرے تو اس کا گناہ تبدیلی کرنے والوں پر ہوگا) دیکھو اگر کوئی شخص سرحدوں کی طرف جا رہا ہو تو وصیت کی رقم کو اس کے ہاتھ وہاں پر لڑنے والے مجاہدین کے لیے روانہ کر دیا جائے۔

۵۳۵۔ حجاج خشاب بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ایک عورت نے مرض الموت میں مجھے وصیت کی کہ میں اس کے مال کی اتنی مقدار ''سبیل اللہ'' میں خرچ کروں۔

عورت سے کہا گیا کہ اس سے تیرے لیے حج کیا جائے؟

عورت نے کہا: اسے ''سبیل اللہ'' میں خرچ کیا جائے۔

پھر کسی نے عورت سے کہا: کیا یہ رقم آلِ محمدؑ کو دے دی جائے؟

عورت نے کہا: اسے ''سبیل اللہ'' خرچ کرو۔ اس کے بعد عورت دنیا سے رخصت ہوگئی۔ اب آپ فرمائیں کہ میں اس رقم کو کہاں خرچ کروں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کی وصیت پر عمل کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

فَمَنۡۢ بَدَّلَهٗ بَعۡدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَاۤ اِثۡمُهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ يُبَدِّلُوۡنَهٗ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِيۡعٌ عَلِيۡمٌ ﴿۱۸۱﴾

''جو سن سمجھ کر وصیت کو تبدیل کرے تو اس کا گناہ تبدیل کرنے والوں پر ہوگا۔ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے''۔

پھر آپ نے مجھ (راوی) سے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ اگر میں تمھیں کچھ رقم دیتا کہ جاؤ یہ رقم فلاں یہودی کو دے دو تو کیا تم وہ رقم کسی عیسائی کو دیتے؟

راوی کا بیان ہے کہ میں تین سال تک خاموش رہا۔ پھر میں آپؑ کے پاس گیا اور میں نے آپؑ سے وہی درخواست کی جو تین سال قبل کی تھی۔ آپؑ میری بات سن کر خاموش رہے پھر آپؑ نے فرمایا: اچھا وہ رقم لے آؤ۔

میں نے کہا: آپؑ وہ رقم کسے دیں گے؟

آپؑ نے فرمایا: میں وہ رقم ''عیسیٰ شلقان'' کو دینا چاہتا ہوں۔

وضاحت: الوافی میں ہے کہ عامہ کے نزدیک ''سبیل اللہ'' سے جہاد مراد لیا جاتا تھا۔ چونکہ ان کا جہاد حقیقت میں جہاد ہی نہیں تھا اسی لیے شرعی طور پر جہاد کی رقم کو فقرائے شیعہ پر خرچ کرنا حلال تھا۔ ''شلقان'' عیسیٰ بن ابی منصور کا لقب ہے اور وہ انتہائی نیک اور فاضل شخص تھا۔ رجال کشی میں ہے کہ وہ حضرتؑ کا وکیل تھا۔

۵۳۶۔ دیان بن شبیب کہتے ہیں کہ ایک عیسائی عورت نے غریب عیسائیوں کے لیے اپنے کچھ مال کی وصیت کی۔ میرے دوستوں نے مجھ سے کہا: تم یہ رقم اپنے غریب ایمانی بھائیوں میں تقسیم کر دو۔

میں نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ میری بہن نے غریب عیسائیوں کے لیے مجھے کچھ مال کی وصیت کی ہے جب کہ میری خواہش یہ ہے کہ میں مذکورہ رقم اپنے غریب ایمانی بھائیوں میں تقسیم کروں، اب آپ کیا فرماتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: تم اس کی وصیت پر عمل کرو۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ ۚ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ

''جو کوئی وصیت سن کر اس میں تبدیلی کرے تو تبدیلی کرنے والوں پر اس کا گناہ ہوگا۔ بے شک اللہ سننے والا جاننے والا ہے''۔

۵۳۷۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ ایک شخص نے مرتے وقت اپنی کچھ دولت ایک شخص کے سپرد کی اور اسے وصیت کی کہ اس رقم سے اس کی طرف سے حج بجالائی جائے۔ مگر وصی نے اس کی موت کے بعد اس رقم سے ایک غلام خرید کر آزاد کر دیا تو کیا اس سے وصیت کے تقاضوں کی تکمیل ہو جائے گی؟

آپ نے فرمایا: اس کے وصی پر فرض ہے کہ وہ اس کی وصیت پر عمل کرے اور حج کروائے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا

فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِيْنَ يُبَدِّلُوْنَهٗ ''جو کوئی سن سمجھ کر وصیت میں تبدیلی کرے تو اس کا گناہ انہی پر ہوگا جو اسے تبدیل کریں گے''۔

جب وصیت حق تلفی پر مبنی ہو تو اس میں ردو بدل کرنا درست ہے

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

(ہاں البتہ) جو شخص وصیت کرنے والے سے بے جا طرفداری یا بے انصافی کا خوف رکھتا ہو اور وہ وارثوں میں صلح کرادے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ بے شک اللہ بخشنے والا مہربان ہے''۔

۵۳۸- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جو کوئی شخص کسی چیز کی وصیت کرے تو وصی کے لیے جائز نہیں کہ وصیت میں کسی طرح کا تغیر و تبدل کرے۔ وصی کو چاہیے کہ وصیت کے مطابق عمل کرے۔ ہاں اگر وصیت کرنے والا شخص حکم خدا کی خلاف ورزی کرے اور وصیت کی وجہ سے کسی وارث پر ظلم کرے اس صورت میں وصی کے لیے مرنے والے کی وصیت میں ردو بدل کرنا جائز ہے۔ مثلاً اگر کسی شخص کے بہت سے وارث ہوں اور وہ سارے مال کی وصیت کسی ایک وارث کے نام کردے اور باقی رشتہ داروں کو محروم کردے۔ اس صورت میں وصی کے لیے اس کی وصیت میں ردو بدل کرنا جائز ہے اور اسی حق تلفی پر مبنی وصیت کو اللہ نے ''جَنَفًا اَوْ اِثْمًا'' کے الفاظ سے تعبیر کیا ہے۔

''جنف'' کسی ایک خاص رشتہ دار کو مخصوص کرنے کو کہا گیا ہے۔ اور ''اثم'' یہ ہے کہ کوئی شخص پارسیوں کے آتش کدوں کے لیے کچھ رقم کی وصیت کرے یا کسی نشہ آور چیز کو بنانے کی وصیت کرے تو اس حالت میں وصی کے لیے جائز ہے کہ اس کی وصیت پر عمل نہ کرے۔

۵۴۰- الکافی میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے وصی کو یہ حق دیا ہے کہ اگر وصیت سے کسی کی حق تلفی ہو رہی ہو تو وہ اس

وصیت کو صحیح دستور کی طرف تبدیل کر سکتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ

''جو شخص وصیت کرنے والے سے بے جا طرفداری یا بے انصافی کا خوف رکھتا ہو اور وہ وارثوں میں صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے''۔

۵۴۱- محمد بن سوقہ کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے فَمَنْ بَدَّلَهٗ بَعْدَ مَا سَمِعَهٗ فَاِنَّمَآ اِثْمُهٗ عَلَى الَّذِیْنَ یُبَدِّلُوْنَهٗ (پس جو کوئی وصیت سننے کے بعد اس میں تبدیلی کرے تو اس کا گناہ تبدیلی کرنے والوں پر ہوگا) کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: اسے اس کے بعد والی اس آیت نے منسوخ کر دیا ہے: فَمَنْ خَافَ مِنْ مُّوْصٍ جَنَفًا اَوْ اِثْمًا فَاَصْلَحَ بَیْنَهُمْ فَلَآ اِثْمَ عَلَیْهِ ''جو شخص وصیت کرنے والے سے بے جا طرفداری یا بے انصافی کا خوف رکھتا ہو اور وہ وارثوں میں صلح کرا دے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے''۔

مقصد آیت یہ ہے کہ اگر وصی یہ محسوس کرے کہ وصیت کرنے والے نے ناجائز وصیت کی ہے اور اس وصیت پر خدا راضی نہیں ہے تو اسے یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ حق تلفی پر مبنی وصیت کو حق کی طرف پھیر دے

۵۴۲- مجمع البیان کی ایک عبارت کا مفہوم اور ماحصل یہ ہے

''جان بوجھ کر حق سے انحراف کرنے کے عمل کو ''اثم'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور غلطی سے حق سے منحرف ہونے کو لفظ ''جنف'' سے تعبیر کیا جاتا ہے اور ابن عباس اور حسن سے بھی یہی قول مروی ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی مفہوم منقول ہے۔

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَیْكُمُ الصِّیَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾ اَیَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ ؕ فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِیْضًا اَوْ عَلٰى سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَیَّامٍ اُخَرَ ؕ وَعَلَى الَّذِیْنَ یُطِیْقُوْنَهٗ فِدْیَةٌ طَعَامُ مِسْكِیْنٍ ؕ فَمَنْ

تَطَوَّعَ خَيْرًا فَهُوَ خَيْرٌ لَّهٗ ۭ وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۴ شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيْٓ اُنْزِلَ فِيْهِ الْقُرْاٰنُ هُدًى لِّلنَّاسِ وَبَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَالْفُرْقَانِ ۚ فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ ۭ وَمَنْ كَانَ مَرِيْضًا اَوْ عَلٰي سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِّنْ اَيَّامٍ اُخَرَ ۭ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ۡ وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰي مَا ھَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ۝۱۸۵

”اے ایمان والو! تم پر روزے اسی طرح سے فرض کیے گئے ہیں جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے شاید تم اس طرح متقی بن جاؤ۔ یہ روزے گنتی کے چند دنوں کے ہیں۔تم میں سے جو کوئی بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اتنے ہی دن دوسرے دنوں میں روزے رکھے اور جو لوگ مشکل سے روزہ رکھنے کے قابل ہوں تو وہ روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائیں۔ جو شخص اپنی خوشی سے بھلائی کرے تو یہ اس کے لیے زیادہ بہتر ہے اور اگر تم علم رکھتے ہو تو روزہ رکھنا تمھارے لئے زیادہ اچھا ہے۔ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا جو لوگوں کا رہنما ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی روشن نشانیاں ہیں۔تم میں سے جو اس مہینہ میں اپنی جگہ پر ہو تو اسے روزہ رکھنا چاہیے اور جو بیمار ہو یا سفر میں ہو تو اور دنوں میں روزہ کی گنتی پوری کرے۔

خدا تمھارے لئے آسانی چاہتا ہے سختی نہیں چاہتا تا کہ تم تعداد کی گنتی پوری کرو اور خدا نے جو تم کو ہدایت دی ہے اس کے لیے خدا کی بڑائی بیان کرو تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ''۔

روزہ

۵۴۳- تفسیر عیاشی میں جمیل بن دراج سے منقول ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کے متعلق پوچھا کہ آیا روزے فقط اہلِ ایمان پر ہی فرض ہیں کیا اس حکم میں گمراہ افراد اور منافق شامل نہیں ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں! اس خطاب میں گمراہ اور منافق اور وہ تمام افراد شامل ہیں جنہوں نے اسلام کی ظاہری دعوت کو قبول کیا ہے۔

۵۴۴- امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کی آیت اہلِ ایمان کے لیے مخصوص ہے۔

۵۴۵- من لا یحضرہ الفقیہ میں حفص بن غیاث نخعی سے منقول ہے' اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا' آپؑ نے فرمایا:

''ماہِ رمضان کے روزے ہم سے پہلے کسی بھی اُمت پر فرض نہیں کیے گئے تھے''۔

میں (راوی) نے عرض کیا تو پھر یٰٓاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا کُتِبَ عَلَیْکُمُ الصِّیَامُ کَمَا کُتِبَ عَلَی الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِکُمْ (ایمان والو! تم پر اسی طرح سے روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے) کا کیا مطلب ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کے روزے صرف انبیاء پر ہی فرض کیے تھے' اُن کی اُمتوں پر فرض نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فضیلت کے لیے اُمت اسلامیہ کے افراد کو مخصوص کیا اور اس مہینے کے روزے رسولؐ خدا اور اُن کی اُمت پر فرض کیے''۔

۵۴۶- صحیفہ سجادیہ کی دعاؤں میں سے ایک دعا میں امام سجاد علیہ السلام بارگاہِ احدیت میں عرض کرتے ہیں:

ثم آثرتنا به علی سائر الامم واصطفیتنا دون اهل الملل فصمنا بامرك نهاره وقمنا بعونك لیله -

"پھر تو نے دوسری اُمتوں پر ہمیں ترجیح دی اور تو نے اس فضیلت کے لیے دوسری ملتوں کو چھوڑ کر ہمارا انتخاب کیا چنانچہ ہم نے تیرے فرمان کے تحت اس کے دنوں میں روزے رکھے اور تیری مدد سے ہم نے رات کو قیام کیا"۔

۵۴۷- کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ کچھ یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان کے عالم نے رسولؐ خدا سے کچھ سوال کیے۔ ان سوالوں میں سے ایک سوال اس نے یہ کیا:

"اللہ نے آپؐ کی اُمت پر تیس روزے کیوں فرض کیے جب کہ دوسری اُمتوں پر اس سے زیادہ دنوں کے روزے فرض کیے گئے تھے؟"

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"آدم علیہ السلام نے شجرہ ممنوعہ کا پھل کھایا تھا اور اس کا اثر تیس دن تک ان کے شکم میں باقی رہا تھا اسی لیے اللہ نے نسلِ آدم پر تیس دن کی بھوک پیاس کو فرض کر دیا اور رات کو کھانے پینے کی جو اجازت ہے وہ اس کی طرف سے فضل و کرم ہے۔ اور یہی فضل اللہ نے آدم پر بھی کیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اسی لیے میری اُمت پر تیس روزے واجب کیے"۔

اس کے بعد آپؐ نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ۝ اَيَّامًا مَّعْدُوْدٰتٍ

(تم پر اسی طرح سے روزے فرض کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے لوگوں پر فرض کیے گئے تھے تاکہ تم پرہیزگار بن جاؤ۔ روزے گنتی کے چند دن ہیں)

رسولؐ خدا کا یہ جواب سن کر یہودی نے کہا: محمدؐ! آپؐ نے سچ فرمایا۔

۵۴۸- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے رسول

اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی:

''ایک مرتبہ جب ماہ شعبان کی تیس تاریخ تھی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بلال سے فرمایا: لوگوں کو جمع ہونے کے لیے ندا کرو۔ جب لوگ مسجد میں جمع ہوگئے تو آپ منبر پر تشریف لائے اور خدا کی حمد وثنا کی اور پھر فرمایا:

''لوگو! رمضان کا مہینہ شروع ہونے والا ہے۔ اللہ نے اس فضیلت کے لیے تمہیں مخصوص کیا ہے اور یہ تمام مہینوں کا سردار ہے''۔

واضح رہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ خطبہ کافی طویل ہے۔ ہم نے بقدرِ ضرورت صرف ایک اقتباس نقل کیا ہے۔

روزوں کا فلسفہ

۵۴۹۔ عیون الاخبار کے آخر میں شیخ صدوق نے فضل بن شاذان کا وہ رسالہ نقل کیا ہے جسے انھوں نے امام علی رضا علیہ السلام کی زبان سے احکامِ شرعیہ کے علل واسباب سن کر جمع کیا تھا۔ اس رسالہ میں یہ جملے بھی ہیں:

''اگر کوئی کہے کہ روزے کا حکم کیوں دیا گیا؟''

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ روزے اس لیے واجب کیے گئے تا کہ لوگوں کو بھوک اور پیاس کی تکلیف کا پتہ چلے اور وہ اسے مثال بنا کر فقرِ آخرت کے دُور کرنے کی طرف متوجہ ہوسکیں اور اس کے ساتھ ساتھ روزے کا ایک مقصد یہ بھی ہے روزہ دار میں خشوع اور عاجزی وانکساری پیدا ہو اور بھوک پیاس برداشت کر کے معرفت کے درجات طے کرے اور یوں اجر وثواب کا حق دار قرار پائے اور اس کے علاوہ روزہ انسانی خواہشات کے طوفان کی شدت کو بھی کم کرنے میں ممد ومعاون ہے اور ذریعہِ نصیحت ہے اور شرعی تکالیف کی ادائیگی کے لیے تربیتِ نفس کا سبب ہے اور آخرت کے لیے رہنمائی کا کام دیتا ہے۔ روزہ کی وجہ سے انسان کو اپنے بھوکے پیاسے بھائیوں کی تکلیف کا عملی تجربہ بھی حاصل ہوتا ہے، جس سے انسان میں غرباء ومساکین کے لیے محبت وہمدردی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور انسان اپنے مالی فرائض ادا کرنے کی طرف راغب ہوتا ہے۔

اور اگر کوئی یہ سوال کرے کہ ''روزوں کے لیے ماہِ رمضان کا ہی انتخاب کیوں کیا گیا؟''

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ ''رمضان وہ مہینہ ہے جس میں اللہ نے قرآن مجید نازل کیا جو کہ لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے اور ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی اس میں واضح نشانیاں موجود ہیں اور اسی مہینہ میں ہی محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اعلانِ نبوت کا حکم دیا گیا اور اس مہینہ میں شب قدر بھی ہے جو کہ ہزار مہینوں سے بہتر ہے اور اس رات ہر صاحب حکمت امر کا فیصلہ کر دیا جاتا ہے اور اس رات سال بھر کے خیر و شر، نفع نقصان، رزق اور موت کے فیصلے کیے جاتے ہیں اسی لیے اسے ''لیلۃ القدر'' کہا جاتا ہے۔

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ ''لوگوں کو صرف ماہِ رمضان کے روزوں کا حکم کیوں دیا گیا اس سے کم تعداد یا زیادہ تعداد میں روزوں کا حکم کیوں نہیں دیا گیا؟''

اس کے جواب میں کہا جائے گا: ''اس میں عام انسانوں کی قوتِ جسمانی کا خیال رکھا گیا ہے۔ اسے ہر طاقتور اور کمزور ادا کر سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جتنے بھی احکام نازل کیے ہیں اس میں لوگوں کی غالب اکثریت کو مدنظر رکھا ہے۔ کیونکہ لوگوں کی غالب اکثریت ایک ماہ کا روزہ رکھ سکتی ہے اسی لیے صرف ایک ہی مہینے کے روزے فرض کیے گئے اور کمزور افراد کو روزوں میں رعایت دی گئی اور اہلِ قوت کو مزید فضیلت حاصل کرنے کی ترغیب دی گئی۔ اگر ایک ماہ سے کم روزوں سے تربیت ممکن ہوتی تو اللہ روزے کم کر دیتا اور اگر زیادہ دنوں کی ضرورت ہوتی تو اللہ روزے زیادہ کر دیتا۔

بیمار اور مسافر کے لیے رعایت

۵۵۰- من لا یحضرہ الفقیہ میں زہری سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے:

امام زین العابدین علیہ السلام نے مجھ (زہری) سے فرمایا:

''سفر اور بیماری کے روزوں کے متعلق عامہ کا اختلاف ہے۔ ان میں سے کچھ کہتے ہیں کہ بیمار اور مسافر روزہ نہ رکھیں۔ اور کچھ اور لوگ کہتے ہیں کہ بیمار اور مسافر کی اپنی مرضی پر منحصر ہے چاہے تو روزہ رکھے اور اگر چاہے تو اس دن روزہ نہ رکھے''۔

جب کہ ہم تو یہ کہتے ہیں کہ بیمار اور مسافر کو ہر حالت میں افطار کرنا چاہیے۔ اور اگر کوئی بیمار یا مسافر روزہ رکھے تو ماہ رمضان کے بعد اس دن کی قضا رکھے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ عَلَىٰ سَفَرٍ فَعِدَّةٌ مِنْ أَيَّامٍ أُخَرَ

''تم میں سے جو بیمار ہو یا سفر پر ہو تو وہ اتنے ہی دن دوسرے دنوں میں روزے رکھے''۔

۵۵۱- تفسیر عیاشی میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جس طرح مسافر کے لیے سفر کی ایک حد مقرر ہے تو کیا بیمار کے لیے بھی بیماری کی کوئی حد مقرر ہے؟

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ مریض کی ذاتی صوابدید پر منحصر ہے۔ اگر وہ اپنے اندر کمزوری محسوس کرے تو روزہ نہ رکھے اور اگر وہ اپنے اندر قوت محسوس کرے تو وہ روزہ رکھے''۔

خدا کی عطا کردہ رخصت کو ٹھکرانا کفرانِ نعمت ہے

۵۵۲- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سفر میں نہ تو واجب روزہ رکھتے تھے اور نہ ہی سنتی روزہ رکھتے تھے اور جو یہ کہتے ہیں وہ رسولؐ خدا پر جھوٹ باندھتے ہیں''۔

یہ آیت آنحضرتؐ پر مقام ''کراع الغمیم'' میں نازل ہوئی تھی۔ آپ نے ایک برتن میں پانی منگوایا اور آپ نے خود پیا اور لوگوں سے فرمایا: کہ تم بھی روزہ کھول دو۔

کچھ لوگوں نے کہا: اب تو سورج نکلنے ہی والا ہے۔ اگر ہم آج کا روزہ رکھ لیں تو اس میں آخر حرج ہی کیا ہے؟

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان لوگوں کا نام ''عُصَاۃ'' (نافرمان) رکھا۔ رسول اکرمؐ کی وفات تک انہیں اسی نام سے پکارا جاتا تھا۔

۵۵۳- حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے اور میری اُمت کو ایک ایسا تحفہ دیا ہے جو آج تک کسی اُمت کو نصیب ہوا اور وہ تحفہ خدا کا خصوصی فضل ہے''۔

صحابہ نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! وہ خصوصی تحفہ کون سا ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: وہ تحفہ سفر میں افطار اور قصرِ نماز ہے اور جو اس حکم پر عمل نہیں کرتا تو وہ خدا کے تحفہ کو ٹھکرا رہا ہے۔

۵۵۴- الکافی میں حلبی سے روایت ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص نے سفر میں روزہ رکھا۔ اس کا کیا حکم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر اسے یہ علم تھا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سفر کے روزہ سے منع کیا تھا تو اس کو روزہ کی قضا کرنی ہوگی اور اگر اسے معلوم نہ تھا تو اس کے ذمہ کوئی قضا نہیں ہے۔

۵۵۵- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جو شخص مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سے سفر میں روزہ رکھے تو اس کے ذمہ کچھ بھی نہیں ہے یعنی اس پر کوئی قضا نہیں ہے''۔

۵۵۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جب کوئی شخص ماہِ رمضان میں سفر کرے تو اسے افطار کرنا چاہیے اور اگر کوئی شخص ناواقفیت کی وجہ سے روزہ رکھے تو اس پر کوئی قضا نہیں ہے''۔

۵۵۷- من لایحضرہ الفقیہ میں زرارہ سے روایت ہے' اس نے کہا: میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ بیماری کی کیا مقدار ہو تو انسان روزہ نہ رکھے اور بیٹھ کر نماز پڑھے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''انسان اپنی طبیعت سے خود ہی زیادہ واقف ہے۔ وہ اپنی طاقت اور کمزوری کا خود ہی صحیح فیصلہ کر سکتا ہے''۔

۵۵۸- ولید بن صبیح کا بیان ہے کہ ایک دن مدینہ میں مجھے بخار آ گیا۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے میرے ہاں ایک خوان بھیجا جس میں سرکہ اور زیتون تھا اور آپ نے مجھ سے فرمایا: ''افطار کرو اور بیٹھ کر نماز پڑھ''۔

۵۵۹- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جب روزہ دار کو اندیشہ ہو کہ روزہ کی وجہ سے اسے آشوبِ چشم لاحق ہو جائے گا تو وہ روزہ نہ رکھے''۔

۵۶۰- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ (اور جو لوگ مشکل سے روزہ رکھنے کے قابل ہوں تو وہ ہر روزے کے عوض ایک مسکین کو کھانا کھلائیں) اس آیت مجیدہ سے بوڑھا شخص اور وہ شخص مراد ہے جسے پیاس زیادہ لگتی ہو۔

۵۶۱- وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اس سے وہ لوگ مراد ہیں جنہیں روزہ رکھنے کی طاقت ہو اور وہ بوڑھے ہو جائیں یا وہ شدت پیاس یا اس جیسی کسی بیماری میں مبتلا ہو جائیں تو وہ ہر دن کے عوض ایک مُد طعام فدیہ دیں''۔

۵۶۲- تفسیر علی بن ابراہیم میں وَعَلَى الَّذِينَ يُطِيقُونَهُ فِدْيَةٌ طَعَامُ مِسْكِينٍ کے متعلق امام علیہ السلام کا فرمان ہے:

''جو شخص ماہِ رمضان میں بیمار ہو جائے تو وہ افطار کرے پھر وہ تندرست ہو جائے اور اگلا ماہِ رمضان آنے تک وہ روزے کی قضا نہ بجا لائے تو اسے چاہیے کہ وہ ہر روزے کے بدلے میں ایک دن کا روزہ رکھے اور فدیہ میں ایک مُد طعام بھی دے''۔

عظمتِ رمضان

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ

(رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا)

۵۶۳- اصول کافی میں حفص بن غیاث سے مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ: مولاؑ! قرآن مجید تو کم و بیش بیس سال تک نازل ہوتا رہا مگر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِيٓ أُنْزِلَ فِيهِ الْقُرْاٰنُ (رمضان کا وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا) آخر اس آیت کا کیا مفہوم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''پورے کا پورا قرآن ماہِ رمضان میں بیت المعمور پر اُتارا گیا۔ پھر وہاں سے ضرورت کے تحت تھوڑا تھوڑا کر کے بیس سال کے عرصہ تک نازل ہوتا رہا''۔

امام علیہ السلام نے پھر فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ صحفِ ابراہیم ماہِ رمضان کی پہلی تاریخ

کو نازل ہوئے اور تورات چھ ماہِ رمضان کو نازل ہوئی اور انجیل تیرہ ماہِ رمضان کو نازل ہوئی اور زبور اٹھارہ ماہِ رمضان کو نازل ہوئی اور قرآن مجید تیئیس ماہِ رمضان کو نازل ہوا۔

۵۶۴- الکافی میں عمرو الشامی سے مروی ہے اس نے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''قرآن مجید ماہِ رمضان کی پہلی رات کو نازل ہوا لہٰذا تم بھی قرآن کا استقبال قرآن سے کرو''۔

۵۶۵-الکافی میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

'تم اس مہینہ کو صرف ''رمضان'' نہ کہا کرو بلکہ ماہِ رمضان کہا کرو کیونکہ تمھیں معلوم نہیں ہے کہ ''رمضان'' کیا ہے۔

۵۶۶- سعد کا بیان ہے کہ ہم آٹھ آدمی امام محمد باقر علیہ السلام کے پاس بیٹھے ہوئے تھے اور رمضان کا ذکر چل پڑا۔امام علیہ السلام نے ہم سے فرمایا:

''یہ نہ کہو کہ یہ ''رمضان'' ہے اور ''رمضان'' چلا گیا اور ''رمضان'' آ گیا۔ رمضان تو اللہ کے نام میں سے ایک نام ہے اور اللہ تو کہیں بھی آتا جاتا نہیں ہے کیونکہ جو آئے اور جائے تو وہ چیز زوال پذیر ہوتی ہے۔ اس کی بجائے تم کہو ''شہر رمضان ''یعنی ''ماہِ رمضان'' لفظ ماہ یا شہر مضاف ہے اور لفظ رمضان مضاف الیہ ہے یعنی رمضان کا مہینہ۔ بالفاظ دیگر خدا کا مہینہ۔ اللہ نے اس ماہ میں قرآن نازل کیا اور اس مہینہ کو مثالی مہینہ بنایا اور اسے عید کا پیش خیمہ بنایا''۔

۵۶۷- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر کسی شخص نے ''ظہار'' کا روزہ رکھا ہوا ہو اور اس دن ماہِ رمضان کا روزہ ثابت ہو جائے تو وہ اپنے روزے کو ماہِ رمضان کا روزہ تصور کرے اور ماہِ رمضان کے بعد ''ظہار'' کا روزہ رکھے۔

قرآن کے مرکزی موضوعات

۵۶۸- اصول کافی میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے' ان کا بیان ہے کہ میں نے امیر المومنین علیہ السلام سے سنا' آپؑ نے فرمایا:

''قرآن تین حصوں میں اترا۔ ایک تہائی ہماری مدح اور ہمارے دشمنوں کی مذمت میں نازل ہوئی اور ایک تہائی سنن وامثال پر مشتمل ہے اور ایک تہائی کا تعلق فرائض واحکام سے ہے''۔

۵۶۹- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''قرآن مجید چار حصوں پر مشتمل ہے۔ ایک چوتھائی کا تعلق حلال سے ہے اور دوسری چوتھائی کا تعلق حرام سے ہے۔ اور تیسری چوتھائی کا تعلق سنن و احکام سے ہے اور آخری چوتھائی اُمم سابقہ کے واقعات اور آنے والی نسلوں کے حالات اور تمھارے باہمی فیصلوں پر مشتمل ہے''۔

۵۷۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''قرآن کے چار حصے ہیں۔ ایک حصہ ہماری تعریف میں آتا ہے ایک حصہ ہمارے دشمنوں کی مذمت میں ہے اور ایک حصہ سنن و امثال اور ایک حصہ فرائض و احکام پر مشتمل ہے''۔

۵۷۱- زرارہ بیان کرتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''قرآن ایک ہے اور واحد لاشریک کا نازل کردہ ہے۔ اختلاف تو راویوں کا پیدا کردہ ہے''۔

۵۷۲- فضل بن یسار کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ قرآن سات حروف پر نازل ہوا ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''دشمنانِ خدا جھوٹ کہتے ہیں۔ قرآن واحد کی طرف سے آیا ہے اور صرف واحد پر ہی نازل ہوا ہے''۔

۵۷۳- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا قرآن کی کچھ آیات کا خطاب کسی سے ہے اور اس کا مقصود کوئی اور ہے۔

۵۷۴- امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ ''ایسی تمام آیات جن سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ ان میں اللہ نے اپنے حبیب کریم پر عتاب کیا ہے دراصل ان آیات کا روئے تخاطب تو آنحضرت کی طرف ہے لیکن ان سے مقصود کچھ اور لوگ ہیں جیسا کہ یہ آیت ہے:

لَوْلَآ اَنْ ثَبَّتْنٰكَ لَقَدْ كِدْتَّ تَرْكَنُ اِلَيْهِمْ شَيْـًٔا قَلِيْلًا (اگر ہم آپ کو ثابت قدم نہ رکھتے تو قریب تھا کہ آپ ان کی طرف کچھ مائل ہو جائیں) اس آیت میں خطاب اگرچہ آنحضرتؐ سے ہے لیکن مراد کوئی اور ہے''۔

قرآن اور فرقان کا فرق

۵۷۵- کتاب معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ آیا قرآن اور فرقان دونوں ایک ہی چیز ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:

"قرآن تو ساری کتاب کا نام ہے اور فرقان اس کے اس حصہ کا نام ہے جو محکم اور واجب العمل ہے"۔

ماہِ رمضان میں بلا ضرورت سفر نہ کیا جائے

۵۷۶- کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

"جب ماہِ رمضان شروع ہو جائے تو آدمی کو اپنے گھر سے سفر نہیں کرنا چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (تم میں سے جو ماہِ رمضان میں اپنے گھر میں موجود ہو تو وہ روزہ رکھے)۔

۵۷۷- من لا یحضرہ الفقیہ میں مذکور ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ کی آیت پڑھ کر فرمایا:

"یہ آیت کتنی واضح ہے یعنی جو شخص گھر میں موجود ہو وہ روزہ رکھے اور جو سفر میں ہو وہ روزہ نہ رکھے"۔

۵۷۸- حلبی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ماہِ رمضان شروع ہوا اور ایک شخص گھر میں موجود تھا اور اس کا سفر کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔ پھر اس نے سفر کا ارادہ کر لیا۔ (تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟)

یہ سن کر امام علیہ السلام خاموش رہے اور آپؑ نے کوئی جواب نہ دیا۔

میں نے متعدد بار اپنا سوال حضرتؑ کے سامنے دہرایا تو آپؑ نے فرمایا:

"اس کا گھر میں رہنا افضل ہے البتہ کسی حاجت کے تحت باہر بھی جا سکتا ہے یا اسے اپنے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو پھر بھی وہ سفر کر سکتا ہے"۔

۵۷۹- تفسیر عیاشی میں صباح بن سیابہ سے منقول ہے' اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا کہ ابن یعقوب نے مجھ سے کہا تھا کہ میں آپ سے کچھ مسائل دریافت کروں۔

آپؑ نے فرمایا: بیان کرو۔

میں نے کہا کہ وہ کہتا تھا کہ ماہِ رمضان شروع ہوا تو میں اپنے گھر میں تھا کہ کیا میں ماہِ رمضان میں سفر کرسکتا ہوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اللہ تعالیٰ کے فرمان ہے:

فَمَنْ شَهِدَ مِنْكُمُ الشَّهْرَ فَلْيَصُمْهُ (تم میں سے ماہِ رمضان کے وقت جو گھر میں ہو وہ روزہ رکھے) چنانچہ اگر کوئی شخص ماہ رمضان کے شروع ہونے کے وقت اپنے اہل وعیال میں ہو تو وہ حج' عمرہ کے لیے سفر کرسکتا ہے اور اگر اسے اپنے مال کے ضائع ہونے کا اندیشہ ہو تو وہ اس مال کے تحفظ کے لیے بھی سفر کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ سفر نہیں کرسکتا۔

خدا آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا

يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ

(خدا تمھارے لیے آسانی چاہتا ہے تنگی نہیں چاہتا)

۵۸۰- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''علی علیہ السلام آسانی ہیں اور فلاں فلاں لوگ تنگی ہیں جو بھی آدم کا فرزند ہوگا وہ ان کی سرپرستی میں کبھی نہیں جائے گا''۔

۵۸۱- کتاب علل الشرائع میں فضل بن شاذان کی زبانی احکامِ شرعیہ کے علل واسباب بیان کیے گئے ہیں اور فضل بن شاذان نے کہا کہ میں نے احکامِ شرعیہ کا یہ فلسفہ امام علی رضا علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے سنا تھا۔ اس کا ایک حصہ یہ ہے:

''اگر کوئی شخص یہ کہے کہ باقی نمازوں کی طرح سے نمازِ عصر کا کوئی واضح وقت مقرر نہیں ہے اس کے لیے بس یہی کہا گیا ہے کہ اسے نمازِ ظہر اور مغرب کے درمیان پڑھا جائے تو آخر ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اس نماز کو عشا اور فجر کے درمیان یا فجر اور ظہر کے درمیان میں بھی تو فرض کیا جاسکتا تھا۔ آخر اس نماز کو ظہر و مغرب کے درمیان کیوں قرار دیا گیا؟

اس شخص کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ وقت تمام لوگوں کے لیے آسان ترین وقت ہے اور ہر کمزور اور طاقتور اس وقت پر نماز ادا کرسکتا ہے کیونکہ صبح کے وقت لوگ اپنے کاروبار اور تجارت و معاملات میں مصروف ہو جاتے ہیں اسی

لیے اس نماز کو فجر اور ظہر کے درمیان نہیں رکھا گیا تا کہ لوگ اپنے کام کاج تسلی سے کر سکیں اور اسے نمازِ عشاء اور نمازِ فجر کے درمیان اس لیے نہیں رکھا گیا لو... کے لیے رات کے وقت اٹھنا دشوار ہوتا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے نمازِ عصر کو آسان ترین وقت میں رکھا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

یُرِیۡدُ اللّٰہُ بِکُمُ الۡیُسۡرَ وَ لَا یُرِیۡدُ بِکُمُ الۡعُسۡرَ ''خدا تمھاری آسانی چاہتا ہے تمھارے لیے تنگی نہیں چاہتا''۔

۵۸۲- الکافی میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے دنیا کو چھ دنوں میں پیدا کیا۔ پھر اللہ نے ان چھ دنوں کو سال کے دنوں سے نفی کر دیا۔ اسی لیے سال کے تین سو چون (۳۵۴) دن ہوتے ہیں۔ شعبان کبھی تیس دنوں کا نہیں ہوتا اور خدا کی قسم رمضان کبھی تیس دنوں سے کم نہیں ہوتا کیونکہ فرض کبھی اُدھورا نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَ لِتُکۡمِلُوا الۡعِدَّۃَ (تا کہ تم گنتی پوری کرو) اور شوال انتیس دن کا ہوتا ہے۔

واضح رہے کہ حدیث کافی لمبی ہے۔ ہم نے بقدرِ ضرورت اس کا صرف ایک حصہ نقل کیا ہے۔

عید الفطر کی تکبیرات

۵۸۳- سعید نقاش کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

''عید الفطر کی تکبیرات ہیں لیکن وہ مسنون ہیں''۔

میں نے کہا: وہ کب پڑھنی ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:

''وہ عید کی رات نمازِ مغرب اور عشاء کے بعد اور عید کی صبح نمازِ فجر کے بعد اور نمازِ عید کے بعد پڑھی جائیں گی''۔

میں (راوی) نے عرض کیا: وہ تکبیرات کیسے پڑھی جائیں؟

آپؑ نے فرمایا: تم یہ کہو!

اللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر لا الٰہ الا اللّٰہ واللّٰہ اکبر اللّٰہ اکبر وللّٰہ الحمد اللّٰہ اکبر علی ما هدانا۔

اللہ تعالیٰ نے ان کا حکم دیا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ

''تا کہ تم روزے پورے کرو اور ہدایت حاصل ہونے پر خدا کی بڑائی بیان کرو''۔

۵۸۴- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:

''ہم نے تو یہ سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے انتیس روزے زیادہ مرتبہ رکھے تھے اور آپ نے تیس روزے بہت ہی کم مرتبہ رکھے تھے؟''

یہ سن کر آپؑ نے فرمایا:

''اس روایت کا ایک حرف بھی سچا نہیں ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیشہ تیس روزے رکھے تھے''۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلِتُكْمِلُوا الْعِدَّةَ (تا کہ تم روزوں کی تعداد مکمل کرو)

اللہ نے تو پورے روزوں کا حکم دیا ہے کیا رسولؐ خدا اس میں کوئی کمی کر سکتے تھے؟

۵۸۵- محاسن برقی میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے

وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ (خدا نے جو تمھیں ہدایت کی ہے اس پر خدا کی بڑائی بیان کرو) تکبیر سے مراد تعظیم ہے اور ہدایت سے مراد ولایت ہے۔

۵۸۶- اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ آیت مجیدہ میں جس شکر کے متعلق فرمایا گیا ہے اس سے مراد معرفت ہے۔

۵۸۷- من لایحضرہ الفقیہ میں فضل بن شاذان سے مروی روایت میں امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

''عید الفطر کے دن باقی نمازوں کی بہ نسبت زیادہ تکبیرات رکھی گئی ہیں کیونکہ تکبیر خدا کی تعظیم اور ہدایت وعافیت کی دولت عطا کرنے پر اس کی تمجید کا نام ہے جیسا کہ فرمان خداوندی ہے: وَلِتُكَبِّرُوا اللّٰهَ عَلٰى مَا هَدٰىكُمْ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ (خدا نے جو تم کو ہدایت دی ہے اس کے لیے خدا کی بڑائی بیان کرو تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ)

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْیَسْتَجِیْبُوْا لِیْ وَلْیُؤْمِنُوْا بِیْ لَعَلَّهُمْ یَرْشُدُوْنَ ۝۱۸۶ اُحِلَّ لَكُمْ لَیْلَةَ الصِّیَامِ الرَّفَثُ اِلٰی نِسَآىِٕكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَیْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰی یَتَبَیَّنَ لَكُمُ الْخَیْطُ الْاَبْیَضُ مِنَ الْخَیْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّیَامَ اِلَی الَّیْلِ ۚ وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِی الْمَسٰجِدِ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَقْرَبُوْهَا ؕ كَذٰلِكَ یُبَیِّنُ اللّٰهُ اٰیٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ یَتَّقُوْنَ ۝۱۸۷ وَلَا تَاْكُلُوْۤا اَمْوَالَكُمْ بَیْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَاۤ اِلَی الْحُكَّامِ لِتَاْكُلُوْا فَرِیْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝۱۸۸ ع

”اور جب میرے بندے تم سے میرے متعلق پوچھیں تو میں قریب ہوں۔ میں ہر پکارنے والے کی پکار قبول کرتا ہوں۔ جب وہ مجھے پکارتا ہے لہٰذا وہ بھی مجھ سے قبولیت طلب کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں۔ روزے کی رات میں

تمھارے لیے تمھاری بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے۔ وہ تمھارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ خدا نے دیکھ لیا کہ تم اپنے نفس سے خیانت کرتے تھے۔ خدا نے تم پر رجوع کیا اور تمھیں معاف کر دیا۔ اب تم بیویوں سے مباشرت کرو اور جو خدا نے تمھارے لیے مقدر کیا ہے اس کی آرزو کرو۔ اور رات کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ سیاہ ڈورے سے فجر کا سفید ڈورا نمایاں نہ ہو جائے۔ پھر رات ہونے تک روزہ پورا کرو اور مساجد میں اعتکاف کی حالت میں ان سے مباشرت نہ کرو۔ یہ خدا کے مقرر کردہ حدود ہیں ان کے قریب نہ جانا۔ اللہ اس طرح سے لوگوں کے لیے اپنی آیات کو بیان کرتا ہے تاکہ وہ متقی بن جائیں۔ اور ایک دوسرے کا مال باطل طریقوں سے مت کھاؤ اور مال حکام کے حوالے کر کے لوگوں کے مال کو مت کھاؤ اور تم جانتے ہو"۔

خدا قریب ہے اور وہ دعاؤں کو قبول کرتا ہے

۵۸۸- اصولِ کافی میں احمد بن محمد بن ابی نصر سے منقول ہے کہ ایک دن امام علی رضا علیہ السلام نے مجھے فرمایا:

مجھے یہ بتاؤ کہ اگر میں تم سے کوئی بات کہوں تو تم میری بات کا یقین کر لو گے؟

میں نے کہا: میں آپؑ پر قربان، اگر میں آپؑ کی بات پر یقین نہیں کروں گا۔ تو پھر کس کی بات پر یقین کروں گا۔ آپ خلق پر حجتِ خدا ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: تو پھر سنو خدا کے وعدے پر سب سے زیادہ یقین رکھنا کیا اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِیْ عَنِّیْ فَاِنِّیْ قَرِیْبٌ ؕ اُجِیْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ

"جب میرے بندے تم سے میرے متعلق پوچھیں تو میں قریب ہوں اور ہر پکارنے والے کی پکار کو قبول کرتا ہوں"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ (اللہ کی رحمت سے نا اُمید مت ہونا)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا (اللہ تم سے اپنی مغفرت اور فضل کا وعدہ کرتا ہے) لہٰذا دوسروں کی بہ نسبت خدا پر زیادہ یقین رکھو اور اپنے دلوں میں بھلائی کی اُمید رکھو خدا تمھاری غلطیاں معاف کرے گا۔

حدیث کافی طویل ہے۔ ہم نے بقدرِ ضرورت اس کا صرف ایک حصّہ نقل کیا ہے۔

۵۸۹- روضہ کافی میں امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک طویل خطبہ منقول ہے' اس خطبہ کے کچھ کلمات یہ ہیں:

''کثرتِ ذکر سے اپنے آپ کو خدا کی حفاظت میں لاؤ اور تقویٰ کے ذریعے سے خدا خوفی کا مظاہرہ کرو اور اطاعت کے ذریعے سے اس کا تقریب تلاش کرو بے شک وہ قریب اور دعاؤں کا قبول کرنے والا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِذَا سَاَلَكَ عِبَادِيْ عَنِّيْ فَاِنِّيْ قَرِيْبٌ ؕ اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ ۙ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لِيْ وَلْيُؤْمِنُوْا بِيْ لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ۝

''اور جب میرے بندے تم سے میرے متعلق سوال کریں تو یقیناً میں قریب ہوں جب کوئی پکارنے والا مجھے پکارتا ہے تو میں اس کی پکار کو قبول کرتا ہوں۔ انھیں بھی چاہیے کہ وہ بھی مجھ سے طلب قبولیت کریں اور مجھ پر ایمان لائیں تاکہ وہ راہِ راست پر آجائیں''۔

۵۹۰- نہج البلاغہ میں حضرت امیرالمومنین علیہ السلام کی وہ وصیت مرقوم ہے جو آپؑ نے صفین سے واپسی پر حسن مجتبیٰ علیہ السلام کے نام تحریر کی تھی۔ اس عظیم وصیت نامہ کے چند الفاظ یہ ہیں:

''اللہ نے تمھارے ہاتھ میں اپنے خزانوں کو کھولنے والی کنجیاں دے دی ہیں اس طرح کہ اس نے تمھیں اپنی بارگاہ میں سوال کرنے کا طریقہ بتایا کہ جب تم چاہو دعا کے ذریعہ اس کی نعمتوں کے دروازے کھلوالو' اس کی رحمت کے جھالوں کو برسالو۔ ہاں بعض اوقات قبولیت میں دیر ہو تو اس سے نا اُمید نہ ہونا۔ اس لیے کہ عطیہ نیت کے مطابق ہوتا ہے اور اکثر قبولیت میں اس لیے دیر کی جاتی ہے کہ سائل کے اجر میں اور اضافہ ہو اور اُمیدوار کو عطیے اور زیادہ ملیں اور کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ تم ایک چیز مانگتے ہو اور وہ تمھیں حاصل نہیں ہوتی مگر دنیا یا آخرت میں اس سے بہتر چیز تمھیں مل جاتی ہے یا تمھارے کسی بہتر مفاد کے پیشِ نظر تمھیں اس سے محروم کر دیا جاتا ہے اس لیے کہ تم کبھی ایسی چیزیں بھی طلب کر لیتے ہو کہ اگر وہ

تمھیں دے دی جائیں تو تمھارا دین تباہ ہو جائے۔ لہٰذا تمھیں بس وہ چیز طلب کرنا چاہیے جس کا جمال پائیدار ہو اور جس کا وبال تمھارے سر نہ پڑنے والا ہو۔ رہا دنیا کا مال تو نہ یہ تمھارے لیے رہے گا اور نہ تم اس کے لیے رہو گے''۔

۵۹۱- امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:

''جب تم نے خدا سے کچھ طلب کرنا ہو تو اس کی ابتدا نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود سے کرو۔ پھر اپنی حاجت طلب کرو کیونکہ جب خدا سے دو چیزیں مانگی جائیں تو ایسا ہرگز نہیں ہے کہ وہ ایک درخواست کو قبول کرے اور دوسری کو رد کر دے''۔

۵۹۲- مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''وَلْيُؤْمِنُوْا بِیْ'' کا مقصد یہ ہے کہ میرے بندے اس حقیقت پر یقین رکھیں کہ میں ان کی درخواستوں کو قبول کرنے پر قادر ہوں۔ اور ''لَعَلَّهُمْ يَرْشُدُوْنَ'' کا مقصد یہ ہے کہ اس سے وہ حق کو پالیں گے اور انھیں حق کی رہنمائی نصیب ہوگی''۔

۵۹۳- جابر بن عبداللہ انصاری کہتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''بعض اوقات بندہ خدا سے کچھ طلب کرتا ہے اور وہ بندہ خدا کو پیارا ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کہتا ہے:

جبریل! اس کی حاجت پوری کر البتہ اس میں تاخیر کر میں اپنے بندے کی آواز سننا چاہتا ہوں اور بعض اوقات ایسا بندہ خدا سے کچھ طلب کرتا ہے جس سے خدا کو نفرت ہوتی ہے تو اس وقت اللہ تعالیٰ جبریل سے کہتا ہے کہ میرے اس بندہ کی حاجت کو فوری طور پر پورا کر کیونکہ میں اس کی مزید آواز سننا پسند نہیں کرتا''۔

ماہِ رمضان میں حقوقِ زوجیت کی ادائیگی حلال ہے

أُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ إِلَىٰ نِسَآئِكُمْ

(روزے کی رات میں تمھارے لیے تمھاری بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا ہے)

۵۹۴- کتاب الخصال کے آخر میں ایک باب ہے جس میں امیرالمومنین کی وہ چار سو تعلیمات ہیں جو آپ نے اپنے ساتھیوں کو تعلیم فرمائی تھیں۔ ان میں سے ایک یہ بھی ہے:

"مسلمان کو چاہیے کہ وہ ماہ رمضان کی چاند رات اپنی بیوی سے زفاف کرے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ "روزے کی رات میں تمھارے لیے تمھاری بیویوں سے "رفث" کو حلال کیا گیا اور "رفث" سے مراد مجامعت ہے"۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا...... اور رات کے وقت کھاؤ اور پیو۔

۵۹۵- الکافی میں ابوبصیر سے مروی ہے کہ اس نے صادقین علیہما السلام میں سے ایک بزرگوار سے روایت کی۔ انھوں نے فرمایا کہ یہ آیت خوات بن جبیر انصاری کے متعلق نازل ہوئی۔ مدینہ میں خندق کھودی جارہی تھی اور خوات بھی اس میں شریک تھا۔ وہ روزہ کی حالت میں سارا دن خندق کھودتا رہا اور جب شام ہوئی تو وہ گھر آیا اور اس نے روٹی طلب کی۔ اس کی بیوی نے کہا: ابھی کچھ دیر انتظار کریں میں آپ کے لیے روٹی پکاتی ہوں۔ خوات سارے دن کا تھکا ہوا تھا اور لیٹتے ہی نیند آ گئی اور اس وقت روزوں کا مسئلہ یہ تھا کہ اگر کسی کو افطار کے وقت کے بعد نیند آ جاتی تو پھر اس کے لیے کھانا پینا حرام ہو جاتا تھا۔

چنانچہ اس کی بیوی کھانا لے کر اس کے پاس آئی اور اسے نیند سے جگایا تو اس نے کہا کہ مجھے نیند آ گئی تھی۔ اب تو میرے لیے کھانا پینا حرام ہو گیا ہے۔ چنانچہ اس نے کچھ نہ کھایا اور دوسرے دن وہ خندق کھودنے کے لیے آیا۔ خندق کی کھدائی کے دوران وہ بھوک پیاس کی وجہ سے بے ہوش ہو کر گر پڑا جیسے ہی وہ گرا تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس کے پاس تشریف لے گئے اور اس سے بے ہوشی کی وجہ پوچھی۔ اس نے آپ کو اپنا واقعہ سنایا۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

"رات کے وقت کھاؤ پیو یہاں تک کہ فجر کی سفید دھاری سیاہ دھاری سے جدا ہو جائے"۔

۵۹۶- حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ مستحب ہے کہ انسان ماہِ رمضان کی رات میں اپنی بیوی سے مجامعت کرے۔

۵۹۷- تفسیر علی بن ابراہیم میں منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ماہِ رمضان میں رات کے وقت اگر کوئی سو جاتا تھا تو اس کے بعد اس کے لیے کھانا پینا اور حقوقِ زوجیت ادا کرنا

حرام ہو جاتا تھا۔ یعنی نمازِ عشاء پڑھنے کے بعد اگر کوئی افطار کیے بغیر سو جاتا اور پھر بیدار ہوتا تو اس کے لیے افطار کرنا اور بیوی کے قریب جانا حرام ہو جاتا تھا''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ایک صحابی تھا جس کا نام خوات بن جبیر تھا اور وہ عبداللہ بن جبیر کا بھائی تھا جسے رسولِ خدا نے جنگِ اُحد میں پچاس تیراندازوں کا امیر مقرر کر کے درہ کوہ پر متعین کیا تھا۔ اور وہ جنگِ اُحد میں بارہ افراد سمیت شہید ہو گیا تھا۔

خوات بن جبیر ایک بوڑھا اور کمزور شخص تھا اور اس نے روزہ رکھا۔ اس کی بیوی نے افطاری پیش کرنے میں دیر کر دی اور اسے افطار سے قبل نیند آ گئی اور جب وہ بیدار ہوا تو اس نے کہا: اللہ نے آج رات کا کھانا میرے لیے حرام کر دیا ہے۔ صبح کے وقت وہ آیا اور خندق کھودنے لگا۔ بھوک پیاس کی شدت سے نڈھال ہو کر وہ بے ہوش ہو گیا۔ رسولِ خدا نے اس کی یہ حالت دیکھی تو آپ کو اس پر بڑا ترس آیا۔

علاوہ ازیں بہت سے جوان رات کے وقت چوری چھپے اپنی بیوی سے زفاف کیا کرتے تھے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان کی سختی کو نرمی میں بدلا اور یہ آیت نازل فرمائی:

اُحِلَّ لَكُمْ لَيْلَةَ الصِّيَامِ الرَّفَثُ اِلٰى نِسَآئِكُمْ ؕ هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ كُنْتُمْ تَخْتَانُوْنَ اَنْفُسَكُمْ فَتَابَ عَلَيْكُمْ وَعَفَا عَنْكُمْ ۚ فَالْـٰٔنَ بَاشِرُوْهُنَّ وَابْتَغُوْا مَا كَتَبَ اللّٰهُ لَكُمْ ۠ وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ۚ

(روزے کی رات میں تمہارے لئے تمہاری بیویوں کے پاس جانا حلال کر دیا گیا۔ وہ تمہارا لباس ہیں اور تم ان کا لباس ہو۔ خدا نے دیکھ لیا کہ تم اپنے نفس سے خیانت کیا کرتے تھے۔ خدا نے تم پر رجوع کیا اور تمہیں معاف کر دیا۔ اب تم ان سے مباشرت کرو اور جو خدا نے تمہارے لیے مقدر کیا ہے اس کی جستجو کرو اور رات کو کھاؤ پیو یہاں تک کہ سیاہ ڈورے سے فجر کا سفید ڈورا نمایاں نہ ہو جائے پھر رات ہونے تک روزہ پورا کرو)

چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ماہِ رمضان کی رات کو بیویوں سے جنسی تعلقات کو حلال قرار دیا اور طلوعِ فجر تک کھانا پینا بھی

حلال کر دیا۔ البتہ جب فجر کی سفید دھاری نمودار ہو جائے تو پھر روزہ شروع ہو جاتا ہے اور اس میں کھانا پینا اور حقوقِ زوجیت ادا کرنا حرام ہے۔

۵۹۸۔ من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا: فجر کی سفید دھاری کا کیا مطلب ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس کا مقصد یہ ہے کہ رات کی تاریکی سے دن کی سفیدی نمایاں ہو جائے۔

۵۹۹۔ ایک اور حدیث میں یہ الفاظ وارد ہوئے ہیں:

"سفید دھاری سے وہ فجر مراد ہے جس میں کسی شک کی گنجائش نہ ہو"۔

۶۰۰۔ مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام نے فرمایا:

"ہر چاند رات کو بیوی کے پاس جانا مکروہ ہے مگر ماہِ رمضان کی چاند رات اس سے مستثنیٰ ہے۔ اس رات مباشرت کرنا مستحب ہے"۔

۶۰۱۔ الکافی میں مرقوم ہے کہ ابوالحسن بن حصین نے امام محمد تقی علیہ السلام کو خط لکھا جس میں اس نے تحریر کیا:

"مولا! میں آپؑ پر قربان جاؤں، نمازِ فجر کے متعلق آپؑ کے ماننے والوں میں کچھ اختلاف پیدا ہو گیا ہے۔ چنانچہ کچھ لوگ اس وقت نمازِ فجر پڑھتے ہیں جب آسمان پر فجر اول نمودار ہوتی ہے اور کچھ اس وقت نمازِ صبح پڑھتے ہیں جب اُفق کے نیچے سفیدی نمایاں ہو جاتی ہے۔ آپؑ واضح کریں کہ نمازِ فجر کا افضل وقت کون سا ہے تاکہ میں اس میں نماز ادا کر سکوں اور اگر بادل ہوں تو مجھے کیا کرنا چاہیے اور سفر و حضر میں اس کی حد کیا ہے؟"

اس خط کے جواب میں امام علیہ السلام نے اپنے قلم سے تحریر فرمایا:

"خدا تجھ پر رحم کرے۔ فجر وہ سفید دھاری ہے جو اُفق میں نمودار ہوتی ہے۔ اس سے فجر کاذب مراد نہیں ہے۔ لہٰذا تم سفر و حضر میں اس وقت نماز پڑھو جب وہ سفید دھاری اچھی طرح سے نمایاں ہو جائے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کو کسی شک و شبہ میں نہیں رکھا"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَكُلُوا وَاشْرَبُوا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ

''اور رات کے وقت کھاؤ پیو یہاں تک کہ فجر کی سفید ڈوری رات کی سیاہ ڈوری سے نمایاں ہو جائے''۔

چنانچہ سفید ڈوری کے نمایاں ہونے سے روزہ دار کے لیے کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے اور اس وقت نماز فجر کا وقت شروع ہو جاتا ہے۔

۶۰۲- سماعہ بن مہران کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ دو افراد نے اٹھ کر فجر کی طرف دیکھا۔ ایک نے کہا کہ فجر نمودار ہو گئی ہے اور دوسرے نے کہا کہ نہیں ابھی فجر نمودار نہیں ہوئی اور مجھے فجر نمودار ہونے کی کوئی علامت دکھائی نہیں دیتی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''جو کہتا ہے کہ ابھی فجر نمایاں نہیں ہوئی وہ کھا پی سکتا ہے اور جس کا یہ گمان ہے کہ فجر نمایاں ہو چکی ہے اس کے لیے کھانا پینا حرام ہے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَكُلُوْا وَاشْرَبُوْا حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكُمُ الْخَيْطُ الْاَبْيَضُ مِنَ الْخَيْطِ الْاَسْوَدِ مِنَ الْفَجْرِ ۠

''اور رات کے وقت کھاؤ پیو یہاں تک کہ فجر کی سفید ڈوری رات کی سیاہ ڈوری سے نمایاں ہو جائے''۔

۶۰۳- سماعہ بن مہران کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کچھ لوگوں نے روزہ رکھا ہوا تھا۔ غروبِ آفتاب کے قریب سیاہ بادل چھا گیا۔ انھوں نے سمجھا کہ دن غروب ہو گیا ہے اور انھوں نے روزہ کھول دیا۔ کچھ دیر بعد بادل ہٹا تو سورج چمک رہا تھا۔ (ایسے لوگوں کے لیے شرعی حکم کیا ہے؟)

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ اس دن کی قضا کریں گے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ''پھر رات ہونے تک روزہ مکمل کرو۔ اور جو شخص رات سے پہلے افطار کرے گا تو اس پر قضا واجب ہوگی''۔

۶۰۴- ابوبصیر اور سماعہ بیان کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر ماہِ رمضان کے روزے میں سیاہ بادل چھا جائے اور لوگ سمجھنے لگیں کہ رات ہو گئی ہے اور کچھ افراد روزہ کھول

دن۔ پھر بادل ہٹ جائے اور سورج نمودار ہو جائے تو انھیں اس روزہ کی قضا کرنا ہوگی کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

"ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ (پھر رات ہونے تک روزوں کو مکمل کرو) اب جس نے بھی رات ہونے سے قبل کھانا کھایا ہوا س پر قضا واجب ہوگی کیونکہ اس نے جان بوجھ کر کھانا کھایا ہے"۔

۶۰۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے:

"جس شخص کو ماہ رمضان کے آخری دن سورج غروب ہونے سے پہلے ہلال عید نظر آ جائے تو اسے چاہیے کہ وہ اس دن کا روزہ مکمل کرے"۔

۶۰۶- کتاب الخصال میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد سے پوچھا گیا کہ کتنی قسم کی عورتیں حرام ہیں اور ہم بستری کب حرام ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

"چونتیس قسم کی عورتیں حرام ہیں جن میں سے سترہ حرام رشتے قرآن مجید میں بیان کیے گئے ہیں اور سترہ رشتوں کو رسولؐ خدا نے اپنی حدیث میں حرام کیا ہے۔ اعتکاف کی حالت میں بیوی سے ہم بستری حرام ہے

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَلَا تُبَاشِرُوْهُنَّ وَاَنْتُمْ عٰكِفُوْنَ ۙ فِي الْمَسٰجِدِ (اور مساجد میں اعتکاف کی حالت میں ان سے مباشرت نہ کرو)

۶۰۷- الکافی میں مرقوم ہے کہ عمر بن یزید نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا بغداد کی بعض مساجد میں اعتکاف جائز ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

"اعتکاف صرف ایسی جامع مسجد میں کرنا چاہیے جہاں امام عادل نے جماعت کرائی ہو۔ اسی لیے مسجد کوفہ، مسجد بصرہ اور مسجد مدینہ اور مسجد مکہ میں اعتکاف کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

۶۰۸- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اعتکاف بیس رمضان کے بعد کرنا چاہیے اور علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے: میری نظر میں اعتکاف مسجد الحرام اور مسجد نبویؐ اور مسجد جامع کے علاوہ اور کہیں نہیں ہوتا۔ اور معتکف کسی سخت ضرورت کے بغیر مسجد سے باہر نہ جائے اور اگر اسے

جانا بھی پڑے تو وہاں پر بیٹھے بغیر مسجد میں واپس لوٹ آئے اور عورتوں کے لیے بھی یہی حکم ہے۔

۶۰۹ - امام جعفر صادق علیہ السلام سے اعتکاف کے متعلق پوچھا گیا۔ آپؑ نے فرمایا:

''اعتکاف مسجد الحرام، مسجد نبویؐ، مسجد کوفہ یا جامع مسجد کے علاوہ اور کسی جگہ پر صحیح نہیں ہے اور جب تک اعتکاف میں رہو تو روزہ نہ چھوڑو''۔

باطل طریقوں سے مال کھانے کی ممانعت

۶۱۰ - زیاد بن عیسیٰ کا بیان ہے کہ قریش میں یہ رواج تھا کہ وہ جوا بازی کرتے تھے اور جوئے میں اپنی دولت حتیٰ کہ اپنی بیوی تک کو بھی داؤ پر لگا دیتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں اس حرکت سے منع کیا اور فرمایا:

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ ''تم باطل طریقوں سے ایک دوسرے کا مال نہ کھاؤ''۔

رشوت دے کر دوسروں کا مال اپنے لیے حلال نہ کراؤ

وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوْا فَرِيْقًا مِّنْ اَمْوَالِ النَّاسِ بِالْاِثْمِ وَاَنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۟

(اور تم ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے مت کھاؤ اور مال حکام کو پہنچا کر بھی لوگوں کا مال مت کھاؤ حالانکہ تم یہ بات جانتے ہو)

۶۱۱ - الکافی میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے یہ آیت پڑھ کر اپنے صحابی ابوبصیر سے فرمایا:

''ابوبصیر! خدا کو علم تھا کہ اُمت میں ظالم حاکم پیدا ہوں گے جو کہ رشوت لے کر غلط فیصلے کریں گے۔ اس آیت سے اللہ نے اہلِ عدل حکام کو مراد نہیں لیا بلکہ اس آیت سے ظالم حکام مراد ہیں''۔

۶۱۲ - تفسیر عیاشی میں ہے کہ ابوالاسد نے امام علی نقی علیہ السلام کو خط لکھا اور اس نے خط میں لکھا:

''مولا! وَلَا تَأْكُلُوْٓا اَمْوَالَكُمْ بَيْنَكُمْ بِالْبَاطِلِ وَتُدْلُوْا بِهَآ اِلَى الْحُكَّامِ کی آیت مجیدہ کا کیا مقصد ہے؟''

آپؑ نے جواب میں تحریر کیا:

"حکام" سے قاضی مراد ہیں اور جس شخص کو علم ہو کہ قاضی ظالم ہے اور وہ اس ظالم کے حکم سے جاری ہونے والا مال بھی وصول کرے تو بھی وہ اس آیت کی وعید میں شامل ہے"۔

۶۱۳- من لایحضرہ الفقیہ میں سماعہ بن مہران سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا:

"ایک شخص کے پاس صرف اتنی دولت ہے جس سے وہ قرض اتار سکتا ہے جب کہ اسے بھی اپنے خورد ونوش کے لیے اس رقم کی ضرورت ہے تو کیا اسے قرض اتارنا چاہیے اور اپنے خورد ونوش کے لیے مزید قرض اٹھانا چاہیے جب کہ آپ جانتے ہیں کہ قرض لینا کتنا مشکل ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ ایسے شخص کو چاہیے کہ وہ قرض چکا دے اور لوگوں سے بھی اتنا ہی قرض لے جتنا وہ ادا کرنے کے قابل ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے

وَلَا تَأْكُلُوٓا أَمْوَالَكُم بَيْنَكُم بِالْبَاطِلِ (ایک دوسرے کے مال آپس میں باطل طریقوں سے مت کھاؤ)

۶۱۴- مجمع البیان میں ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا

"باطل" سے جھوٹی قسم مراد ہے یعنی انسان جھوٹی قسم کھا کر اپنے ناقص مال کو صحیح مال کہہ کر فروخت کرے اور لوگوں سے مال بٹورے۔

۶۱۵- تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا

"خدا کو معلوم تھا کہ اُمت میں ظالم حاکم پیدا ہوں گے جو رشوت لے کر ناجائز فیصلے کریں گے۔ اسی لیے اللہ نے ان کی طرف رجوع کرنے کو ممنوع قرار دیا ہے اور ان کے حکم سے ملنے والی دولت کو باطل شمار کیا ہے"۔

يَسْـَٔلُونَكَ عَنِ الْأَهِلَّةِ ۖ قُلْ هِيَ مَوَاقِيتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ۗ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِأَن تَأْتُوا الْبُيُوتَ مِن ظُهُورِهَا وَلَٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقَىٰ ۗ وَأْتُوا الْبُيُوتَ مِنْ أَبْوَابِهَا ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ ﴿١٨٩﴾ وَقَاتِلُوا فِي سَبِيلِ اللَّهِ الَّذِينَ يُقَاتِلُونَكُمْ وَلَا

تَعۡتَدُوۡا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا یُحِبُّ الۡمُعۡتَدِیۡنَ ﴿۱۹۰﴾ وَاقۡتُلُوۡهُمۡ حَیۡثُ ثَقِفۡتُمُوۡهُمۡ وَاَخۡرِجُوۡهُمۡ مِّنۡ حَیۡثُ اَخۡرَجُوۡكُمۡ وَالۡفِتۡنَةُ اَشَدُّ مِنَ الۡقَتۡلِ ۚ وَلَا تُقٰتِلُوۡهُمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ حَتّٰی یُقٰتِلُوۡكُمۡ فِیۡهِ ۚ فَاِنۡ قٰتَلُوۡكُمۡ فَاقۡتُلُوۡهُمۡ ؕ كَذٰلِكَ جَزَآءُ الۡكٰفِرِیۡنَ ﴿۱۹۱﴾ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِیۡمٌ ﴿۱۹۲﴾ وَقٰتِلُوۡهُمۡ حَتّٰی لَا تَكُوۡنَ فِتۡنَةٌ وَّیَكُوۡنَ الدِّیۡنُ لِلّٰهِ ؕ فَاِنِ انۡتَهَوۡا فَلَا عُدۡوَانَ اِلَّا عَلَی الظّٰلِمِیۡنَ ﴿۱۹۳﴾ اَلشَّهۡرُ الۡحَرَامُ بِالشَّهۡرِ الۡحَرَامِ وَالۡحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ؕ فَمَنِ اعۡتَدٰی عَلَیۡكُمۡ فَاعۡتَدُوۡا عَلَیۡهِ بِمِثۡلِ مَا اعۡتَدٰی عَلَیۡكُمۡ ۪ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعۡلَمُوۡۤا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الۡمُتَّقِیۡنَ ﴿۱۹۴﴾ وَاَنۡفِقُوۡا فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ وَلَا تُلۡقُوۡا بِاَیۡدِیۡكُمۡ اِلَی التَّهۡلُكَةِ ۚۛ وَاَحۡسِنُوۡا ۚۛ اِنَّ اللّٰهَ یُحِبُّ الۡمُحۡسِنِیۡنَ ﴿۱۹۵﴾

"یہ لوگ آپ سے چاند کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے' اور نیکی یہ نہیں کہ تم مکانات میں پچھواڑے کی طرف سے آؤ بلکہ نیکی تو اس کے لیے ہے جو تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں

دروازے کی طرف سے آئے اور اللہ سے ڈرتے رہو تا کہ تم کامیابی حاصل کرسکو اور جو لوگ تم سے جنگ کرتے ہیں تم بھی اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو اور زیادتی نہ کرو۔ بے شک اللہ کو زیادتی کرنے والے ناپسند ہیں۔ ان کو جہاں پاؤ قتل کر دو اور جس طرح سے انھوں نے تمھیں گھروں سے نکالا ہے تم بھی انھیں نکال دو اور فتنہ پردازی تو قتل سے بھی سخت گناہ ہے اور ان سے مسجد الحرام کے پاس اس وقت تک جنگ نہ کرنا جب تک وہ تم سے جنگ نہ کریں۔ پس اگر وہ تم سے جنگ کریں تو تم بھی ان سے جنگ کرو یہی کافروں کی سزا ہے۔ اگر وہ جنگ سے باز آ جائیں تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور ان سے اس وقت تک جنگ جاری رکھو جب تک فتنہ کا قلع قمع نہ ہو جائے اور دین صرف اللہ کا نہ رہ جائے۔ پس اگر وہ باز آ جائیں تو ظالموں کے علاوہ کسی پر زیادتی جائز نہیں ہے۔ حُرمت والے مہینہ کا جواب حُرمت والا مہینہ ہے اور حرمات کا بھی قصاص ہے۔ جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی کہ اس نے تم پر کی ہے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ متقین کے ساتھ ہے۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالو اور نیک برتاؤ کرو یقیناً اللہ نیک برتاؤ کرنے والوں کے ساتھ ہے"۔

چاند شرعی اوقات کا ذریعہ ہے

يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ۗ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ

(وہ آپ سے ہلال کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجیے یہ لوگوں کے لیے اور حج کے لیے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے)

۶۱۶- تہذیب الاحکام میں حلبی سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ کی آیت مجیدہ میں "اھلہ" سے کیا مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا

"اس سے مہینوں کے ہلال مراد ہیں۔ جب ہلال دیکھو تو روزہ رکھو اور جب دوسرا ہلال دکھائی دے تو عید الفطر کرو"۔

۶۱۷- ابی الجارود زیاد بن منذر عبدی کا بیان ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے سنا' آپؑ نے فرمایا:

"جس دن دوسرے لوگ روزہ رکھیں تو تو بھی روزہ رکھ اور جس دن دوسرے لوگ عید کریں تو تو بھی عید کر' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ہلال کو وقت معلوم کرنے کا ذریعہ بنایا ہے"۔

۶۱۸- امام جعفر صادق علیہ السلام نے قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا:

"چاند روزہ' عید الفطر اور حج کے لیے وقت معلوم کرنے کا ذریعہ ہے"۔

گھر میں دروازے سے داخل ہونا چاہیے

۶۱۹- احتجاج طبرسی میں اصبغ بن نباتہ کی زبانی منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں امیر المومنین علیہ السلام کے پاس بیٹھا ہوا تھا اتنے میں ابن کوا آیا اور اس نے کہا:

امیر المومنین! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنِ اتَّقٰى ۚ وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا "(نیکی یہ نہیں کہ تم گھروں میں پچھواڑے سے آؤ نیکی تو اس کے لیے ہے جو تقویٰ اختیار کرے اور گھروں میں دروازوں سے داخل ہوا کرو) کی آیت مجیدہ کا کیا مقصد ہے؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

"ہم وہ گھر ہیں جن کے متعلق اللہ نے حکم دیا ہے کہ دروازوں سے داخل ہوا کرو۔ ہم خدا کے گھر کا دروازہ ہیں جس کے متعلق خدا نے حکم دیا ہے کہ گھروں میں دروازوں سے آیا کرو۔ جس نے ہماری بیعت کی اور ہماری ولایت کا اقرار کیا تو اس

گھر میں دروازے سے داخل ہوا اور جس نے ہماری مخالفت کی اور غیروں کو ہم پر فضیلت دی تو وہ گھر میں پچھواڑے سے داخل ہوا۔ اگر خدا چاہتا تو لوگوں کو اپنی معرفت خود بھی کرا سکتا تھا لیکن اس نے ہمیں اپنا دروازہ بنایا۔ ہمیں اپنا راستہ اور صراط قرار دیا اور اس نے ہمیں اپنا وہ دروازہ بنایا جس سے داخل ہونے کا حکم دیا اور جس نے ہماری ولایت سے انحراف کیا اور غیروں کو ہم پر فضیلت دی تو وہ دروازے کے بجائے پچھواڑے سے آیا اور ایسے لوگ راہِ حق سے ہٹے ہوئے ہیں"۔

۶۲۰- امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا

"اللہ نے کچھ لوگوں کو علم کا وارث بنایا اور بندوں کو ان کی اطاعت کا حکم دیا اور فرمایا.

وَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ اَبْوَابِهَا (گھروں میں دروازوں سے جایا کرو) چنانچہ گھروں سے علم کے وہ گھرانے ہیں جنہیں انبیاء امانت بنا کر چھوڑ گئے اور ان گھروں کے دروازے ان کے اوصیاء ہیں"۔

۶۲۱- تفسیر عیاشی میں سعد سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا:

"آلِ محمدؐ خدا کے مقرر کردہ دروازے اور اس کا راستہ ہیں اور وہ جنت کی دعوت دینے والے اور جنت کے رہنما ہیں اور وہ قیامت کے دن تک اہلِ ایمان کے پیشوا رہیں گے"۔

۶۲۲- تفسیر مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ وَلَيْسَ الْبِرُّ بِاَنْ تَاْتُوا الْبُيُوْتَ مِنْ ظُهُوْرِهَا کی آیت مجیدہ کے متعلق مفسرین نے کئی آراء پیش کی ہیں۔

"ایک قول یہ ہے کہ محرم افراد گھر کے دروازے سے نہیں آیا کرتے تھے۔ وہ گھر کے پچھواڑے سے اپنے آنے جانے کے لیے ایک سوراخ بنا لیتے تھے اور اسی سے آمد و رفت کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو تعلیم دی۔ یہ طریقہ غیر شائستہ ہے۔ گھروں میں جب بھی آنا چاہو تو دروازوں سے آیا کرو۔ ابو الجارود نے امام محمد باقر علیہ السلام سے یہ قول نقل کیا ہے۔

اس آیت مجیدہ کا دوسرا مفہوم یہ ہے کہ اپنے امور اور معاملات کو اوٹ پٹانگ طریقوں سے مت انجام دو۔ انھیں صحیح طریقے سے انجام دیا کرو۔ چنانچہ اس مفہوم کو جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔

اس سلسلہ میں امام محمد باقر علیہ السلام سے تیسرا قول یہ بھی منقول ہے کہ آلِ محمدؐ خدا کا دروازہ اور اس کا مقرر کردہ راستہ ہیں اور جنت کے داعی اور رہنما ہیں اور قیامت کے دن تک اہلِ ایمان کے پیشوا ہیں"۔

۶۲۳- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

انا مدينة العلم وعلى بابها ولا تؤتى المدينة الا من بابها

''میں علم کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے اور شہر میں دروازے سے ہی داخل ہوا جاتا ہے''۔

ایک اور روایت میں اَنَا مَدِيْنَةُ الْحِكْمَةِ وَعَلِيٌّ بَابُهَا کے الفاظ بھی مروی ہیں یعنی ''میں حکمت کا شہر ہوں اور علی اس کا دروازہ ہے''۔

حکمِ جہاد

۶۲۴- وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ

(جو تم سے جنگ کریں تم بھی خدا کی راہ میں ان سے جنگ کرو۔)

مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ ہمارے [illegible] سے مروی ہے کہ اس آیت کے حکم کو كُفُّوْا اَيْدِيَكُمْ کی آیت نے منسوخ کر دیا اور اسی طرح سے وَاقْتُلُوْهُمْ حَيْثُ ثَقِفْتُمُوْهُمْ کی آیت کو وَلَا تُطِعِ الْكَافِرِيْنَ وَالْمُنَافِقِيْنَ وَدَعْ اَذَاهُمْ کی آیت نے منسوخ کر دیا ہے۔

۶۲۵- مجمع البیان میں ہے: کی آیت مجیدہ میں مسلمانوں پر یہ واجب کر دیا گیا کہ شہر مکہ سے مشرکین کو نکال دیا جائے اور فَاِنْ قٰتَلُوْكُمْ فَاقْتُلُوْهُمْ فِتْنَةٌ کی آیت مجیدہ میں مسلمانوں پر یہ واجب کر دیا گیا کہ شہر مکہ سے مشرکین کو نکال دیا جائے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے فرمان سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ آپؐ نے فرمایا:

لا يجتمع فى جزيرة العرب دينان ''جزیرہ عرب میں دو دین اکٹھے نہیں ہو سکتے''۔

۶۲۶- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (ظالموں کے علاوہ کسی پر زیادتی جائز نہیں ہے) کی آیت مجیدہ میں قاتلانِ حسینؑ کی اولاد بھی شامل ہے''۔

۶۲۷- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ

''فَلَا عُدْوَانَ اِلَّا عَلَى الظّٰلِمِيْنَ (ظالموں کے علاوہ کسی پر زیادتی جائز نہیں) کی آیت مجیدہ کا ایک مفہوم یہ ہے کہ

قاتلینِ حسینؑ کی نسل کے علاوہ اور کسی پر زیادتی نہیں کرے گا"۔

۶۲۸۔ تہذیب الاحکام میں معاویہ بن عمار سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص حرم میں کسی کو قتل کرے اور حرم میں چوری کرے تو اس کا کیا حکم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"اسے رُسوا کر کے اس پر حد شرعی جاری کی جائے گی کیونکہ اس نے حرمتِ حرم کو ملحوظ نہیں رکھا جب کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنِ اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ فَاعْتَدُوْا عَلَيْهِ بِمِثْلِ مَا اعْتَدٰى عَلَيْكُمْ

"جو تم پر زیادتی کرے تو تم بھی اس پر اتنی ہی زیادتی کرو جتنی کہ اس نے تم پر کی ہے"۔

مقصد یہ ہے کہ جو تم پر حرم میں زیادتی کر [illegible]

اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا فَلَا عُدْوَانَ [illegible] ظلم کرنے والوں کے علاوہ اور کسی پر زیادتی جائز نہیں ہے"۔

۶۲۹۔ تفسیر عیاشی میں علا بن فضیل [illegible] میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا حرمت والے مہینے میں مسلمان مشرکین سے جنگ [illegible] کر سکتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"جب مشرک اس مہینہ کو حلال سمجھ کر ابتدا کر چکے ہوں اور مسلمان یہ محسوس کریں کہ وہ اس مہینہ میں مشرکین پر غالب آ سکتے ہیں تو انھیں جنگ کرنے کی اجازت ہے اور اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے آیت مجیدہ کے ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

اَلشَّهْرُ الْحَرَامُ بِالشَّهْرِ الْحَرَامِ وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ ۚ

"شہر حرام کا بدلہ شہر حرام ہے اور حرمات کا قصاص ہے"۔

۶۳۰۔ مجمع البیان میں وَالْحُرُمٰتُ قِصَاصٌ (اور حرمات کا قصاص ہے) کے متعلق مرقوم ہے کہ اس کے دو مطلب لیے گئے ہیں:

"ایک مطلب تو یہ ہے کہ حرمت والے مہینے میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قضائے عمرہ کے لیے داخل ہو کر کافروں کو رسوا کیا اور یوں جو انھوں نے ایک سال پہلے رسولؐ خدا کو حدیبیہ سے واپس بھیج کر بے حرمتی کی تھی اس کا

اگلے سال ازالہ ہو گیا۔

مجاہد کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ماہ ذی قعدہ میں احرام باندھ کر عمرہ کرنے کی غرض سے آئے تھے لیکن مشرکین مکہ نے آپ کو عمرہ کی اجازت نہیں دی تھی اور آپ کو حدیبیہ سے واپس کر دیا تھا۔ اس کے بعد مشرکین فخریہ یہ کہا کرتے تھے کہ ہم نے اپنے مخالفین کو عمرہ کرنے سے روک دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس بے حرمتی کا قصاص اس طرح سے لیا کہ آئندہ سال رسولؐ خدا قضائے عمرہ کے لیے مکہ میں تین دن کے لیے داخل ہوئے اور خدا نے ان کے راستے کی تمام رکاوٹوں کو دُور کر دیا''۔ امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی منقول ہے۔

اپنے آپ کو قلاش کرنا اور خودکشی کرنا حرام ہے

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝

(اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو اور بھلائی کرو۔ یقیناً اللہ بھلائی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔)

۶۳۱- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''اگر کوئی شخص اپنی تمام دولت راہِ خدا میں لٹا دے اور خود پائی پائی کا محتاج ہو جائے تو اس نے اچھائی نہیں کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تُلْقُوْا بِاَيْدِيْكُمْ اِلَى التَّهْلُكَةِ ۛ وَاَحْسِنُوْا ۛ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ ۝ (اور اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں مت ڈالو اور بھلائی کرو۔ یقیناً اللہ بھلائی کرنے والوں سے محبت کرتا ہے) یعنی اعتدال برتنے والوں سے محبت کرتا ہے۔

۶۳۲- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام کے بابِ ولادت میں مرقوم ہے کہ مامون الرشید نے امام علی رضا کو اپنا ولی عہد بننے کی دعوت دی تو آپؑ نے انکار کر دیا۔ بالآخر اس نے سخت دھمکی دی کہ اگر آپؑ نے اس عہدہ کو قبول نہ کیا تو میں آپ کو قتل کر دوں گا۔ جب آپؑ نے مامون کی یہ دھمکی سنی تو آپؑ نے بارگاہ الٰہی میں دعا کرتے ہوئے کہا:

''پروردگارا! تو نے مجھے اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاک کرنے سے منع کیا ہے اور تو جانتا ہے کہ میں اس وقت

مامون کی طرف سے مجبور ہو چکا ہوں اور اگر میں نے اس کی ولی عہدی کا منصب قبول نہ کیا تو وہ مجھے قتل کر دے گا اور آج میں بھی یوسف و دانیال کی طرح سے مجبور ہوں۔ جس طرح سے انھوں نے مجبور ہو کر کافر سلاطین کی طرف سے عہدے قبول کیے تھے اسی طرح سے میں بھی عہدہ قبول کرنے پر مجبور ہو چکا ہوں۔

پروردگار! عہد صرف تیرا ہی عہد ہے اور حکومت بھی تیری طرف سے ہی ہے۔ اب مجھے اپنا دین قائم کرنے کی توفیق دینا اور اپنے نبی کی سنت کو زندہ کرنے کی توفیق عطا کرنا اور تو بہترین آقا اور مددگار ہے"۔

اس کے بعد آپؑ نے مامون کی طرف سے ولی عہدی کو اس شرط پر قبول کیا کہ نہ تو میں کسی کو مقرر کروں گا اور نہ ہی کسی کو معزول کروں گا اور نہ ہی کوئی رسم تبدیل کروں گا اور نہ ہی کسی روش کو بدلوں گا۔ حکومت مامون کی ہوگی اور میں دُور جا کر مشورہ دیتا رہوں گا۔

۶۳۳- عیون الاخبار کی ایک اور طویل روایت میں مروی ہے کہ جب امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کی پیش کش کو ٹھکرا دیا تو مامون نے آپؑ سے کہا:

"خدا کی قسم! میں آپ کو ولی عہدی کا منصب قبول کرنے پر مجبور کروں گا اور اگر اس کے باوجود بھی آپؑ نے اس پیش کش کو ٹھکرایا تو میں آپ کو قتل کر دوں گا"۔

یہ سن کر امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"مجھے اللہ نے اپنے ہاتھوں اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع کیا ہے اور اگر یہی بات ہے تو جو تمھارے جی میں آئے کرو۔ میں اس شرط پر ولی عہدی کو قبول کرتا ہوں کہ نہ تو میں کسی کو سرکاری عہدہ پر متعین کروں گا اور نہ ہی کسی کو معزول کروں گا اور نہ پہلے سے جاری کسی رسم کو ختم کروں گا اور نہ ہی کسی روش کو تبدیل کروں گا۔ میں دُور رہ کر مشورہ دیتا رہوں گا"۔

مامون نے آپ کی شرط کو قبول کر لیا اور آپؑ نے مجبور ہو کر ولی عہدی کا منصب قبول کیا۔

۶۳۴- من لایحضرہ الفقیہ میں امام علی زین العابدین کا "رسالۃ الحقوق" نقل کیا ہے اس رسالہ میں آپؑ نے تحریر فرمایا:

"سلطان کا تم پر حق ہے تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ تم اس کے لیے ذریعہِ آزمائش ہو اور وہ تمھارے متعلق جواب دہ

ہے۔ خدا نے اسے تم پر حکومت دی ہے اسی لیے خواہ مخواہ اس کے غصہ کا محور نہ بنا ورنہ اپنے ہاتھوں ہلاکت میں پڑ جاؤ گے
اور اگر اس نے تم سے کوئی برائی کی تو اس برائی میں تم بھی اس کے شریک قرار پاؤ گے"۔

۶۳۵ - کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت سلمان فارسی کی زبانی رسولؐ خدا کی ایک طویل حدیث مرقوم ہے جس میں آنحضرتؐ نے حضرت علی علیہ السلام سے فرمایا:

"بھائی! آپ میرے بعد زندہ رہیں گے اور آپ کو قریش کی طرف سے تکالیف اٹھانی پڑیں گی اور وہ تم پر ظلم کریں گے اگر تمہیں مددگار مل جائیں تو ان سے جہاد کرنا اور اپنے موافقین کو ساتھ لے کر مخالفین کے خلاف جنگ کرنا اور اگر تمہیں مددگار میسر نہ ہوں تو پھر صبر کرنا اور اپنا ہاتھ روکے رہنا اور اپنے آپ کو ہلاکت میں نہ ڈالنا"۔

۶۳۶ - اصول کافی میں مرقوم ہے کہ حسن بن جہم نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں عرض کیا:

"امیر المومنین علیہ السلام کو اپنے قاتل کا بھی علم تھا اور آپ کو اپنی ضربت کی شب اور مقامِ ضربت کا بھی علم تھا اور جب گھر میں بطخیں چیخی تھیں تو آپؑ نے فرمایا تھا کہ ابھی ان کی چیخیں بلند ہو رہی ہیں۔ اس کے بعد اس گھر سے نوحہ کی صدائیں بلند ہوں گی۔

علاوہ ازیں حضرت اُم کلثوم نے ان سے کہا تھا کہ ابا جان! آج آپ گھر میں ہی نماز پڑھ لیں کسی اور سے کہیں کہ وہ مسجد میں جماعت کرا دے مگر آپؑ نے اپنی شاہزادی کا کہنا نہیں مانا تھا۔

اس تمام تر علم کے باوجود بھی آپؑ کسی ہتھیار کے بغیر باہر چلے گئے اور اس سلسلہ کی عجیب بات یہ ہے کہ آپ کو یہ بھی معلوم تھا کہ ابن ملجم آپ کا قاتل ہے۔ پھر اس کے باوجود آپؑ گھر سے باہر کیوں گئے؟

آپؑ نے فرمایا:

"یہ ساری باتیں حق ہیں مگر اللہ نے آپ کو تقدیر الٰہی کے نفاذ کے لیے اختیار دیا تھا (اگر چاہیں تو شہادت قبول کریں اور اگر نہ چاہیں تو گھر میں رہیں مگر آپؑ نے شہادت کو ترجیح دی)"۔

۶۳۷ - امالی صدوق میں مرقوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"سلطان کی اطاعت واجب ہے اور جس نے سلطان کی اطاعت کو چھوڑا تو اس نے خدا کی نافرمانی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھوں سے اپنے آپ کو ہلاکت میں ڈالنے سے منع کیا ہے"۔

خدا بھلائی کرنے والوں سے محبّت رکھتا ہے

وَاَحۡسِنُوۡا ۚ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُحۡسِنِيۡنَ

(اور بھلائی کرو۔ یقیناً اللہ بھلائی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے)

۶۳۸- محاسن برقی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپ نے فرمایا

"جب کوئی مومن اچھے انداز سے عمل کرتا ہے تو اللہ اس کے ہر عمل کے بدلے میں اسے سات سو نیکیاں عطا کرتا ہے۔ لہٰذا خدا کی طرف سے ثواب حاصل کرنے کے لیے اچھے طریقہ سے عمل بجالاؤ"۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے امام علیہ السلام سے پوچھا.

"احسان کیا ہے؟"

آپؑ نے فرمایا:

"جب نماز پڑھو تو رکوع و سجدہ کو بہتر انداز سے بجا لاؤ اور جب روزہ رکھو تو ہر اس چیز سے پرہیز کرو جس سے روزہ باطل ہوسکتا ہو۔ اور جب تم حج کرو تو ایسے تمام کاموں سے پرہیز کرو جو حج و عمرہ کے منافی ہیں"۔

پھر آپؑ نے فرمایا:

"تم خدا کے لیے جو بھی کام کرو تو تمھارا کام ہر طرح کی میل کچیل سے پاک ہونا چاہیے"۔

وَاَتِمُّوا الۡحَجَّ وَالۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ؕ فَاِنۡ اُحۡصِرۡتُمۡ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ ۚ وَلَا تَحۡلِقُوۡا رُءُوۡسَكُمۡ حَتّٰى يَبۡلُغَ الۡهَدۡىُ مَحِلَّهٗ ؕ فَمَنۡ كَانَ مِنۡكُمۡ مَّرِيۡضًا اَوۡ بِهٖۤ اَذًى مِّنۡ رَّاۡسِهٖ فَفِدۡيَةٌ مِّنۡ صِيَامٍ اَوۡ صَدَقَةٍ اَوۡ نُسُكٍ ۚ فَاِذَآ اَمِنۡتُمۡ ۟ فَمَنۡ تَمَتَّعَ بِالۡعُمۡرَةِ اِلَى الۡحَجِّ فَمَا اسۡتَيۡسَرَ مِنَ الۡهَدۡىِ ۚ فَمَنۡ لَّمۡ يَجِدۡ

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ؕ تِلْكَ
عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ؕ ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ
الْحَرَامِ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ۝۱۹۶ ؏
اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ
وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ
يَّعْلَمْهُ اللّٰهُ ؕ وَتَزَوَّدُوْا فَاِنَّ خَيْرَ الزَّادِ التَّقْوٰى ۫ وَاتَّقُوْنِ
يٰٓاُولِي الْاَلْبَابِ ۝۱۹۷ لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ
رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَآ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ
الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ
الضَّآلِّيْنَ ۝۱۹۸ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا
اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۱۹۹ فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ فَمِنَ النَّاسِ
مَنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ
خَلَاقٍ ۝۲۰۰ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّقُوْلُ رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي

الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ ﴿۲۰۱﴾ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا

كَسَبُوْا ؕ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ ﴿۲۰۲﴾

''اور حج وعمرہ کو اللہ (کی رضا) کے لیے پورا کرو۔ پس اگر تم محصور کر لیے جاؤ تو جو قربانی ممکن ہو وہ دے دو اور اس وقت تک سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنی منزل تک نہ پہنچ جائے۔ جو تم میں سے مریض ہو یا اس کے سر میں کوئی تکلیف ہو تو وہ روزہ یا صدقہ یا قربانی دے۔ پھر جب اطمینان ہو جائے تو جس نے عمرہ سے حج تمتع کا ارادہ کیا ہے وہ ممکنہ قربانی دے دے اور جس کو قربانی میسر نہ ہو تو تین روزے حج کے دوران اور سات روزے واپسی پر رکھے اس طرح پورے دس ہو جائیں۔ یہ حج تمتع اور قربانی ان کے لیے ہے جن کے اہلِ مسجد الحرام کے حاضر شمار نہیں ہوتے اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ خدا کا عذاب بہت سخت ہے۔ حج کا عمل چند مقررہ مہینوں میں ہوتا ہے اور جو شخص بھی اس زمانے میں اپنے اُوپر حج لازم کرے تو اسے عورتوں سے مباشرت اور گناہ اور جھگڑے کی اجازت نہیں ہے اور تم جو بھی اچھائی کرو گے خدا اسے جانتا ہے۔ اپنے لیے زادِ راہ فراہم کرو۔ بے شک بہترین زادِ راہ تقویٰ ہے اور اے عقلمندو! مجھ سے ڈرتے رہو۔ تم پر اپنے پروردگار کا فضل و کرم تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پس جب تم عرفات سے کوچ کرو تو مشعر الحرام کے پاس ذکرِ خدا کرو اور خدا کو اس طرح سے یاد کرو جیسا کہ اس نے تمھیں ہدایت دی ہے۔ اگرچہ تم اس سے قبل گمراہ لوگوں میں سے تھے۔ پھر تم بھی باقی لوگوں کی طرح وہاں سے کوچ کرو اور خدا سے مغفرت طلب کرو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا مہربان ہے۔ اور جب تم اپنے مناسک ادا کر لو تو خدا کو اس طرح سے یاد کرو

جس طرح سے تم اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے زیادہ یاد کرو۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو کہتے ہیں: ہمارا پروردگار! ہمیں دنیا ہی میں بھلائی دے دے اور ان کا آخرت میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ اور ان میں سے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی نیکی عطا فرما اور آخرت میں بھی نیکی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ یہی وہ لوگ ہیں جن کے لیے ان کی کمائی کا حصہ ہے اور خدا بہت جلد حساب لینے والا ہے"۔

حج وعمرہ کے احکام

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۔

(اور خدا کی رضا حاصل کرنے کے لیے حج وعمرہ کو پورا کرو)

۶۳۹- مجمع البیان میں ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ حج وعمرہ کے تمام مناسک پورے کرو اور اس کی حدود کا خاص خیال رکھو اور حج وعمرہ کے اعمال کو اچھی طرح سے بجالاؤ۔ یہی مفہوم امیرالمومنین اور امام زین العابدین علیہم السلام سے منقول ہے۔

۶۴۰- عیون الاخبار میں حضرت امام علی رضا علیہ السلام کی وہ تحریر نقل کی گئی ہے جس میں آپؑ نے مامون کی فرمائش پر اسلام کے بنیادی عقائد واعمال تحریر کیے تھے چنانچہ اس دستاویز میں آپؑ نے یہ کلمات بھی لکھے:

"عام لوگ جس طرح سے حجِ قران اور حجِ افراد کر رہے ہیں یہ سراسر ناجائز ہے۔ حجِ قران اور حجِ افراد ان لوگوں کے لیے ہے جو مکہ کے رہائشی ہوں۔ میقات کے علاوہ احرام باندھنا جائز نہیں ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَتِمُّوا الْحَجَّ وَالْعُمْرَةَ لِلّٰهِ ۔ "اور حج وعمرہ کو اللہ کے لیے پورا کرو"۔

۶۴۱- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

"حج افراد اور حج قران صرف اہلِ مکہ کے لیے مخصوص ہے اور میقات سے پہلے احرام باندھنا جائز ہے اور مرض یا تقیہ کے علاوہ میقات سے اس میں تاخیر نہیں کرنی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَ اَتِمُّوا الۡحَجَّ وَ الۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ ۚ (تم خدا کے لیے حج وعمرہ کی تکمیل کرو) اور اس کے تمام کرنے کا مقصد یہ ہے کہ انسان بیوی سے مباشرت نہ کرے اور گناہ اور جھگڑے سے اجتناب کرے۔

۶۴۲- کتاب علل الشرائع میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

"مخلوق پر حج کی طرح سے عمرہ بھی واجب ہے البتہ اس کے لیے استطاعت کا ہونا بنیادی شرط ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: وَ اَتِمُّوا الۡحَجَّ وَ الۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ (اور اللہ کے لیے حج وعمرہ کو مکمل کرو)۔ عمرہ مدینہ میں نازل ہوا تھا اور عمرہ ماہ رجب کا عمرہ ہے۔

۶۴۳- امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ حج کو "حج" کیوں کہا جاتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: عربی زبان کا ایک محاورہ ہے۔ "حج فلان" یعنی فلاں شخص نے نجات پائی۔ چونکہ حج نجات کا ذریعہ ہے۔ اسی لیے اس کو حج کہا جاتا ہے۔

۶۴۴- الکافی میں عمر بن اذینہ سے روایت ہے ۔۔۔ میں نے کچھ مسائل ابن بکیر کے ذریعہ سے امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس روانہ کیے اور کچھ دوسرے مسائل ۔۔۔ کے ساتھ امام علیہ السلام کی خدمت میں بھیجے۔ چند دنوں کے بعد امام علیہ السلام کی طرف سے مجھے تحریری جواب ملا۔ اس میں آپ نے لکھا کہ تم نے وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الۡبَيۡتِ مَنِ اسۡتَطَاعَ اِلَيۡهِ سَبِيۡلًا (اللہ کی خوشنودی کے لیے لوگوں پر بیت اللہ کا حج واجب ہے جو وہاں تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو) کے متعلق سوال کیا ہے۔

اس سے حج وعمرہ دونوں مراد ہیں کیونکہ دونوں فرض ہیں اور تم نے وَ اَتِمُّوا الۡحَجَّ وَ الۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ (اور حج وعمرہ کو خدا کے لیے تمام کرو) کے متعلق بھی سوال کیا ہے تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ نے فرمایا ہے کہ حج وعمرہ کو مکمل کرو اور اس کی تکمیل اس کے مناسک کی ادائیگی سے ہوتی ہے اور جو چیزیں حالت احرام میں حرام ہیں احرام باندھنے والا ان سے پرہیز کرے۔

۶۴۵- امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَ اَتِمُّوا الۡحَجَّ وَ الۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ کی آیت پڑھ کر فرمایا:

"حج وعمرہ دونوں فرض ہیں"۔

۶۴۶- عبداللہ بن سنان نے کہا ہے کہ وَ اَتِمُّوا الۡحَجَّ وَ الۡعُمۡرَةَ لِلّٰهِ کا مقصد یہ ہے کہ عازمِ حج وعمرہ بیوی سے

مباشرت نہ کرے اور گناہ کا کام نہ کرے اور حج کے دوران کسی سے جھگڑا نہ کرے۔

۶۴۷- معاویہ بن عمار کا قول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا' آپؑ نے فرمایا:

''صاحبانِ استطاعت پر عمرہ بھی حج کی طرح سے واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرمار ہا ہے: وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (اور خدا کی رضا کے لیے حج وعمرہ کو مکمل کرو) عمرہ مدینہ میں نازل ہوا تھا۔

میں (راوی) نے کہا: فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ کے تحت اگر کوئی شخص حج سے پہلے عمرہ کرے اور پھر حج کرے تو کیا یہ کافی ہوگا؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔

۶۴۸- زرارہ بن اعین کہتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا

''عمرہ بھی حج کی طرح سے لوگوں پر واجب ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ فرمار ہا ہے: وَ اَتِمُّوا الْحَجَّ وَ الْعُمْرَةَ لِلّٰهِ (حج وعمرہ کو اللہ کے لیے مکمل کرو)

۶۴۹- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''حج کی تکمیل ملاقاتِ امام سے ہوتی ہے''۔

۶۵۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جب احرام باندھو تو خدا کا تقویٰ ملحوظ خاطر رکھو اور کثرت سے اللہ کا ذکر کرو اور بہتر بات کے علاوہ زبان سے اور کچھ نہ کہو' کیونکہ حج وعمرہ کی تکمیل کی ایک شرط یہ ہے کہ انسان اچھی بات کے علاوہ زبان سے اور کچھ نہ نکالے' جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنْ فَرَضَ فِيهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ
(جس نے ان ایام میں اپنے اوپر حج فرض کیا ہو تو بیوی سے ہم بستری نہ کرے اور گناہ سے پرہیز کرے اور حج کے ایام میں کسی سے جھگڑا نہ کرے)

۶۵۱- عیون الاخبارر میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''جب تم میں سے کوئی حج کرے تو حج کے آخر میں مدینہ آ کر ہماری زیارت کرے۔ اس سے حج کی تکمیل ہوجائے گی''۔

اگر راستے میں رکاوٹ پیش آجائے تو؟

فَإِنْ أُحْصِرْتُمْ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

(پس اگر تم محصور کر لیے جاؤ تو پھر جو قربانی ممکن ہے دے دو)

۶۵۲- الکافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت ہے آپؑ نے فرمایا:

"جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حدیبیہ کے مقام پر عمرہ کرنے سے روکا گیا تھا تو آپؐ نے بالوں کی تھوڑی سی مقدار کٹوائی اور آپ احرام کی پابندی سے آزاد ہو گئے۔ پھر آپؐ نے قربانی ذبح فرمائی اور حدیبیہ سے ہی مدینہ واپس لوٹ آئے۔ آپؐ پر سر منڈوانا واجب نہیں تھا کیونکہ آپؐ نے مناسکِ حج ادا نہیں کیے۔ محصور شخص کے لیے "تقصیر" یعنی تھوڑا سا بالوں کو کٹوانا واجب ہے"۔

۶۵۳- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

"محصور" اور ہے اور "مصدود" اور ہے اور ہر ایک کا شرعی حکم بھی جدا جدا ہے۔ محصور وہ ہے جو بیماری کی وجہ سے راستے میں رک جائے اور مصدود وہ ہے جسے مشرک راستے میں روک دیں۔ جیسا کہ مشرکینِ مکہ نے رسولؐ خدا اور ان کے اصحاب کو حدیبیہ سے واپس جانے پر مجبور کر دیا تھا اور مصدود مریض نہیں ہوتا۔ چنانچہ مصدود کے لیے بیویوں سے مقاربت جائز ہے جب کہ "محصور" کے لیے بیوی سے مقاربت جائز نہیں ہے۔

راوی کہتا ہے کہ میں نے عرض کیا: اگر کوئی محصور اپنی قربانی روانہ کرے تو؟

آپؑ نے فرمایا:

"وہ جن ساتھیوں کے ہاتھ قربانی روانہ کرے ان کے ساتھ قربانی کرنے کا دن مقرر کرے اور اگر حج کے لیے قربانی روانہ کر رہا ہے تو اس کا مقررہ دن ۱۰ ذی الحجہ ہے اور جب ۱۰ ذی الحجہ کا دن ہو جائے تو وہ تقصیر کرے (یعنی سر کے بالوں کو تھوڑا سا ترشوائے) اور جب تک مناسک ادا نہ کرے اس وقت تک اس پر تحلیق (سر منڈوانا) واجب نہیں ہوگی۔ اور عمرہ ہو تو وہ اپنے ساتھیوں کے مکہ میں داخل ہونے اور اس نے ساتھیوں سے جو وقت مقرر کیا تھا اس کا انتظار کرے اور جب وہ وقت آجائے تو سر کے بال کٹوائے اور احرام سے آزاد ہو جائے۔ اور اگر وہ گھر سے نکل کر راستے میں بیمار ہوا ہو اور واپس گھر جانے کا ارادہ کیا ہو تو وہ ایک اونٹ نحر کرے اور اپنی جگہ پر قیام کرے یہاں تک کہ شفایاب ہو جائے۔ اور

جب تندرست ہو جائے تو اس پر عمرہ کرنا واجب ہوگا۔ اور اگر وہ حج کا ارادہ رکھتا ہو اور لوٹ آئے اور اپنے گھر قیام کرے یہاں تک کہ حج کے ایام گزر جائیں تو وہ آیندہ سال حج کرے۔

چنانچہ ایک مرتبہ حضرت امام حسین علیہ السلام عمرہ کے لیے گھر سے روانہ ہوئے اور راستے میں بیمار پڑ گئے۔ حضرت علی علیہ السلام کو مدینہ میں ان کی بیماری کا پتہ چلا تو وہ امام حسین علیہ السلام کے پاس آئے۔ اس وقت امام حسین علیہ السلام مقام ''سقیا'' میں قیام پذیر تھے۔

آپؑ نے فرمایا: فرزند! تمھیں کیا تکلیف ہے؟

امام حسینؑ نے عرض کیا: ابا جان! میرے سر میں درد ہے۔

یہ سننے کے بعد حضرت علیؑ نے ایک اُونٹ منگوایا اور اسے نحر کیا اور اس کے ساتھ ہی امام حسینؑ کا سر منڈوا دیا اور انھیں ساتھ لے کر مدینہ چلے آئے۔ اور پھر جب امام حسینؑ تندرست ہو گئے تو آپؑ نے پھر عمرہ کیا۔

میں (راوی) نے عرض کیا:

مولاؑ! یہ بتائیں جب وہ راستے سے گھر چلے گئے اور انھوں نے تندرست ہونے کے بعد عمرہ بھی نہیں کیا تھا تو کیا اس درمیانی وقت میں ان کے لیے بیویوں سے مباشرت جائز تھی یا نہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''جب تک انھوں نے بیت اللہ کا طواف اور صفا و مروہ پر سعی نہیں کی تھی اس وقت تک ان کے لیے بیویوں سے مقاربت جائز نہیں تھی''۔

میں (راوی) نے عرض کیا: فرزندِ رسولؐ! ابھی آپؑ نے بتایا کہ رسولؐ خدا کے لیے تو بیویوں سے مباشرت جائز تھی اور امام حسینؑ کے لیے بیویوں سے مباشرت جائز نہیں تھی جب کہ رسولؐ خدا نے بھی بیت اللہ کا طواف نہیں کیا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''ان دونوں میں فرق ہے۔ رسولؐ خدا ''مصدود'' تھے اور امام حسینؑ ''محصور'' تھے اور مصدود اور محصور کے احکام میں فرق پایا جاتا ہے''۔

۶۵۴- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"جب کوئی شخص راستے میں بیماری کی وجہ سے محصور ہو جائے تو وہ اپنی قربانی دوسروں کے ہاتھ روانہ کر دے اور اگر بیماری سے افاقہ ہو جائے اور اس کا خیال ہو کہ وہ مناسکِ حج میں پہنچ جائے گا تو وہ مکہ کی طرف چل پڑے اور اگر اس کے وہاں پہنچنے تک اس کی قربانی ذبح نہ ہوئی ہو تو وہ اپنے احرام پر باقی رہے اور مناسک ادا کر کے اپنی قربانی ذبح کرے اور اس پر کوئی کفارہ نہیں ہے اور اگر وہ اس وقت مکہ پہنچے جب اس کی قربانی ذبح ہو چکی ہو تو وہ آئندہ سال حج یا عمرہ ادا کرے۔

میں (راوی) نے کہا: اگر وہ حالتِ احرام میں مکہ پہنچنے سے پہلے مر جائے تو پھر اس کا کیا حکم ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

"اگر وہ حج کے لیے روانہ ہوا تھا تو اس کی نیابت میں حج کی جائے گی' اسی طرح سے اس کی نیابت میں عمرہ بھی کیا جائے گا۔ موت تو خدا کی تقدیر ہے"۔

۶۵۵- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے محصور ہو جائے اور وہ اپنے ساتھ قربانی بھی لے کر روانہ نہ ہوا ہو تو وہ لوٹ جائے گا اس کے پاس قربانی کی رقم نہ ہو تو پھر قربانی کے عوض روزے رکھے"۔

۶۵۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے "محصور" ہو جائے یعنی رُکنے پر مجبور ہو جائے اور وہ اپنی قربانی کو لوگوں کے ہاتھوں روانہ کر دے لیکن روزِ قربانی سے قبل اس کے سر میں جوؤں وغیرہ کی وجہ سے اذیت پڑ جائے تو جس جگہ وہ ٹھہرا ہوا ہو وہاں ایک بکری ذبح کرے یا روزے رکھے یا صدقہ دے اور روزے تین دن کے ہیں اور صدقہ چھ مساکین کو دینا ہوگا اور ہر مسکین کو نصف صاع (ڈیڑھ کلوگرام) غلہ دے"۔

۶۵۷- سہل بن ابی نصر نے رفاعہ سے نقل کیا۔ اس کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص کسی کا اجیر بن کر حج تمتع کے لیے روانہ ہوا اور راستے میں رکاوٹ پڑ گئی اور وہ نہ جا سکا تو وہ اگلے سال اگر حج نہ کرے تو کیا وہ بری الذمہ ہو جائے گا؟

آپؑ نے فرمایا: اسے آئندہ سال حج کرنا پڑے گا۔ اور اگر حج پر جائے اور محصور ہو جائے تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔

میں نے پوچھا کہ ایک شخص قربانی لے کر روانہ ہوا۔ راستے میں بیمار پڑ گیا اور حج پر نہ جا سکا۔

آپؑ نے فرمایا: وہ اپنی قربانی آگے روانہ کر دے۔

میں نے پوچھا: کیا وہ اگلے سال حج تمتع کر سکتا ہے۔

فرمایا: نہیں۔ اس سے جس طرح کی حج قضا ہوئی تھی وہ ویسی ہی بجالائے گا۔

۶۵۸- امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''مصدود'' کو جہاں روکا جائے تو وہیں قربانی ذبح کر دے اور پھر وہاں سے اپنے گھر آ جائے اور اسے بیوی سے مقاربت کی اجازت ہے جب کہ ''محصور'' اپنے ساتھیوں کے ہاتھ اپنی قربانی روانہ کرے اور ان سے قربانی ذبح کرنے کا ایک دن مقرر کرالے اور جب وہ دن اور وقت آ جائے تو ''محصور'' اپنا احرام کھول دے۔

میں (راوی) نے عرض کیا: اگر اس کے ساتھی کچھ دنوں کے بعد اسے اس کی رقم واپس کر دیں اور کہیں کہ ہم نے تمھاری طرف سے قربانی نہیں کی تھی اور وہ شخص بھی احرام کھول چکا ہو تو اس شخص کے لیے حکمِ شریعت کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس شخص کو ذاتی طور پر حج وعمرہ کا اعادہ کرنا ہوگا اور بیویوں سے پرہیز کرنا ہوگا۔

۶۵۹- عیون الاخبار میں فضل بن شاذان سے شریعت طاہرہ کے کچھ علل واسباب مذکور ہیں اور فضل کہتے تھے کہ میں نے یہ علل واحکام امام علی رضا علیہ السلام سے سنے تھے۔

چنانچہ اسی فلسفہ احکام میں آپؑ نے فرمایا:

''اگر یہ سوال کیا جائے کہ اسلام میں صرف ایک حج کا حکم کیوں دیا گیا ہے جب کہ زیادہ کا حکم بھی تو دیا جا سکتا تھا؟ اس کے جواب میں کہا جائے گا: اللہ تعالیٰ نے فرائض سب سے کمزور فرد کی حیثیت کو دیکھ کر مقرر کیے ہیں جیسا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ''یعنی جو قربانی ممکن ہو وہ کرے'' اور اس آیت کے تحت ایک بکری کی قربانی ضروری ہے کیونکہ بکری کی قربانی امیر وغریب دونوں کے لیے آسان ہے۔ اسی طرح سے دوسرے فرائض میں بھی اللہ تعالیٰ نے بندوں کی سہولت کو مدنظر رکھا ہے۔

حج رسولؐ

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حجۃ الوداع کا ارادہ کیا تو آپ ۲۶ ذی قعدہ کو گھر سے روانہ ہوئے۔ آپ مسجد شجرہ تشریف لائے اور آپؐ نے وہاں نماز پڑھی۔ پھر وہاں سے روانہ ہو کر "بیداء" تشریف لائے۔ آپؐ نے وہاں پہنچ کر احرام حج باندھا اور تلبیہ کہا۔ آپؐ نے قربانی کے لیے ایک سو اونٹ ساتھ لیے۔ آپؐ کی دیکھا دیکھی باقی لوگوں نے بھی حج کی نیت سے احرام باندھا اور کسی کی نیت بھی عمرے کی نہیں تھی اور نہ ہی انھیں حجِ تمتع کا کوئی علم تھا۔ اور جب رسول اکرمؐ مکہ تشریف لائے اور آپؐ نے بیت اللہ کا طواف کیا تو آپ کو دیکھ کر باقی لوگوں نے بھی بیت اللہ کا طواف کیا۔ پھر آپؐ نے مقامِ ابراہیمؑ پر دو رکعت نماز پڑھی اور حجر اسود کو بوسہ دیا۔ پھر آپؐ صفا و مروہ پر تشریف لے گئے اور فرمایا میں اس سے ابتدا کروں گا جس سے خدا نے ابتدا کی ہے۔ پھر آپؐ نے سعی کا آغاز صفا سے کیا۔ اس کے بعد آپ نے مروہ میں سعی کی اور یوں آپ نے صفا و مروہ پر سات چکر لگائے۔

جب آپ نے سعی مکمل کر لی تو آپ نے مروہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ احرام کھول دیں اور اس طواف و سعی کو عمرہ قرار دیں، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کرنے کا حکم دیا ہے۔

آپ کا فرمان سن کر لوگوں نے احرام کھول دیئے اور آپؐ نے فرمایا:

اگر بعد والا کام میں نے پہلے نہ کیا ہوتا تو میں خود بھی احرام سے آزاد ہو جاتا لیکن میں چونکہ قربانی لے کر آیا ہوں اسی لیے میں احرام نہیں کھول سکتا۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهٗ

"جب تک قربانی اپنے مقام پر نہ پہنچ جائے تب تک تم سر نہ منڈاؤ"۔

اس وقت سراقہ بن مالک بن جعشم کھڑے ہوئے اور انھوں نے آنحضرتؐ سے عرض کیا:

یارسول اللہ! آپ ہمیں مناسک حج و عمرہ کی یوں تعلیم دیں جیسے ہم آج پیدا ہوئے ہوں۔ بھلا یہ فرمائیں۔ یہ فرمان صرف اسی سال کے لیے ہے یا ہر سال کے لیے یہی حکم ہے؟

رسولؐ خدا نے فرمایا: بلکہ یہ تو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہے۔

اس وقت ایک شخص نے کھڑے ہو کر آنحضرتؐ سے عرض کیا

یارسولؐ اللہ! کیا ہم حج کے لیے اس انداز سے روانہ ہوں کہ ہمارے سروں سے پانی ٹپک رہا ہو؟

نبی اکرمؐ نے اس شخص سے فرمایا تو کبھی اس پر ایمان نہیں لائے گا۔

واضح رہے کہ یہ حدیث کافی طویل ہے۔ ہم نے بقدرِ ضرورت اسے نقل کیا ہے۔

۶۶۱۔ کتاب علل الشرائع میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے رسولؐ خدا سے نقل کیا کہ جب آنحضرتؐ [illegible] تشریف لے گئے اور بیت اللہ کا طواف کر چکے اور صفا و مروہ کی سعی مکمل کر چکے تو آپؐ نے مروہ پر کھڑے ہو کر خطبہ دیا جس میں آپؐ نے حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

''لوگو! یہ جبریلؑ ہے۔ یہ کہہ کر آپ نے اپنی پشت کی طرف اشارہ کیا اور جبریلؑ مجھے حکم دے رہا ہے کہ جو افراد اپنی قربانی ساتھ لے کر نہیں آئے [illegible] وہ احرام کھول دیں اور احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جائیں اور اگر میں نے بعد والا کام پہلے کیا ہوتا [illegible] طرح سے احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا لیکن مجبوری یہ ہے کہ میں قربانی ساتھ لے کر آیا ہوں [illegible] سے پہلے احرام سے آزاد نہیں ہو سکتا۔

اس وقت سراقہ بن مالک بن جعشم الکنانی نے کھڑے ہو کر عرض کیا

''یارسولؐ اللہ! آپ نے ہمیں ہمارے دین کی یوں تعلیم دی ہے جیسے ہم نے آج ہی دنیا میں جنم لیا ہو۔ آپؐ یہ بتائیں کہ یہ حکم صرف اس سال کے لیے مخصوص ہے یا یہ حکم ہر سال کے لیے ہے؟''

رسولؐ خدا نے فرمایا ''نہیں یہ ہمیشہ کے لیے ہے''۔

اس وقت ایک شخص نے اٹھ کر کہا

''یارسولؐ اللہ! کیا ہم حج کے لیے اس طرح سے جائیں کہ ہمارے سروں سے غسلِ جنابت کے پانی کے قطرات ٹپک رہے ہوں؟''

رسولؐ خدا نے فرمایا کہ تو اس پر کبھی بھی ایمان نہیں لائے گا۔

۶۶۲۔ فضیل بن عیاض کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے حج کے متعلق لوگوں میں پائے

جانے والے اختلاف کے متعلق پوچھا' کیونکہ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ رسولؐ خدا حج کی نیت سے مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ جب کہ کچھ دوسرے کہتے ہیں کہ آپ عمرہ کی نیت سے روانہ ہوئے تھے اور کچھ اور کہتے ہیں کہ آپ نے "حج قران" کیا تھا اور کچھ کہتے ہیں کہ آپ حکمِ خداوندی کے منتظر بن کر مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ خدا کو معلوم تھا کہ یہ رسولؐ خدا کا آخری حج ہے اور اس کے بعد آنحضرت کو حج نصیب نہیں ہوگا اسی لیے حج کی تمام اقسام کو اللہ نے آپ کے اس سفر میں جمع کر دیا تھا تاکہ تمام طریقے سنت نبویؐ کے ضمن میں شامل ہوسکیں۔ چنانچہ جب آپ بیت اللہ اور صفا و مروہ کا طواف کر چکے تو جبریلؑ امین نے ان سے کہا کہ آپ اسے عمرہ تسلیم کریں البتہ جو لوگ قربانی ساتھ لے کر آئے ہیں وہ احرام میں ہی رہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

حَتّٰی یَبْلُغَ الْهَدْیُ مَحِلَّهٗ (یہاں تک کہ قربانی اپنی منزلِ مقصود پر پہنچ جائے) چنانچہ اللہ نے آپ کے لیے حج و عمرہ دونوں کو یکجا کر دیا تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے اہلِ عرب کی عادت کے مطابق حج کے مقصد سے ہی برآمد ہوئے تھے کیونکہ اہلِ عرب ایامِ حج میں صرف حج ہی کیا کرتے تھے اور اس سفر میں آپ حکمِ خداوندی کے بھی منتظر تھے اور آپؐ فرماتے تھے کہ اسلام نے جو تبدیلی کی ہے سو کی ہے لیکن جہاں اسلام نے کوئی حکم نہیں دیا وہاں سابقہ حکم ہی برقرار رہے گا۔

اہلِ عرب حج کے مہینوں میں عمرہ کرنے کو صحیح نہیں سمجھتے تھے اور حج کو عمرہ میں بدلنے کا عمل آنحضرتؐ کے اصحاب کو سخت گراں محسوس ہوا تھا مگر اس کے باوجود آپؐ نے انھیں حکم دیا تھا کہ وہ احرام سے آزاد ہو جائیں اور اس کو عمرہ قرار دیں۔ چنانچہ آپؐ نے فرمایا:

"عمرہ قیامت کے روز تک حج میں داخل ہو چکا ہے اور یہ کہہ کر آپؐ نے اپنی انگلیوں میں انگلیاں ڈالیں اور فرمایا: جس طرح سے یہ انگلیاں ایک دوسرے سے پیوست ہیں اسی طرح سے عمرہ بھی حج سے پیوست ہو چکا ہے"۔

میں (راوی) نے کہا کیا اہلِ عرب میں حج کے مناسک کا کچھ ڈھانچہ باقی تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"زمانہ جاہلیت میں لوگوں نے دینِ ابراہیم کا حلیہ بدل دیا تھا مگر ختنہ' نکاح اور حج کی رسومات پھر بھی کسی نہ کسی شکل میں باقی تھے اور وہ پورے طور پر ضائع نہیں ہوئے تھے۔

وقت سے قبل سر منڈوانا

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَرِيضًا أَوْ بِهِ أَذًى مِنْ رَأْسِهِ فَفِدْيَةٌ مِنْ صِيَامٍ أَوْ صَدَقَةٍ أَوْ نُسُكٍ ۚ

(تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ روزوں یا صدقہ یا قربانی کی صورت میں فدیہ دے کر سر منڈوا دے)۔

۶۶۳- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنے ایک صحابی کعب بن عجرہ کے پاس سے گزرے تو آپؐ نے دیکھا کہ اس کے سر سے جوئیں گر رہی تھیں اور وہ بے چارہ حالتِ احرام میں تھا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: کیا تجھے یہ جوئیں اذیت دے رہی ہیں؟

اس نے عرض کیا: جی ہاں یا رسولؐ اللہ!

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت فرمائی کہ تم میں سے جو بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ روزوں یا صدقہ یا قربانی کی صورت میں فدیہ دے کر قبل از وقت سر منڈوا لے''۔

چنانچہ اس آیت مجیدہ کے نزول کے بعد آنحضرتؐ نے اسے حکم دیا کہ وہ قبل از وقت سر منڈوا کر جوؤں سے نجات حاصل کرے مگر اسے اس کے عوض تین روزے رکھنے ہوں گے یا چھ مساکین کو کھانا کھلانا پڑے گا اور ہر مسکین کو دو مُد غلہ دینا ہوگا یا پھر ایک بکری قربان کرنا ہوگی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''قرآن مجید میں جہاں بھی حرف ''اَوْ'' استعمال ہوا ہے تو انسان کو وہاں اختیار ہے کہ وہ مذکورہ اشیاء میں سے جسے چاہے اپنے لیے پسند کرے''۔

۶۶۴- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر کوئی شخص بیماری کی وجہ سے راستے میں رُک جائے اور اس نے اپنے قافلہ والوں کو اپنی قربانی دے کر آگے روانہ کیا ہو اور ابھی قربانی کے ذبح کا دن نہ آیا ہو اور اس کے سر میں تکلیف ہو جائے تو وہ جہاں رُکا ہوا ہو وہاں ایک بکری

ذبح کرے یا تین دن کے روزے رکھے یا چھ مساکین کو دو دو مُد غلہ دے کر سر منڈوا دے۔

۶۶۵- من لا یحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا گزر کعب بن عجرہ انصاری کے پاس سے ہوا اور وہ حالت احرام میں تھا مگر جوؤں نے اس کے سر اور آبروؤں اور آنکھوں پر ڈیرے ڈالے ہوئے تھے اور وہ بے چارہ شدید اذیت محسوس کر رہا تھا اور احرام کی وجہ سے وہ جوئیں نکال نہیں سکتا تھا۔ آنحضرتؐ نے اس کی طرف سے ایک بکری کی قربانی دی اور اس کا سر منڈوا دیا۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے ہی افراد کو رعایت دی ہے اور ان کے متعلق فرمایا:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ

(جو تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو روزوں یا صدقہ یا قربانی کی صورت میں فدیہ دے کر اپنا سر منڈوا دے)

اس صورت میں تین روزے یا چھ مساکین کو نصف صاع کھجوریں یا بکری کی قربانی کرنی پڑتی ہے مگر اس قربانی کا گوشت صرف مساکین کو کھلایا جائے گا۔

۶۶۶- زُہری نے امام علی زین العابدین علیہ السلام سے روزوں کے متعلق ایک طویل اور مفصل حدیث نقل کی ہے اور اس حدیث کا ایک حصہ یہ ہے:

"جو شخص حج میں قبل از وقت سر منڈوائے تو اس پر تین روزے یا چھ مساکین کا کھانا یا ایک بکری کی قربانی واجب ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

فَمَنْ كَانَ مِنْكُمْ مَّرِيْضًا اَوْ بِهٖٓ اَذًى مِّنْ رَّاْسِهٖ فَفِدْيَةٌ مِّنْ صِيَامٍ اَوْ صَدَقَةٍ اَوْ نُسُكٍ ۚ

(تو جو شخص تم میں سے بیمار ہو یا اس کے سر میں تکلیف ہو تو وہ روزوں یا صدقہ یا قربانی کی شکل میں فدیہ ادا کرے)

چنانچہ انسان کو اختیار ہے چاہے تو وہ تین روزے رکھے یا چھ مساکین کو غلہ دے یا ایک بکری قربانی کرے۔ علاوہ ازیں حج تمتع کرنے والے جس شخص کے پاس قربانی کی طاقت نہ ہو تو وہ اس قربانی کے بدلے میں دس روزے رکھے، تین

روزے مکہ میں رکھے اور سات روزے وطن واپس آ کر رکھے۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ إِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ فَمَنْ لَمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلَاثَةِ أَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ إِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ ۗ

(اور جس نے عمرہ سے حج تمتع کا ارادہ کیا ہے وہ ممکنہ قربانی دے دے اور جس کو قربانی میسر نہ ہو تو وہ اس کے عوض تین روزے حج کے دوران اور سات روزے واپسی پر رکھے اور اس طرح پورے دس روزے ہو جائیں۔)

۶۶۷- کتاب علل الشرائع میں احکام شرعیہ کے کچھ علل و اسباب فضل بن شاذان کی زبانی مروی ہیں اور انھوں نے کہا کہ انھوں نے یہ علل و اسباب امام علی رضا علیہ السلام سے سنے تھے۔ چنانچہ ان علل و اسباب کے بیان میں یہ کلمات بھی موجود ہیں

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ حج تمتع کا لوگوں کو کیوں حکم دیا گیا؟

اس کے جواب میں کہا جائے گا کہ یہ رب کی طرف سے سہولت اور رحمت ہے تاکہ لوگ جلدی احرام کھول سکیں اور احرام میں زیادہ عرصہ پابند نہ رہیں ورنہ انھیں سخت زحمت محسوس ہوگی اور اس متعہ حج کا ایک فلسفہ یہ بھی ہے کہ انسان بیک وقت حج و عمرہ دونوں کی سعادت حاصل کر سکے اور اگر متعہ حج نہ ہوتا تو انسان عمرہ سے محروم رہتا۔ اور اس متعہ حج کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس میں عمرہ علیحدہ ہے اور حج علیحدہ ہے۔ عمرہ اور حج کے درمیان انسان کو کچھ آزادی کا وقت مل جاتا ہے۔ اور اس متعہ حج کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ طواف بیت اللہ درست ہوتا ہے اگر متعہ حج نہ ہوتا تو حج کرنے والا طواف کعبہ سے ابتدا نہ کر سکتا کیونکہ جیسے ہی وہ طواف کرتا تو اس کا احرام کھل جاتا اور اس کا احرام فاسد ہو جاتا اور یوں وہ حج کی ادائیگی سے قبل احرام کی پابندیوں سے آزاد ہو جاتا۔ علاوہ ازیں حج تمتع کا ایک فائدہ یہ بھی ہے کہ اس کی وجہ سے حجاج کو قربانی اور کفارہ دینا پڑتا ہے جس کی وجہ سے وہ اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کرتے ہیں اور قربانی کی وجہ سے مساکین کو گوشت نصیب ہو جاتا ہے۔

۶۶۸- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''حج، عمرہ کے ساتھ متصل ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَاِذَآ اَمِنْتُمْ ۗ فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ ۚ

(پھر جب اطمینان ہو جائے تو جس نے عمرہ سے حج تمتع کا ارادہ کیا ہے تو وہ ممکنہ قربانی دے دے)

اسی لیے شہر مکہ سے باہر رہنے والوں کو حج تمتع ہی بجالانی چاہیے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے حج تمتع کا حکم اپنی کتاب میں نازل کیا ہے اور رسولؐ خدا نے اسے اپنی سنت کے ذریعہ سے بیان فرمایا ہے۔

۶۶۹- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

فَمَنْ تَمَتَّعَ بِالْعُمْرَةِ اِلَى الْحَجِّ فَمَا اسْتَيْسَرَ مِنَ الْهَدْيِ کی آیت مجیدہ میں جس ممکنہ قربانی کا حکم دیا گیا ہے اس سے بکری کی قربانی مراد ہے۔

۶۷۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

"اگر کوئی شخص مکہ آ کر حج تمتع بجالائے اور حج کے بعد مکہ میں اگلے حج تک قیام کرے تو اس پر ایک بکری کی قربانی واجب ہو جائے گی اور اگر کوئی شخص حج کے مخصوص مہینوں کے علاوہ تمتع کرے اور پھر مکہ سے روانہ ہو جائے اور حج کے وقت واپس آ جائے تو اس پر کوئی قربانی واجب نہ ہوگی کیونکہ اس نے حج افراد ادا کی ہے جب کہ قربانی حجِ تمتع کرنے والوں پر واجب ہے"۔

۶۷۱- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ ۗ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ

(جسے حج کے لیے قربانی میسر نہ ہو تو وہ حج کے دوران تین روزے رکھے اور سات روزے وطن واپسی پر رکھے اور یوں دس روزے کامل ہو جائیں گے)

یہ دس روزے قربانی کی تکمیل کے لیے واجب کیے گئے ہیں۔

۶۷۲- تہذیب الاحکام میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک روایت مروی ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ امام علیہ السلام نے فرمایا کہ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ کی آیت میں جس کمال اور تکمیل کی بات کی گئی ہے اس سے قربانی کا کامل ہونا مراد ہے۔

۶۷۳- ابن ابی نصر کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ ایک شخص حج تمتع بجالایا

اس کے پاس قربانی کی رقم نہ ہو البتہ اس کے پاس ضروری کپڑوں کے علاوہ کچھ فالتو کپڑے موجود ہوں جن کی قیمت ایک سو درہم ہو تو کیا ایسے شخص پر قربانی واجب ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: تو کیا اس کے پاس کرایہ اور خرچہ کی رقم موجود ہے؟

میں نے عرض کیا: جی ہاں، اس کے پاس کرائے اور خرچے کی رقم موجود ہے، اور ضروری اخراجات کے بعد بھی اس کے پاس ایک سو درہم کی قیمت کے فالتو کپڑے بھی موجود ہیں۔ اس کے لیے قربانی کا کیا حکم ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"ایک سو درہم کے کپڑوں کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ ایسے شخص کو قربانی کے عوض دس روزے رکھنے چاہئیں اور ایسے افراد کو اللہ نے خصوصی رعایت دیتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے:

فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِى الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ

(جسے قربانی کرنا میسر نہ ہو تو وہ حج کے دوران تین روزے رکھے اور سات روزے وطن واپسی پر رکھے)

۶۷۴- الکافی میں محمد بن عبداللہ کرخی سے منقول ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ حج تمتع کرنے والا اگر اپنے ساتھ قربانی لے کر نہ جائے تو کیا قربانی کے دن سے قبل وہ روزے رکھے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ قربانی کے دن تک صبر کرے۔ اگر اسے اس دن بھی قربانی میسر نہ ہو تو پھر وہ روزے رکھے۔

۶۷۵- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"جس شخص پر قربانی میسر نہ آنے کی وجہ سے دس روزے واجب ہوں تو وہ تین روزے ایامِ حج میں رکھے اور سات روزے وطن واپسی پر رکھے۔ لیکن جب تین روزے رکھے تو ان میں فاصلہ نہیں ہونا چاہیے۔ جس طرح سے قسم کے تین روزوں میں فاصلہ کرنا جائز نہیں ہے اسی طرح سے ان روزوں میں بھی فاصلہ کرنا جائز نہیں ہے"۔

۶۷۶- رفاعہ بن موسیٰ کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ حج تمتع کرنے والے کو اگر قربانی کی استطاعت نہ ہو تو وہ کیا کرے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ حج کے دنوں میں تین روزے رکھے یعنی سات اور آٹھ اور نو ذی الحجہ کو روزے رکھے۔

میں نے کہا: اگر "روز ترویہ" (۸ ذی الحجہ) بھی گزر جائے اور اس نے روزہ نہ رکھا ہو تو پھر کیا کرے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ ایامِ تشریق کے بعد تین روزے رکھے۔

میں (راوی) نے کہا: اگر اتنے دن تک اس کا ساربان ٹھہرنا قبول نہ کرے تو پھر کیا کرے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ "حصبہ" کے دن اور اس کے بعد دو دن تک روزہ رکھے۔

میں (راوی) نے عرض کیا: "حصبہ" سے کیا مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس سے اس کی روانگی کا دن مراد ہے۔

میں (راوی) نے کہا: کیا وہ حالتِ روزہ میں سفر کرے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔ کیا وہ عرفہ کے روز مسافر نہیں تھا۔ ہم اہل بیتؑ خدا کے فرمان کو مدنظر رکھ کر فتویٰ دیتے ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ (وہ حج کے دنوں میں تین دن کے روزے رکھے) اس سے مراد یہ ہے کہ وہ ماہ ذی الحجہ میں روزے رکھے۔

۶۷۷- صادقین علیہما السلام میں سے ایک بزرگوار کا فرمان ہے:

"جس کو قربانی میسر نہ ہو اور وہ اس کے عوض ماہ ذی الحجہ کے پہلے عشرہ میں تین روزے رکھنا چاہے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے"۔

۶۷۸- معاویہ بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: اگر حج تمتع کرنے والے کسی شخص کو قربانی میسر نہ ہو تو کیا کرے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ اس کے عوض ایامِ حج میں تین روزے رکھے۔ وہ پہلا روزہ سات ذی الحجہ کو رکھے اور دوسرا روزہ ۸ ذی الحجہ کو رکھے اور تیسرا روزہ ۹ ذی الحجہ کو رکھے۔

میں (راوی) نے کہا: اگر اس سے یہ دن گزر جائیں تو پھر کیا کرے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ روانگی کی شب اُٹھ کر سحری کرے اور روانگی کے دن روزہ رکھے اور اس کے بعد دو دن مزید روزے رکھے۔

میں (راوی) نے کہا: اگر اس کا ساربان ایک جگہ قیام کرنا پسند نہ کرے تو کیا راستے میں ہی روزے رکھے؟

آپؑ نے فرمایا: چاہے تو راستے میں روزے رکھے اور اگر چاہے تو گھر جا کر روزے رکھے۔

۶۷۹- امام علی رضا علیہ السلام سے ایک شخص نے پوچھا کہ ایک شخص حج تمتع کی نیت سے روانہ ہوا۔ اس کے پاس قربانی کی رقم نہیں تھی البتہ اس کے پاس اس کے کپڑے موجود تھے۔ اگر وہ کپڑوں کو فروخت کر دے تو وہ قربانی کا جانور خرید کر سکتا ہے اور کیا ایسے شخص کو قربانی کرنی چاہیے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں۔ مومن کپڑوں سے زینت حاصل کرے۔ وہ کپڑے بیچ کر قربانی کا جانور خرید نہ کرے اور قربانی کے عوض دس روزے رکھے۔

۶۸۰- ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر کسی کے پاس قربانی کی رقم موجود ہو لیکن اسے قربانی کا جانور نہ مل سکے تو وہ کیا کرے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ مذکورہ رقم کسی مکہ والے کے حوالے کر دے اور اس سے کہے کہ وہ کسی وقت جانور خرید کر کے اس کی طرف سے قربانی کر دے اور اگر ماہ ذی الحجہ گزر جائے تو آیندہ ماہ ذی الحجہ تک اس کی طرف سے کسی بھی وقت قربانی کی جا سکتی ہے۔

۶۸۱- یحییٰ ازرق کا بیان ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر ایک شخص کے پاس قربانی کی رقم موجود ہو اور اس رقم سے قربانی کا جانور خرید کر سکتا ہو مگر اس نے جانور خرید کرنے میں اتنی دیر کر دی کہ جانوروں کی قیمتیں بڑھ گئیں اور وہ اپنی موجودہ رقم سے جانور خرید نہ کر سکے تو وہ کیا کرے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ ایامِ تشریق کے بعد تین روزے رکھے۔

۶۸۲- ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر حج تمتع کرنے والے شخص کو قربانی میسر نہ آ سکی تو اس نے مکہ میں تین روزے رکھے۔ پھر ایامِ حج کے بعد وہ گھر جانے کے بجائے مکہ ہی میں ٹھہر جائے تو بقیہ سات روزے کب رکھے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

جب وہ محسوس کرے کہ اس کے اہلِ شہر اب اپنے شہر پہنچ چکے ہوں گے تو وہ بقیہ سات روزے مکہ ہی میں رکھے۔

۶۸۳- ابوبصیر کا بیان ہے کہ میں نے صادقین علیہما السلام میں سے کسی ایک بزرگوار سے پوچھا کہ ایک شخص حج تمتع بجالایا اور وہ قربانی کے دن قربانی نہ کرسکا کیونکہ اس کے پاس قربانی کی رقم موجود نہیں تھی۔ پھر جس دن مکہ سے اس کی روانگی ہونے لگی تو اس کے پاس قربانی کی رقم کہیں سے آ گئی تو ایسے شخص کا شرعی حکم کیا ہے؟ کیا وہ بکری خرید کر کے ذبح کرے یا اس کے بدلے روزے رکھے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"قربانی کا وقت گزر چکا ہے اسی لیے وہ روزے رکھے"۔

۶۸۴- حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جس نے ماہ ذی الحجہ میں روزے نہ رکھے ہوں یہاں تک کہ ماہِ محرم شروع ہوگیا تو اس پر ایک بکری کی قربانی واجب ہے۔ وہ روزے نہ رکھے اور منیٰ میں بکری ذبح کرے۔

۶۸۵- حماد بن عثمان کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ حج تمتع کرنے والے شخص نے ایامِ حج میں قربانی کے بدلے تین روزے رکھے۔ پھر جس دن وہ منیٰ میں نکلنے لگا تو اس کے پاس قربانی آ گئی تو کیا وہ قربانی کرے؟

آپؑ نے فرمایا: اس کے روزے اس کے لیے کافی ہیں۔

۶۸۶- اگر کوئی شخص حجِ تمتع میں قربانی نہ کر سکے اور روزے رکھنے سے پہلے مرجائے تو اس کا وارث اس کی طرف سے روزے رکھے۔

۶۸۷- امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا کہ ایک شخص حج تمتع بجالایا۔ اس کے پاس قربانی نہیں تھی۔ اور اس نے قربانی کے عوض ایامِ حج میں تین روزے رکھے۔ پھر جب وہ گھر پہنچا تو وہ مرگیا۔ کیا اس کے وارث پر اس کے سات روزے فرض ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: اس کے وارث پر کوئی قضا نہیں ہے۔

۶۸۸- عقبہ بن خالد کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص حج تمتع کے لیے مکہ پہنچا۔ اس کے پاس قربانی خریدنے کی رقم نہیں تھی۔ چنانچہ اس نے قربانی کے عوض تین روزے رکھے۔ پھر اسے کہیں سے رقم مل گئی تو کیا وہ قربانی خرید کر کے قربانی کرے یا گھر واپس پہنچ کر سات روزے رکھے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ قربانی خرید کر کے قربانی کرے اور اس نے جو روزے رکھے تھے وہ مستحب شمار ہوں گے۔

۶۸۹- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اہل ''سرف'' اہل ''مر'' اور اہلِ ''مکہ'' کے لیے حج تمتع جائز نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ

(حجِ تمتع وہ کریں جن کے اہل مسجد الحرام کے باشندے شمار نہیں ہوتے)

جب کہ سرف اور مرالظہران میں رہنے والے مکہ کے رہائشی شمار ہوتے ہیں۔ (واضح رہے کہ ''سرف'' مکہ سے دس میل اور مرالظہران اس سے کچھ فاصلہ پر واقع ہے)

۶۹۰- ابوبصیر کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: کیا اہلِ مکہ حج تمتع کر سکتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں۔ اہلِ ن' اہلِ ذات عرق اور اہلِ عسفان اور ان جیسے دوسرے مقامات کے افراد کو بھی حجِ تمتع کی اجازت نہیں ہے۔

(واضح رہے کہ بستان بن عامر نامی جگہ مکہ کے قریب ہے اور ''ذات عرق'' بھی مکہ کے قریب ہے اور یہ مقام اہل عراق کا میقات ہے اور ''عسفان'' نامی جگہ مکہ سے تین منازل کے فاصلے پر ہے)

۶۹۱- امام جعفر صادق علیہ السلام نے قرآن کریم کی یہ آیت ذٰلِكَ لِمَنْ لَّمْ يَكُنْ اَهْلُهٗ حَاضِرِي الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ پڑھ کر فرمایا: جس کا گھر مکہ کے مشرق' مغرب اور شمال و جنوب میں اٹھارہ میل کے فاصلے پر ہو تو اسے متعۃ الحج کی اجازت نہیں ہے جیسا کہ مُر اور اس سے ملحقہ علاقے ہیں۔

۶۹۲- داؤد بن حماد کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: کیا اہلِ مکہ حجِ تمتع کر سکتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: انھیں حجِ تمتع کی اجازت نہیں ہے۔

میں نے پوچھا جو شخص باہر سے آ کر مکہ میں رہائش اختیار کرے تو کیا وہ حجِ تمتع کر سکتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جب اسے ایک یا دو سال کا عرصہ گزر چکا ہو تو اسے بھی وہی کچھ کرنا چاہیے جو کہ اہل مکہ کرتے ہیں۔

میں (راوی) نے کہا: اگر اسے مکہ میں رہائش اختیار کیے ہوئے ایک ماہ کا عرصہ گزرا ہو تو کیا وہ حج تمتع کر سکتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں، وہ حج تمتع کرسکتا ہے۔

میں نے کہا: وہ کہاں سے حجِ تمتع کا آغاز کرے؟

آپؑ نے فرمایا: حدودِ حرم سے باہر نکل کر احرام باندھے۔

میں نے پوچھا: وہ کس جگہ جا کر احرام سے آزاد ہوگا؟

آپؑ نے فرمایا: مکہ سے کچھ فاصلے پر جا کر وہ احرام کی پابندیوں سے آزاد ہوگا۔

۶۹۳- محمد بن ابی نصر کا بیان ہے کہ امام محمد تقی علیہ السلام ۲۱۲ ہجری میں حج کے لیے مکہ تشریف لائے۔ میں نے ان سے پوچھا کہ آپ حج افراد کی نیت سے آئے ہیں یا حجِ تمتع کی نیت سے آئے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: میں حجِ تمتع کی نیت سے آیا ہوں۔

میں (راوی) نے پوچھا: مولاؑ! آپ یہ بتائیں کہ حجِ تمتع کرنے والا افضل ہے یا وہ جو حجِ افراد کرے اور اپنے ساتھ قربانی بھی لے آئے؟

آپؑ نے فرمایا: حجِ تمتع کرنے والا افضل ہے اور جو حجِ افراد کرے اور قربانی بھی لے کر آئے تو وہ مفضول ہے۔ حجِ تمتع کرنے والے باقی حج کرنے والوں سے بہتر ہیں۔

۶۹۴- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"حج قران اور حج افراد صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو مسجد الحرام کے نزدیک رہتے ہوں"۔

۶۹۵- الکافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

"حج کے مخصوص مہینے ہیں اور وہ ہیں: شوال، ذی قعدہ اور ذی الحجہ۔ ان مہینوں کے علاوہ دوسرے کسی مہینے میں حج جائز نہیں ہے۔

۶۹۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے قرآن کریم کی یہ آیت تلاوت فرمائی:

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ

(حج کا عمل چند مخصوص مہینوں میں ہوتا ہے جو بھی ان میں اپنے اُوپر حج فرض کرے)

اور اس کے بعد آپؑ نے فرمایا:

''فرض کرنے کا مقصد تلبیہ ''اشعار'' اور ''تقلید'' ہے۔ لہٰذا جو شخص بھی ان میں سے کوئی عمل کرے تو اس نے اپنے اُوپر حج فرض کیا ہے اور حج صرف انہی مہینوں میں ہی فرض ہوتا ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ حج کے مخصوص مہینے ہیں۔

۶۹۷- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''شوال' ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن حج کے مہینے ہیں''۔

۶۹۸- من لایحضرہ الفقیہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''حج کے مخصوص مہینے ہیں اور وہ شوال' ذی قعدہ اور ذی الحجہ ہیں۔ لہٰذا جو حج کا خواہش مند ہو جب وہ ذی الحجہ کا چاند دیکھے تو بال مت کٹوائے اور جو صرف عمرہ کا خواہش مند ہو تو وہ ایک مہینہ تک بال نہ کٹوائے''۔

۶۹۹- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ ہمارے نزدیک شوال' ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے دس دن حج کے مخصوص مہینے ہیں اور یہی مفہوم امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' جب کہ عطاء' ربیع اور طاؤس کا قول ہے کہ اس سے شوال' ذی قعدہ اور ذی الحجہ کے تین ماہ مراد ہیں اور ہماری روایات میں بھی یہ مفہوم مروی ہے۔

۷۰۰- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ اسلام سے منقول ہے کہ شوال' ذی قعدہ اور ذی الحجہ حج کے مہینے ہیں۔

۷۰۱- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جو شخص حج کے مہینوں کے علاوہ کسی دوسرے مہینے میں احرامِ حج باندھے تو اس کا حج نہیں ہے''۔

۷۰۲- امام جعفر صادق علیہ السلام نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی:

فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ

(جو ان مہینوں میں اپنے اُوپر حج فرض کرے تو اسے عورتوں سے مباشرت' گناہ اور جھگڑے کی اجازت نہیں ہے)

اس آیت مجیدہ کی تلاوت کے بعد آپؑ نے فرمایا:

''اللہ نے لوگوں پر کچھ شرائط عائد کی ہیں اور اپنے اوپر بھی ایک شرط رکھی ہے''۔

حلبی (راوی حدیث) نے کہا: مولاؑ! اللہ نے لوگوں پر کون سی شرائط عائد کی ہیں اور اپنے اوپر کون سی شرط عائد کی ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اللہ نے لوگوں پر یہ شرط عائد کی ہے کہ وہ بیویوں سے مباشرت نہ کریں' گناہ سے بچیں اور حج میں جھگڑنے سے پرہیز کریں"۔

اللہ تعالیٰ نے جو شرط اپنے اوپر عائد کی ہے وہ یہ ہے: فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى (اس کے بعد جو دو دنوں کے اندر جلدی کرے گا اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جو تاخیر کرے گا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ اس نے پرہیزگاری اختیار کی ہو) چنانچہ جب وہ حج سے لوٹے گا تو اس پر کوئی گناہ باقی نہیں ہوگا)

راوی کا بیان ہے کہ میں نے امام علیہ السلام سے کہا: آپ یہ فرمائیں اگر کوئی شخص گناہ میں مبتلا ہوگیا ہو تو اس کی کیا سزا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ نے اس کے لیے کوئی حد مقرر نہیں کی ہے۔ وہ استغفار کرے اور تلبیہ کہے۔

راوی نے پھر کہا: اگر کوئی شخص جھگڑے میں مبتلا ہوا ہو تو اس کا کفارہ کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جس نے دو سے زیادہ بار جھگڑا کیا ہو اگر وہ جھگڑے میں حق پر ہو تو اسے کفارہ میں بکری ذبح کرنی چاہیے اور اگر وہ غلطی پر ہو تو کفارہ میں گائے ذبح کرے۔

۷۰۲- معاویہ بن عمار کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"جب تو احرام باندھ لے تو تیرے لیے خدا کا تقویٰ اور اللہ کا کثرت سے ذکر ضروری ہے اور اچھی بات کہنے کے علاوہ کم کلام کرو کیونکہ حج وعمرہ کی تکمیل کے لیے یہ ضروری ہے کہ انسان اچھائی کے علاوہ اپنی زبان کی حفاظت کرے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ "جو ان مہینوں میں اپنے اوپر حج لازم کرے تو وہ بیوی سے مباشرت' گناہ اور جھگڑے سے پرہیز کرے۔

"رفث" سے مباشرت مراد ہے اور "فسوق" سے جھوٹ اور گالی گلوچ مراد ہے۔ اور "جدال" سے "لا واللہ، بلی واللہ" جیسی قسمیں مراد ہیں۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے جو شخص ایک ہی مقام پر مسلسل تین سچی قسمیں کھائے اور وہ حالت احرام میں ہو تو اس نے "جدال" کا ارتکاب کیا۔ کفارہ میں اسے قربانی کرنی چاہیے اور صدقہ دینا چاہیے اور اگر اس نے ایک جھوٹی قسم کھائی تو بھی اس نے "جدال" کا ارتکاب کیا۔ اسے بھی کفارہ میں قربانی کرنی چاہیے اور صدقہ دینا چاہیے۔

میں (راوی) نے کہا: اگر کوئی شخص ''لعمری وبلی لعمری'' (ہاں ہاں مجھے اپنی زندگی کی قسم) کہہ کر قسمیں کھائے تو کیا اس نے بھی ''جدال'' کا ارتکاب کیا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

نہیں۔ ''جدال'' تو ''لا واللہ، بلی واللہ'' کا نام ہے۔

۷۰۴- ابوبصیر نے صادقین (امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام) میں سے ایک بزرگوار سے روایت کی۔ انھوں نے فرمایا:

''جب کوئی شخص حالتِ احرام میں تین مسلسل سچی قسمیں کھائے تو اس نے ''جدال'' کا ارتکاب کیا اور اسے قربانی دینی ہوگی اور اگر کوئی ایک جھوٹی قسم کھائے تو اس نے بھی ''جدال'' کا ارتکاب کیا اور اسے بھی کفارہ میں قربانی کرنی ہوگی''۔

۷۰۵- ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے صادقین علیہما السلام میں سے ایک بزرگوار سے پوچھا کہ ایک شخص احرام میں ہو اور وہ اپنے ساتھیوں کی رضا کارانہ طور پر خدمت کرنا چاہتا ہو اور اس کا ساتھی اس سے کہے کہ تم یہ کام نہ کرو اور وہ جواب میں کہے کہ خدا کی قسم میں ایسا ضرور کروں گا اور کئی مرتبہ وہ اس قسم کو دُہرائے تو کیا اس پر بھی وہی کفارہ عائد ہوگا جو ''جدال'' کے ارتکاب پر واجب ہوتا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''نہیں۔'' اس قسم سے اس کا مقصد اپنے مومن بھائی کا احترام کرنا تھا جب کہ جدال تو ان قسموں سے واقع ہوتا ہے جو معصیت کے دائرہ کار میں آتی ہوں''۔

۷۰۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جھگڑنے کا کفارہ ایک بکری ہے اور گناہ کا کفارہ ایک گائے کی قربانی ہے اور مباشرت سے حج کا عمل ضائع ہوجاتا ہے''۔

۷۰۷- نہج البلاغہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

''اے اللہ کے بندو! میں تمھیں اللہ سے ڈرنے کی نصیحت کرتا ہوں۔ اس لیے کہ یہی تقویٰ زادِ راہ ہے اور اسی کو لے کر پلٹنا ہے۔ یہ زاد (منزل تک) پہنچانے والا ہے اور یہ پلٹنا کامیاب پلٹنا ہے''۔

فضلِ خداوندی کا مفہوم

۷۰۸۔ مجمع البیان میں مرقوم ہے:

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ۚ

(تم پر اپنے پروردگار کا ''فضل'' تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے)

اس آیت مجیدہ میں لفظ ''فضل'' سے کیا مراد ہے۔ اس سلسلہ میں ایک قول یہ ہے کہ اس سے مراد تجارت ہے۔ کیونکہ زمانہ جاہلیت میں عازمِ حج کے لیے تجارت کو گناہ تصور کیا جاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ تجارت کرنے میں تم پر کوئی گناہ عائد نہیں ہوگا۔ ابن عباس اور ہمارے ائمہ سے یہ مفہوم مروی ہے۔

علاوہ ازیں فضل کی ایک تاویل یہ بھی کی گئی ہے کہ اس سے مراد مغفرت ہے یعنی مفہوم آیت یہ ہے کہ اگر تم اپنے رب سے مغفرت طلب کرو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اس مفہوم کو جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا ہے۔

افاضہ کا حکم

ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ

(پھر تم وہاں سے کوچ کرو جہاں سے دوسرے لوگ کوچ کرتے ہیں)

۷۰۹۔ تفسیر عیاشی میں زید الشحام سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ کی آیت مجیدہ کا مفہوم پوچھا تو آپؑ نے فرمایا:

''یہ حکم خصوصی طور پر قریش کو دیا گیا کیونکہ وہ باقی لوگوں کے ساتھ کوچ کرنے کو اپنی توہین سمجھتے تھے اس لیے اللہ نے ان کو حکم دیا کہ وہ بھی باقی لوگوں کی طرح عرفہ سے کوچ کریں''۔

۷۱۰۔ رفاعہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ کی آیت مجیدہ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

اہلِ حرم مشعر الحرام میں وقوف کیا کرتے تھے جب کہ دوسرے لوگ عرفہ میں وقوف کرتے تھے اور وہ اس وقت تک کوچ نہیں کرتے تھے جب تک اہلِ عرفہ کوچ کر کے انھیں آتے ہوئے دکھائی نہ دیتے۔ چنانچہ ایک شخص جس کا نام

''ابوسیار'' تھا اور اس کے پاس ایک گدھا تھا جو بڑا تیز رفتار تھا اور جب باقی لوگ عرفہ سے کوچ کرتے تو وہ گدھا دوڑ کران سے پہلے قریش کے سامنے نمودار ہوتا تھا اور وہ اسے دیکھ کر کہتے تھے کہ اب ''ابوسیار'' آ گیا ہے۔ پھر وہ وہاں سے کوچ کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اہلِ حرم کو نصیحت کی کہ وہ اپنا خصوصی امتیاز ختم کر دیں اور وہ بھی باقی لوگوں کے ساتھ عرفہ میں وقوف کریں اور لوگوں کے ساتھ کوچ کریں۔

۷۱۱- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ کی آیت مجیدہ میں ''الناس'' سے ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ مراد ہیں۔

۷۱۲- جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا کہ ''ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ '' سے اہلِ یمن مراد ہیں۔ یعنی جہاں سے اہلِ یمن کوچ کریں تم بھی ان کے ساتھ کوچ کرو۔

۷۱۳- روضہ کافی میں امام زین العابدین علیہ السلام سے مروی ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''ایک شخص نے حضرت علی علیہ السلام سے عرض کیا کہ اگر آپ عالم ہیں تو یہ بتائیں کہ ''ناس'' کون ہیں، ''اشباہ الناس'' کون ہیں اور ''نسناس'' کون ہیں؟

امیر المومنین علیہ السلام نے امام حسین علیہ السلام سے فرمایا:

جانِ پدر! اس شخص کے سوال کا جواب دو۔

امام حسینؑ نے فرمایا: ''ناس'' ہم ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم میں ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ پھر تم بھی وہاں سے کوچ کرو جہاں سے ''ناس'' کوچ کریں۔ حضرت رسول اکرمؐ نے لوگوں کو ''افاضہ'' کرایا۔

واضح رہے کہ یہ حدیث کافی طویل ہے۔ ہم نے بقدرِ ضرورت اسے یہاں نقل کیا ہے۔

۷۱۴- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ ''اَفَاضَ النَّاسُ '' کے متعلق مفسرین نے دو قول پیش کیے ہیں:

۱- اس سے افاضہ عرفات (عرفات سے کوچ کرنا) مراد ہے اور ''الناس'' سے دوسرے عرب مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت کے ذریعے سے قریش کے غرور و امتیاز کا خاتمہ کیا ہے اور یہ غرور و امتیاز صرف قریش تک ہی محدود نہیں رہا تھا۔ ان کے حلیف پانچ قبائل بھی اس امتیاز میں ان کے ساتھ شریک تھے۔ چنانچہ قریش اور اس کے حلیف قبائل کے افراد

بنی لوگوں کے ساتھ نہ تو عرفہ میں وقوف کرتے تھے اور نہ ہی لوگوں کے ساتھ وہاں سے کوچ کرتے تھے۔ اور وہ کہا کرتے تھے: ہم حرم پروردگار کے رہائشی ہیں۔ ہمیں حرم سے باہر جانے کی ضرورت ہی نہیں ہے۔ وہ صرف مزدلفہ میں وقوف کیا کرتے تھے اور وہاں سے ہی کوچ کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے غرور کو پاش پاش کیا اور انہیں حکم دیا کہ وہ کوئی جداگانہ مخلوق تھوڑی ہیں لہٰذا وہ بھی باقی لوگوں کے ساتھ وقوف عرفات میں شامل ہوں اور دوسرے عربوں کے دوش بدوش وہاں سے کوچ کریں۔ چنانچہ امام محمد باقر علیہ السلام سے یہی قول منقول ہے۔

۲- ایک قول یہ ہے کہ اس آیت مجیدہ میں جس افاضہ (کوچ) کا حکم دیا گیا ہے اس سے عید قربان کے دن مزدلفہ سے منیٰ کا کوچ مراد ہے جس کے بعد شیطان کو پتھر مارے جاتے ہیں اور قربانی کی جاتی ہے۔

پہلے مفہوم پر ایک اعتراض وارد ہوتا ہے کہ لفظ ''ثُمَّ'' ترتیب کے لیے آتا ہے اور اگر یہ مفہوم مراد لیا جائے تو پھر ترتیب صحیح نہیں رہتی۔

ہمارے علماء نے اس سوال کا یہ جواب دیا ہے کہ یہاں کلام میں ''تقدیم وتاخیر'' ہے اور ''تقدیر کلام'' کچھ اس طرح سے ہے۔

لَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَبْتَغُوْا فَضْلًا مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ فَاِذَاۤ اَفَضْتُمْ مِّنْ عَرَفٰتٍ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ عِنْدَ الْمَشْعَرِ الْحَرَامِ ۪ وَاذْكُرُوْهُ كَمَا هَدٰىكُمْ ۚ وَاِنْ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلِهٖ لَمِنَ الضَّآلِّيْنَ ﴿۱۹۸﴾ ثُمَّ اَفِيْضُوْا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

(یعنی تم پر خدا کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر تم وہاں سے کوچ کرو جہاں سے دوسرے لوگ کوچ کرتے ہیں اور جب تم عرفات سے کوچ کرو تو مشعر الحرام (مزدلفہ) کے پاس اللہ کا ذکر کرو اور خدا سے مغفرت طلب کرو۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہے)

عرفات کی وجہ تسمیہ

۷۱۵- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ ''عرفات'' کی وجہ تسمیہ میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ ابراہیم

علیہ السلام نے اللہ سے اس وادی کے اوصاف سنے تھے۔ پھر جب وہاں پہنچے تو انھوں نے اوصاف سے ہی اس وادی کو پہچان لیا تھا۔ چنانچہ اس پہچان و معرفت کی وجہ سے وادی کا نام ''عرفات'' رکھا گیا۔ حضرت علی علیہ السلام سے یہ قول منقول ہے:

ایک قول یہ ہے کہ آدم و حوا کی یہاں ملاقات ہوئی تھی اور انھوں نے ایک دوسرے کو پہچان لیا تھا۔ اسی لیے اسی وادی کو ''عرفات'' کہا گیا۔ اس روایت کو ہمارے اصحاب نے بھی نقل کیا ہے۔

۷۱۶۔ کتاب علل الشرائع میں معاویہ بن عمار سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ''عرفات'' کو ''عرفات'' کیوں کہا جاتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: حضرت ابراہیم علیہ السلام عرفہ کے دن یہاں آئے تھے۔ جب سورج ڈھلا تو حضرت جبریلؑ ان کے پاس آئے اور ان سے کہا:

یا ابراهیم اعترف بذنبك واعرف مناسكك

''ابراہیم یہاں خدا کے حضور اپنی خطاؤں کا اعتراف کرو اور اپنے مناسک کو پہچان لو''۔

حضرت ابراہیم نے کہا تھا: جی ہاں۔ میں مناسک بھی جان گیا اور اپنی خطاؤں کا اعتراف بھی کرتا ہوں۔ چنانچہ حضرت جبریلؑ و ابراہیمؑ کے الفاظ کی وجہ سے اس جگہ کا نام ''عرفات'' رکھا گیا۔

رسولؐ خدا نے افاضہ کیسے کیا؟

۷۱۸۔ الکافی میں معاویہ بن عمار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے۔ جس کا ایک حصہ یہ ہے:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور آپ کے اصحاب نے مکہ پہنچ کر ''بطحاء'' (پتھریلی زمین) پر قیام کیا اور انھوں نے گھروں میں قیام نہیں کیا تھا۔ جب ترویہ کے دن سورج ڈھلا تو آپؐ نے لوگوں کو حکم دیا کہ غسل کر کے حج کی نیت کریں۔ آپؐ نے یہ حکم صادر فرما کر اپنے دادا ابراہیمؑ کی ملت پر عمل کیا تھا۔

چنانچہ آنحضرتؐ اور ان کے اصحاب حج کی نیت کر کے منیٰ آئے۔ آپؐ نے وہاں ظہر، عصر، مغرب، عشاء اور فجر کی نمازیں پڑھیں۔ پھر آپؐ لوگوں کو ساتھ لے کر وہاں سے روانہ ہوئے جب کہ قریش کی عادت تھی کہ وہ مزدلفہ سے ہی کوچ

کیا کرتے تھے اور مزدلفہ کو "جمع" بھی کہا جاتا ہے۔ قریش وہاں سے دوسروں کو کوچ کرنے سے روکا کرتے تھے۔

چنانچہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منیٰ سے روانہ ہوئے تو قریش کو یہ اُمید تھی کہ آنحضرت بھی وہاں سے کوچ کریں گے جہاں سے وہ کوچ کرنے کے عادی تھے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ پر یہ آیت نازل فرمائی:

ثُمَّ اَفِیۡضُوۡا مِنۡ حَیۡثُ اَفَاضَ النَّاسُ یعنی تم وہاں سے کوچ کرو جہاں سے ابراہیمؑ و اسماعیلؑ نے کوچ کیا تھا اور ان کے بعد دوسرے انبیاء نے بھی کوچ کیا تھا۔ جب قریش نے دیکھا کہ آنحضرت کا قبہ تو مزدلفہ سے آگے چلا گیا ہے تو انھیں اس وقت اپنے افاضہ کے متعلق تنگدلی کا احساس ہوا۔ جب آپ "نمرہ" پر پیلو کے درختوں کے سامنے پہنچے تو وہاں پر آپ کا خیمہ نصب کیا گیا۔ آپ کو دیکھ کر دوسرے لوگوں نے بھی وہاں پر اپنے خیمے لگا دیئے۔ زوالِ آفتاب کے بعد آپ نہا دھو کر قریش کو ساتھ لے کر باہر آئے۔ آپؐ نے تلبیہ (لبیك اللهم لبیك . .) منقطع کیا اور مسجد میں تشریف لائے اور وہاں آپؐ نے لوگوں کو وعظ و نصیحت کی۔ پھر آپؐ نے ایک اذان اور دو اقامتوں سے ظہر و عصر کی نماز وہیں ادا کی۔ اس کے بعد آپ "موقف" (عرفات کا وہ میدان جہاں قیام کیا جاتا ہے) پر تشریف لائے اور وہاں وقوف کیا۔ لوگ آپ کی ناقہ کے قدموں کے نشانات کے پاس پاس بیٹھنے کی کوشش میں ایک دوسرے سے سبقت کرنے لگے۔ آپؐ نے انھیں مخاطب کر کے کہا:

"لوگو! میری ناقہ کے نشان قدم ہی موقف نہیں یہ سارے کا سارا موقف ہے"۔ یہ کہہ کر آپؐ نے اپنے ہاتھ سے کل میدان کی طرف اشارہ کیا۔

اس کے بعد لوگ اِدھر اُدھر پھیل گئے۔ پھر آپؐ نے مزدلفہ میں بھی یہی کچھ کیا۔ لوگ غروبِ آفتاب تک وہاں بیٹھے رہے۔ غروبِ آفتاب کے بعد آپؐ نے وہاں سے کوچ کیا اور آپؐ نے لوگوں کو آرام و سکون سے چلنے کا حکم دیا۔ پھر آپؐ وہاں سے چل کر مزدلفہ آئے اور مزدلفہ کا دوسرا نام "مشعر الحرام" ہے۔

۲۱۹- معاویہ بن عمار کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ مشرکین غروبِ آفتاب سے پہلے عرفات سے مزدلفہ کی طرف کوچ کیا کرتے تھے۔ رسولؐ خدا نے ان کی مخالفت کی اور آپؐ نے غروبِ آفتاب کے بعد وہاں سے کوچ کیا۔

اس کے بعد امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

''آفتاب غروب ہونے کے بعد لوگوں کے ساتھ وہاں سے کوچ کرو اور پورے سکون و وقار کے ساتھ چلو اور دورانِ راہ خدا سے مغفرت طلب کرتے رہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

ثُمَّ اَفِيضُوا مِنْ حَيْثُ اَفَاضَ النَّاسُ وَاسْتَغْفِرُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۱۹۹﴾

''پھر تم بھی وہاں سے کوچ کرو جہاں سے دوسرے لوگ کوچ کریں اور خدا سے مغفرت طلب کرو۔ بے شک خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے''۔

۷۲۰- امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْلُوْمٰتٍ (اور چند معین دنوں میں خدا کو یاد کرو) کے متعلق سوال کیا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

''ایام معلومات'' سے ایامِ تشریق یعنی ۱۱' ۱۲' ۱۳ ذی الحجہ کے دن مراد ہیں اور زمانۂ جاہلیت کا رواج تھا کہ جب لوگ قربانی کر لیتے تھے تو وہ اپنے آباؤاجداد کے کارناموں پر فخر کرتے تھے اور کہتے تھے کہ میرا والد ایسا ایسا تھا اور میرے باپ نے فلاں فلاں کارنامے سرانجام دیئے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں رہنمائی کرتے ہوئے فرمایا:

فَاِذَا قَضَيْتُمْ مَّنَاسِكَكُمْ فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ اَوْ اَشَدَّ ذِكْرًا ؕ

''جب تم اپنے مناسک ادا کر لو تو خدا کو اس طرح سے یاد کرو جس طرح سے تم اپنے باپ دادا کو یاد کرتے ہو بلکہ اس سے بھی کہیں زیادہ یاد کرو''۔

چنانچہ ایامِ تشریق کی تکبیرات یہ ہیں:

اَللّٰهُ اَكْبَرُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ وَلِلّٰهِ الْحَمْدُ اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى مَا هَدَانَا اَللّٰهُ اَكْبَرُ عَلٰى مَا رَزَقَنَا مِنْ بَهِيْمَةِ الْاَنْعَامِ ۔

۷۲۱- تفسیر مجمع البیان میں كَذِكْرِكُمْ اٰبَآءَكُمْ کے ضمن میں امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک حدیث نقل کی گئی ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

''اہل عرب کا دستور تھا کہ جب وہ مناسکِ حج سے فارغ ہوتے تھے تو اپنے آباء و اجداد کے فضائل اور ان کے کارنامے اور ان کے احسانات کا ذکر کیا کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی اصلاح کی اور انھیں حکم دیا کہ وہ اپنے آباؤاجداد کے ذکر کی بجائے اللہ کا ذکر کریں اور خدا کے عظیم احسانات کا تذکرہ کریں' کیونکہ اللہ کی نعمات آباء و اجداد کے احسانات

ے بہر نوع زیادہ ہیں۔

۷۲۲۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں مذکور ہے کہ اہلِ عرب جب مزدلفہ میں وقوف کرتے تو اپنے آباؤ اجداد پر فخر کرتے تھے اور وہ بات بات پر ایک دوسرے سے کہتے: لاوابیك ، لاوابی (نہیں تیرے والد کی قسم، نہیں میرے والد کی قسم) اللہ نے انہیں حکم دیا کہ وہ اس طرح کی "طرفہ" قسم کی بجائے "لاوالله، بلی والله" کہیں تو ان کے لیے زیادہ بہتر ہے۔

۷۲۳۔ تفسیر عیاشی میں بھی یہ روایت انہی الفاظ کے ساتھ مرقوم ہے۔

اہلِ ایمان کی دُعا

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝

(اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی نیکی عطا فرما اور آخرت میں بھی نیکی عطا فرما اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے)

۷۲۴۔ کتاب معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ دنیا کی نیکی کیا ہے اور آخرت کی نیکی کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: دنیاوی بھلائی رزق و معاش کی وسعت اور حسنِ خلق ہے اور آخرت کی بھلائی خدا کی رضامندی اور جنت ہے۔

۷۲۵۔ الکافی میں معاویہ بن عمار سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"بیت اللہ کے گرد سات چکر لگاؤ اور طواف میں یہ یہ دعائیں پڑھو اور جب رکنِ یمانی اور حجر اسود کے درمیان پہنچو تو یہ دعا پڑھو:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝

۷۲۶۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"جب طواف میں رکن اور حجر اسود کے درمیان پہنچو تو یہ دعا مانگو:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝

اور جب کوئی مومن یہ دعا مانگتا ہے تو وہاں ایک فرشتہ مقرر ہے جو آمین کہتا ہے۔

۷۲۷- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''دنیا کی بھلائی حسنِ معیشت اور وسعت رزق ہے اور آخرت کی بھلائی جنت اور رضائے پروردگار ہے''۔

۷۲۸- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک مرتبہ میرے والد ماجد ''موقف'' سے واپس آئے تو ایک شخص نے ان سے کہا:

''کیا اللہ اپنی اس تمام مخلوق کو ناکام و نامراد لوٹائے گا؟''

میرے والد نے فرمایا: موقف میں جو بھی قیام کرے گا تو خواہ وہ مومن ہو یا کافر ہو اللہ اس کی مغفرت کرے گا اور مغفرت کے تین درجات ہیں۔ مومن کے اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں اور خدا اس کو دوزخ سے آزادی عطا کرتا ہے اور اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے ان آیات میں بیان کیا ہے۔

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝ اُولٰٓئِكَ لَهُمْ نَصِيْبٌ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۝

(اے ہمارے پروردگار! ہمیں دنیا میں بھی بھلائی عطا کر اور آخرت میں بھی بھلائی عطا کر اور ہمیں دوزخ کے عذاب سے بچالے۔ انھوں نے جو بھی عمل کیا ہے اس میں ان کا حصہ ہے اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے)

خدا نے چاہا تو آئندہ صفحات میں پوری حدیث نقل کریں گے۔ (من المترجم)

۷۲۹- کتاب احتجاج طبرسی میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''ایک مرتبہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے کہ اچانک آپؐ نے لوگوں سے اپنے ایک صحابی کی خیر خیریت دریافت کی۔ لوگوں نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ! وہ تو مصیبت میں مبتلا ہو چکا ہے اور اس کی حالت اس پرندے جیسی ہوگئی ہے جس کے پر و بال جھڑ گئے ہوں۔

آنحضرتؐ اس کی عیادت کے لیے اس کے گھر تشریف لے گئے تو آپؐ نے دیکھا کہ واقعی وہ بے بال و پر پرندہ کی طرح سے دکھائی دیتا تھا۔

آنحضرتؐ نے اس سے فرمایا تو اپنی صحت کے ایام میں کیا دعا کیا کرتا تھا؟

اس نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! میں خدا سے یہ التجا کرتا تھا کہ خدایا تو نے مجھے آخرت میں جو بھی عذاب دینا ہو وہ عذاب مجھے دنیا میں دے دے۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

"اس کے بجائے تو نے یہ دعا کیوں نہ مانگی:

رَبَّنَآ اٰتِنَا فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً وَّفِي الْاٰخِرَةِ حَسَنَةً وَّقِنَا عَذَابَ النَّارِ۝

(پروردگار! ہمیں دنیا و آخرت دونوں کی بھلائی عطا فرما اور ہمیں عذابِ دوزخ سے بچالے)

چنانچہ صحابی نے جیسے ہی یہ دعا پڑھی تو وہ یوں اُٹھ کھڑا ہوا جیسے زنجیر کھلنے کے بعد کوئی قیدی کھڑا ہو جاتا ہے اور وہ فی الفور تندرست ہو گیا اور ہمارے ساتھ باہر چلا آیا۔

۷۳۰- مجمع البیان میں وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ (اور اللہ جلد حساب لینے والا ہے) کی تفسیر میں لکھا ہے:

"اللہ تعالیٰ آنکھ جھپکنے کی دیر میں تمام مخلوقات کا حساب لے لے گا"۔

ایک اور روایت میں ہے کہ "اللہ تعالیٰ اتنی ہی دیر میں تمام مخلوق کا حساب لے لے گا جتنی دیر میں ایک بکری دوہی جاتی ہے"۔

امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:

"اللہ جس طرح سے بیک وقت مخلوق کو رزق دیتا ہے اسی طرح سے بیک وقت ان سے حساب لے گا"۔

وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ مَّعْدُوْدٰتٍ ۭ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۭ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ اِلَيْهِ تُحْشَرُوْنَ۝۲۰۳ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰي مَا فِيْ

قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۝٢٠٤ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِى الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۝٢٠٥ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ؕ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۝٢٠٦ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ ۝٢٠٧

''اور چند معین دنوں میں خدا کا ذکر کرو۔ جو کوئی دو دنوں میں جلدی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جو تاخیر کرے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ پرہیزگار رہا ہو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ تم اس کی طرف محشور کیے جاؤ گے۔ اور انسانوں میں کچھ ایسے افراد بھی ہیں جن کی باتیں دنیاوی زندگی کے متعلق آپ کو بھلی لگتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر خدا کو گواہ بناتے ہیں حالانکہ وہ تمام دشمنوں سے زیادہ جھگڑالو ہیں۔ اور جب وہ زمین پر حکومت پائیں گے تو وہ دوڑ دھوپ کریں گے تا کہ وہ زمین میں فساد پھیلائیں اور زراعت اور نسلوں کو برباد کریں جب کہ خدا کو فساد پسند نہیں ہے۔ اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کا خوف کرو تو ان کا غرور گناہ کے آڑے آجاتا ہے۔ ان کے لیے دوزخ کافی ہے اور وہ بدترین ٹھکانا ہے۔ اور لوگوں میں سے وہ بھی ہیں جو خدا کی خوشنودی حاصل کرنے کی غرض سے اپنی جان کو فروخت کر دیتے ہیں اور اللہ ان بندوں پر بڑا ہی شفقت کرنے والا ہے''۔

۷۳۲۔ الکافی میں محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَاذْكُرُوا اللّٰهَ فِيْٓ اَيَّامٍ

مَّعۡدُوۡدٰتٍ۔ "(اور چند معین دنوں میں اللہ کا ذکر کرو) کے متعلق سوال کیا۔

آپؑ نے فرمایا: اس سے ایامِ تشریق ۱۱، ۱۲، ۱۳ ذی الحجہ کی تکبیرات مراد ہیں اور ان کا آغاز قربانی کے دن نمازِ ظہر سے کیا جائے گا اور تیسرے دن کی نمازِ فجر تک تکبیرات کہی جائیں گی اور منیٰ کے علاوہ دوسرے شہروں میں دس نمازوں تک یہ تکبیرات کہی جائیں گی اور جب منیٰ سے پہلا گروہ کوچ کرے تو باقی شہروں والے تکبیرات روک دیں اور جو منیٰ میں قیام کرے اور وہاں ظہر وعصر پڑھے تو یہ تکبیرات بھی کہے۔

۷۳۳- کتاب معانی الاخبار میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

لفظ "معلومات" اور "معدودات" ایک ہی چیز ہے اور اس سے ایامِ تشریق مراد ہیں"۔

۷۳۴- تہذیب الاحکام میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"جب کسی احرام باندھنے والے نے شکار سے پرہیز نہ کیا ہو تو وہ پہلے گروہ کے ساتھ منیٰ سے کوچ نہ کرے اور جس شخص نے پہلے گروہ کے ساتھ کوچ کیا ہو تو وہ اس وقت تک شکار نہیں کر سکتا جب تک باقی لوگ منیٰ سے کوچ نہ کریں' اور اسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ان الفاظ سے بیان کیا ہے۔

فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰی ؕ

"پس جو کوئی دونوں میں جلدی کرے تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور جو تاخیر کرے اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ اس نے پرہیز کیا ہو"۔ (یعنی عورت اور شکار سے پرہیز کیا ہو)

۷۳۵- صادقین (امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام) میں سے ایک بزرگوار کا فرمان ہے:

"جس نے اپنا سامان روانگی کے پہلے دن روانہ کر دیا ہو تو وہ شخص فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ کے ضمن میں شامل ہے۔

۷۳۶- من لا یحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِیۡ یَوۡمَیۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَیۡهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰی کے متعلق فرمایا کہ پہلے دن کوچ کرنے والا شخص اس وقت تک شکار سے پرہیز کرے جب تک منیٰ سے آخری گروہ کوچ نہ کر لے۔

۷۳۷- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"جب کوئی مسلمان پوری طرح سے حج کر لیتا ہے تو وہ اپنے گناہوں سے یوں آزاد ہو جاتا ہے جیسے وہ پیدائش کے

دن گناہوں سے آزاد تھا۔ اور جو شخص خدا سے کیا ہوا عہد پورا کرتا ہے تو اللہ بھی اس سے کیا ہوا اپنا عہد پورا کرتا ہے''۔

۷۳۸- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''گناہوں سے پاک ہونے کا وعدہ اس سے کیا گیا ہے جس نے دورانِ حج مباشرت، گناہ اور جھگڑے اور ان تمام اشیاء سے پرہیز کیا ہو جسے اللہ نے احرام میں حرام کیا ہے''۔

۷۳۹- الکافی میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جب میرے والد ماجد موقف سے اٹھ کر تشریف لائے تو ایک شخص نے ان سے کہا:

کیا خدا اس مخلوق کو ناکام و نامراد لوٹائے گا؟

میرے والد نے فرمایا: اس موقف پر جو بھی قیام کرے گا تو اللہ اس کی مغفرت فرمائے گا۔ قیام کرنے والا مومن ہو یا کافر ہو۔ البتہ مغفرت کے تین حصے ہیں:

کچھ لوگ ایسے ہیں جن کے خدا اگلے پچھلے گناہ معاف کر دیتا ہے اور ان سے کہا جاتا ہے کہ اب بقیہ عمر میں اچھے اعمال بجا لاؤ اور اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ جو سفر حج سے واپسی سے پہلے دنیا سے رخصت ہو جائے تو اس کے نامہ اعمال میں کوئی گناہ باقی نہیں ہوتا اور جو شخص بعد میں بھی زندہ رہے اور گناہانِ کبیرہ سے پرہیز کرتا رہے تو اس کے ذمہ بھی کوئی گناہ نہیں ہوگا۔

۷۴۰- ابوایوب کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا:

ہم یہاں سے جلد جانا چاہتے ہیں اور جب میں نے آپؑ سے سوال کیا تو وہ کوچ کی شب تھی۔ پھر میں نے کہا کہ ہم کس وقت یہاں سے روانگی اختیار کریں؟

آپؑ نے فرمایا: بہرحال دوسرے دن زوالِ آفتاب سے قبل کوچ نہ کرو اور وہ رات کوچ کی شب تھی اور جب تیسرا دن آ جائے اور سورج سفید ہو جائے تو خدا کی برکت کا سہارا لے کر کوچ کرو، کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ اگر اللہ تعالیٰ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ کہہ کر خاموش ہو جاتا تو ہر شخص کوچ میں جلدی کرتا، لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے بعد کہہ دیا: وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ۔

۷۴۱- اسماعیل بن نجیح الرماح کا بیان ہے کہ ہم ایک رات امام جعفر صادق علیہ السلام کے ساتھ منیٰ میں بیٹھے ہوئے تھے آپؑ نے فرمایا:

"جانتے ہو کہ یہ لوگ فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ (پس جو کوئی دو دن کے اندر جلدی کرے گا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جو تاخیر کرے گا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے) کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

ہم نے کہا: ہمیں معلوم نہیں ہے کہ وہ لوگ اس آیت کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:

"مجھے معلوم ہے وہ کہتے ہیں کہ جو دیہات کو رہنے والا ان دو دنوں میں جلدی سے روانہ ہو جائے تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جو شہر کا رہنے والا دیر سے روانہ ہو تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے حالانکہ یہ بات صحیح نہیں ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے تو جلدی اور تاخیر کرنے والے دونوں طرح کے افراد سے وعدہ کیا ہے کہ ان پر کوئی گناہ نہیں ہے لیکن اس نے گناہ نہ ہونے کے ساتھ یہ شرط عائد کی ہے: لِمَنِ اتَّقٰى یعنی گناہ اس پر نہیں جس نے پرہیزگاری کی ہو۔ اس آیت کی خوشخبری تمہارے لیے ہے کیونکہ باقی لوگ تو بھیڑ بھاڑ کرنے والے ہیں جب کہ اصل حج کرنے والے تو تم ہی ہو"۔

۷۴۲- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے والد ماجد علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:

"جو بھی شخص اس گھر کے حج وعمرہ کا قصد کرے بشرطیکہ وہ تکبر سے آزاد ہو تو جب وہ حج وعمرہ سے لوٹے گا تو وہ گناہوں سے ایسے ہی پاک ہوگا جیسے ماں کے شکم سے نکلتے وقت پاک تھا۔ پھر انھوں نے یہ آیت پڑھی:

فَمَنْ تَعَجَّلَ فِيْ يَوْمَيْنِ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۚ وَمَنْ تَاَخَّرَ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى ۗ

میں (امام جعفر صادقؑ) نے والد ماجد سے پوچھا کہ "تکبر" سے آپ کی کیا مراد ہے؟

میرے والد ماجد علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

"سب سے بدترین تکبر مخلوقِ خدا کو حقیر سمجھنا اور حق سے ناواقفیت ہے"۔

میں نے عرض کیا کہ حق سے ناواقفیت کا کیا مفہوم ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

"اس سے مراد یہ ہے کہ بندہ حق سے جاہل رہے اور اہلِ حق پر اعتراض کرے۔ جس کسی نے ایسا کیا تو گویا اس

نے خدا سے اس کی کبریائی میں جھگڑا کیا"۔

۷۴۳- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِيۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى کی آیت پڑھ کر فرمایا:

"جب حج کرنے والا حج سے فارغ ہوتا ہے تو اس پر کوئی گناہ باقی نہیں رہتا"۔

۷۴۴- کتاب معانی الاخبار میں بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت انہی الفاظ سے منقول ہے۔

۷۴۵- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"جب کوئی بندۂ مومن حج کے قصد سے گھر سے نکلتا ہے تو اس کے اور اس کی سواری کے ہر قدم پر اللہ تعالیٰ ایک نیکی اس کے نامہ اعمال میں لکھتا ہے اور اس کے نامہ اعمال سے ایک برائی مٹاتا ہے اور ہر قدم پر اس کا ایک درجہ بڑھاتا ہے اور جب وہ عرفات میں قیام کرتا ہے تو اس کے تمام گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔ اگرچہ اس کے گناہ ریگ کے ذرات کے برابر بھی کیوں نہ ہوں اور وہ گناہوں سے یوں پاک ہو جاتا ہے جیسا کہ وہ پیدائش کے دن پاک ہوتا ہے۔ پھر اس سے کہا جاتا ہے کہ اب نئے سرے سے عمل کرو۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِيۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۚ وَمَنۡ تَاَخَّرَ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ ۙ لِمَنِ اتَّقٰى (اس کے بعد کوئی دو دن میں جلدی کرے گا تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے اور جو تاخیر کرے گا اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے بشرطیکہ وہ پرہیزگار رہا ہو)

۷۴۶- امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے شیعوں سے فرمایا کہ فَمَنۡ تَعَجَّلَ فِيۡ يَوۡمَيۡنِ فَلَاۤ اِثۡمَ عَلَيۡهِ کے مصداق صرف تم لوگ ہو' کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا۔

لا یثبت علی ولایة علی الا المتقون "متقین کے علاوہ علیؑ کی ولایت پر کوئی ثابت قدم نہیں رہے گا"۔

۷۴۷- حماد نے امام محمد باقر علیہ السلام سے لِمَنِ اتَّقٰى کے ضمن میں روایت کی۔

آپؑ نے فرمایا:

"جس نے شکار سے پرہیز نہ کیا ہو تو وہ دو دن کے اندر منیٰ سے کوچ نہ کرے"۔

جھگڑالو دشمن

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وَيُشْهِدُ اللّٰهَ عَلٰى مَا فِيْ قَلْبِهٖ ۙ وَهُوَ اَلَدُّ الْخِصَامِ ۞ وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ لِيُفْسِدَ فِيْهَا وَيُهْلِكَ الْحَرْثَ وَالنَّسْلَ ۭ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الْفَسَادَ ۞ وَاِذَا قِيْلَ لَهُ اتَّقِ اللّٰهَ اَخَذَتْهُ الْعِزَّةُ بِالْاِثْمِ فَحَسْبُهٗ جَهَنَّمُ ۭ وَلَبِئْسَ الْمِهَادُ ۞

(اورلوگوں میں سے کچھ ایسے بھی ہیں جن کی دنیاوی زندگی کے متعلق باتیں آپ کو بھلی لگتی ہیں اور وہ اپنے دل کی باتوں پر خدا کو گواہ بناتے ہیں حالانکہ وہ تمام دشمنوں سے زیادہ جھگڑالو ہیں۔ اور جب وہ زمین پر حکومت پائیں گے تو وہ دوڑ دھوپ کریں گے کہ وہ زمین میں فساد کریں اور زراعت اور نسلوں کو برباد کریں جب کہ خدا کو فساد پسند نہیں ہے اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ خدا کا خوف کرو تو ان کا غرور گناہ کے آڑے آجاتا ہے۔ ان کے لیے دوزخ کافی ہے اور وہ بدترین ٹھکانہ ہے)

۷۴۸- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ حسین بن بشار کا بیان ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يُّعْجِبُكَ قَوْلُهٗ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا:

"اس سے فلاں فلاں مراد ہیں اور آپؑ نے فرمایا کہ نسل سے ذریت (رسولؐ) اور "حرث" سے زراعت مراد ہے"۔

۷۴۹- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ کچھ مخالفین حق کے متعلق اللہ نے بَلْ هُمْ يَخْتَصِمُوْنَ (بلکہ وہ جھگڑتے ہیں) فرمایا ہے اور حق کے بدترین مخالف کے متعلق اللہ نے اَلَدُّ الْخِصَامِ (سخت جھگڑالو) کے الفاظ استعمال کیے ہیں۔

۷۵۰/۷۵۱- امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے زرارہ نے وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ ..... کی آیت کے متعلق پوچھا تو انہوں نے فرمایا:

"نسل" سے اولاد مراد ہے اور "حرث" سے زمین مراد ہے۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اس آیت میں لفظ "حرث" سے ذریت مراد ہے"۔

۷۵۲- روضہ کافی میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے وَاِذَا تَوَلّٰى سَعٰى فِي الْاَرْضِ ...... کی آیت مجیدہ کے متعلق فرمایا کہ اس کا مفہوم یہ ہے کہ جب وہ حکومت پہ آئے گا تو وہ ایک خاص نسل کو ختم کرنے کی کوشش کرے گا اور وہ ان پر ظلم ڈھائے گا جب کہ اللہ کو فساد پسند نہیں ہے۔

۷۵۳- مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس آیت مجیدہ میں ''حرث'' سے ایک مخصوص ذریت اور ''نسل'' سے عام انسان مراد ہیں۔

۷۵۴- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اس آیت مجیدہ میں ''حرث'' سے دین مراد ہے اور ''نسل'' سے انسان مراد ہیں اور یہ آیت فلاں دشمن آل محمدؐ کے متعلق نازل ہوئی۔

اس آیت مجیدہ کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ یہ آیت حضرت علیؑ کے بدترین دشمن کے متعلق نازل ہوئی۔

۷۵۵- کتاب الخصال میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''جو شخص تین اہلِ ایمان کو حج کرائے تو اس نے اپنی جان کو رقم دے کر خدا سے آزاد کرایا ہے اور اللہ تعالیٰ اس سے اس کی دولت کے متعلق حلال وحرام کا سوال نہیں کرے گا''۔

مرضاتِ الٰہی کا خریدار

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۝

(اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اللہ کی رضا کو تلاش کرنے کے لیے اپنی جان بیچ دیتے ہیں اور اللہ ان بندوں پر بڑا ہی شفقت کرنے والا ہے)

۷۵۶- امالی طوسی میں امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''جب شب ہجرت حضرت علی علیہ السلام بستر پیغمبرؐ پر سوئے تھے تو اللہ نے ان کے حق میں یہ آیت نازل فرمائی: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۭ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌۢ بِالْعِبَادِ۝ (اور لوگوں میں وہ بھی ہیں جو اللہ کی مرضات کو تلاش کرنے کے لیے اپنی جان بیچ دیتے ہیں اور اللہ ان بندوں پر بڑا ہی شفقت کرنے والا ہے)

۷۵۷- ابو عمر بن العلاء کا دستور تھا جب بھی اس کے سامنے وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِىْ کی آیت پڑھی جاتی تھی تو وہ

کہا تھا: کرم اللہ علیا فیہ نزلت ھذہ الایۃ۔ ''اللہ نے علیؑ کو عظمت بخشی ہے اور یہ آیت ان کی شان میں نازل ہوئی ہے''۔

۷۵۸- انس بن مالک کا بیان ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہجرت کی اور حضرت ابوبکر کو اپنے ساتھ غار میں لے گئے۔ آنحضرتؐ نے گھر سے روانہ ہونے سے قبل حضرت علیؑ کو حکم دیا کہ وہ آپ کے بستر پر آپ کی چادر اوڑھ کر سوئیں۔ حضرت علیؑ قتل کو سعادت سمجھ کر آپؐ کے بستر پر سو گئے۔ قریش رسول اکرمؐ کے قتل کا ارادہ لے کر حضرت کے گھر میں داخل ہوئے۔ انھوں نے اپنی تلواریں علیؑ پر رکھ دیں کیونکہ انھیں یقین تھا کہ محمد مصطفیٰ سو رہے ہیں۔ پھر انھوں نے ایک دوسرے سے کہا کہ انھیں نیند کی حالت میں قتل نہ کرو۔ پہلے انھیں بیدار کرو تاکہ انھیں تلوار کی تکلیف کا احساس ہو سکے۔ چنانچہ انھوں نے جگایا جب حضرت علیؑ نے چادر ہٹائی تو انھوں نے دیکھا کہ بستر پر سونے والے علیؑ ہیں۔ پھر وہ علیؑ کو چھوڑ کر رسولؐ کی تلاش میں چلے گئے۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت علیؑ کے اس ایثار کی تعریف کی اور یہ آیت نازل فرمائی: وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ نَفْسَهُ ابْتِغَآءَ مَرْضَاتِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ رَءُوْفٌ بِالْعِبَادِ (اور کچھ انسان ایسے بھی ہیں جو رضات خداوندی کی خواہش میں اپنی جان کو بیچ دیتے ہیں خدا ایسے بندوں پر شفقت کرنے والا ہے)

۷۵۹- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّشْرِيْ کی آیت امیر المومنین علیہ السلام کے حق میں نازل ہوئی اور يَشْرِيْ نَفْسَهُ کا مفہوم یہ ہے کہ وہ اپنی جان کو قربان کر دیتا ہے۔

۷۶۰- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ ''سدی'' نے ابن عباس سے نقل کیا کہ یہ آیت حضرت علی علیہ السلام کی شان میں اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرتؐ نے ہجرت کر کے غار میں پناہ لی تھی اور حضرت علیؑ رسولؐ خدا کے بستر پر سوئے تھے۔ یہ آیت مکہ و مدینہ کے درمیان نازل ہوئی۔

۷۶۱- احادیث میں مذکور ہے کہ جب شب ہجرت حضرت علیؑ رسولؐ خدا کے بستر پر سوئے تو جبریلؑ ان کے سرہانے کھڑے ہوئے اور میکائیل ان کے پاؤں کے پاس کھڑا ہوا۔ اس وقت جبریلؑ نے ندا دے کر کہا تھا:

بخ بخ من مثلك یابن ابی طالب یباھی اللہ تعالٰی بك الملائکۃ۔

''تمھیں مبارک ہو فرزند ابوطالب! تجھ جیسا کون ہو سکتا ہے، تیری وجہ سے اللہ ملائکہ پر فخر و مباہات کر رہا ہے''۔

۷۶۲- حضرت علی علیہ السلام نے فرمایا کہ اس آیت کا مصداق وہ ہے جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے لیے قتل کیا جائے۔

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِيْنٌ ﴿۲۰۸﴾ فَاِنْ زَلَلْتُمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْكُمُ الْبَيِّنٰتُ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۰۹﴾ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ؕ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ﴿۲۱۰﴾ سَلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ كَمْ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ اٰيَةٍۢ بَيِّنَةٍ ؕ وَمَنْ يُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِيْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾ زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا وَيَسْخَرُوْنَ مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۘ وَالَّذِيْنَ اتَّقَوْا فَوْقَهُمْ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ ؕ وَاللّٰهُ يَرْزُقُ مَنْ يَّشَآءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ ﴿۲۱۲﴾ كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۫ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۪ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ؕ وَمَا اخْتَلَفَ فِيْهِ اِلَّا الَّذِيْنَ اُوْتُوْهُ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ بَغْيًا

بَيْنَهُمْ ۚ فَهَدَى اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ مِنَ الْحَقِّ بِاِذْنِهٖ ۭ وَاللّٰهُ يَهْدِيْ مَنْ يَّشَاۗءُ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ ﴿۲۱۳﴾ اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ۭ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَاۗءُ وَالضَّرَّاۗءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ۭ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ﴿۲۱۴﴾ يَسْــَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ڛ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ۭ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ﴿۲۱۵﴾

"ایمان والو! تم مکمل طریقہ سے اسلام میں داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو۔ بے شک وہ تمھارا کھلا ہوا دشمن ہے۔ پھر اگر تمھارے پاس کھلی نشانیوں کے آنے کے بعد بھی تم پھسل جاؤ تو تم جان لو کہ یقیناً اللہ غالب اور حکمت والا ہے۔ کیا ان لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ بادل کے سایوں میں ان کے پاس خدا اور فرشتے آجائیں اور ہر بات کا فیصلہ ہو جائے! تمام امور کی بازگشت خدا کی طرف ہے۔ آپ بنی اسرائیل سے پوچھیں کہ ہم نے انھیں کس قدر کھلی ہوئی نشانیاں دی تھیں اور جو شخص بھی خدا کی نعمت آنے کے بعد اسے تبدیل کرے تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے۔ کافروں کے لیے دنیاوی زندگی خوشنما بنا دی گئی ہے اور وہ اہلِ ایمان کا مذاق اُڑاتے

ہیں حالانکہ پرہیزگاروں کا درجہ قیامت کے دن ان سے کہیں بلند ہوگا اور اللہ جسے چاہتا ہے بے حساب رزق دیتا ہے۔ تمام انسان اُمت واحدہ تھے۔ پھر اللہ نے انبیاء کو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر روانہ کیا اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تا کہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کریں اور اصل میں اختلاف کیا ہی ان لوگوں نے ہے جنہیں کتاب دی گئی تھی اور واضح نشانیاں پہنچ جانے کے بعد انھوں نے ایک دوسرے کی ضد کی وجہ سے اختلاف کیا ہے تو خدا نے اہلِ ایمان کو ہدایت دے دی اور انھوں نے اختلافات میں حکم الٰہی سے حق دریافت کرلیا۔ اللہ جسے چاہتا ہے سیدھے راستے کی ہدایت دیتا ہے۔ کیا تم نے اپنے تئیں یہ سمجھ لیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے جب کہ ابھی تک تمھارے لیے سابقہ اُمتوں جیسے حالات ہی پیدا نہیں ہوئے۔ انھیں فقروفاقہ اور تکالیف نے گھیر لیا تھا اور انھیں اتنے جھٹکے دیئے گئے کہ خود رسولؐ اور اس کے ساتھیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آخر خدائی امداد کب آئے گی۔ آگاہ رہو کہ خدائی امداد قریب ہے۔ یہ لوگ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ راہِ خدا میں کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیجیے تم نیکی کے جذبہ سے جو بھی خرچ کرو وہ اپنے والدین اور قرابت داروں اور یتیموں اور مسکینوں اور غربت زدہ مسافروں پر خرچ کرو اور تم جو بھی کارخیر کرو گے خدا اسے اچھی طرح سے جانتا ہے''۔

اسلام میں مکمل داخل ہونے کا مقصد

۷۶۳۔ اصول کافی میں عبداللہ بن عجلان سے منقول ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِی السِّلْمِ كَآفَّةً ۪ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّیْطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ ﴿۲۰۸﴾ (اے ایمان والو! تم مکمل طور پر اسلام میں

داخل ہوجاؤ اور شیطان کے نقش قدم کی پیروی مت کرو۔ بے شک وہ تمہارا کھلم کھلا دشمن ہے) کی آیت مجیدہ پڑھ کر فرمایا کہ اللہ نے اہلِ ایمان کو ہماری ولایت میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔

۷۶۴- تفسیر علی بن ابراہیم میں منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً (اسلام میں مکمل طور پر داخل ہوجاؤ) کا مقصد یہ ہے کہ امیرالمومنین علیہ السلام کی ولایت میں داخل ہوجاؤ۔

۷۶۵- امالی طوسی میں محمد بن ابراہیم سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا کہ اُدْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً کا مقصد یہ ہے امیرالمومنین علیہ السلام کی ولایت کے قلعہ میں داخل ہوجاؤ اور وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ (شیطان کے نقشِ قدم کی پیروی نہ کرو) کا مقصد یہ ہے کہ غیروں کی پیروی مت کرو۔

۷۶۶- تفسیر عیاشی میں ابوبصیر سے منقول ہے۔ انھوں نے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ کی آیت مجیدہ پڑھ کر مجھ سے فرمایا:

جانتے ہو کہ "سلم" کیا ہے جس میں اہلِ ایمان کو داخل ہونے کا حکم دیا گیا؟

میں نے عرض کیا: آپؑ بہتر جانتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: اس سے حضرت علی علیہ السلام اور ان کے بعد والے ائمہ و اوصیاء کی ولایت مراد ہے اور خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ سے فلاں فلاں کی ولایت مراد ہے۔

۷۶۷- زرارہ، حمران اور محمد بن مسلم کا بیان ہے کہ ہم نے امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً کا مفہوم دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

"اہل ایمان کو ہماری معرفت حاصل کرنے کا حکم دیا گیا ہے"۔

۷۶۸- جابر کا بیان ہے کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا ادْخُلُوْا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ کی آیت پڑھ کر فرمایا:

"سلم" آلِ محمدؐ ہیں۔ اللہ نے لوگوں کو ان کی ولایت کے قلعہ میں داخل ہونے کا حکم دیا ہے۔

۷۶۹- امام علی زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

ادْخُلُوا فِي السِّلْمِ كَآفَّةً ۖ وَلَا تَتَّبِعُوا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ کی آیت مجیدہ سے ہماری ولایت مراد ہے۔

۷۷۰- امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک مرتبہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عترت کا ذکر کیا اور فرمایا:

''عترتِ رسولؐ اسلام کا دروازہ ہے۔تم اسلام کے اس دروازے میں کامل طریقہ سے داخل ہو جاؤ اور شیطان کے نقشِ پا کی پیروی نہ کرو''۔

مشرکین کو کس بات کا انتظار ہے؟

هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۖ وَاِلَى اللّٰهِ تُرْجَعُ الْاُمُوْرُ ۝

(کیا ان لوگوں کو اس بات کا انتظار ہے کہ ان کے پاس بادلوں کے سائے میں خدا اور فرشتے آجائیں اور ہر بات کا فیصلہ ہو جائے اور تمام امور کی بازگشت خدا کی طرف ہے)

۷۷۱- تفسیر عیاشی میں جابر سے منقول ہے۔انھوں نے کہا کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ وَقُضِيَ الْاَمْرُ ۖ کی آیت مجیدہ تلاوت فرمائی۔اس کے بعد انھوں نے فرمایا:

''وہ نور کے سات قبوں میں نازل ہوگا کسی کو معلوم نہیں ہوگا کہ وہ کس قبہ نور میں ہے اور وہ کوفہ کی پشت پر نازل ہوگا''۔

۷۷۲- امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپؑ نے فرمایا: وَقُضِيَ الْاَمْرُ (اور فیصلہ کر دیا جائے) کا مقصد یہ ہے کہ کافروں کی سونڈ (منہ) پر نشان لگا دیا جائے گا۔

شیطان کا نقشِ قدم

۷۷۳- الکافی میں عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"اگر کوئی شخص قسم کھائے کہ میں فلاں کام نہیں کروں گا جب کہ اس کام کا کرنا اس کے نہ کرنے سے بہتر ہو تو اسے قسم کی پرواہ نہیں کرنی چاہیے اور بہتر عمل بجالانا چاہیے۔ اس پر قسم کا کوئی کفارہ نہیں ہوگا۔ ایسی قسم شیطان کا نقشِ پا ہے"۔

۷۷۴۔ من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ محمد بن مسلم نے صادقین علیہما السلام میں سے کسی ایک بزرگوار سے پوچھا کہ ایک عورت نے حلف اُٹھا کر کہا اگر اس نے اپنی بہن سے کلام کی تو اس کا سارا مال راہِ خدا میں وقف ہو جائے گا اور اس کا ہر غلام آزاد ہوگا۔ ایسی عورت کے لیے حکمِ شرعی کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس کو اپنی بہن سے گفتگو کرنی چاہیے۔ یہ اور اس جیسی دوسری قسمیں شیطان کے نقشِ پا پر چلنے کے مترادف ہیں۔

۷۷۶۔ عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ علی بن فضال نے اپنے والد سے نقل کیا کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ وَالْمَلٰٓئِكَةُ کا مفہوم کیا ہے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

"اس کا مفہوم یہ ہے: هَلْ يَنْظُرُوْنَ اِلَّآ اَنْ يَّاْتِيَهُمُ اللّٰهُ فِيْ ظُلَلٍ مِّنَ الْغَمَامِ یعنی کیا انھیں اس بات کا انتظار ہے کہ خدا بادلوں کے سایوں میں فرشتوں کو لے کر آ جائے"۔

۷۷۷۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب خدا کسی امر کو نازل کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو وہ ایک منادی کو ندا کرتا ہے کہ وہ اس امر کے وقوع پذیر ہونے کا اعلان کر دے۔ چنانچہ ہر آسمان پر یہ ندا دی جاتی ہے۔ آسمان دنیا کے رہنے والے جب خدا کے امر کو اترتا ہوا دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہمارا رب آ رہا ہے۔ اس کے بعد اللہ بادلوں کے سائے میں ملائکہ کو نازل کرتا ہے جو کہ امر خداوندی کو زمین پر لے جاتے ہیں۔ اور جب امر الٰہی نازل ہو جاتا ہے تو اس وقت خدا کی طرف سے ایک منادی یہ ندا کرتا ہے:

"اے گروہ جن وانس! اگر تم ارض وسما کے اطراف واقطار سے نکل سکتے ہو تو نکل جاؤ لیکن ایک خاص قوت کے بغیر تم باہر نہیں نکل سکتے۔ تم اپنے پروردگار کی کون کون سی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے"۔

یہ حدیث کافی طویل ہے ہم نے بقدر ضرورت اس کا صرف ایک حصہ نقل کیا ہے۔

۷۷۸۔ روضہ کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

"ہر دور میں لوگوں نے حق کو چھوڑ کر باطل کا ساتھ دیا۔ لوگوں نے سلیمان کے دورِ حکومت میں شیاطین کی پیروی کی تھی اور اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو بہت سی واضح نشانیاں عطا کی تھیں مگر اس کے باوجود بہت سے لوگوں نے حق سے انحراف کیا اور خدا کی نعمات کو تبدیل کیا اور جو کوئی خدا کی نعمت کو تبدیل کرے تو اللہ سخت عذاب دینے والا ہے"۔

۷۷۹۔ مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

زُيِّنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا (کافروں کے لیے دنیاوی زندگی خوش نما بنا دی گئی ہے) اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کی اطاعت کا امتحان لیتا ہے۔ چنانچہ انھیں ایسے احکام پر عمل کی دعوت دیتا ہے' جس کی طرف انسان کی طبیعت ہی نہیں جاتی اور انھیں ان چیزوں سے منع کرتا ہے جس کی طرف نفس انسانی کا جھکاؤ ہوتا ہے۔ اسی لیے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا تھا:

حفت الجنة بالمکارہ وحفت النار بالشهوات

"جنت ناپسندیدہ چیزوں میں گھری ہوئی ہے جب کہ دوزخ پسندیدہ چیزوں میں گھری ہوئی ہے"۔

بعثتِ انبیاءؑ

كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً ۗ فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ ۖ وَاَنْزَلَ مَعَهُمُ الْكِتٰبَ بِالْحَقِّ لِيَحْكُمَ بَيْنَ النَّاسِ فِيْمَا اخْتَلَفُوْا فِيْهِ ۖ

(تمام انسان اُمت واحدہ تھے۔ پھر اللہ نے انبیاء کو بشارت دینے والے اور ڈرانے والے بنا کر روانہ کیا اور ان کے ساتھ برحق کتاب نازل کی تاکہ وہ لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کریں)

۷۸۰۔ روضہ کافی میں یعقوب بن شعیب کی زبانی مروی ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (تمام انسان اُمت واحدہ تھے) کا مطلب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

"اس کا مقصد یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے تمام انسان گمراہی میں مبتلا ہو چکے تھے اسی لیے اللہ نے انبیاء کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا کہ انھیں گمراہی سے نکال کر سیدھی راہ پر لے آئیں"۔

۷۸۱- تفسیر عیاشی میں یعقوب بن شعیب سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً (تمام انسان اُمت واحدہ تھے) کا مطلب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''اس کا مقصد یہ ہے کہ نوح علیہ السلام کی آمد سے قبل لوگ اُمت واحدہ تھے''۔

میں (راوی) نے کہا: یہ بتائیں وہ ہدایت پر تھے یا گمراہی پر تھے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ گمراہی پر تھے۔ وہ نہ تو مومن تھے اور نہ کافر و مشرک تھے۔

۷۸۲- سعدہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً فَبَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيّٖنَ مُبَشِّرِيْنَ وَمُنْذِرِيْنَ (تمام انسان اُمت واحدہ تھے اللہ نے انبیاء کو بشیر و نذیر بنا کر بھیجا) کا مطلب دریافت کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

''تمام لوگ حضرت نوح علیہ السلام کی آمد سے پہلے ایک ہی کیش اور ایک ہی سلک میں پروئے ہوئے تھے''۔

میں نے کہا: کیا لوگ ہدایت پر تھے یا گمراہی پر تھے؟

آپؑ نے فرمایا: لوگ گمراہی میں مبتلا تھے۔ جب آدم علیہ السلام اور ان کی نیک اولاد دنیا سے رخصت ہوگئی تو بعد میں ان کے وصی شیث اتنے مظلوم ہوگئے تھے کہ وہ لوگوں کے سامنے کھل کر آدم اور اس کی نیک اولاد کے دین کو بیان تک نہیں کر سکتے تھے۔ انھیں قابیل کی طرف سے مسلسل دھمکیاں ملتی رہتی تھیں کہ اگر انھوں نے خدا کے حقیقی دین کی تبلیغ کی تو وہ انھیں ہابیل کی طرح سے قتل کر دے گا۔ چنانچہ ان خطرات کی وجہ سے حضرت شیث کو مجبور ہو کر تقیہ اختیار کرنا پڑ گیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لوگوں میں گمراہی پھیل گئی اور حضرت شیث لوگوں کو چھوڑ کر ایک جزیرے میں چلے گئے جہاں وہ خدا کی عبادت کرتے تھے اور خدا سے ہادیانِ دین کی بعثت کی درخواست کرتے تھے۔

۷۸۳- مجمع البیان میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی آمد سے پہلے لوگ اُمت واحدہ تھے اور وہ فطرتِ الٰہی کے قوانین کی پابندی کرتے تھے۔ وہ نہ تو ہدایت یافتہ تھے اور نہ ہی مکمل طور پر گمراہ تھے۔ اس کے بعد اللہ نے انسانوں کو ورطۂ حیرت سے نکالنے کے لیے انبیاء کا سلسلہ شروع کیا۔

۷۸۴- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی آمد سے پہلے تمام انسان اُمت واحدہ تھے۔ پھر ان کے درمیان اختلافات پیدا ہوئے۔ اللہ نے اختلافات کا فیصلہ کرنے کے لیے انبیاء مبعوث کیے اور انھیں برحق

کتاب عطا کی اور انھوں نے لوگوں کے اختلافات کا فیصلہ کیا۔

اُممِ سابقہ پر ظلم وستم کے پہاڑ گرائے گئے تھے

۷۸۵- الخرائج والجرائح میں مرقوم ہے کہ امام علی زین العابدینؑ نے اپنے شیعوں سے فرمایا کہ تم تو صرف چند مصائب دیکھ کر گھبرا گئے ہو جب کہ سابقہ اُمتوں میں اہلِ حق نے بڑے بڑے مصائب و آلام کو برداشت کیا تھا۔ ظالم لوگ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر انھیں صلیب پر چڑھا دیتے تھے مگر ان مصائب کے باوجود ان کے پائے استقامت میں کوئی لغزش نہیں آئی تھی اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے صحابہ پیغمبرؐ سے کی ہے۔

اَمْ حَسِبْتُمْ اَنْ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ وَلَمَّا يَاْتِكُمْ مَّثَلُ الَّذِيْنَ خَلَوْا مِنْ قَبْلِكُمْ ؕ مَسَّتْهُمُ الْبَاْسَآءُ وَالضَّرَّآءُ وَزُلْزِلُوْا حَتّٰى يَقُوْلَ الرَّسُوْلُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ مَتٰى نَصْرُ اللّٰهِ ؕ اَلَآ اِنَّ نَصْرَ اللّٰهِ قَرِيْبٌ ۝

(کیا تم نے اپنے تئیں یہ سمجھ لیا ہے کہ تم جنت میں چلے جاؤ گے جب کہ ابھی تک تمھارے لیے سابقہ اُمتوں جیسے حالات ہی پیدا نہیں ہوئے۔ انھیں فقر وفاقہ اور تکالیف نے گھیر لیا تھا اور انھیں اتنے جھٹکے دیئے گئے کہ خود رسولؐ اور اس کے ساتھیوں نے یہ کہنا شروع کر دیا کہ آخر خدا کی مدد کب آئے گی۔ آگاہ رہو کہ خدائی مدد قریب ہے)

۷۸۶- روضہ کافی میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ اہلِ حق کو اتنے سخت جھٹکے دیئے گئے کہ رسول کو یہ کہنا پڑا کہ خدائی امداد کب آئے گی؟

مالی امداد کے حق دار

يَسْـَٔلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ؕ قُلْ مَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ خَيْرٍ فَلِلْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ وَالْيَتٰمٰى وَالْمَسٰكِيْنِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ وَمَا تَفْعَلُوْا مِنْ خَيْرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيْمٌ ۝۲۱۵

(وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ راہِ خدا میں کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیجیے کہ تم جو بھی خرچ کرو

گے وہ تمہارے والدین، قریبی رشتہ داروں اور یتیموں، مسکینوں اور غربت زدہ مسافروں کے لیے ہوگا اور تم جو بھی کارِ خیر کرو گے خدا اسے خوب جانتا ہے)

اس آیت مجیدہ میں بظاہر یہ سوال کیا گیا ہے کہ راہِ خدا میں کتنی دولت خرچ کرنی چاہیے اور جواب میں اللہ نے مصرف بیان کیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے نہایت خوبصورتی سے مقدار اور نوعیت بیان کرنے کے بجائے اس کا مصرف بیان کیا ہے کہ سب بندگانِ خدا، اعزہ، اقربا اور ضرورت مند افراد ہی کو ملنے والا ہے اور ضائع ہونے والا نہیں ہے۔ لہٰذا تم جس قدر بھی خرچ کرو گے کم ہے۔

كُتِبَ عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ وَهُوَ كُرْهٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَعَسٰٓى اَنْ تُحِبُّوْا شَيْـًٔا وَّهُوَ شَرٌّ لَّكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ وَاَنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۱۶﴾ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ؕ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ؕ وَصَدٌّ عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَكُفْرٌۢ بِهٖ وَالْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۗ وَاِخْرَاجُ اَهْلِهٖ مِنْهُ اَكْبَرُ عِنْدَ اللّٰهِ ۚ وَالْفِتْنَةُ اَكْبَرُ مِنَ الْقَتْلِ ؕ وَلَا يَزَالُوْنَ يُقَاتِلُوْنَكُمْ حَتّٰى يَرُدُّوْكُمْ عَنْ دِيْنِكُمْ اِنِ اسْتَطَاعُوْا ؕ وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِى الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ۚ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۱۷﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا

وَجٰهَدُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۙ اُولٰٓئِكَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللّٰهِ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۲۱۸﴾ يَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ؕ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۫ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ مِنْ نَّفْعِهِمَا ؕ وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۬ؕ قُلِ الْعَفْوَ ؕ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۱۹﴾ۙ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ ؕ وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۰﴾ وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ وَلَا تُنْكِحُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَتّٰى يُؤْمِنُوْا ؕ وَلَعَبْدٌ مُّؤْمِنٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكٍ وَّلَوْ اَعْجَبَكُمْ ؕ اُولٰٓئِكَ يَدْعُوْنَ اِلَى النَّارِ ۖۚ وَاللّٰهُ يَدْعُوْٓا اِلَى الْجَنَّةِ وَالْمَغْفِرَةِ بِاِذْنِهٖ ۚ وَيُبَيِّنُ اٰيٰتِهٖ لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۲۱﴾ع

"تمھارے اوپر جہاد فرض کیا گیا ہے جبکہ وہ تمھیں ناپسند ہے اور یہ ممکن ہے کہ جسے تم ناپسند کرتے ہو وہ تمھارے حق میں بہتر ہو اور جسے تم دوست رکھتے ہو وہ بُرا ہو۔ اللہ جانتا

ہے جبکہ تم نہیں جانتے۔ اے رسولؐ! یہ آپ سے محترم مہینوں کے جہاد کے بارے میں سوال کرتے ہیں تو آپ کہہ دیجیے کہ ان میں جنگ کرنا گناہِ کبیرہ ہے اور راہِ خدا سے روکنا اور خدا کا انکار کرنا اور مسجد حرام سے روکنا اور مسجد الحرام کے رہنے والوں کو وہاں سے نکال دینا خدا کی نظر میں جنگ سے بھی بدتر گناہ ہے اور فتنہ تو قتل سے بھی بڑا جرم ہے۔ اور یہ کافر تم سے مسلسل نبرد آزما رہیں گے یہاں تک کہ اگر ان کے بس میں ہو تو تم کو تمھارے دین سے پلٹا دیں اور تم میں سے جو بھی اپنے دین سے پلٹا اور حالتِ کفر میں مر گیا تو ایسے لوگوں کے دنیا و آخرت میں تمام اعمال برباد ہو جائیں گے اور وہ دوزخی ہیں جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ بے شک جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے ہجرت کی اور خدا کی راہ میں جہاد کیا وہ رحمت الٰہی کی اُمید رکھتے ہیں اور خدا بڑا بخشنے والا مہربان ہے۔ وہ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں میں بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے فائدے بھی ہیں جبکہ ان کا گناہ ان کے فائدے سے کہیں زیادہ ہے۔ اور وہ آپؐ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیجیے کہ جو بھی ضرورت سے زیادہ ہو۔ خدا اس طرح سے تمھارے لیے اپنی آیات کو واضح کر کے بیان کرتا ہے کہ شاید تم فکر کر سکو۔ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی۔ یہ لوگ آپ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں۔ آپ کہہ دیجیے کہ ان کی اصلاح بہترین بات ہے۔ اور اگر تم ان سے مل جل کر رہو تو یہ تمھارے بھائی ہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے۔ فساد کرنے والا کون ہے اور اصلاح کرنے والا کون ہے۔ اور اگر خدا چاہتا تو تمھیں بھی مصیبت میں ڈال دیتا۔ بے شک خدا غالب اور حکمت والا ہے۔ اور مشرک عورتوں سے اس وقت تک نکاح نہ کرنا جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک صاحبِ ایمان کنیز آزاد مشرک

عورت سے بہتر ہے خواہ مشرک عورت تمھیں کتنی ہی بھلی کیوں نہ معلوم ہو اور مشرک
مردوں کو اس وقت تک رشتہ نہ دینا جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں۔ ایک صاحب
ایمان غلام آزاد مشرک مرد سے بہتر ہے خواہ وہ تمھیں کتنا ہی اچھا کیوں نہ لگتا ہو۔ وہ
تمھیں دوزخ کی طرف بلاتے ہیں جب کہ خدا اپنے حکم سے تمھیں جنت اور مغفرت کی
دعوت دیتا ہے اور اپنی آیات کو لوگوں کے لیے واضح کر کے بیان کرتا ہے تا کہ لوگ
نصیحت حاصل کریں''۔

شراب کی تدریجی حُرمت

۷۸۷- الکافی میں مرقوم ہے کہ شراب اور جوا عربوں کی نس نس میں رچا ہوا تھا۔ اسی لیے خداوند عالم نے اسے
یکدم حرام نہیں کیا بلکہ اسے مرحلہ وار حرام کیا ہے۔ چنانچہ شراب سے اجتناب کے لیے پہلے یہ آیت نازل ہوئی:

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْخَمْرِ وَالْمَيْسِرِ ۭ قُلْ فِيْهِمَآ اِثْمٌ كَبِيْرٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ۡ وَاِثْمُهُمَآ اَكْبَرُ
مِنْ نَّفْعِهِمَا ۭ

''وہ لوگ آپ سے شراب اور جوئے کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ ان دونوں
کاموں میں بہت بڑا گناہ ہے اور لوگوں کے کچھ فائدے بھی ہیں جبکہ ان کا گناہ ان کے فائدے
سے کہیں زیادہ ہے''۔

چنانچہ اس آیت مجیدہ کے نزول کے بعد ارباب دانش نے یہ محسوس کیا کہ جس چیز کا فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہو وہ
چیز چھوڑ دینے کے لائق ہوتی ہے۔ یہ سوچ کر بہت سے لوگوں نے شراب اور جوئے کو چھوڑ دیا۔

دوسرے مرحلہ پر اللہ تعالیٰ نے اوقاتِ نماز میں ہر طرح کے نشہ کو حرام قرار دیا اور یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَاَنْتُمْ سُكٰرٰى (النساء: ۴۳)

''ایمان والو! حالتِ نشہ میں نماز کے قریب مت جاؤ''۔

چنانچہ اس آیت کے بعد مسلمانوں نے اوقاتِ نماز میں نشہ کرنا چھوڑ دیا اور یوں وہ ذہنی طور پر نشہ چھوڑنے پر آمادہ

ہو گئے۔

پھر تیسرے مرحلہ پر اللہ تعالیٰ نے واضح الفاظ میں اسے حرام قرار دے کر مسلمانوں کو اس سے بچنے کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّيْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْهُ (المائدہ: ۹۰)

''ایمان والو! شراب' جوا' بت اور پانسے کے تیر ناپاک اور شیطانی عمل ہیں تم ان سے پرہیز کرو''۔

اس آیت مجیدہ کے بعد اُمت مسلمہ پر ہمیشہ کے لیے شراب حرام قرار دے دی گئی۔

۷۸۸- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابراہیم بن عنبسہ نے امام علی نقی علیہ السلام کو ایک خط میں لکھا کہ اگر آپ مناسب سمجھیں تو آپ ''خمرومیسر'' (شراب اور جوا) کی وضاحت کریں۔

اس کے جواب میں آپؑ نے تحریر فرمایا:

''جس بھی چیز سے بازی لگائی جائے وہ جوا ہے اور ہر نشہ آور چیز حرام ہے''۔

۷۸۹-امام زین العابدین علیہ السلام نے فرمایا:

''شراب چھ چیزوں سے بنائی جاتی ہے: ۱- کھجور ۲- منقّٰی ۳- گندم ۴- جَو ۵- شہد ۶- جوار باجرہ''۔

۷۹۰- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ لفظ ''خمر'' صرف شراب تک محدود نہیں ہے بلکہ ہر وہ چیز ''خمر'' ہے جو نشہ آور ہو اور عقل کو ڈھانپ دیتی ہو اور جو چیز زیادہ مقدار میں نشہ پیدا کرے تو اس کی قلیل مقدار بھی ''خمر'' ہے۔ اور ''خمر'' حرام ہے یعنی تمام نشہ آور اشیاء حرام ہیں اور ہمارے اصحاب کی روایات سے یہی مفہوم ثابت ہوتا ہے۔

۷۹۱- الکافی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''نرد' شطرنج اور چودہ پتوں کا کھیل سب ایک ہی چیز ہیں اور جس بھی چیز پر شرط لگائی جائے وہ جوا ہے''۔

۷۹۲-امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

''شطرنج اور نرد جوا ہیں''۔

۷۹۳- ادریس نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ جوا کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا کہ وہ شطرنج ہے۔

میں (راوی) نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ نرد جوا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: نرد بھی جوئے میں شامل ہے۔

کتنی دولت راہِ خدا میں خرچ کی جائے؟

۷۹۴- الکافی میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ہے: وَيَسْئَلُوْنَكَ مَاذَا يُنْفِقُوْنَ ۗ قُلِ الْعَفْوَ ؕ (اور وہ آپ سے سوال کرتے ہیں کہ وہ راہِ خدا میں کیا خرچ کریں۔ آپ کہہ دیجے کہ "عفو" خرچ کریں)۔

پھر آپؑ نے فرمایا کہ "عفو" کا مطلب ہے درمیانی راستہ۔ یعنی نہ تو ساری دولت لٹوا کر خود قلاش ہوں اور نہ کنجوسی کر کے بخل کا ثبوت دیں۔

۷۹۵- تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ قُلِ الْعَفْوَ کا مفہوم یہ ہے کہ نہ تو اسراف کیا جائے اور نہ ہی کنجوسی اختیار کی جائے۔

۷۹۶- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ قُلِ الْعَفْوَ کے متعلق کئی اقوال وارد ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے جو دولت سال کے خرچ سے بچ جائے اس دولت کو "عفو" کہا جاتا ہے اور اس صورت میں آیت کا ترجمہ یہ ہے کہ جو تمہاری ضرورت سے زائد ہو وہ ساری دولت راہِ خدا میں خرچ کرو۔

امام محمد باقر علیہ السلام سے ایک روایت میں منقول ہے کہ آیت زکوۃ سے یہ حکم منسوخ ہو چکا ہے۔

یتیم پروری

وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ؕ قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ ؕ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ؕ

(وہ آپ سے یتیموں کے متعلق پوچھتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ ان کی اصلاح بہترین بات ہے اور اگر تم ان سے مل جل کر رہو تو وہ تمھارے بھائی ہیں اور اللہ بہتر جانتا ہے کہ اصلاح کرنے والے کے لبادے میں فساد کرنے والا کون ہے؟)

۷۹۷۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب یہ آیت نازل ہوئی: اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا يَاْكُلُوْنَ فِيْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا ۭ وَسَيَصْلَوْنَ سَعِيْرًا (بے شک وہ لوگ جو ظلم سے یتیموں کا مال کھا رہے ہیں وہ اپنے پیٹ کو دوزخ سے بھر رہے ہیں اور وہ جلد دوزخ کے شعلوں میں پہنچ جائیں گے)

اس آیت کو سن کر وہ تمام افراد گھبرا گئے جن کے گھروں میں یتیم بچے پرورش پا رہے تھے اور انھوں نے یتیموں کو اپنے گھروں سے نکال دیا۔ پھر انھوں نے رسول خدا سے ان کے نکالنے کے متعلق سوال کیا تو وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ....(وہ آپ سے یتیموں کے متعلق سوال کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے کہ ان کی اصلاح نیک کام ہے اور اگر تم انھیں اپنے خاندان میں ضم کرلو تو وہ تمھارے بھائی ہیں اور اللہ کو معلوم ہے کہ ''مصلح'' کے پردے میں کون سا مفسد چھپا ہوا ہے) کی آیت نازل ہوئی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اس میں کوئی حرج نہیں کہ تم اپنا طعام یتیم کے طعام کے ساتھ مخلوط کرلو کیونکہ ایک چھوٹا بچہ بھی بڑوں جتنا کھانا کھا سکتا ہے۔ البتہ کپڑوں کا معاملہ جداگانہ ہے۔ چھوٹے اور بڑے کے کپڑوں میں واضح فرق موجود ہوتا ہے''۔

۷۹۸۔ مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ جب وَاٰتُوا الْيَتٰمٰٓى اَمْوَالَھُمْ وَلَا تَتَبَدَّلُوا الْخَبِيْثَ بِالطَّيِّبِ ۠ وَلَا تَاْكُلُوْٓا اَمْوَالَھُمْ اِلٰٓى اَمْوَالِكُمْ ۭ اِنَّهٗ كَانَ حُوْبًا كَبِيْرًا (اور یتیموں کو ان کے مال دے دو اور ان کی اچھی چیز کے بدلے میں بری چیز کا تبادلہ نہ کرو اور ان کے مال کو اپنے مال کے ساتھ ملا کر نہ کھاؤ بے شک یہ بہت بڑا گناہ ہے) کی آیت نازل ہوئی تو یتیم پرور افراد کو یتیم کا اپنا خاندان میں خلط ملط کرنا برا محسوس ہوا اور انھیں یہ بات شاق گزری تو انھوں نے آنحضرتؐ کے پاس اس کی شکایت کی جس پر وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى ...... کی آیت نازل ہوئی جس میں اللہ نے یتیم پرور افراد کو تلقین کی کہ تم ان سے گھل مل کر رہو تو وہ تمھارے بھائی ہیں اور اصلاح کنندہ کے پردے میں چھپے ہوئے مفسد افراد کو اللہ بہتر جانتا ہے۔

یہی مفہوم حسن امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے مروی ہے۔

۷۹۹- الکافی میں عثمان بن سماعہ سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَاِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ (اگر تم انھیں اپنے اندر ضم کرلو تو وہ تمھارے بھائی ہیں) کے متعلق دریافت کیا تو امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر کسی شخص کے ہاں کوئی یتیم پرورش پا رہا ہو اور یتیم کے باپ کی دولت بھی یتیم پرور کے پاس ہو تو وہ اس کے مال میں سے ایک فرد کے برابر حصہ لے کر اپنے مال میں ملا لے اور پھر سب مل کر کھائیں۔ البتہ یتیم کے مال میں سے اس کے حصہ سے زیادہ رقم نہ لے۔ کیونکہ جو بھی یتیم کا ناحق مال کھاتا ہے وہ اپنے پیٹ میں دوزخ کے انگارے بھرتا ہے۔

۸۰۰- ابی الصباح الکنانی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَاِنۡ تُخَالِطُوۡهُمۡ فَاِخۡوَانُكُمۡ کے متعلق دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''اگر تمھارے گھر میں یتیم پرورش پا رہے ہوں تو ان کی دولت میں سے اتنی دولت لو جو انھیں کافی ہو سکے اور تم اپنی دولت میں سے اتنی دولت لو جو تمھارے لیے کافی ہو تو پھر دونوں رقموں کو ملا کر خرچ کرو تو یہ شرعاً حلال ہے''۔

میں (راوی) نے عرض کیا: اگر کچھ یتیم چھوٹے ہوں اور کچھ بڑے ہوں۔ کوئی اعلیٰ قسم کا کپڑا پہنتے ہوں اور کچھ درمیانے قسم کا کپڑا پہنتے ہوں اور کچھ زیادہ کھاتے ہوں اور کچھ کم کھاتے ہوں تو پھر حکمِ شرعی کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''جہاں تک کپڑوں کا تعلق ہے تو ہر ایک کا علیحدہ حساب ہے اور جہاں تک روٹی کا تعلق ہے تو سب سے برابر خرچہ وصول کرو کیونکہ بعض اوقات چھوٹا بچہ بھی بڑے شخص جتنا کھانا کھا جاتا ہے''۔

۸۰۱- عبداللہ بن یحییٰ کاہلی کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے کہا:

''ہم اپنے بھائی کے گھر جاتے ہیں جہاں کئی یتیم پرورش پا رہے ہیں اور صاحبِ خانہ نے ان کی خدمت کے لیے ایک خادم بھی رکھا ہوا ہے۔ چنانچہ ہم ان کی بساط پر بیٹھ کر ان کے پانی میں سے پانی پیتے ہیں اور بعض اوقات ہم ان کے ساتھ بیٹھ کر ان کے کھانے میں بھی شریک ہو جاتے ہیں اور ان کا خادم ہماری بھی خدمت کرتا ہے۔ اس کے متعلق آپ کی کیا رائے ہے؟

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر تمھارا ان کے پاس جانا ان کے لیے فائدہ مند ہے تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اور اگر تمھارے جانے سے ان کا نقصان ہوتا ہے تو مت جاؤ۔ ہر شخص اپنے حالات سے زیادہ واقف ہے اور تم بھی اپنے متعلق خود بہتر جانتے ہو۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ ۚ وَاللَّهُ يَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ ۚ

''اور اگر تم ان سے گھل مل جاؤ تو وہ تمھارے بھائی ہیں خدا کو بخوبی علم ہے کہ ''مصلح'' کے لباس میں ''مفسد'' کون ہے''۔

۸۰۲- تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا کہ ایک شخص رسولؐ خدا کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے کہا:

''یارسولؐ اللہ! میرا بھائی مر گیا اور اس نے یتیم بچے چھوڑے ہیں جن کی کفالت میں کر رہا ہوں۔ مرنے والے کا کچھ مال مویشی بھی ہے۔ آپؐ یہ بتائیں کہ میں اس کے جانوروں سے کتنا فائدہ حاصل کر سکتا ہوں؟

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اگر تم مویشیوں کے لیے بنے ہوئے حوض کو کھودتے ہو اور اونٹنیوں کی نگہبانی کرتے ہو اور اس کے مال مویشی کا خیال کرتے ہو تو تم دودھ پی سکتے ہو لیکن جانوروں کا اتنا دودھ نہ دوہنا کہ ان کے بچوں کو نقصان پہنچے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ اصلاح کرنے والا کون ہے اور فساد کرنے والا کون ہے''۔

۸۰۳- ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَإِنْ تُخَالِطُوهُمْ فَإِخْوَانُكُمْ (اور اگر تم ان سے گھل مل جاؤ تو وہ تمھارے بھائی ہیں) کی آیت مجیدہ کا مفہوم دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''تم اپنے مال میں سے انھیں کھجوریں اور دودھ پیش کرو اور ان کے مال سے تم اتنا حصہ لے سکتے ہو جو تمھاری اور ان یتامیٰ کی کفالت کرے۔ اللہ کو معلوم ہے کہ اصلاح کرنے والا کون ہے اور فساد کرنے والا کون ہے''۔

۸۰۴- عبداللہ بن حجاج نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ میں ایک یتیم کا کفیل ہوں۔ میں اپنی دولت اس پر خرچ کرتا ہوں اور کبھی کبھی میں اس کی دولت سے تیار ہونے والے طعام کو بھی کھالیتا ہوں جب کہ اس کے اخراجات

کی زیادہ تر کفالت میرے ذمہ ہوتی ہے تو کیا اس سے میں مجرم قرار پاؤں گا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''تم پر کوئی گناہ نہیں ہے۔ اللہ مصلح اور مفسد کو بخوبی جانتا ہے''۔

۸۰۵- حسن بن جہم کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ امام علی رضا علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

''ابو محمد! ایک شخص مسلمان عورت کی موجودگی میں نصرانی عورت سے شادی کرنا چاہتا ہے اس کے متعلق تم کیا کہتے ہو؟''

میں نے کہا: مولاؑ! آپ کی موجودگی میں میرے قول کی حیثیت ہی کیا ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تم اپنی رائے کا اظہار ضرور کرو کیونکہ اس سے میری رائے معلوم ہو سکے گی۔

میں نے کہا: مسلمان عورت کی موجودگی میں نصرانی یا کسی بھی غیر مسلم عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔

آپؑ نے فرمایا: بھلا وہ کیوں؟

میں نے کہا: اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۔ (مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لائیں ان سے نکاح نہ کرو)

امام علیہ السلام نے فرمایا:

تم قرآن مجید کی اس آیت کے متعلق کیا کہو گے وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ:۵) ''یعنی اہلِ کتاب کی عورتوں سے نکاح جائز ہے''۔

میں نے عرض کیا: اس آیت کے حکم کو وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ۔ (اور مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لے آئیں تب تک ان سے نکاح نہ کرو) کی آیت مجیدہ نے منسوخ کر دیا ہے۔

میرا یہ استدلال سن کر آپؑ مسکرا کر خاموش ہو گئے۔

۸۰۶- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ مِنْ قَبْلِكُمْ (المائدہ:۵) ''اہل کتاب کی عورتوں سے تمہارا نکاح جائز ہے'' کی آیت مجیدہ کو قرآن حکیم کی ان دو آیات نے منسوخ کر دیا ہے:

۱- وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ''مشرک عورتیں جب تک ایمان نہ لے آئیں تب تک ان سے نکاح مت کرو''۔

۲- وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ '' کافر عورتوں کی کلائی مت تھامو''۔ (الممتحنہ:۱۰)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ فَاِذَا تَطَهَّرْنَ فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ ﴿۲۲۲﴾ نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۡ وَقَدِّمُوْا لِاَنْفُسِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ مُّلٰقُوْهُ ؕ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۲۳﴾ وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۲۴﴾ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ وَلٰكِنْ يُّؤَاخِذُكُمْ بِمَا كَسَبَتْ قُلُوْبُكُمْ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۲۵﴾

''اور وہ آپ سے حیض کے متعلق سوال کرتے ہیں۔ آپ کہہ دیں کہ حیض ایک طرح کی بیماری ہے لہٰذا اس دوران عورتوں سے الگ رہو اور جب تک وہ پاک نہ ہو جائیں اس وقت تک ان سے مقاربت نہ کرو۔ پھر جب وہ پاک ہو جائیں تو جہاں سے خدا نے حکم دیا ہے اس طرف سے ان کے پاس جاؤ۔ یقیناً خدا توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ تمھاری عورتیں تمھاری کھیتیاں ہیں اپنی کھیتی میں جب چاہو چلے جاؤ اور اپنے واسطے پیشگی اعمال خدا کی بارگاہ میں بھیج دو اور خدا سے ڈرتے رہو اور

جان لو کہ تمھیں اس سے ملاقات کرنا ہے اور صاحبانِ ایمان کو بشارت دے دو۔ خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ قسموں کو نیکی کرنے، تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے میں مانع بنا دو۔ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔ خدا تمھاری لغو اور غیر ارادی قسموں کا تم سے مواخذہ نہیں کرے گا لیکن جس کو تمھارے دلوں نے حاصل کیا ہے اس کا ضرور مواخذہ کرے گا۔ اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے"۔

ماہواری کے متعلّق ہدایات

۸۰۷- کتاب علل الشرائع میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے۔ آپؑ نے فرمایا:

"ماہواری ایک نجاست ہے جس میں اللہ نے عورتوں کو مبتلا کیا ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام کے زمانہ میں عورتوں کو سال میں ایک بار ماہواری آیا کرتی تھی۔ چنانچہ سات سو عورتوں نے حجاب کو خیر باد کہا اور عمدہ کپڑے پہن کر خوشبو لگائی اور مختلف شہروں میں چلی گئیں اور مردوں کے ساتھ بیٹھنے لگیں اور عید کے ایام میں ان کے ساتھ نشست و برخاست کی اور مردوں کی صفوں میں جا کر بیٹھ گئیں۔ اللہ تعالیٰ ان پر ناراض ہوا اور انھیں ہر ماہ کی ماہواری میں مبتلا کر دیا۔ جب عورتوں کا خون جاری ہوا تو وہ مردوں کی محفل سے اٹھ کر چلی گئیں اور یوں ماہواری کے ذریعہ سے اللہ نے ان کی شہوت کو کمزور کر دیا۔ چنانچہ ہر ماہ کی ماہواری میں تو سات سو عورتیں مبتلا ہوئیں جب کہ دوسری عورتوں کو سال میں ایک بار خون حیض آتا تھا۔ پھر کچھ عرصہ کے بعد ہر ماہ ماہواری دیکھنے والی عورتوں کی اولاد نے سال میں ایک بار ماہواری دیکھنے والی عورتوں کی لڑکیوں سے شادیاں کیں جس کے نتیجے میں جو لڑکیاں پیدا ہوئیں انھیں ہر ماہ ماہواری آنے لگی اور جن عورتوں کو ہر ماہ ماہواری آتی تھی ان سے زیادہ اولاد پیدا ہوئی جب کہ سال میں ایک بار ماہواری دیکھنے والی عورتوں کے یہاں اولاد کم پیدا ہوئی اور یوں ہر ماہ ماہواری دیکھنے والی عورتوں کی نسل زیادہ ہوگئی اور دوسری عورتوں کی نسل نایاب ہوتی گئی اور آخرکار باہمی اختلاط کی وجہ سے وہ نسل باقی رہ گئی جسے ہر ماہ ماہواری آتی تھی۔

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ۭ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ فَاعْتَزِلُوا النِّسَاۗءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْھُنَّ

حَتّٰى يَطْهُرْنَ

(وہ آپ سے حیض کے متعلق دریافت کرتے ہیں آپ کہہ دیجیے یہ ایک طرح کی بیماری اور اذیت ہے۔ ماہواری کے دوران عورتوں سے پرہیز کرو اور جب تک وہ ماہواری سے پاک نہ ہو جائیں ان سے مقاربت نہ کرو)

۸۰۸- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

"جب آدم اور ان کی زوجہ سے خطا سرزد ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انھیں جنت سے نکال کر زمین پر اتارا۔ حضرت آدم صفا پر اُترے اور بی بی حوا مروہ پر اُتریں۔ حضرت آدم نے کہا: اللہ نے اسے مجھ سے شاید اس لیے جدا کیا ہے کہ وہ میرے لیے حلال نہ ہوگی اور اگر وہ میرے لیے حلال ہوتی تو اسے بھی میرے ساتھ صفا پر ہی اتارا جاتا جب کہ اللہ نے ہمیں جدا جدا مقام پر اتارا ہے۔ حضرت آدم دن کے وقت حوا کے پاس جاتے اور مروہ پر بیٹھ کر اس سے گفتگو کیا کرتے تھے اور جیسے ہی رات ہوتی تو آپ کو اندیشہ ہوتا کہ کہیں نفس امارہ ان پر غالب نہ آجائے اس لیے بیوی کو مروہ پر چھوڑ کر خود صفا پر تشریف لے آتے تھے اور رات صفا پر بسر کرتے تھے۔ وہاں ایسی کوئی چیز نہیں تھی جس سے آدم دل لگی کرتے۔ آپ کی دل لگی اور انس کا ذریعہ صرف حوا ہی تھیں۔ عورتوں کو اسی لیے "نسآء" کہا جاتا ہے کہ یہ مردوں کی دل لگی کا ذریعہ ہوتی ہیں۔ اسی وجہ سے اللہ نے کسی بھی عورت کو امام اور نبی نہیں بنایا اور کسی کی طرف وحی نازل نہیں کی۔

۸۰۹- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ میرے والد ماجد علیہ السلام سے پوچھا گیا کہ قرآن وسنت کی رو سے کتنی قسم کی عورتیں حرام ہیں؟

میرے والد ماجد علیہ السلام نے فرمایا: چونتیس قسم کی عورتیں حرام ہیں جن میں سے سترہ قسم کی عورتوں کی وضاحت قرآن مجید میں کی گئی ہے اور سترہ قسم کی عورتوں کی وضاحت سنت نبویؐ میں کی گئی ہے۔ جن عورتوں کو قرآن مجید میں حرام کہا گیا ہے ان میں سے ایک حائض ہے جب تک وہ خون حیض سے پاک نہ ہو جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ "جب تک وہ خون حیض سے پاک نہ ہو جائیں اس وقت تک ان سے مباشرت مت کرو"۔

۸۱۰- حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اے میری اُمت کے لوگو! اللہ نے تمھارے لیے چوبیس عادات کو ناپسند کیا ہے اور تمھیں ان سے باز رہنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ نماز میں کپڑوں سے کھیلنا خدا کو ناپسند ہے اور ماہواری کے ایام میں عورت سے مباشرت کرنا خدا کو ناپسند ہے اور اگر کوئی مرد ماہواری کے دنوں میں بیوی سے مباشرت کرے تو اگر بچہ جذام یا برص کا مریض پیدا ہو تو وہ اپنے علاوہ کسی اور کو ملامت نہ کرے''۔

۸۱۱- ایک محدث کا بیان ہے کہ میں بدھ کے دن امام علی نقی علیہ السلام کے پاس گیا۔ جب میں ان کے پاس پہنچا تو آپ فصد لگوا رہے تھے۔ میں نے کہا کہ اہلِ حرمین رسولِ خدا سے روایت کرتے ہیں کہ جو شخص بدھ کے دن فصد لگوائے اور اس کے جسم پر سفید داغ پڑ جائیں تو وہ اپنے علاوہ کسی اور کو ملامت نہ کرے۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا:

''انھوں نے جھوٹ بولا ہے۔ سفید داغوں کی بیماری (برص) اس شخص کو لاحق ہوتی ہے جس کا نطفہ حالت حیض میں قرار پایا ہو''۔

بیوی کھیتی ہے

نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۠ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ۠

(تمھاری بیویاں تمھاری کھیتی ہیں اپنی کھیتی میں تم جب چاہو چلے جاؤ)

۸۱۲- تہذیب الاحکام میں عبداللہ بن ابی یعفور سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''وطی فی الدبر'' کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا:

''اگر بیوی راضی ہو تو کوئی حرج نہیں ہے''۔

میں نے کہا کہ اللہ تعالٰی نے تو قرآن مجید میں فرمایا ہے: فَاْتُوْهُنَّ مِنْ حَيْثُ اَمَرَكُمُ اللّٰهُ (جہاں سے خدا نے حکم دیا ہے تم اسی راستہ سے جاؤ)۔

آپؑ نے فرمایا: یہ حکم طلب اولاد کے لیے ہے کہ اگر تمھیں اولاد کی ضرورت ہے تو اس راستے سے جاؤ جہاں سے خدا نے حکم دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۖ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ ''تمھاری بیویاں تمھاری کھیتی ہیں جب چاہو اپنی کھیتی میں جاؤ''۔

۸۱۳- کتاب علل الشرائع میں عذافر صیرفی سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

''یہ جو تمھیں بگڑے چہروں والے افراد دکھائی دیتے ہیں یہ وہی لوگ ہیں جن کے والد نے ماہواری میں مباشرت کی تھی''۔

۸۱۴- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''لوگ پاخانہ سے فراغت کے بعد تین پتھروں سے استنجا کرتے تھے کیونکہ وہ کھجوریں کھاتے تھے اور ان کے پیٹ سے اونٹ کی طرح سے مینگنیاں سی نکلتی تھیں۔ ایک انصاری نے کدو کا سالن کھایا تو اس کا پیٹ نرم ہوگیا۔ اس نے اجابت کے بعد پانی سے استنجا کیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسے اپنے پاس بلایا۔ وہ شخص سہما اور ڈرا ہوا آپؐ کے پاس آیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ کہیں اس کے متعلق قرآن کریم کی کوئی ایسی آیت نہ اُتری ہو جو اس کی رسوائی کا سبب ہو۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''کیا آج تو نے اپنی عادت سے ہٹ کر کوئی کام کیا ہے؟''

اس نے کہا: جی ہاں یارسولؐ اللہ! میں نے کدو کا سالن کھایا تھا جس کی وجہ سے میرا پیٹ نرم ہوگیا اور جب میں قضائے حاجت کے لیے گیا تو میں نے سوچا کہ پتھروں سے کام نہیں چلے گا اسی لیے میں نے پانی سے استنجا کیا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تجھے مبارک ہو۔ اللہ تعالیٰ نے تیرے متعلق آیت نازل کی ہے اور فرمایا ہے: إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِينَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِينَ ۝ (بے شک اللہ توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔ چنانچہ خدا نے تجھے پہلے پاکیزہ شخص کا اعزاز بخشا ہے''۔

۸۱۵- اصول کافی میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے فرمایا:

''اگر تم گناہ کر کے خدا سے معافی طلب نہ کرتے تو خدا تمھاری جگہ ایک اور مخلوق پیدا کرتا جو گناہوں کے بعد اس

سے معافی طلب کرتی اور اللہ انھیں معاف کرتا۔ مومن آزمائش میں پڑ کر توبہ کیا کرتا ہے۔ کیا تم نے اللہ کا یہ فرمان نہیں سنا: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاکیزہ رہنے والوں سے محبت کرتا ہے)۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَاسْتَغْفِرُوْا رَبَّكُمْ ثُمَّ تُوْبُوْا اِلَيْهِ (ہود:۹۰) ''تم اپنے پروردگار کے حضور استغفار کرو پھر اس کی بارگاہ میں توبہ کرو''۔

۸۱۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ آزمائش میں پڑنے والے اور توبہ کرنے والے بندہ سے محبت کرتا ہے اور جو گناہوں سے پرہیز کرے وہ اس سے افضل ہوتا ہے''۔

۸۱۷- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ایک حدیث میں یہ جملے وارد ہیں:

''اللہ نے توبہ کرنے والوں کو تین خصلتیں ایسی عطا کی ہیں اگر آسمانوں اور زمین کے رہنے والوں کو ایک بھی خصلت مل جائے تو وہ ان کی نجات کے لیے کافی ہے''۔

پہلی خصلت یہ ہے کہ توبہ کرنے والا اللہ کا محبوب بن جاتا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاکیزہ رہنے والوں سے محبت کرتا ہے)

اور یہ بات بڑی واضح ہے کہ اللہ اپنے کسی محبوب بندے کو عذاب نہیں دے گا۔

۸۱۸- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اگر کسی شخص کی سواری کا جانور اور اس کا توشہ دان سیاہ رات میں گم ہو جائے اور پھر کچھ دیر بعد اسے اپنی سواری اور توشہ دان مل جائے تو جتنی اس کو خوشی ہوتی ہے اس سے کہیں زیادہ خدا کو اس وقت خوشی ہوتی ہے جب کوئی گناہ گار شخص اپنے گناہوں کا اعتراف کر کے خدا کے حضور توبہ کرتا ہے۔

۸۱۹- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ آغاز اسلام میں لوگ اہلِ عرب کی عادت کے مطابق پتھروں اور ڈھیلوں سے استنجا کیا کرتے تھے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انھیں پاکیزگی عطا کی اور انھیں پانی سے وضو کرنے کا حکم دیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس پر عمل کیا اور لوگوں کو اس کی تعلیم دی۔ اللہ تعالیٰ نے صفائی ستھرائی کے متعلق یہ آیت نازل فرمائی: اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ التَّوَّابِيْنَ وَيُحِبُّ الْمُتَطَهِّرِيْنَ (بے شک اللہ توبہ کرنے والوں سے محبت کرتا ہے اور پاکیزہ

افراد سے محبت کرتا ہے)

۸۲۰- کتاب الخصال میں ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

''اللہ کے حضور توبہ کر کے اس کی محبت میں داخل ہو جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں سے محبت کرتا ہے اور مومن توبہ کرنے والا ہوتا ہے''۔

۸۲۱- مصباح الشریعہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے دل کو طاہر اور صاف پیدا کیا ہے اور ذکر' فکر' ہیبت اور تعظیم کو اس کی غذا قرار دیا۔ اور اگر کبھی زندگی کے لمحات میں تم نے اسے غفلت اور تکدر سے دھندلا کر دیا تو پھر اسے توبہ سے صاف کر لو اور انابت کے پانی سے اسے دھو لو۔ وہ اپنی اصل حالت پر واپس آ جائے گا''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ''بے شک اللہ کو توبہ کرنے والوں اور پاکیزہ رہنے والوں سے محبت ہے''۔

۸۲۲- تفسیر علی بن ابراہیم میں نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ (تمھاری بیویاں تمھاری کھیتی ہیں تم جب چاہو اپنی کھیتی میں چلے جاؤ) عامہ نے لفظ اَنّٰى شِئْتُمْ سے جگہ کا معنی مراد لیا ہے اور انھوں نے کہا ہے کہ شوہر کو اختیار ہے کہ وہ چاہے تو قبل میں اور چاہے تو دبر میں وطی کر سکتا ہے جب کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اَنّٰى شِئْتُمْ سے وقت مراد لیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس آیت کا مفہوم یہ ہے کہ مرد کو اختیار ہے کہ وہ حیض و نفاس کے ایام کے علاوہ جب بھی چاہے اپنی بیوی سے مباشرت کر سکتا ہے۔

وضاحت: آیت مجیدہ میں ''اَنّٰى'' کا لفظ استعمال ہوا ہے اور یہ لفظ ظرف زمان اور ظرف مکان دونوں کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ لہٰذا جن حضرات نے اسے ظرف زمان کے معنوں میں لیا تو انھوں نے آیت مجیدہ کا یہ ترجمہ کیا کہ ''تمھاری بیویاں تمھاری کھیتیاں ہیں تم جب بھی چاہو اپنی کھیتی میں چلے جاؤ''۔ اور جن لوگوں نے اسے ظرف مکان کے معنوں پر محمول کیا تو انھوں نے آیت مجیدہ کا یہ ترجمہ کیا کہ ''تمھاری بیویاں تمھاری کھیتی ہیں تم جہاں سے چاہو اپنی کھیتی میں جا سکتے ہو''۔

علمائے شیعہ کی اکثریت نے اسے ظرف زمان کے معنی پر محمول کیا ہے البتہ چند روایات میں اس سے جگہ اور مکان مراد لیا گیا ہے لیکن وہ روایات از روئے متن و از روئے اسناد ضعیف ہیں لہٰذا ان پر عمل نہیں کرنا چاہیے۔ علاوہ ازیں اللہ تعالیٰ نے بیوی کو ''حرث'' کھیتی سے تعبیر کیا ہے اور کھیتی کہہ کر اس طرف اشارہ ہے کہ بیج اسی جگہ ڈالنا چاہیے جہاں سے اس

کے اُگنے کا بھی احتمال ہو۔ اور جہاں سے بیج کبھی نہ اُگا ہو اسے ''کھیتی'' نہیں کہا جاسکتا۔ (من المترجم)

۸۲۳- تفسیر عیاشی میں عبداللہ بن ابی یعفور کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''وطی فی الدبر'' کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: کوئی حرج نہیں ہے۔ پھر آپ نے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ کی آیت تلاوت فرمائی۔

۸۲۴- زرارہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی روایت نقل کی ہے۔

۸۲۵- ہمارے ایک محدث کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ کی آیت مجیدہ کا مطلب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: اس سے ''قُبل'' میں دخول مراد ہے خواہ سامنے سے ہو یا پیچھے سے ہو۔

۸۲۶- معمر بن خلاد کا بیان ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے مجھ سے فرمایا:

وہ لوگ عورتوں سے وطی فی الدبر کے متعلق کیا کہتے ہیں؟

میں نے عرض کیا: میں نے تو یہ سنا ہے کہ اہل مدینہ اسے کوئی گناہ نہیں سمجھتے۔

آپؑ نے فرمایا: یہودی یہ کہتے تھے کہ اگر کوئی مرد اپنی بیوی کے پیچھے سے اس کے ''قُبل'' میں جماع کرے تو پیدا ہونے والا بچہ بڑا دانا اور زیرک ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے یہودیوں کے خیال کی تردید کرتے ہوئے کہا: نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ ''تمہاری بیویاں تمہاری کھیتی ہیں اپنی کھیتی میں جدھر سے چاہو جاؤ۔ مقصد یہ ہے کہ خواہ سامنے سے ''قُبل'' میں دخول کرو یا پیچھے سے ''قُبل'' میں دخول کرو دونوں برابر ہیں۔ اس آیت سے اللہ نے ''وطی فی الدبر'' کی اجازت نہیں دی ہے۔

۸۲۷- زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ کا مطلب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا: اس سے مراد یہ ہے کہ ''قُبل'' میں دخول کیا جائے۔

۸۲۸- ابوبصیر کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص اپنی عورت کی دُبر میں دخول کرتا ہے۔

یہ سن کر آپ نے سخت نفرت کا اظہار کیا اور فرمایا: ایاکم ومحاش النساء ''عورتوں کی دبر سے پرہیز کرو۔

اور نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ ۪ فَاْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ کا مطلب یہ ہے کہ تم جس وقت چاہو اپنی کھیتی میں چلے جاؤ۔ یہ مطلب نہیں ہے کہ تم جدھر سے جاؤ کھیتی میں چلے جاؤ۔

۸۲۹- فتح بن یزید جرجانی کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام کو چند مسائل پر مبنی ایک خط لکھا۔ اس کے جواب میں آپؑ نے یہ الفاظ بھی تحریر فرمائے:

''تو نے ایک شخص کے متعلق پوچھا ہے کہ وہ اپنی کنیز کی دُبر میں دخول کرتا ہے جب کہ عورت کھیتی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک کھلونا ہے اور کھلونے کو اذیت نہیں پہنچنی چاہیے''۔

قَسم کی اہمیّت

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَيْنَ النَّاسِ ۔

(اور خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ نیکی کرنے' تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے میں اپنی قسموں کو رکاوٹ نہ بناؤ)

۸۳۰- اصولِ کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''جب تمھیں دو افراد کے درمیان صلح کرانے کے لیے بلایا جائے تو یہ کہہ کر اپنی جان نہ چھڑاؤ کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ میں لوگوں میں صلح نہیں کراؤں گا''۔ (لہٰذا جب بھی تمھیں اس کام کے لیے بلایا جائے تو چلے جاؤ اور جا کر لوگوں میں صلح کراؤ)

۸۳۱- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جو شخص بات بات پر ''لَا وَاللّٰهِ ، بَلٰى وَاللّٰه'' کہے تو اس نے خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ بنایا ہے۔

۸۳۲- الکافی میں ایوب خزاز سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا' آپؑ نے فرمایا:

''خدا کی سچی یا جھوٹی قسم مت کھاؤ' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰهَ عُرْضَةً لِّاَيْمَانِكُمْ ''اور تم اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ مت بناؤ''۔

۸۳۳- امام جعفر صادق علیہ السلام نے سدیر سے فرمایا:

''سدیر! جس نے خدا کی جھوٹی قسم کھائی اس نے کفر کیا اور جس نے سچی قسم کھائی اس نے گناہ کا ارتکاب کیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰہَ عُرْضَۃً لِّاَیْمَانِکُمْ ''تم اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ''۔

۸۳۴- تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب تمھیں صلح کے لیے بلایا جائے تو یہ نہ کہو کہ میں قسم کھا چکا ہوں کہ کسی کی صلح نہیں کراؤں گا۔

۸۳۵- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ''اللہ کو قسموں کا نشانہ نہ بناؤ'' کا مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص اس طرح کی قسم کھائے کہ وہ اپنے بھائی یا اپنی والدہ سے کلام نہیں کرے گا''۔

۸۳۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''خدا کی سچی یا جھوٹی قسم مت کھاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اللہ کو اپنی قسموں کا نشانہ مت بناؤ۔ اور جب کوئی مسلمان دوسرے مسلمان سے کہے کہ تم میرے اور فلاں شخص کے درمیان صلح کرا دو تو اسے یہ کبھی نہیں کہنا چاہیے کہ میں تو قسم کھا چکا ہوں کہ کبھی بھی مصالحت نہیں کراؤں گا۔ اور اسی بات کو اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی اس آیت میں یوں بیان کیا ہے:

وَلَا تَجْعَلُوا اللّٰہَ عُرْضَۃً لِّاَیْمَانِکُمْ اَنْ تَبَرُّوْا وَتَتَّقُوْا وَتُصْلِحُوْا بَیْنَ النَّاسِ

''اور خدا کو اپنی قسموں کا نشانہ نہ بناؤ کہ قسموں کو نیکی کرنے، تقویٰ اختیار کرنے اور لوگوں کے درمیان اصلاح کرنے کے لیے رکاوٹ نہ بناؤ''۔

۸۳۷- من لا یحضرہ الفقیہ میں بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہی روایت منقول ہے۔

لِلَّذِیْنَ یُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِہِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَۃِ اَشْہُرٍ ۚ فَاِنْ فَآءُوْ فَاِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ ﴿۲۲۶﴾ وَاِنْ عَزَمُوا الطَّلَاقَ فَاِنَّ اللّٰہَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ﴿۲۲۷﴾ وَالْمُطَلَّقٰتُ یَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِہِنَّ ثَلٰثَۃَ

قُرُوْٓءٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِىْٓ
اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ؕ
وَبُعُوْلَتُهُنَّ اَحَقُّ بِرَدِّهِنَّ فِىْ ذٰلِكَ اِنْ اَرَادُوْٓا اِصْلَاحًا ؕ
وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۪ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ
دَرَجَةٌ ؕ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۲۲۸﴾ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمْسَاكٌۢ
بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِيْحٌۢ بِاِحْسَانٍ ؕ وَلَا يَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا
مِمَّآ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ شَيْـًٔا اِلَّآ اَنْ يَّخَافَآ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ
فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا يُقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ۙ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيْمَا
افْتَدَتْ بِهٖ ؕ تِلْكَ حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ وَمَنْ يَّتَعَدَّ
حُدُوْدَ اللّٰهِ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۲۹﴾ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا تَحِلُّ لَهٗ
مِنْۢ بَعْدُ حَتّٰى تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ؕ فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ
عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ اِنْ ظَنَّآ اَنْ يُّقِيْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ ؕ وَتِلْكَ
حُدُوْدُ اللّٰهِ يُبَيِّنُهَا لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ ﴿۲۳۰﴾ وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ
فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَاَمْسِكُوْهُنَّ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ سَرِّحُوْهُنَّ

بِمَعْرُوفٍ ۚ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ وَمَن يَفْعَلْ
ذَٰلِكَ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ ۚ وَلَا تَتَّخِذُوا آيَاتِ اللَّهِ هُزُوًا ۚ
وَاذْكُرُوا نِعْمَتَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَمَا أَنزَلَ عَلَيْكُم مِّنَ الْكِتَابِ
وَالْحِكْمَةِ يَعِظُكُم بِهِ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ وَاعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ بِكُلِّ
شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿٢٣١﴾ وَإِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ فَبَلَغْنَ أَجَلَهُنَّ فَلَا
تَعْضُلُوهُنَّ أَن يَنكِحْنَ أَزْوَاجَهُنَّ إِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُم
بِالْمَعْرُوفِ ۗ ذَٰلِكَ يُوعَظُ بِهِ مَن كَانَ مِنكُمْ يُؤْمِنُ بِاللَّهِ
وَالْيَوْمِ الْآخِرِ ۗ ذَٰلِكُمْ أَزْكَىٰ لَكُمْ وَأَطْهَرُ ۗ وَاللَّهُ يَعْلَمُ
وَأَنتُمْ لَا تَعْلَمُونَ ﴿٢٣٢﴾

''اور وہ لوگ جو اپنی بیویوں سے ترک جماع کی قسم کھاتے ہیں انھیں چار مہینوں کی مہلت ہے اگر وہ واپس آ جائیں تو خدا بخشنے والا مہربان ہے۔ اور اگر وہ طلاق کا ارادہ کرلیں تو خدا سننے والا اور دیکھنے والا بھی ہے' اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک انتظار کریں گی اور ان کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ جو کچھ خدا نے ان کے رحم میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں اگر وہ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی ہیں اور اس مدت میں ان کے شوہر انھیں واپس کرلینے کے زیادہ حق دار ہیں۔ اگر اصلاح چاہتے ہیں اور عورتوں کے لیے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسی ذمہ داریاں ہیں اور مردوں کو ان پر ایک گونہ امتیاز حاصل ہے

اور خدا غالب اور حکمت والا ہے۔ طلاق دو مرتبہ دی جائے گی پھر یا تو سیدھی طرح عورت کو روک لیا جائے یا حُسنِ سلوک سے اسے رخصت کر دیا جائے اور رخصت کرتے وقت تمھارے لیے یہ جائز نہیں ہے کہ جو کچھ انھیں دے چکے ہو اس میں سے کچھ واپس لے لو۔ البتہ یہ صورت مستثنیٰ ہے کہ زوجین کو اللہ کے حدود پر قائم نہ رہنے کا اندیشہ ہو۔ اگر تمھیں خوف ہو کہ وہ دونوں حدودِ الٰہی پر قائم نہ رہیں گے تو ان دونوں کے درمیان یہ معاملہ ہو جانے میں مضائقہ نہیں کہ عورت اپنے شوہر کو کچھ معاوضہ دے کر علیحدگی حاصل کر لے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں۔ ان سے تجاوز نہ کرو اور جو لوگ حدودِ الٰہی سے تجاوز کریں وہی ظالم ہیں۔ پھر اگر مرد اپنی عورت کو تیسری طلاق دے دے تو وہ عورت مرد کے لیے حلال نہ ہوگی یہاں تک کہ دوسرا شوہر کرے اور اگر وہ دوسرا شوہر اسے طلاق دے دے تب اگر پہلا شوہر اور یہ عورت دونوں یہ خیال کریں کہ وہ حدودِ الٰہی پر قائم رہ سکیں گے تو ان کے لیے ایک دوسرے کی طرف رجوع کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ یہ اللہ کی مقرر کردہ حدیں ہیں جنہیں وہ صاحبانِ علم کے لیے بیان کر رہا ہے۔ اور جب تم عورتوں کو طلاق دے دو اور ان کی عدّت پوری ہونے کو آجائے تو یا تو انھیں بھلے طریقہ سے اپنے پاس روک لو یا انھیں حُسنِ سلوک کے ساتھ آزاد کر دو۔ محض ستانے کی غرض سے انھیں مت روکو۔ اور جو کوئی ایسا کرے تو اس نے اپنے آپ پر ظلم کیا ہے اور آیاتِ الٰہی کو مذاق نہ بناؤ اور بھول نہ جاؤ کہ خدا نے کس نعمت عظمیٰ سے تمھیں سرفراز کیا ہے۔ وہ تمھیں نصیحت کرتا ہے کہ جو کتاب وحکمت اس نے تم پر نازل کی ہے اس کا احترام ملحوظ خاطر رکھو اور اللہ سے ڈرتے رہو اور جان لو کہ اللہ کو ہر چیز کی خبر ہے۔ جب تم اپنی بیویوں کو طلاق دے چکو اور وہ اپنی عدّت پوری کر لیں تو انھیں ان کے تجویز کردہ

شوہروں سے نکاح کرنے میں نہ روکنا جب کہ وہ معروف طریقہ سے باہم مناکحت پر راضی ہوں۔ اس حکم کے ذریعہ خدا انھیں نصیحت کرتا ہے جو اللہ اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتے ہیں۔ تمھارے لیے پاکیزہ اور شائستہ طریقہ یہی ہے کہ اس سے باز رہو۔ اللہ جانتا ہے اور تم نہیں جانتے''۔

ایلاء کے احکام

۸۳۸- کتاب علل الشرائع میں ابی خالد الہیثم سے منقول ہے' اس نے کہا کہ میں نے امام علی نقی علیہ السلام سے پوچھا کہ مولا! یہ بتائیں کہ طلاق کی عدت تین ماہ اور وفات کی مدت کا عرصہ چار ماہ دس دن کیوں مقرر کیا گیا؟

آپؑ نے فرمایا کہ طلاق کی عدت اس لیے تین ماہ رکھی گئی تاکہ عورت کے رحم کا استبرا ہو جائے اور وفات کی عدت چار ماہ دس دن اس لیے مقرر کی گئی ہے کہ خدا جانتا ہے کہ ایک عورت کو چار ماہ میں ایک مرتبہ اپنے شوہر کی ضرورت محسوس ہوتی ہے اور وہ شوہر کے بغیر چار ماہ سے زیادہ کا عرصہ بسر نہیں کرسکتی۔ چنانچہ عورتوں کی اسی خواہش کو مدنظر رکھ کر اللہ نے ''ایلاء'' کے لیے بھی شوہر کو چار ماہ کی مدت دی ہے۔ جیسا کہ فرمان الٰہی ہے:

لِلَّذِيْنَ يُؤْلُوْنَ مِنْ نِّسَآئِهِمْ تَرَبُّصُ اَرْبَعَةِ اَشْهُرٍ

(جو لوگ اپنی بیویوں سے ترکِ جماع کی قسم کھاتے ہیں انھیں چار ماہ کی مہلت ہے جب کہ اس کے برعکس مرد کے لیے ایسی کوئی شرط نہیں ہے)

۸۳۹- تفسیر علی بن ابراہیم میں ابو بصیر سے منقول ہے۔ انھوں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی' آپؑ نے فرمایا:

''ایلاء'' کا مقصد یہ ہے کہ کوئی شخص یہ قسم کھائے کہ وہ اپنی بیوی سے مباشرت نہیں کرے گا۔ اب یہ عورت کی اپنی صوابدید پر موقوف ہے۔ اگر وہ صبر کرنا چاہے تو بے شک صبر کرے اور اگر وہ چاہے تو اپنے شوہر کے خلاف قاضی کی عدالت میں بھی دعویٰ دائر کرسکتی ہے۔ قاضی اسے کہے گا کہ یا تو اس سے جنسی تعلقات قائم کرو یا پھر اسے طلاق دے کر آزاد کرو۔ اور اگر وہ شخص دونوں باتوں سے انکار کرے تو اسے ہمیشہ کے لیے قید کر دیا جائے گا''۔

۸۴۰- روایات میں مروی ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے بانس کی ایک چاردیواری بنوائی۔ آپؑ نے اس میں ایسے شخص کو کھڑا کیا جس نے "ایلاء" کی چار ماہ کی مدت گزرنے کے بعد بھی نہ تو بیوی سے جنسی تعلقات قائم کیے تھے اور نہ ہی اسے طلاق جاری کی تھی۔

آپؑ نے اس سے فرمایا کہ یا تو بیوی سے جنسی تعلقات قائم کرو یا اسے طلاق دو ورنہ میں بانسوں کے باڑے کو آگ لگا کر تجھے جلا دوں گا۔

۸۴۱- الکافی میں مرقوم ہے کہ ابوبصیر نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ "ایلاء" کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: "ایلاء" یہ ہے کہ "کوئی مرد اپنی عورت سے کہے کہ خدا کی قسم میں تجھ سے مباشرت نہیں کروں گا"۔ یا یہ کہے کہ "اللہ کی قسم! میں تجھے ضرور ناراض کروں گا"۔

اس صورت میں عورت چار مہینے تک انتظار کرے۔ اگر چار ماہ گزرنے کے باوجود وہ اپنی بیوی کو نہ تو طلاق دے اور نہ ہی اس کی طرف رجوع کرے تو اسے قاضی اس امر پر مجبور کرے گا کہ یا تو وہ رجوع کر لے یا پھر اپنی بیوی کو طلاق جاری کرے۔ اگر وہ رجوع کر لے تو خدا بخشنے والا مہربان ہے اور اگر وہ رجوع نہ کرے تو اسے طلاق پر مجبور کیا جائے۔ محض چار ماہ گزرنے کی وجہ سے طلاق جاری نہیں ہوگی جب تک حاکم اس کا فیصلہ نہ کرے۔

۸۴۲- امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہما السلام کا فرمان ہے کہ اگر کوئی شخص بیوی سے ترکِ جماع کی قسم کھالے تو عورت چار ماہ کا عرصہ خاموشی سے برداشت کرے اور اس دوران اسے شوہر کے خلاف دعویٰ کرنے کا کوئی حق نہیں ہے اور چار ماہ تک اگر شوہر بیوی سے جدا رہے تو اس پر بھی کوئی گناہ نہیں ہے۔ اور اگر چار ماہ گزرنے کے بعد بھی عورت خاموش رہے تو اسے اس کا حق ہے اور اگر وہ قاضی کے پاس اپنے شوہر کے خلاف دعویٰ دائر کرے تو قاضی اس شخص سے کہے گا کہ یا تو وہ بیوی کی طرف رجوع کرے اور اس سے جنسی تعلق قائم کرے یا پھر اسے طلاق جاری کرے اور اگر وہ طلاق کا ارادہ کر لے تو عورت کو حالت طہر میں طلاق جاری کرے اور جب تک عورت کو تین بار حیض نہ آ جائے اس وقت تک اسے رجوع کرنے کا حق حاصل ہے۔ چنانچہ یہ ہے وہ "ایلاء" جس کا اللہ نے اپنی کتاب اور رسولؐ خدا نے اپنی سنت میں ذکر کیا ہے۔

۸۴۳- ابی الصباح الکنانی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک مرد نے اپنی بیوی

سے حقوقِ زوجیت ادا کیے اور اس کے بعد اس نے ''ایلاء'' (ترکِ جماع کی قسم) کیا تو اس کا کیا حکم ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اگر وہ چار ماہ کے بعد رجوع کرلے تو اس ایلاء کی کوئی حیثیت نہیں ہے اور وہ عورت بدستور اس کی بیوی ہے۔ اور اگر وہ طلاق کا ارادہ کرے تو ایلاء سے وہ اپنے ارادہ کا اعلان عملی طور پر پہلے ہی کرچکا ہے۔

آپؑ نے فرمایا:

''ایلاء سے مراد یہ ہے کہ کوئی مرد اپنی بیوی سے کہے کہ ''خدا کی قسم! میں تجھے ضرور ناراض کروں گا اور میں تجھ سے براسلوک کروں گا''۔ یہ الفاظ کہہ کر وہ اپنی بیوی سے تعلقات منقطع کرے اور چار ماہ تک مسلسل حقوقِ زوجیت ادا نہ کرے۔ چار ماہ گزرنے کے بعد ایلاء ثابت ہوجائے گا۔ قاضی کو چاہیے کہ وہ اس مرد کو مجبور کرے کہ یا تو بیوی سے جنسی تعلقات قائم کرے یا پھر طلاق دے دے۔ اگر وہ رجوع کرے تو خدا بڑا غفور و رحیم ہے اور اگر وہ طلاق کا ارادہ کرلے تو اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے''۔

عدتِ طلاق

وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ ۭ

(اور مطلقہ عورتیں تین حیض تک انتظار کریں گی)

۸۴۴- الکافی میں زرارہ سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ میں نے ''ربیعۃ الرائی'' سے سنا کہ جب طلاق یافتہ عورت تیسری ماہواری دیکھے گی تو شوہر سے جدا ہوجائے گی اور ''قروء'' دو ماہواریوں کے درمیانی عرصہ کو کہا جاتا ہے اور اس نے یہ کہا کہ یہ فتویٰ اپنی رائے سے دیا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: مجھے اپنی زندگی کی قسم! اس نے جھوٹ بولا ہے۔ اس نے یہ فتویٰ اپنی رائے سے نہیں دیا۔ اس نے حضرت علیؑ کا فتویٰ نقل کیا ہے۔

میں (زرارہ) نے عرض کیا: حضرت علیؑ اس کے متعلق کیا فرماتے تھے؟

آپؑ نے فرمایا: حضرت علی علیہ السلام فرمایا کرتے تھے:

''جب طلاق یافتہ عورت تیسرا حیض دیکھے گی تو اس کی عدت پوری ہوجائے گی اور اس کے شوہر کا اس پر کوئی حق

باقی نہیں رہے گا اور ''قروء'' سے مراد دو ماہواریوں کا درمیانی عرصہ ہے اور جب تک طلاق یافتہ عورت تیسرے حیض سے پاک ہو کر غسل نہ کرے اس وقت تک وہ نکاح نہیں کر سکتی''۔

(واضح رہے کہ ربیعۃ الرأی ایک اہلِ علم انسان تھا مگر وہ سنت نبویؐ کے مقابلہ پر اپنی رائے کو ترجیح دیتا تھا اور اس کی مذمت میں ائمہ ہدیٰ سے بہت سی احادیث مروی ہیں)

۸۴۵- زرارہ کہتے ہیں کہ میں نے ربیعۃ الرأی سے سنا کہ قرآن مجید میں جو لفظ ''قروء'' استعمال ہوا ہے اس کے متعلق میری رائے یہ ہے کہ اس سے دو ماہواریوں کے درمیان کا زمانہ طُہر مراد ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''اس نے جھوٹ کہا۔ اس نے یہ فتویٰ اپنی رائے سے نہیں دیا تھا بلکہ اس نے حضرت علی علیہ السلام کا فتویٰ سن لیا تھا''۔

میں (زرارہ) نے عرض کیا کہ حضرت علیؑ اس کے لیے کیا فرماتے تھے؟

آپؑ نے فرمایا کہ حضرت علی علیہ السلام کہا کرتے تھے کہ اس سے طُہر مراد ہے۔ طُہر کے زمانہ میں عورت کے رحم میں فاسد خون جمع ہوتا رہتا ہے اور جب ماہواری آتی ہے تو وہ خون باہر آ جاتا ہے۔

۸۴۶- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ''قروء'' سے دو ماہواروں کا درمیانی عرصہ مراد ہے۔

۸۴۷- محمد بن مسلم نے امام محمد باقر علیہ السلام سے نقل کیا کہ ''قروء'' دو ماہواریوں کے درمیان عرصہ کو کہا جاتا ہے۔

۸۴۸- زرارہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے روایت کی' آپؑ نے فرمایا: ''اِقْرَاء'' پاکیزہ ہونے کو کہا جاتا ہے۔

۸۴۹- ابوبصیر کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جس عورت کو حیض نہ آتا ہو تو اس کی عدت طلاق کا عرصہ تین ماہ ہے اور جو عورت استحاضہ سے پاک نہ ہوتی ہو تو اس کی عدت طلاق کی مدت بھی تین ماہ ہے اور جس عورت کو صحیح وقت پر ماہواری آتی ہو تو اس کی عدت طلاق کا عرصہ تین طُہر تک ہے اور ''قروء'' دو ماہواریوں کے درمیان فاسد خون کے جمع ہو جانے کو کہا جاتا ہے''۔

۸۵۰- کتاب الخصال میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"جس مطلقہ کو خونِ حیض بے قاعدگی سے آتا ہو تو اگر اسے تین ماہ کا عرصہ گزر جائے اور اس دوران اسے خون نہ آئے تو اس کی عدت طلاق کا عرصہ مکمل ہو جائے گا یا پھر اسے تین بار حیض آئے اور دو ماہواروں کے درمیان تین ماہ کا عرصہ نہ ہو پھر بھی وہ حیض کے ساتھ شوہر سے جدا ہو جائے گی"۔

عورت اپنے حمل، حیض اور طہر کو نہ چھپائے

وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ اِنْ كُنَّ يُؤْمِنَّ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ

(اگر طلاق پانے والی عورتیں خدا اور روزِ آخرت پر ایمان رکھتی ہیں تو ان کے لیے یہ حلال نہیں ہے کہ جو کچھ خدا نے ان کے رحم میں پیدا کیا ہے اس کو چھپائیں)

۸۵۱۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ عورتوں کے لیے حمل، حیض اور طہر کا چھپانا حلال نہیں ہے اور اللہ تعالیٰ نے یہ تین چیزیں عورتوں کو تفویض کی ہیں۔

۸۵۲۔ تفسیر عیاشی میں وَلَا يَحِلُّ لَهُنَّ اَنْ يَّكْتُمْنَ مَا خَلَقَ اللّٰهُ فِيْٓ اَرْحَامِهِنَّ کے ضمن میں مرقوم ہے کہ طلاق پانے والی عورتوں کو اپنا حمل چھپانا حلال نہیں ہے۔ جب شوہر اس کو طلاق دے اور وہ حاملہ ہو تو وہ اپنے حمل کے متعلق اپنے شوہر کو ضرور آگاہ کرے، کیونکہ مرد اس حمل کے پیدا ہونے تک اس کا زیادہ حق دار ہے۔

زوجین کے حقوق و فرائض

وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِيْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۠ وَلِلرِّجَالِ عَلَيْهِنَّ دَرَجَةٌ ۭ

(اور عورتوں کے لیے بھی ویسے ہی حقوق ہیں جیسی ذمہ داریاں ہیں اور مردوں کو ان پر ایک گونہ امتیاز حاصل ہے)

۸۵۳۔ من لا یحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ اسحاق بن عمار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ عورت کے شوہر پر کون سے حقوق ہیں؟

آپؑ نے فرمایا:

"مرد پر عورت کا حق ہے کہ اسے پیٹ بھر کر کھانا کھلائے اور اس کا جسم ڈھانپے اور اگر عورت سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو وہ اسے معاف کر دے"۔

۸۵۴- امام محمد باقر علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرین کی سند سے روایت کی کہ ایک عورت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور اس نے عرض کیا:

"یارسولؐ اللہ! بیوی پر شوہر کے کیا حقوق ہیں؟"

آنحضرتؐ نے فرمایا:

"اس کا حق یہ ہے کہ بیوی اس کی اطاعت کرے اور اس کی نافرمانی نہ کرے اور اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے صدقہ نہ دے اور اس کی اجازت کے بغیر سنتی روزہ نہ رکھے اور شوہر کی جنسی خواہش کی تکمیل کرے۔ اگرچہ اُونٹ کی پشت پر بھی کیوں نہ ہو اور اس کی اجازت کے بغیر گھر سے باہر نہ نکلے۔ اگر کوئی عورت شوہر کی اجازت کے بغیر نکلتی ہے تو اس کے واپس آنے تک آسمان وزمین اور غضب ورحمت کے فرشتے اس پر لعنت کرتے رہتے ہیں"۔

عورت نے عرض کیا: یارسولؐ اللہ! مرد پر سب سے زیادہ کس کا حق ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: اس کے والدین کا اس پر سب سے زیادہ حق ہے۔

عورت نے پھر عرض کیا: یارسولؐ اللہ! ایک عورت پر سب سے زیادہ حق کس کا ہے؟

آپؐ نے فرمایا: اس پر اس کے شوہر کا سب سے زیادہ حق ہے۔

عورت نے عرض کیا: شوہر کے حقوق کے مقابلے میں میرے حقوق کی کیا نسبت ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: نہیں ایک فی صد بھی نہیں۔

عورت نے کہا: یارسولؐ اللہ! مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ کو برحق نبی بنا کر بھیجا ہے۔ میری گردن کا مالک کوئی مرد نہیں بنے گا۔ (یعنی میں شادی ہی نہیں کروں گی)

۸۵۵- عمر بن حنظلہ کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السالم سے پوچھا کہ اگر ایک شخص کسی دوسرے شخص کو اپنا وکیل مقرر کر کے کہے کہ تم میرا نکاح فلاں عورت سے کرا دو اور نکاح کے عوض وہ جو کچھ حق مہر یا جائیداد طلب کرے گی تو میں اسے قبول کروں گا اور اس کی تمام شرائط کی پابندی کروں گا۔

چنانچہ وکیل گیا اور اس نے مطلوبہ عورت سے اس کا نکاح کر دیا' لیکن وکیل سے ایک غلطی یہ ہوئی کہ اس نے موکل کے اقرار کے وقت کسی کو گواہ نہیں بنایا تھا۔ چنانچہ جب نکاح ہوگیا تو شوہر نے بیوی کی شرائط ماننے سے انکار کر دیا۔ اب اس کی شرعی صورت کیا ہوگی؟

آپؑ نے فرمایا:

''وکیل اس کے آدھے مہر کا ضامن ہے کیونکہ اس نے گواہ مقرر نہ کر کے عورت کے حق کو ضائع کیا ہے اور شوہر کے لیے بھی ضروری ہے کہ وہ بیوی کو طلاق جاری کرے' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ (یا تو اسے قاعدہ کے تحت اپنے پاس روک لے یا پھر شریفانہ طریقہ سے رخصت کرے) اور اگر شوہر نے ایسا نہ کیا تو وہ خدا کی بارگاہ میں گناہ گار قرار پائے گا' جب کہ اسلام کے ظاہری حکم کے تحت عورت کو اس سے شادی کی اجازت ہے''۔

طلاق کا مسنون طریقہ

۸۵۶-الکافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''طلاق کا مسنون طریقہ یہ ہے کہ شوہر دو گواہوں کی موجودگی میں اپنی بیوی کو حالتِ طہر میں طلاق دے۔ پھر اس سے جنسی روابط منقطع کر دے' یہاں تک کہ وہ عورت تین طہر دیکھے اور جب تین طہر پورے ہو جائیں گے تو وہ اس سے آزاد ہو جائے گی اور اگر وہ اس دوران بیوی سے رجوع کرنا چاہے تو بھی اسے اس کا اختیار ہے لیکن رجوع کے لیے دو گواہ مقرر کرے''۔

اللہ تعالیٰ نے اسی مسئلہ کو قرآن حکیم کی اس آیت میں بیان کیا ہے:

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۖ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ

(طلاق دو مرتبہ دی جائے گی پھر یا تو عورت کو سیدھی طرح سے روک لیا جائے یا حُسنِ سلوک سے رخصت کر دیا جائے)

۸۵۷- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

جب کوئی مرد کسی عورت سے شادی کرنا چاہے تو وہ یہ کہے:

''میں اس میثاق کا اقرار کرتا ہوں جو خدا نے معروف طریقہ سے روکنے یا آبرومندانہ طریقہ سے رخصت کرنے کے متعلق لیا ہے''۔

۸۵۸- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ (طلاق دو بار دی جائے اور پھر اس کے بعد یا تو اسے قاعدہ کے تحت روک لیا جائے یا پھر آبرومندانہ طریقہ سے رخصت کر دیا جائے) کی آیت کے تحت روکنے یا رخصت کرنے کے عمل کا تعلق تیسری طلاق سے ہے اور یہ طلاق سنت ہے۔

۸۵۹- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے ایک طویل حدیث میں منقول ہے کہ اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ کے تحت مرد کو دو طلاقوں کا حق ہے۔ تیسری طلاق کے وقت اگر چاہے تو عورت کو اپنے پاس قاعدہ قانون کے تحت روک لے یا اسے آبرومندانہ طریقہ سے رخصت کر دے۔

۸۶۰- تہذیب الاحکام میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''اگر مرد نے عورت کو کچھ دیا ہو یا عورت نے مرد کو کچھ ہبہ کیا ہو تو طلاق کی صورت میں مرد کو اپنی دی ہوئی چیز واپس کرنے کا حق نہیں ہے اور اسی طرح سے عورت کو بھی شوہر سے اپنی ہبہ کردہ چیز کی واپسی کے مطالبہ کا حق حاصل نہیں ہے۔ کیا اللہ یہ نہیں فرما رہا:

اَنۡ تَاۡخُذُوۡا مِمَّاۤ اٰتَيۡتُمُوۡهُنَّ شَيۡـًٔا

''تم جو کچھ دے چکے ہو وہ واپس نہ لو''۔

علاوہ ازیں اللہ نے یہ بھی فرمایا ہے:

فَاِنۡ طِبۡنَ لَـكُمۡ عَنۡ شَىۡءٍ مِّنۡهُ نَفۡسًا فَكُلُوۡهُ هَنِيۡٓـــًٔا مَّرِیۡٓـــًٔا ۝

''اور اگر عورتیں خوش دلی سے تمہیں کچھ دے دیں تو تم اسے خوش گوار سمجھ کر کھاؤ''۔

یہ حکم حق مہر اور ہبہ دونوں کے لیے ہے اور الکافی میں بھی یہ روایت انہی الفاظ سے منقول ہے۔ علاوہ ازیں شہید اول نے شرح ارشاد میں بھی یہی قول اپنایا ہے۔

۸۶۱- مجمع البیان میں فِيۡمَا افۡتَدَتۡ بِهٖ کے متعلق مرقوم ہے کہ حق مہر میں کمی بیشی کرنا جائز ہے اور حضرت علی علیہ السلام سے بھی یہی قول مروی ہے۔

خلع

۸۶۲- تفسیر عیاشی میں ابوبصیر سے منقول ہے، اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے خلع پانے والی عورت کے متعلق پوچھا کہ خلع کیا ہے اور اس کا طریق کار کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''خلع اس وقت جائز ہوتا ہے جب عورت اپنے شوہر سے کہے کہ خدا کی قسم میں تیری کوئی قسم پوری نہیں کروں گی اور تیرے کسی حکم کی اطاعت نہیں کروں گی اور تیرے بستر پر نہیں سوؤں گی اور تیری اجازت کے بغیر غیر کو گھر میں داخل کروں گی''۔

جب عورت یہ الفاظ کہے تو پھر اس کا خلع جائز ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں مرد کے لیے حلال ہے کہ وہ اپنی حق مہر کی رقم یا اس سے زیادہ رقم اس سے لے کر اس کو طلاق دے دے اور اسی مسئلہ کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے بیان فرمایا ہے: فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا فِيمَا افْتَدَتْ بِهِ (عورت اپنے شوہر کو کچھ دے دلا کر علیحدگی حاصل کرے تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے)

خلع کی صورت میں عورت ایک ہی طلاق سے آزاد ہو جائے گی اور عورت کو اپنے لیے اختیار ہے چاہے تو اس سے نکاح کرے اور اگر نہ چاہے تو اس سے نکاح نہ کرے۔ اگر عورت دوبارہ نکاح کر لے تو پھر اسے دوبارہ جدائی کے لیے دو طلاقوں کی ضرورت ہو گی۔

حدود الٰہی سے تجاوز کرنا حرام ہے

تِلْكَ حُدُودُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوهَا ۚ وَمَنْ يَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰهِ فَأُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُونَ ۝

(یہ خدا کی مقرر کردہ حدود ہیں ان سے تجاوز کرو اور جو خدا کی مقرر کردہ حدود سے تجاوز کریں گے تو وہ ظالم ہوں گے)

۸۶۳- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''حدود الٰہی کی پابندی ضروری ہے اور ان سے تجاوز کرنا حرام ہے مثلاً اللہ نے زانی کے لیے سو کوڑوں کی سزا مقرر کی ہے اور جو شخص غصہ میں آ کر اسے سو سے زیادہ کوڑے مارے تو میں اس سے بیزار ہوں کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: تِلْكَ

حُدُوْدُ اللّٰهِ فَلَا تَعْتَدُوْهَا ۚ (یہ اللہ کی مقرر کردہ حدود ہیں تم ان سے تجاوز نہ کرو)

۸۶۴- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ علی بن فضال کا بیان ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ مولا! جس عورت کو تین مکمل طلاقیں مل چکی ہوں تو پھر وہ پرانے شوہر پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ دوسرا نکاح نہ کرلے اور اگر دوسرا شوہر مرجائے یا اسے طلاق جاری کردے تو پھر سابقہ شوہر کو اس سے نکاح کرنے کا حق حاصل ہے۔ آخر اس حکم کی وجہ کیا ہے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا

''اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ نے اس مرد کو دو طلاقوں تک رجوع کا حق دیا تھا مگر اس نے رجوع نہ کیا اور تیسری طلاق جاری کردی۔ اب اس کے لیے یہ حکم اس لیے ہے تاکہ لوگ طلاق کو معمولی چیز نہ سمجھیں اور عورتوں کو نقصان نہ پہنچائیں''۔

۸۶۵- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے محمد بن سنان کے ایک خط کے جواب میں لکھا کہ اللہ نے تین طلاقیں اس لیے قرار دی ہیں تاکہ اس دوران میاں بیوی اپنی اصلاح کرسکیں اور مرد کا غصہ ٹھنڈا ہوسکے اور عورتوں کو سبق مل سکے کہ وہ اپنے شوہروں کی نافرمانی سے پرہیز کریں۔

۸۶۶- الکافی میں حلبی سے منقول ہے وہ کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو ایک طلاق دی۔ پھر اس نے اس سے علیحدگی اختیار کرلی یہاں تک کہ عورت کی عدت کا زمانہ ختم ہوگیا اور عدت گزرنے کے بعد اس عورت نے کسی اور شخص سے نکاح کرلیا اور بعد میں اگر اس کا دوسرا شوہر مرجائے یا اسے طلاق جاری کردے اور پہلا شوہر اس سے نکاح کرلے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: اگر پرانا شوہر اسے طلاق جاری کرے گا تو وہ دوسری طلاق پر ہی وہ اس سے جدا ہوجائے گی۔

۸۶۷- عبداللہ بن محمد نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام کو خط لکھا کہ ہمارے کچھ اصحاب نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے روایت کی ہے کہ جو شخص اپنی بیوی کو قرآن وسنت کے تحت ایک طلاق جاری کرے۔ پھر وہ عورت سے قطع تعلق کرلے یہاں تک کہ باقی دو طلاقوں اور عدت کی مدت بھی گزر جائے اور عورت کسی دوسرے شخص سے نکاح کرے۔ پھر اگر اس کا دوسرا شوہر فوت ہوجائے یا وہ اسے طلاق جاری کردے اور وہ عورت اپنے سابقہ شوہر سے نکاح کرلے اور پھر اگر وہ شوہر اس عورت کو طلاق دے تو عورت دوسری ہی طلاق پر اس سے جدا ہوجائے گی۔ اسے تیسری طلاق کی ضرورت نہیں ہوگی کیونکہ ایک طلاق پہلے جاری ہوچکی ہے۔

اس کے جواب میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے اپنے ہاتھوں سے لکھا: روایت کرنے والوں نے سچ کہا ہے۔

ایک شخص کہتا ہے کہ سابقہ شوہر اگر اپنی سابقہ بیوی کی طرف رجوع کرے اور اگر وہ اسے طلاق دینا چاہتا ہو تو اسے تین طلاقیں دی جائیں گی اور پہلی طلاق تو پہلے ہی گزر چکی ہے اور اب چونکہ نیا نکاح ہے اسی لیے طلاقیں بھی تین ہی جاری کی جائیں۔

امام علیہ السلام نے لکھا: نہیں۔

۸۶۸- اسحاق بن عمار کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی عورت کو طلاق بائن جاری کی۔ عدت گزرنے کے بعد اس عورت نے غلام سے نکاح کر لیا اور اتفاق سے غلام کی وفات ہوگئی یا اس نے اپنی مرضی سے اسے طلاق دے دی تو کیا وہ عورت اپنے سابقہ شوہر سے نکاح کر سکتی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں' کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حَتّٰی تَنْكِحَ زَوْجًا غَيْرَهٗ ''طلاق حاصل کرنے والی عورت طلاق دینے والے پر اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ اس کے علاوہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرے''۔ اب جب کہ اس نے ایک غلام سے نکاح تو کر لیا ہے لہٰذا حلال ہے اور وہ غلام بھی اس کا شوہر ہے۔

کیا دوبارہ رجوع کے لیے متعہ کافی ہے

فَاِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ اَنْ يَّتَرَاجَعَآ

(اگر وہ اسے طلاق جاری کر دے تو پھر رجوع کرنے میں ان کے لیے کوئی حرج نہیں ہے)

۸۶۹- تفسیر عیاشی میں ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق جاری کر دی ہو اور عدت گزرنے کے بعد عورت کسی شخص سے متعہ کر لے تو متعہ کی میعاد گزرنے کے بعد یہ عورت اپنے سابقہ شوہر کے لیے حلال ہو جائے گی یا نہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''نہیں وہ جس طرح کے نکاح سے خارج ہوئی ہے جب تک اسی طرح کے نکاح میں داخل نہ ہو جائے اس وقت تک پہلے شوہر کے لیے حلال نہیں ہوگی۔ جب کہ متعہ میں تو طلاق ہی نہیں ہوتی اور پہلے شوہر کے رجوع کے لیے دوسرے

شوہر کا طلاق دینا ضروری ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَإِنْ طَلَّقَهَا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا أَنْ يَتَرَاجَعَا إِنْ ظَنَّا أَنْ يُقِيمَا حُدُودَ اللَّهِ

(جب وہ بیوی کو طلاق دے دے تو پھر وہ بیوی اس کے لیے اس وقت تک حلال نہ ہوگی جب تک وہ دوسرے شوہر سے نکاح نہ کرلے اور اگر اس کے بعد دوسرا شوہر بھی اس کو طلاق جاری کردے اور مرد و عورت سمجھیں کہ وہ حدود الٰہیہ کو قائم رکھ سکیں گے تو پھر وہ آپس میں رجوع کر سکتے ہیں)

۸۷۰- الکافی میں حسن صیقل سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن جاری کی اور اس عورت نے عدت گزرنے کے بعد کسی شخص سے متعہ کرلیا تو کیا متعہ کی مدت گزرنے اور اس کی عدت ختم ہونے کے بعد وہ عورت اپنے سابقہ شوہر سے نکاح کر سکتی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں، اس کے لیے نکاح دائم ضروری ہے۔

۸۷۱- محمد بن مسلم نے صادقین (امام محمد باقر و امام جعفر صادق علیہما السلام) سے کسی ایک بزرگوار سے پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن جاری کی۔ عدت گزرنے کے بعد عورت نے ایک شخص سے متعہ کیا تو کیا متعہ کی میعاد ختم ہونے اور متعہ کی عدت گزرنے کے بعد وہ عورت اپنے سابقہ شوہر سے نکاح کر سکتی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں۔

۸۷۲- ابی حاتم کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص نے اپنی بیوی کو طلاق بائن جاری کی۔ عدت گزرنے کے بعد عورت نے ایک اور شخص سے نکاح کیا مگر خلوتِ صحیحہ عمل میں نہ لائی گئی تو کیا وہ عورت اس کے بعد اپنے سابقہ شوہر سے دوبارہ نکاح کر سکتی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں، جب تک زفاف واقع نہ ہو وہ اپنے پہلے شوہر سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتی۔

۸۷۳- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام کا ایک رسالہ نقل کیا گیا ہے جسے آپؑ نے مامون کے لیے تحریر کیا تھا اور اس میں اسلام کی بنیادی باتیں تحریر کی تھیں۔ اس رسالہ میں آپؑ نے تحریر کیا:

"جب کوئی شوہر اپنی بیوی کو وقفہ وقفہ سے تین طلاقیں جاری کرے تو وہ عورت اس کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے"۔

۸۷۴- امیرالمومنین علی علیہ السلام نے فرمایا:

''جن عورتوں کو ایک ہی جگہ تین طلاقیں دی گئی ہوں تو ان سے نکاح کرنے سے پرہیز کرو کیونکہ وہ شوہر دار عورتیں ہیں''۔

۸۷۵- کتاب الخصال میں ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے شریعت محمدیہؐ کے بنیادی اصول بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''جب کسی عورت کو سنت نبویؐ کے مطابق تین طلاقیں مل جائیں تو وہ اپنے شوہر کے لیے اس وقت تک حلال نہیں ہے جب تک وہ کسی دوسرے مرد سے نکاح نہ کرے اور جن عورتوں کو بیک وقت تین طلاقیں جاری کی گئی ہوں تو ان سے نکاح مت کرو کیونکہ وہ شوہر دار عورتیں ہیں''۔

عورتوں کو ستانے کے لیے مت روکو

وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا ۚ

(اور عورتوں کو ستانے کی غرض سے مت روکو)

۸۷۶- من لا یحضرہ الفقیہ میں حلبی سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا (اور عورتوں کو ستانے کے لیے مت روکو) کا کیا مقصد ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اس کا مقصد یہ ہے کہ کوئی شوہر اپنی بیوی کو طلاق جاری کرے اور جب اس کی طلاق مؤثر ہونے کے قریب ہو تو پھر رجوع کرے اور رجوع کرنے کے بعد اسے پھر طلاق دے دے اور جب طلاق مؤثر ہونے کے قریب ہو تو پھر رجوع کرے اور یوں تین بار اسے مسلسل طلاق دیتا رہے اور رجوع کرتا رہے۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اس حرکت سے منع کیا ہے اور انھیں فرمایا ہے: وَلَا تُمْسِكُوهُنَّ ضِرَارًا لِّتَعْتَدُوا (صرف ستانے اور نقصان پہنچانے کے لیے انھیں مت روکو)

۸۷۷- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''کسی شخص کے لیے یہ بات نامناسب ہے کہ وہ بیوی کو طلاق دے اور اسے اس کی حاجت نہ ہو۔ پھر بھی وہ اس کی

طرف رجوع کرے اور پھر اسے طلاق دے دے۔ یہ عمل دراصل بیوی کو اذیت پہنچانے کی ایک شکل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو اس سے منع کیا ہے"۔

آیاتِ الٰہی کو مذاق نہ بناؤ

۸۷۸- نہج البلاغہ میں حضرت امیرالمومنین علی علیہ السلام سے یہ الفاظ منقول ہیں:

"جو شخص قرآن پڑھ کر مرنے کے بعد بھی دوزخ میں چلا جائے تو یہ شخص ان لوگوں میں سے ہے جنہوں نے اللہ کی آیات کو مذاق بنایا ہے"۔

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ ۗ وَعَلَى الْمَوْلُوْدِ لَهٗ رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ لَا تُكَلَّفُ نَفْسٌ اِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ فَاِنْ اَرَادَا فِصَالًا عَنْ تَرَاضٍ مِّنْهُمَا وَتَشَاوُرٍ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَا ۗ وَاِنْ اَرَدْتُّمْ اَنْ تَسْتَرْضِعُوْٓا اَوْلَادَكُمْ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِذَا سَلَّمْتُمْ مَّآ اٰتَيْتُمْ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾ وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ

اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ فَاِذَا بَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا
فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ خَبِيْرٌ ﴿۲۳۴﴾
وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا عَرَّضْتُمْ بِهٖ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَآءِ اَوْ
اَكْنَنْتُمْ فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ ؕ عَلِمَ اللّٰهُ اَنَّكُمْ سَتَذْكُرُوْنَهُنَّ
وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ؕ۬
وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ؕ وَاعْلَمُوْٓا
اَنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ فَاحْذَرُوْهُ ۚ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ
غَفُوْرٌ حَلِيْمٌ ﴿۲۳۵﴾ع لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ
تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚۖ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى
الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا
عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾ وَاِنْ طَلَّقْتُمُوْهُنَّ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَمَسُّوْهُنَّ
وَقَدْ فَرَضْتُمْ لَهُنَّ فَرِيْضَةً فَنِصْفُ مَا فَرَضْتُمْ اِلَّآ اَنْ
يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَا الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ؕ وَاَنْ تَعْفُوْٓا
اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ؕ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ؕ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا

تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۳﴾

”جو باپ چاہتے ہوں کہ ان کی اولاد پوری مدت رضاعت تک دودھ پیئے تو مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال دودھ لائیں۔ اس صورت میں بچے کے باپ کو معروف طریقے سے انھیں کھانا کپڑا دینا ہوگا۔ مگر کسی پر اس کی حیثیت سے زیادہ بوجھ نہ ڈالنا چاہیے کہ نہ تو ماں کو اس وجہ سے تکلیف میں ڈالا جائے کہ بچہ اس کا ہے اور نہ ہی باپ کو اس وجہ سے تنگ کیا جائے کہ بچہ اس کا ہے۔ دودھ پلانے والی کا یہ حق جیسا کہ بچے کے باپ پر ہے ویسا ہی اس کے وارث پر بھی ہے۔ لیکن اگر فریقین باہمی رضامندی اور مشورے سے دودھ چھڑانا چاہیں تو ایسا کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں ہے اور اگر تمھارا خیال کسی اور عورت سے بچے کو دودھ پلوانے کا ہو تو اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ لیکن شرط یہ ہے کہ جو معاوضہ طے کرو وہ معروف طریقے پر ادا کرو۔ اللہ سے ڈرو اور جان لو کہ جو کچھ تم کرتے ہو سب اللہ کی نظر میں ہے۔ اور تم میں سے جو لوگ مر جائیں اور ان کے پیچھے ان کی اگر بیویاں زندہ ہوں تو وہ چار مہینے دس دن انتظار کریں گی۔ پھر جب ان کی عدت پوری ہو جائے تو انھیں اختیار ہے اپنی ذات کے معاملے میں معروف طریقے سے جو چاہیں کریں تم پر اس کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے اللہ تمھارے اعمال سے باخبر ہے۔ زمانۂ عدت میں خواہ تم ان بیوہ عورتوں کے ساتھ منگنی کا ارادہ اشارے کنایے میں ظاہر کرو، خواہ دل میں چھپائے رکھو ان دونوں صورتوں میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ خدا کو معلوم ہے کہ تم بعد میں ان سے تذکرہ کرو گے مگر اس دوران ان سے کوئی خفیہ عہد و پیمان نہ کرنا اور اگر کوئی بات کرنی ہے تو معروف طریقے سے کرو اور عقد نکاح

باندھنے کا فیصلہ اس وقت تک نہ کرو جب تک عدت پوری نہ ہو جائے۔ جان لو کہ اللہ تمھارے دل کی باتوں کو خوب جانتا ہے۔ لہٰذا اسی سے ڈرتے رہو اور یہ بھی جان لو کہ اللہ بخشنے والا اور بردبار ہے۔ تم پر کچھ گناہ نہیں' اگر اپنی عورتوں کو طلاق دے دو قبل اس کے کہ ہاتھ لگانے کی نوبت آئے یا مہر مقرر ہو۔ اس صورت میں انھیں کچھ نہ کچھ ضرور دینا چاہیے۔ خوش حال شخص اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب اپنی حیثیت کے مطابق معروف طریقہ سے دے۔ یہ نیک آدمیوں پر حق ہے۔ اور اگر تم نے ہاتھ لگانے سے پہلے طلاق دے دی ہو اور حق مقرر کیا جا چکا ہو تو اس صورت میں تمھیں نصف مہر دینا ہوگا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ وہ خود معاف کر دیں یا وہ مرد معاف کر دے جس کے اختیار میں عقدِ نکاح ہے اور معاف کر دینا تقویٰ سے نزدیک تر ہے اور آپس کے معاملات میں فیاضی کو مت بھولو خدا تمھارے اعمال کو دیکھ رہا ہے''۔

احکامِ رضاعت

وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ

(اور مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال تک دودھ پلائیں)

۸۷۹- من لا یحضرہ الفقیہ میں داؤد بن حصین سے روایت ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ (اور مائیں اپنے بچوں کو کامل دو سال تک دودھ پلائیں) کی آیت مجیدہ پڑھ کر فرمایا:

''جب تک بچہ دودھ پی رہا ہو تو اس پر ماں باپ دونوں کا برابر حق ہے اور جب اس کا دودھ چھڑا دیا جائے تو ماں کی بہ نسبت اس پر باپ کا حق فائق ہے اور اگر باپ مر جائے تو باقی رشتہ داروں کی بہ نسبت اس پر ماں کا حق فائق ہے''۔

۸۸۰- الکافی میں ابو الصباح الکنانی سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ (بچے کی وجہ سے اس کی ماں اور اس کے باپ کو اذیت نہیں ہونی چاہیے) کی آیت مجیدہ

کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''دورِ جاہلیت میں زمانۂ رضاعت میں اگر کوئی مرد اپنی بیوی سے ہم بستری کی خواہش کا اظہار کرتا تھا تو وہ جواب میں کہتی تھی کہ میں آپ کی خواہش پوری نہیں کر سکتی کیونکہ مجھے اندیشہ ہے کہ اگر میں نے آپ کی خواہش پوری کی تو میں پھر حاملہ ہو جاؤں گی اور میرا یہ بچہ دودھ سے محروم ہو جائے گا۔

بعض اوقات ایسا بھی ہوتا تھا کہ عورت اپنے شوہر سے جنسی تقاضوں کی تکمیل کی خواہش کرتی تھی تو مرد یہ کہہ کر اس کی خواہش کو ٹھکرا دیتا تھا کہ میں تم سے جنسی تقاضے پورے نہیں کروں گا کیونکہ اگر میں نے ایسا کیا تو تم اس کے نتیجہ میں حاملہ ہو جاؤ گی اور میرا یہ بچہ دودھ سے محروم رہ جائے گا۔ چنانچہ اس آیت مجیدہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کو یہ تفہیم دی کہ وہ بچے کی وجہ سے اپنی فطری خواہشات کا گلہ نہ دبائیں''۔

عیاشی نے بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت کی ہے۔

۸۸۱- مجمع البیان میں مرقوم ہے لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ کا ایک مفہوم یہ بھی بیان کیا گیا کہ بچے کی ماں کو اس کے بیٹے کے سلسلہ میں نہ ستایا جائے اور اگر یہ کہا جائے کہ ''فی ولدھا'' تو یہ معنی زیادہ واضح ہو کر سامنے آتا ہے۔

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے اس آیت مجیدہ کا یہ مفہوم منقول ہے کہ اس آیت کا مقصد یہ ہے کہ بچے کی وجہ سے ترکِ جماع کر کے اس کی والدہ کو اذیت نہ دی جائے اور حمل کے خوف سے بیوی بھی اپنے شوہر کو اپنے سے دور رہنے پر مجبور نہ کرے۔ الغرض بچے کو بنیاد بنا کر زوجین کے فطری حقوق پر پابندی عائد نہ کی جائے۔

۸۸۲- الکافی میں ابوالصباح الکنانی سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر کوئی شخص اپنی حاملہ بیوی کو طلاق دے دے تو بچے کی پیدائش تک اس عورت کے اخراجات پورے کرے اور جب بچہ پیدا ہو جائے تو بچے کی ماں کو دودھ پلانے کی اُجرت دے۔ البتہ اگر کوئی اور عورت اس سے کم اُجرت پر بچے کو دودھ پلانے پر آمادہ ہو جائے تو بچہ دوسری عورت کے حوالے کر دے اور اگر بچے کی ماں قابلہ کی اُجرت پر رضامند ہو جائے تو پھر اس کی گود سے بچے کو علیحدہ نہ کرے''۔

۸۸۳- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ طلاق یافتہ حاملہ عورت کے اخراجات اس کے شوہر کے ذمہ ہیں

یہاں تک کہ بچہ پیدا ہو جائے اور دوسری عورتوں کے مقابلہ میں وہ اپنے بچے کو دودھ پلانے کی زیادہ حق دار ہے۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا تُضَآرَّ وَالِدَةٌۢ بِوَلَدِهَا وَلَا مَوْلُوْدٌ لَّهٗ بِوَلَدِهٖ ۚ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ۚ

''کسی ماں کو اس کے بچے اور کسی باپ کو اس کے بچے کی وجہ سے تکلیف میں نہ ڈالا جائے اور دودھ پلانے والی کا حق جیسا کہ بچے کے والد پر ہے ویسا ہی اس کے وارث پر بھی ہے''۔

ابتداء میں ایسا ہوتا تھا کہ جب شوہر اپنی بیوی سے جنسی حقوق کا تقاضا کرتا تھا تو عورت کہتی تھی کہ میں آپ کی خواہش کی تکمیل نہیں کروں گی کیونکہ مجھے ڈر ہے کہ کہیں میں حاملہ نہ ہو جاؤں اور اگر ایسا ہو گیا تو میرا یہ شیر خوار بچہ بھوکا رہ جائے گا۔

اور کبھی ایسا بھی ہوتا تھا کہ بیوی اپنی جبلّی خواہشات کی تسکین کی تمنا کرتی تو شوہر کہتا تھا کہ میں تیری خواہش پوری نہیں کروں گا کیونکہ اس کے نتیجے میں تو حاملہ ہو جائے گی اور میرا یہ شیر خوار بچہ دودھ نہ ملنے کی وجہ سے کمزور ہو جائے گا۔ اللہ تعالیٰ نے میاں بیوی کو ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ بچے کی وجہ سے میاں بیوی کو اپنی جبلّی خواہشات سے علیحدہ رہنا صحیح نہیں ہے۔

وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ ''اور ایسے ہی حقوق وارث پر بھی واجب ہیں''۔

اللہ نے اس آیت کے ذریعے سے لوگوں کو منع کیا ہے کہ بچے کو ضرر نہ پہنچایا جائے اور رضاعت کے دوران اس کی ماں کو بھی ضرر نہ پہنچایا جائے۔ اگر عورت دو سال کے بعد بھی بچے کو دودھ پلائے تو وہ زائد ایام کی اُجرت کی حق دار نہ ہوگی۔ اور اگر میاں بیوی باہمی رضامندی اور مشورے سے بچے کا دودھ چھڑانا چاہیں تو بھی بہتر ہے۔ آیت مجیدہ میں جو لفظ ''فصال'' استعمال ہوا ہے اس سے دودھ چھڑانا مراد ہے۔

۸۸۴- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ محمد بن مسلم نے صادقین علیہما السلام میں سے ایک بزرگوار سے وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ کا مفہوم دریافت کیا تو انھوں نے فرمایا:

''اس سے مراد نفقہ ہے اور وارث پر بھی اسی طرح سے واجب ہے جیسا کہ والد پر واجب ہے''۔

۸۸۵- ابی الصباح الکنانی کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ کا مفہوم

پوچھا گیا۔ آپؑ نے فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص فوت ہو جائے اور اس کا وارث اس کی جائیداد پر قابض ہونے کے بعد کہے کہ میں اس بچے کو اس کی ماں سے ملنے نہیں دوں گا یا یہ کہے کہ میں اس عورت کو اس کے بچے سے ملنے نہیں دوں گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''وارث کو بھی ایسا رویہ اپنانا چاہیے جس سے ماں اور اس کے بچے کی بھلائی ممکن ہو سکے اور ان پر تنگی نہیں کرنی چاہیے''۔

۸۸۶- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ کے متعلق ایک قول یہ ہے کہ اس سے بچہ کے والدین میں سے باقی بچنے والا فرد مراد ہے اور ہمارے ہاں یہی صحیح ہے۔

علاوہ ازیں ہماری روایات میں اس سے عمومی وارث بھی مراد لیا گیا ہے خواہ کوئی بھی کیوں نہ ہو تو بھی اس پر بچے کا نفقہ واجب ہوگا اور یہ تاویل ظاہر کے بھی موافق ہے۔

۸۸۷- تفسیر علی بن ابراہیم میں وَعَلَى الْوَارِثِ مِثْلُ ذٰلِكَ کے متعلق مرقوم ہے کہ مقصد آیت یہ ہے کہ اگر کسی عورت کا شوہر فوت ہو چکا ہو اور اس کی بیوی اس کے شیر خوار بچے کو دودھ پلا رہی ہو تو مرنے والے کے وارث کے لیے اس کے نان ونفقہ میں تنگی کرنا حلال نہیں ہے۔

۸۸۸- من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اس شخص کے متعلق جو وفات پا گیا تھا اور ایک شیر خوار بچہ چھوڑ کر مرا تھا۔ اس بچے کو دودھ پلانے کے لیے دائی تلاش کی گئی تو آپؑ نے یہ فتویٰ دیا تھا کہ جو بھی شخص بچے کے والد یا ماں کی وراثت میں حصہ دار ہے وہ اس شیر خوار بچے کی دودھ کی رقم کا ضامن ہے۔

۸۸۹- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اپنی اولاد کو کسی احمق عورت کا دودھ نہ پلواؤ اور ایسی عورت کا بھی دودھ نہ پلواؤ جس کی آنکھوں سے پانی بہتا ہو اور اس کی نظر کمزور ہو چکی ہو کیونکہ دودھ کا اثر بچے پر بھی پڑتا ہے''۔

۸۹۰- حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ماں کے دودھ سے بہتر بچے کے لیے کوئی دودھ نہیں ہے''۔

۸۹۱- کتاب الخصال میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

''اپنی اولاد کو بدکار اور احمق عورتوں کا دودھ مت پلواؤ کیونکہ بچے پر دودھ کے اثرات مرتب ہوتے ہیں''۔

۸۹۲- کتاب علل الشرائع میں امام علی نقی علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''اللہ نے عدہ وفات کی مدت چار ماہ دس دن مقرر کی ہے اور اسی طرح سے ایلاء کرنے والے شوہر کو بھی چار ماہ کی مہلت دی ہے اور اس میں حکمت یہ ہے کہ خدا کو معلوم ہے کہ عورت اتنے دن ہی شوہر کے بغیر بسر کرسکتی ہے اور اس سے زیادہ دن بسر نہیں کرسکتی۔

۸۹۳- عبداللہ بن سنان نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ آخر اس کی وجہ کیا ہے کہ طلاق یافتہ عورت کی عدت تین مہینے مقرر کی گئی ہے اور عدت وفات کا عرصہ چار ماہ دس دن مقرر کیا گیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اس کی وجہ یہ ہے کہ طلاق یافتہ عورت کا درد والم تین ماہ میں ختم ہو جاتا ہے جب کہ بیوہ ہونے والی عورت کا درد چار ماہ دس دن سے پہلے ختم نہیں ہوتا اسی لیے طلاق اور وفات کی عدت میں فرق ہے۔

۸۹۴- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے عدت وفات کی یہ آیت فرمائی: وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا يَّتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا ۚ (تم میں سے جو لوگ فوت ہو جائیں اور بیویاں چھوڑ جائیں تو وہ عورتیں چار ماہ دس دن اپنے آپ کو روکے رکھیں) تو عورتیں رسولؐ خدا کی خدمت میں آئیں اور انھوں نے آپؐ سے عرض کیا:

یارسولؐ اللہ! یہ تو بڑی لمبی مدت ہے اور اتنی مدت تک ہم سے صبر نہیں ہوسکتا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان سے فرمایا:

''تمھیں کیا سابقہ رسم یاد نہیں ہے کہ جب کسی عورت کا شوہر فوت ہو جاتا تھا تو وہ عورت اونٹ کی ایک مینگنی اٹھا کر اپنے کمرے میں ڈال دیتی تھی اور پھر وہ پورا سال عدت میں بیٹھ جاتی تھی۔ جب سال گزر جاتا تو پھر اس مینگنی کو پیس کر اس کا آنکھوں میں سرمہ لگایا کرتی تھی اور اس کے بعد تب کہیں کسی سے نکاح کرتی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے تم پر ترس کھایا اور اس نے تم سے آٹھ ماہ ہٹا لیے ہیں''۔

۸۹۵- الکافی میں محمد بن مسلم سے روایت ہے کہ ایک عورت امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آئی اور اس نے

پوچھ کہ میرا شوہر فوت ہو چکا ہے کیا میں اس کا گھر چھوڑ کر کسی دوسرے کے گھر میں شب باشی کر سکتی ہوں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''زمانۂ جاہلیت کا یہ دستور تھا کہ جب کسی عورت کا شوہر فوت ہوتا تھا تو وہ پورے بارہ مہینے شوہر کا سوگ مناتی تھی۔ جب اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰ کو نبی بنا کر روانہ کیا تو خدا کو عورتوں پر ترس آیا۔ اللہ نے عدت کی میعاد سال کی بجائے چار ماہ دس دن کر دی ہے لیکن تمھیں یہ بھی بھاری دکھائی دے رہی ہے اور تم اس پر بھی صبر نہیں کرنا چاہتیں''۔

۸۹۶- حلبی کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر کسی عورت کا شوہر مر جائے اور عورت حاملہ ہو اور چند دن بعد بچہ پیدا ہو جائے اور عورت چار ماہ دس دن کی عدت سے قبل ہی کسی دوسرے سے نکاح کر لے تو اس کا حکم شرعی کیا ہوگا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر دخول ہو چکا ہے تو پھر شوہر بیوی کو جدا کر دیا جائے اور وہ عورت اس مرد کے لیے کبھی حلال نہیں ہوگی اور وہ اپنے پہلے شوہر کی عدت وفات کے بقیہ دنوں کی عدت پوری کرے گی اور دوسرے شوہر کی عدت تین ماہ تک رکھے گی اور اگر دخول نہ ہوا ہو تو میاں بیوی میں جدائی ڈال دی جائے گی اور عورت اپنے پہلے شوہر کی عدت کے بچے ہوئے ایام کی عدت پوری کرے گی اور جب عدت پوری ہو جائے تو دوسرا شوہر بھی اس کی خواستگاری کر سکتا ہے''۔

۸۹۷- محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک حاملہ عورت کا شوہر فوت ہو گیا اور عورت عدت میں بیٹھی اور عدت ابھی پوری نہیں ہوئی تھی کہ بچہ پیدا ہو گیا۔ بچے کی پیدائش کے بعد اس عورت نے چار ماہ دس دن کی عدت پوری کیے بغیر ایک اور شخص سے نکاح کر لیا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر دخول ہو چکا ہو تو میاں بیوی کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا جائے اور وہ عورت اس مرد پر ہمیشہ کے لیے حرام ہو جائے گی اور عورت پہلے شوہر کی عدت کے بچے ہوئے ایام پورے کرے گی اور اس کے بعد دوسرے شوہر کی جدائی کی عدت کے طور پر تین طہر تک مزید ٹھہری رہے گی اور اگر دخول نہ ہوا ہو تو ان کے درمیان جدائی ڈال دی جائے گی اور عورت سے کہا جائے گا کہ وہ اپنے پہلے شوہر کی عدت کے بقیہ دن بسر کرے۔ اور جب پہلے شوہر کی عدت کے دن گزر جائیں تو

دوسرا شوہر بھی نئے سرے سے خواستگاری کرنے کا مجاز ہے''۔

۸۹۸- جس عورت کا شوہر غائب ہو اور اس کی وفات کی خبر آجائے تو بیوی عدت کا آغاز اس دن سے شروع کرے گی جس دن اس کو خبر ملی ہو۔

۸۹۹- تہذیب الاحکام میں زرارہ سے منقول ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر کسی عورت نے کسی شخص سے نکاح متعہ کیا ہوا ہو اور متعہ کرنے والا شخص مر جائے تو عورت کتنے دن تک اس کا سوگ رکھے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''زرارہ! نکاح جس بھی قسم کا ہو اور عورت خواہ کسی بھی طرح کی ہو شوہر کی عدت چار ماہ دس دن ہی رہے گی۔ چنانچہ عورت آزاد ہو یا کنیز ہو اور نکاح دائمی ہو یا متعہ ہو یا ملکِ یمین ہو عدت میں کوئی کمی نہیں آئے گی''۔

(مؤلف کہتا ہے کہ عدت کے مسائل کے لیے ہمارے بزرگ فقہاء کی کتابوں کی طرف رجوع کیا جائے۔)

بیوگان کی اشاروں کنایوں سے خواستگاری

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيمَا عَرَّضْتُمْ بِهِ مِنْ خِطْبَةِ النِّسَاءِ أَوْ أَكْنَنْتُمْ فِي أَنْفُسِكُمْ ۚ

(اور تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم زمانہ عدت میں عورتوں سے منگنی کے ارادے کا اشاروں کنایوں میں اظہار کرو یا دل میں چھپائے رکھو)

۹۰۰- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کی عدت وفات پوری کر رہی ہو تو اس سے عقد کرنا یا عقد کا واضح پیغام دینا یا اس سے عہد لینا کہ وہ اس کے علاوہ اور کسی سے عقد نہ کرے گی' ناجائز ہے۔ البتہ اس کو اشاروں کنایوں میں نکاح کا اشارہ کیا جا سکتا ہے اور اس سے نکاح کے دل میں بھی منصوبے بنائے جا سکتے ہیں اور عدت والی عورت سے نکاح کا خفیہ وعدہ لینا بھی ناجائز ہے۔

۹۰۱- الکافی میں حلبی سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا کا مطلب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''اس سے مراد یہ ہے کہ کوئی عورت جو شوہر کی موت کی عدت پوری کر رہی ہو اور کوئی مرد اس سے یہ کہے کہ میں فلاں گھر میں تم سے ملاقات کروں گا اور تمھیں نکاح کا پیغام دوں گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اس طرح کے خفیہ وعدوں سے بھی لوگوں کو منع کیا ہے اور فرمایا ہے کہ جب تک عدت پوری نہ ہو جائے اس وقت تک نکاح کا ارادہ نہ کرو۔

۹۰۲- عبداللہ بن سنان کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا ۥ وَلَا تَعْزِمُوْا عُقْدَةَ النِّكَاحِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتٰبُ اَجَلَهٗ ۔ (ان عورتوں سے خفیہ وعدہ نہ لو صرف کوئی نیک بات کہہ دو تو کوئی حرج نہیں ہے اور جب تک عدت کی مدت پوری نہ ہو جائے اس وقت تک عقد نکاح کا ارادہ نہ کرنا) کا مقصد دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''خفیہ وعدہ سے مراد یہ ہے کہ کوئی شخص عورت سے کہے کہ تم فلاں شخص کے گھر میں مجھ سے ملاقات کرنا۔ پھر یہ کہے کہ عدت ختم ہونے کے بعد اپنے متعلق جلدی نہ کر لینا''۔

میں (راوی) نے کہا کہ اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (تم کوئی نیک بات کہہ دو تو کوئی حرج نہیں ہے) کا مقصد کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس سے عدت کے اختتام سے قبل عقدِ نکاح کا ارادہ کیے بغیر حلال کا طلب کرنا مراد ہے۔

۹۰۳- علی بن ابی حمزہ کہتے ہیں کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا کا مفہوم دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''اس کا مقصد یہ ہے کہ عدت میں بیٹھی ہوئی عورت کو یہ کہنا کہ تم فلاں مقام پر آ جانا اور اس سے ہم بستری کرنا''۔

اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ خفیہ وعدوں سے بچو۔ اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا (البتہ تم کوئی نیک بات کہہ دو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے)

قول معروف سے حلال اور جائز طریقہ سے عقد نکاح کا اشارہ کرنا مراد ہے اور جب تک عدت کا عرصہ ختم نہ ہو جائے اس وقت تک عقد نکاح کا ارادہ نہ کیا جائے۔

۹۰۴- عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ کا بیان ہے کہ اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا کا مقصد یہ ہے کہ مرد عدت وفات میں بیٹھی ہوئی عورت سے ''میں تم میں رغبت رکھتا ہوں اور میں عورتوں کی عزت کرنے والا شخص ہوں اور جلد بازی سے کام

نہ لینا'' وغیرہ جیسے الفاظ کہے اور خفیہ وعدہ سے مراد یہ ہے کہ جہاں اس عورت کو پائے تو اس سے خلوت میں باتیں کرے۔ چنانچہ اس طرح کے خفیہ وعدوں کو اللہ نے ممنوع قرار دیا ہے۔

۹۰۵- تفسیر عیاشی میں وَلٰكِنْ لَّا تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا کی تفسیر کے ضمن میں لکھا ہے کہ اس آیت مجیدہ کے متعلق امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اس سے عدت وفات میں بیٹھی ہوئی عورت کو اپنے لیے راغب کرنا مراد ہے۔

۹۰۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا کے متعلق فرمایا کہ اس سے مراد یہ ہے کہ ایک مرد عدت وفات میں بیٹھی ہوئی کسی عورت سے اس طرح کے الفاظ کہے۔

''دیکھو میں وہی کچھ پسند کرتا ہوں جس سے آپ کو خوشی ملتی ہو اور اگر خدا نے چاہا تو عدت کے بعد تم میرے ہاتھ سے باہر نہ جاؤ گی اور مجھ سے مشورہ کیے بغیر اپنے متعلق کوئی بڑا فیصلہ نہ کر لینا''۔

ایسے تمام الفاظ بھی اس صورت میں جائزہ ہیں جب کہ عقد نکاح قائم کرنے کا ارادہ نہ ہو۔

زفاف سے قبل طلاق کے مسائل

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ۝

(اور تم پر کوئی گناہ نہیں کہ عورتوں کو مَس کرنے اور حق مہر مقرر کرنے سے پہلے تم ان کو طلاق دے دو اور اس صورت میں انھیں کچھ نہ کچھ ضرور دینا چاہیے۔ خوش حال شخص اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب اپنی حیثیت کے مطابق دے۔ یہ نیک آدمیوں پر حق ہے)

۹۰۷- ابن بکیر کا بیان ہے کہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ کے ضمن میں پوچھا کہ خوش حال کی حیثیت سے کیا مراد ہے اور غریب کی حیثیت سے کیا مراد ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ میرے دادا امام علی زین العابدین علیہ السلام کہتے تھے کہ اس سے وہ ساز و سامان مراد ہے جو کوئی شوہر اپنی دلہن کو دے کر اپنے گھر میں لاتا ہے۔

۹۰۸- محمد بن مسلم کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص خلوتِ صحیحہ سے قبل اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہے۔اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

''طلاق سے قبل مرد کو چاہیے کہ اسے کچھ نہ کچھ ضرور دے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَمَتِّعُوهُنَّ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ''تم انھیں کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچاؤ۔خوش حال شخص اپنی حیثیت کے مطابق اور غریب اپنی حیثیت کے مطابق دے''۔

اعتدال کو مدنظر رکھا جائے

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا أَنْفَقُوا لَمْ يُسْرِفُوا وَلَمْ يَقْتُرُوا وَكَانَ بَيْنَ ذَٰلِكَ قَوَامًا (الفرقان:٦٧)

(اللہ کے خاص بندے وہ ہیں جب وہ خرچ کرتے ہیں تو وہ نہ تو فضول خرچی کرتے ہیں نہ ہی بخل کرتے ہیں۔ان کا خرچ اعتدال پر قائم رہتا ہے)

۹۰۹- الکافی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے کہ اعتدال وقوام سے مراد یہ ہے کہ امیر آدمی اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے اور نادار شخص اپنی حیثیت کے مطابق خرچ کرے۔اللہ تعالیٰ کسی کو اس کی وسعت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

۹۱۰- حفص بن البختری نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ ایک شخص اپنی بیوی کو خلوتِ صحیحہ سے قبل طلاق دینا چاہتا ہے کیا وہ اپنی بیوی کو کچھ دنیاوی ساز وسامان دے کر رخصت کرے؟

آپؑ نے فرمایا:

''جی ہاں۔کیا وہ شخص نیک لوگوں کی جماعت کا فرد نہیں بننا چاہتا اور کیا وہ شخص اہلِ تقویٰ کی جماعت کا فرد نہیں بننا چاہتا؟''

۹۱۱- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''خلع حاصل کرنے والی عورت کو کوئی فائدہ نہ پہنچایا جائے''۔

۹۱۲۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''خلع حاصل کرنے والی عورت کو فائدہ پہنچانا ضروری نہیں ہے''۔

۹۱۳۔ من لایحضرہ الفقیہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''اگر کوئی شخص خلوت صحیحہ سے قبل اپنی بیوی کو طلاق دے دے اور اس کا حق مہر مقرر ہو چکا ہو تو وہ اپنی بیوی کو آدھا حق مہر ادا کرے اور اگر بیوی کا حق مہر مقرر شدہ نہ ہو تو اسے کچھ نہ کچھ دنیاوی فائدہ دے کر رخصت کرے۔ مالدار شخص اپنی حیثیت کے مطابق دے اور غریب اپنی حیثیت و استطاعت کے مطابق دے اور جس عورت کو خلوت سے پہلے طلاق ہو جائے تو اس کے لیے کوئی عدت نہیں ہے۔ چنانچہ وہ اسی وقت بھی اگر کسی سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہے''۔

۹۱۴۔ بزنطی کی روایت میں بیان کیا گیا ہے کہ مطلقہ کو فائدہ دینا فرض ہے اور روایت ہے کہ مالدار شخص اسے گھر یا نوکر دے کر رخصت کرے اور متوسط طبقہ کا فرد کپڑے دے کر اسے رخصت کرے اور غریب شخص کچھ درہم یا انگوٹھی دے کر اسے روانہ کرے۔ روایت میں ہے کہ فائدہ کی کم از کم مقدار ایک چادر یا اس سے ملتی جلتی چیز ہے۔

۹۱۵۔ مجمع البیان میں ہے کہ اگر کوئی مالدار شخص بیوی کو خلوت سے قبل طلاق جاری کرے تو اسے چاہیے کہ بیوی کو غلام یا لباس یا چاندی کی صورت میں کچھ نہ کچھ فائدہ پہنچا کر رخصت کرے۔ امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے یہی مفہوم منقول ہے۔ البتہ اس بات میں اختلاف ہے کہ فائدہ پہنچانا کیا صرف اس عورت کے لیے ضروری ہے جس کا حق مہر معین نہ کیا گیا ہو یا جس کا حق مہر بھی مقرر ہو اور شوہر اسے خلوت سے قبل طلاق دے دے تو آدھے حق مہر کے ساتھ اسے مزید فائدہ بھی پہنچائے۔

امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ فائدہ پہنچانا اس عورت کے لیے ضروری ہے جس کا حق مہر مقرر نہ کیا گیا ہو اور اسے خلوت سے قبل طلاق ہو گئی ہو۔

اس سلسلہ کا ایک قول ضعیف یہ ہے کہ ہر مطلقہ کو فائدہ پہنچایا جائے البتہ جس عورت کا حق مہر مقرر ہو اور شوہر نے اسے خلوت سے قبل طلاق جاری کر دی ہو تو ایسی عورت کو حق مہر کا نصف حصہ دیا جائے گا اور اسے فائدہ نہیں پہنچایا جائے گا۔ ہمارے اصحاب نے اس مفہوم کی بھی روایت نقل کی ہے اور اسے استحباب پر محمول کیا جائے گا۔

۹۱۶۔ تفسیر عیاشی میں اسامہ بن حفص سے منقول ہے کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ اگر کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور حق مہر مقرر نہ کرے تو اس کا شرعی حکم کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

''وہ عورت شوہر کی وفات کی صورت میں اپنی میراث کا حصہ بھی حاصل کرے گی اور اس پر عدت بھی واجب ہے البتہ اس کے لیے حق مہر نہیں ہے۔ کیا تم نے قرآن مجید میں یہ آیت نہیں پڑھی:

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ مَا لَمْ تَمَسُّوْهُنَّ اَوْ تَفْرِضُوْا لَهُنَّ فَرِيْضَةً ۚ وَّمَتِّعُوْهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوْسِعِ قَدَرُهٗ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهٗ ۚ مَتَاعًا بِالْمَعْرُوْفِ ۚ حَقًّا عَلَى الْمُحْسِنِيْنَ ﴿۲۳۶﴾

''اگر عورتوں کو ہاتھ لگانے سے پہلے تم انھیں طلاق دے دو تو بھی تم پر کوئی حرج نہیں اور تم نے اگر اپنی بیویوں سے حق مہر مقرر نہ کیا ہو تو مالدار اپنی حیثیت کے مطابق اسے فائدہ پہنچا کر رخصت کرے اور غریب آدمی اپنی حیثیت کے مطابق اسے فائدہ پہنچا کر رخصت کرے۔ یہ فائدہ معروف طریقے سے ہونا چاہیے اور یہ نیک آدمیوں پر حق ہے''۔

۹۱۷۔ منصور بن حازم کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے شادی کی اور اس سے حق مہر مقرر کیا مگر خلوت سے قبل شوہر مرگیا تو اس عورت کے لیے حکم شرعی کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اسے حق مہر پورا دیا جائے گا اور وہ میراث میں حصہ دار ہوگی۔

میں (راوی) نے عرض کیا مگر لوگوں نے تو آپؑ سے یہ مسئلہ روایت کیا ہے کہ اسے آدھا مہر ملے گا؟

آپؑ نے فرمایا: لوگ اچھی طرح سے باتوں کو یاد نہیں رکھتے میں نے آدھے مہر کا فتویٰ مطلقہ کے لیے دیا تھا۔

عورت اور اس کے ولی کو حق مہر معاف کرنے کا حق ہے

اِلَّآ اَنْ يَّعْفُوْنَ اَوْ يَعْفُوَ الَّذِىْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ ۚ وَاَنْ تَعْفُوْٓا اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰى ۚ وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۚ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾

(۔۔۔ہاں یہ اور بات ہے کہ عورتیں خود معاف کر دیں یا وہ مرد معاف کر دیں جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے اور معاف کر دینا تقویٰ سے نزدیک تر ہے اور آپس کے معاملات میں فیاضی کو مت بھولو خدا تمھارے اعمال کو دیکھ رہا ہے)

۹۱۸- تفسیر عیاشی میں مذکور ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے اَوْ یَعْفُوَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ کی آیت پڑھ کر فرمایا کہ عورت کے نکاح کا اختیار اس کے باپ اور بھائی کو ہے یا اس شخص کو ہے جسے عورت کا باپ اپنا وصی مقرر کر کے گیا ہو اور جو کسی کے مال کا مختار کل ہو وہ عورت کے نکاح کا ولی ہے۔

سائل نے کہا اگر عورت کہہ دے کہ اس شخص کو اپنا ولی نہیں مانتی تو پھر کیا ہوگا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''عورت کو اس کا حق نہیں ہے کیونکہ اس نے اسے اپنے مال و جائیداد کی فروخت کا تو وکیل مقرر کیا ہے لیکن وہ نکاح کا حق مہر معاف کرنے کا اسے اختیار نہیں دیتی؟''

۹۱۹- اسحاق بن عمار کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ اِلَّآ اَنْ یَّعْفُوْنَ (مگر یہ کہ وہ خود معاف کر دیں) کا مطلب دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''عورت اپنا آدھا حق مہر معاف کر سکتی ہے''۔

میں (راوی) نے کہا: اَوْ یَعْفُوَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ (یا وہ معاف کرے جس کے اختیار میں عقد نکاح ہو) سے کون مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

''عورت کے باپ کو اپنی بیٹی کے حق مہر معاف کرنے کا حق حاصل ہے اور اگر عورت کا بھائی اپنی بہن کے تمام معاملات نمٹاتا ہو اور وہ باپ کی طرح سے بہن کی سرپرستی کرتا ہو تو اسے بھی باپ کے اختیارات حاصل ہوں گے اور اگر کوئی بھائی بہن کا خیال نہ رکھتا ہو اور بہن کی ضروریات کی کفالت نہ کرتا ہو تو اسے بہن کے حق مہر کی رقم معاف کرنے کا کوئی اختیار نہیں ہے''۔

۹۲۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اَوْ یَعْفُوَ الَّذِیْ بِیَدِہٖ عُقْدَۃُ النِّکَاحِ (یا وہ معاف کرے جس کے اختیار میں عقد نکاح ہو) سے مراد عورت کا وہ ولی

ہے جس نے عورت کا نکاح کرایا تھا۔ اسے کچھ حق مہر معاف کرنے کا حق حاصل ہے لہٰذا ولی کو چاہیے کہ اس صورت میں مہر کی کچھ رقم معاف کرے اور کچھ وصول کرے۔

۹۲۱- تہذیب الاحکام میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا:

''اگر کوئی شوہر دخول سے قبل اپنی بیوی کو طلاق جاری کردے اور بیوی کا حق مہر بھی مقرر کردہ ہو تو اس شوہر کو چاہیے کہ وہ مقرر شدہ حق مہر کا نصف حصہ بیوی کو دے اور اگر بیوی معاف کر دے تو اور بات ہے۔ اور اگر اس کا باپ اپنی بیٹی کا مہر معاف کرنا چاہے تو اسے چاہیے کہ کچھ مہر معاف کرے اور کچھ وصول کرے۔ اسے سارا مہر معاف کرنے کا حق نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: اِلَّاۤ اَنۡ یَّعۡفُوۡنَ اَوۡ یَعۡفُوَا الَّذِیۡ بِیَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّکَاحِ (مگر یہ کہ عورتیں اپنا مہر معاف کردیں یا وہ معاف کردے جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے)

اس سے مراد عورت کا باپ ہے یا عورت کا بھائی اور وہ رشتہ دار ہے جو اس کے معاملات کا نگران ہو۔

۹۲۲- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر کوئی شخص دخول سے قبل اپنی بیوی کو طلاق دے اور اگر اس نے حق مہر مقرر کیا ہو تو اسے چاہیے کہ نصف مہر عورت کے حوالے کرے اور اگر حق مہر طے شدہ نہ ہو تو پھر اسے اتنا فائدہ پہنچائے جتنا کہ اس جیسی عورتوں کو فائدہ پہنچایا جاتا ہو''۔

قرآن مجید کی آیت اَوۡ یَعۡفُوَا الَّذِیۡ بِیَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّکَاحِ سے مراد باپ' بھائی یا وہ شخص مراد ہے جسے اس کے باپ نے اپنا وصی مقرر کیا ہو اور جو عورت کے مال کی خرید و فروخت کا مجاز ہو۔ اگر وہ حق مہر معاف کردے تو اسے بھی معاف کرنے کا پورا اختیار ہے۔

۹۲۳- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر کوئی شخص دخول سے پہلے بیوی کو طلاق دے دے تو وہ طلاق بائن شمار کی جائے گی اور عورت کو حق ہے کہ وہ جب چاہے اور جس سے چاہے اپنا نکاح کر سکتی ہے اور اگر اس نے حق مہر طے کیا تھا تو اسے نصف مہر ادا کرنا ہوگا اور اگر حق مہر طے نہیں ہوا تھا تو پھر عورت کو کچھ فائدہ دے کر رخصت کرے۔

۹۲۴- امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَاِنۡ طَلَّقۡتُمُوۡهُنَّ مِنۡ قَبۡلِ اَنۡ تَمَسُّوۡهُنَّ وَقَدۡ فَرَضۡتُمۡ لَهُنَّ فَرِیۡضَةً فَنِصۡفُ مَا فَرَضۡتُمۡ اِلَّاۤ اَنۡ یَّعۡفُوۡنَ اَوۡ یَعۡفُوَا الَّذِیۡ بِیَدِهٖ عُقۡدَةُ النِّکَاحِ ؕ (اور اگر تم انھیں دخول سے پہلے طلاق دے دو اور

تم نے ان کا حق مہر طے کیا ہوا ہو تو آدھا مہر ان کے حوالے کرو مگر یہ کہ وہ معاف کر دیں یا وہ شخص معاف کرے جس کے اختیار میں عقد نکاح ہے) کی آیت مجیدہ پڑھ کر فرمایا کہ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سے مراد عورت کا باپ یا بھائی ہے یا وہ شخص ہے جسے عورت کے باپ نے اپنا وصی مقرر کیا ہو۔ جو شخص عورت کے مال و جائیداد کی فروخت کا مجاز ہو اگر وہ عورت کا نصف مہر معاف کرنا چاہے تو اسے اس کا حق ہے۔

۹۲۵- من لایحضرہ الفقیہ کی ایک روایت میں ہے کہ عورت کا ولی پورا مہر معاف نہ کرے۔ وہ مہر کا کچھ حصہ معاف کرے اور کچھ حصہ وصول کرے۔ اسے پورا مہر معاف کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

۹۲۶- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ الَّذِيْ بِيَدِهٖ عُقْدَةُ النِّكَاحِ سے مراد عورت کا ولی ہے اور یہی مفہوم امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے۔ اس سلسلہ میں ایک قول ضعیف یہ بھی ہے کہ اس سے مراد شوہر ہے۔ اور ہمارے کچھ اصحاب نے بھی اس مفہوم کی روایات نقل کی ہیں لیکن پہلا قول اظہر ہے اور یہی ہمارا مذہب ہے۔

۹۲۷- من لایحضرہ الفقیہ میں ابو بصیر سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس نے حق مہر میں اسے ایک باغ دینے کا وعدہ کیا جہاں سے بہت سا اناج پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ وہ عورت کئی سال تک اس شخص کے گھر میں رہی لیکن اس نے اس سے جنسی تسکین حاصل نہ کی اور پھر اس نے اسے طلاق دے دی۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ شادی کے دن سے لے کر طلاق کے دن تک کتنا غلہ اور اناج پیدا ہوا ہے اور اس اناج کا نصف حصہ عورت کو دیا جائے گا اور باغ کا آدھا حصہ بھی مہر کے طور پر عورت کی ملکیت قرار پائے گا۔ ہاں اگر خود عورت معاف کر دے تو اور بات ہے یا میاں بیوی کسی اور مقدار پر آپس میں مصالحت کر لیں تو بھی انھیں اس کا اختیار ہے اور یہی بات تقویٰ کے زیادہ قریب ہے''۔

کسی کی مجبوری سے ناجائز فائدہ اٹھانا غلط ہے

۹۲۹- الکافی میں معاویہ بن وہب سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''لوگوں پر ایک ایسا سخت زمانہ آئے گا' جب ہر شخص اپنی پوری دولت کو اپنے ہاتھوں میں سمیٹ کر رکھے گا اور وہ باہمی فیاضی کو بھول جائے گا' جب کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۔ (اور تم آپس کے معاملات میں فیاضی کو فراموش نہ کرو)

اس دور میں ایسے لوگ پیدا ہو جائیں گے جو مجبور افراد کی چیزوں کو اونے پونے داموں خریدیں گے اور وہ لوگ مخلوق میں بدترین لوگ ہوں گے۔

۹۳۰- تفسیر عیاشی میں بنی عطیہ کے ایک فرد سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ ایک شخص یتیم کی دولت سے تجارت کرتا ہے تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

''منافع میں سے اسے بھی کچھ حصہ ملنا چاہیے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۔ ''آپس کے معاملات میں فیاضی کو فراموش نہ کرو''۔

۹۳۱- نہج البلاغہ میں امیر المومنین علی علیہ السلام کے یہ کلمات مرقوم ہیں:

''لوگوں پر ایک ایسا گزند پہنچانے والا دور آئے گا جس میں مالدار اپنے مال میں بخل کرے گا حالانکہ اسے یہ حکم نہیں۔ چنانچہ اللہ سبحانہ کا ارشاد ہے:

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۔ (آپس میں حُسنِ سلوک کو فراموش نہ کرو)

اس زمانہ میں شریر لوگ اٹھ کھڑے ہوں گے اور نیکوکار ذلیل و خوار سمجھے جائیں گے اور مجبور اور بے بس لوگوں سے خرید و فروخت کی جائے گی حالانکہ رسولؐ خدا نے مجبور و مضطر لوگوں سے (اونے پونے) خریدنے کو منع کیا ہے۔

۹۳۲- عیون الاخبار میں ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے ایک خطبہ میں فرمایا:

''لوگوں پر گزند پہنچانے والا دور آئے گا جس میں مومن اپنے مال میں بخل کرے گا جب کہ اسے اس کا حکم نہیں دیا گیا اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

وَلَا تَنْسَوُا الْفَضْلَ بَيْنَكُمْ ۔ اِنَّ اللّٰهَ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِيْرٌ ﴿۲۳۷﴾ (آپس میں حُسنِ سلوک کو فراموش نہ کرو۔ اللہ تمہارے تمام اعمال کو دیکھ رہا ہے)۔

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۗ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ
قٰنِتِيْنَ ﴿٢٣٨﴾ فَاِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا اَوْ رُكْبَانًا ۚ فَاِذَآ اَمِنْتُمْ
فَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَمَا عَلَّمَكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ ﴿٢٣٩﴾ وَالَّذِيْنَ
يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا
اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ فَاِنْ خَرَجْنَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْ
مَا فَعَلْنَ فِيْٓ اَنْفُسِهِنَّ مِنْ مَّعْرُوْفٍ ۗ وَاللّٰهُ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿٢٤٠﴾
وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌ ۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۗ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ ﴿٢٤١﴾ كَذٰلِكَ
يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمْ اٰيٰتِهٖ لَعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ﴿٢٤٢﴾ ع اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ
خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ
اللّٰهُ مُوْتُوْا ۫ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ ۗ اِنَّ اللّٰهَ لَذُوْ فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ
وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْنَ ﴿٢٤٣﴾ وَقَاتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ
وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٤٤﴾ مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ
قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ۗ وَاللّٰهُ يَقْبِضُ
وَيَبْسُطُ ۠ وَاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿٢٤٥﴾ اَلَمْ تَرَ اِلَى الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِيْٓ

اِسْرَآءِيْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰى ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِيٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا
مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ كُتِبَ
عَلَيْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَآ اَلَّا نُقَاتِلَ فِيْ
سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِيَارِنَا وَاَبْنَآئِنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ
عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ
بِالظّٰلِمِيْنَ ﴿۲۴۶﴾ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ
مَلِكًا ؕ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ
بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ؕ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ
اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ؕ وَاللّٰهُ
يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۴۷﴾ وَقَالَ لَهُمْ
نَبِيُّهُمْ اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ فِيْهِ سَكِيْنَةٌ مِّنْ
رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ تَحْمِلُهُ
الْمَلٰٓئِكَةُ ؕ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيَةً لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۴۸﴾ فَلَمَّا
فَصَلَ طَالُوْتُ بِالْجُنُوْدِ ۙ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ مُبْتَلِيْكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ

شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ ۚ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَاِنَّهٗ مِنِّيْٓ اِلَّا مَنِ اغْتَرَفَ غُرْفَةًۢ بِيَدِهٖ ۚ فَشَرِبُوْا مِنْهُ اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۗ فَلَمَّا جَاوَزَهٗ هُوَ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَهٗ ۙ قَالُوْا لَا طَاقَةَ لَنَا الْيَوْمَ بِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ ۗ قَالَ الَّذِيْنَ يَظُنُّوْنَ اَنَّهُمْ مُّلٰقُوا اللّٰهِ ۙ كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةًۢ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ وَلَمَّا بَرَزُوْا لِجَالُوْتَ وَجُنُوْدِهٖ قَالُوْا رَبَّنَآ اَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَّثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝۲۵۰ فَهَزَمُوْهُمْ بِاِذْنِ اللّٰهِ ۣ وَقَتَلَ دَاوٗدُ جَالُوْتَ وَاٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ وَالْحِكْمَةَ وَعَلَّمَهٗ مِمَّا يَشَآءُ ۗ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۵۱ تِلْكَ اٰيٰتُ اللّٰهِ نَتْلُوْهَا عَلَيْكَ بِالْحَقِّ ۗ وَاِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۝۲۵۲

"اپنی تمام نمازوں اور بالخصوص نماز وسطیٰ کی محافظت اور پابندی کرو اور اللہ کی بارگاہ میں خشوع وخضوع کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ۔ پھر اگر خوف کی حالت ہو تو پیدل' سوار جس طرح سے ممکن ہو نماز ادا کرو اور جب اطمینان ہو جائے تو اس طرح سے ذکر کرو جیسا کہ

اس نے تمھیں ان باتوں کی تعلیم دی ہے جنہیں تم نہیں جانتے تھے۔ اور جو لوگ تم میں سے وفات پا جائیں اور پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں تو ان کو چاہیے کہ بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جائیں کہ انھیں ایک سال تک نان ونفقہ دیا جائے اور وہ گھر سے نہ نکالی جائیں۔ پھر اگر وہ خود نکل جائیں تو وہ اپنی ذات کے لیے معروف طریقے سے جو کچھ بھی کریں اس کی تم پر کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔ اللہ سب پر غالب اقتدار رکھنے والا اور حکیم و دانا ہے۔ اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انھیں بھی مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا جائے' یہ حق ہے متقی لوگوں پر۔ اس طرح سے اللہ اپنی آیات تمھارے لیے کھول کھول کر بیان کرتا ہے کہ شاید تمھیں عقل آ جائے۔ کیا آپ نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو موت کے ڈر سے ہزاروں کی تعداد میں گھروں سے نکل پڑے۔ اللہ نے ان سے فرمایا: مر جاؤ۔ پھر اس نے انھیں زندگی دی۔ یقیناً اللہ انسانوں پر فضل کرنے والا ہے مگر لوگوں کی اکثریت شکر ادا نہیں کرتی۔ اور اللہ کی راہ میں جنگ کرو اور جان لو کہ اللہ سننے والا جاننے والا ہے۔ تم میں سے کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے تا کہ اللہ اسے بڑھا چڑھا کر کئی گنا واپس کرے؟ اور خدا کم بھی کرسکتا ہے اور زیادہ بھی اور تم سب اسی کی بارگاہ میں پلٹائے جاؤ گے۔ کیا تم نے موسیٰ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کریں تا کہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ نبی نے کہا کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ تم کو لڑائی کا حکم دیا جائے اور تم نہ لڑو؟ وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم راہِ خدا میں جنگ نہ کریں جب کہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے بال بچے ہم سے جدا کر دیئے گئے ہیں مگر جب ان کو جنگ کا حکم دیا گیا تو ایک قلیل تعداد کے سوا

سب پیٹھ پھیر گئے اور اللہ ظالموں کو جاننے والا ہے۔ اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمھارا بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے: وہ ہم پر بادشاہ کیسے بن گیا جب کہ ہم اس کی بہ نسبت بادشاہی کے زیادہ حق دار ہیں۔ اس کے پاس تو دولت کی فراوانی نہیں ہے۔ نبی نے کہا کہ اللہ نے تمھارے مقابلہ میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اس کو علم و جسم میں وسعت عطا کی ہے اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک دے دیتا ہے۔ اللہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے۔ اور ان کے نبی نے ان سے کہا کہ خدا کی طرف سے اس کے بادشاہ مقرر ہونے کی علامت یہ ہے کہ اس کے عہد میں وہ صندوق تمھیں واپس مل جائے گا جس میں تمھارے رب کی طرف سے سامانِ سکون اور آلِ موسیٰؑ و آلِ ہارونؑ کے چھوڑے ہوئے تبرکات ہیں۔ اس صندوق کو فرشتے اٹھائے ہوئے ہوں گے۔ اگر تم مومن ہو تو یقیناً اس میں تمھارے لیے نشانی ہے۔ پھر جب طالوت لشکر لے کر چلا تو اس نے کہا کہ اللہ ایک دریا پر تمھاری آزمائش کرنے والا ہے جو اس کا پانی پیئے گا وہ مجھ سے نہ ہوگا مگر یہ ایک چلّو پانی لے لے۔ مگر ایک چھوٹے سے گروہ کے علاوہ سب اس دریا سے سیراب ہوئے۔ پھر جب طالوت اور اس کے ساتھی مسلمان دریا پار کر کے آگے بڑھے تو انھوں نے طالوت سے کہہ دیا آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکروں سے مقابلہ کرنے کی طاقت نہیں ہے لیکن وہ لوگ جو سمجھتے تھے کہ انھیں ایک دن خدا سے ملنا ہے، انھوں نے کہا کہ کئی بار قلیل تعداد رکھنے والے گروہ زیادہ تعداد رکھنے والوں پر اللہ کے حکم سے غالب آئے ہیں اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔ اور جب وہ جالوت اور اس کے لشکروں کے مقابلہ پر نکلے تو انھوں نے دعا کرتے ہوئے کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کا فیضان کر اور ہمارے قدم جما دے اور ہمیں کافر

گروہ پر فتح عطا فرما۔ آخر کار انھوں نے اللہ کے حکم سے انھیں شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور اللہ نے اسے سلطنت اور حکمت سے نوازا اور جن جن چیزوں کا چاہا اسے علم دیا۔ اور اگر اللہ اس طرح سے ایک گروہ کو دوسرے گروہ سے نہ ہٹاتا رہتا تو زمین کا نظام بگڑ جاتا لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل کرنے والا ہے۔ یہ اللہ کی آیات ہیں جو کہ ہم حق کے ساتھ آپ کو سنا رہے ہیں اور آپ یقیناً مرسلین میں سے ہیں"۔

نمازوں کی محافظت کرو اور نماز وسطیٰ کی محافظت کرو

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى

(اپنی تمام نمازوں اور بالخصوص نماز وسطیٰ کی محافظت اور پابندی کرو)

۹۳۳- الکافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

"صلاۃ وسطیٰ" جس کی محافظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی طرف سے خصوصی حکم دیا ہے اس سے نماز ظہر مراد ہے۔ اور نماز ظہر کو یہ شرف بھی حاصل ہے کہ پیغمبر اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سب سے پہلے اسے ہی پڑھا تھا اور یہ نماز دن کے وسط میں پڑھی جاتی ہے۔ اور دن کی تین نمازیں ہیں: فجر، ظہر، عصر۔ اور نماز ظہر ان نمازوں کے درمیان واقع ہے۔

بعض قراء نے اس آیت مجیدہ کو یوں پڑھا ہے:

حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى (وصلاۃ العصر) وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ ۝

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت مجیدہ جمعہ کے دن نازل ہوئی تھی اور اس وقت آپ حالت سفر میں تھے۔ آپؐ نے ظہر کی دو رکعات میں قنوت پڑھا اور مقیم کے لیے دو رکعت کا اس میں اضافہ کیا۔ چنانچہ ظہر کی دو رکعتیں نماز جمعہ کی شکل میں قائم کی گئی ہیں اور دو رکعات کے عوض جمعہ کے دو خطبات فرض کیے گئے ہیں۔ جس شخص کو نماز جمعہ نہ ملے تو اسے چاہیے کہ وہ نماز ظہر کی چار رکعتیں ادا کرے۔

تہذیب الاحکام میں بھی یہ روایت مروی ہے۔

۹۳۴- تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ کا مفہوم یہ ہے کہ انسان خشوع وخضوع کے ساتھ

نماز ادا کرے کہ اس کا ذہن دنیاوی جھمیلوں میں اٹکا ہوا نہ ہو۔

۹۳۵- تفسیر عیاشی میں محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے دریافت کیا کہ "صلوٰۃ وسطیٰ" سے کون سی نماز مراد ہے؟

آپ نے فرمایا: اس سے نماز ظہر مراد ہے۔

۹۳۶- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ کا مطلب یہ ہے کہ خدا کے سامنے اطاعت گزار اور رغبت رکھنے والے بن کر کھڑے ہو جاؤ۔

۹۳۷- زرارہ اور محمد بن مسلم نے امام محمد باقر علیہ السلام سے "صلاۃ وسطیٰ" کے متعلق دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: اس سے نماز ظہر مراد ہے۔

۹۳۸- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ "صلاۃ وسطیٰ" دن کے وقت کے درمیان والی نماز ہے اور وہ نماز ظہر ہے اور ہمارے ماننے والے اسی لیے زوال پر نظر رکھتے ہیں۔

۹۳۹- سماعہ بن مہران کی روایت میں مذکور ہے کہ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ سے دعائے قنوت مراد ہے۔

۹۴۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے حٰفِظُوْا عَلَى الصَّلَوٰتِ وَالصَّلٰوةِ الْوُسْطٰى ۚ وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ (اپنی نمازوں کی محافظت کرو اور بالخصوص نماز وسطیٰ کی حفاظت کرو اور اللہ کی بارگاہ میں خشوع وخضوع کے ساتھ کھڑے ہو جاؤ) کی آیت مجیدہ پڑھ کر فرمایا کہ صلوات (نمازوں) سے رسولؐ خدا، امیر المومنینؑ، حضرت فاطمہ زہراؑ، امام حسن، امام حسین علیہما السلام مراد ہیں۔ اور صلاۃ وسطیٰ امیر المومنینؑ ہیں اور وَقُوْمُوْا لِلّٰهِ قٰنِتِيْنَ کا باطن یہ ہے کہ ائمہ کے اطاعت گزار بن کر کھڑے رہو۔

۹۴۱- کتاب علل الشرائع میں مرقوم ہے کہ ایک یہودی نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بہت سے سوال پوچھے اور آپؐ نے ان کے جوابات دیئے۔ ایک سوال کے جواب میں آنحضرتؐ نے فرمایا:

"نماز عصر اس وقت سے پڑھی جاتی ہے جس وقت حضرت آدمؑ نے شجرۂ ممنوعہ کا پھل کھایا تھا اور اللہ نے انھیں جنت سے نکال دیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ نے نسلِ آدم کو روزِ قیامت تک اس وقت میں نماز پڑھنے کا حکم دیا ہے اور خدا نے اس نماز کو میری اُمت کے لیے بھی منتخب کیا ہے اور یہ نماز خدا کو بڑی پسند ہے اور خدا نے مجھے نصیحت کی ہے کہ میں اس کا خصوصی خیال رکھوں"۔

۹۴۲- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اس شخص کے اہل و مال تباہ ہو گئے جس نے نماز عصر کو ضائع کیا''۔

راوی نے پوچھا: یارسولؐ اللہ! نماز عصر کے ضیاع سے اہل و مال کیسے تباہ ہوئے؟

آپؐ نے فرمایا: جنت میں اس شخص کو نہ تو جنتی بیوی ملے گی اور نہ ہی اسے جنت کا مال ملے گا جو نماز عصر کو اتنی دیر سے ادا کرے کہ سورج زرد ہو جائے اور ڈوبنے کے قریب آ جائے۔

۹۴۳- الکافی میں ابان بن تغلب سے منقول ہے کہ میں نے مزدلفہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام کی اقتداء میں نماز پڑھی۔ نماز کے بعد آپ میری طرف متوجہ ہوئے اور مجھ سے فرمایا:

ابان! جو شخص نماز پنجگانہ کے حدود کا خیال رکھے اور ان کے وقت کا لحاظ رکھے تو جب قیامت کے دن وہ شخص خدا کے سامنے پیش ہوگا تو اس کے پاس جنت میں داخل ہونے کا عہد (پروانہ) ہوگا اور جو شخص نماز کے حدود اور اوقات کی پابندی نہ کرے تو وہ جب خدا کے سامنے پیش ہوگا تو اس کے پاس کوئی عہد نہیں ہوگا۔ وہ خدا کی مرضی پر موقوف ہے چاہے تو اسے معاف کرے اور چاہے تو عذاب دے۔

۹۴۴- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جب تک کوئی مومن نماز پنجگانہ کی حفاظت کرتا رہتا ہے تو اس وقت تک ابلیس اس سے خوفزدہ رہتا ہے اور جب انہیں ضائع کر دیتا ہے تو ابلیس اس پر جرأت پکڑ لیتا ہے اور اسے گناہانِ کبیرہ میں داخل کر دیتا ہے۔

۹۴۵- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: جب نماز وقت پر ادا کی جائے تو نماز آسمان کی طرف جاتی ہے اور پھر نمازی کے پاس چمکدار حالت میں اس کے پاس واپس آتی ہے اور اسے کہتی ہے: ''تو نے میری حفاظت کی ہے خدا تیری حفاظت کرے''۔

اور اگر نماز وقت پر ادا نہ کی جائے تو وہ بھی آسمان کی طرف جاتی ہے۔ پھر سیاہ شکل و صورت لے کر نماز پڑھنے والے کے پاس آ کر کہتی ہے: ''تو نے مجھے ضائع کیا ہے خدا تجھے ضائع کرے''۔

۹۴۶- الکافی میں عبدالرحمٰن بن ابی عبداللہ سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ۚ (اگر خوف کی حالت ہو تو پھر پیدل یا سوار جس طرح سے بھی ممکن ہو نماز پڑھو) کا مطلب کیا ہے۔ اور مزید یہ کہ جب کسی شخص کو کسی درندے یا چور ڈاکو کا ڈر ہو تو وہ نماز کیسے پڑھے اور نماز میں کیا پڑھے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ تکبیر کہے اور سر سے اشارہ کرے۔

۹۴۷- تفسیر عیاشی میں زرارہ سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ آپ جنگ کی نماز کے متعلق بتائیں۔

آپؑ نے فرمایا:

''جب تو دشمن سے برسرِ پیکار ہو تو پیدل یا سوار ہو کر اشارے سے نماز پڑھ' کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا (اگر تمھیں خوف ہو تو پھر پیدل یا سوار جس طرح سے بھی ممکن ہو نماز پڑھو)۔ رکوع میں بس یہ کہو: لك ركعت وانت ربي (میں نے تیرے لیے رکوع کیا ہے اور تو ہی میرا رب ہے) اور جب سر سے سجدہ کا اشارہ کرو تو اس میں بھی یہ الفاظ کہو: لك سجدت وانت ربي (میں نے تیرے لیے سجدہ کیا ہے اور تو ہی میرا رب ہے) بس یہی خیال رکھو کہ جب نماز کی پہلی تکبیر کہو تو تمھارا رخ قبلہ کی طرف ہونا چاہیے۔ اس کے بعد تمھاری سواری جس طرف بھی پھر جائے تو تم اسی طرف منہ کر کے نماز پڑھو''۔

۹۴۸- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''ایک مرتبہ جنگ کی وجہ سے امیر المومنین علی علیہ السلام لوگوں کو ظہر' عصر' مغرب اور عشا نہ پڑھا سکے۔ آپؑ نے لوگوں سے فرمایا کہ وہ اوقات نماز میں تسبیح' تکبیر اور تہلیل کہیں۔ آپؑ نے یہ حکم قرآن مجید کی فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا کی آیت کے تحت دیا تھا۔ لوگوں نے پیدل اور سوار ہو کر حضرتؑ کے فرمان پر عمل کیا۔

۹۴۹- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ بیان کیا جاتا ہے کہ ''لیلۃ الہریر'' میں امیر المومنین علی علیہ السلام نے پانچ نمازیں اشارہ سے ادا کیں اور بعض روایات میں ہے کہ آپ نے تکبیر سے ادا کیں۔ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے روزِ احزاب اشارہ سے نماز پڑھی۔

۹۵۰- من لا یحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے جنگ کی نماز کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

''وہ نماز تکبیر و تہلیل پر مشتمل ہو گی۔ اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: فَإِنْ خِفْتُمْ فَرِجَالًا أَوْ رُكْبَانًا ''جب تمھیں خوف ہو تو پھر پیدل یا سوار جس طرح سے ممکن ہو نماز پڑھ لیا کرو''۔

۹۵۱- ابو بصیر کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا' آپؑ نے فرمایا:

''جب تو خطرناک زمین پر ہو اور تجھے چور ڈاکو یا درندوں کا ڈر ہو تو اپنی سواری پر بیٹھ کر فریضہ پڑھو''۔

۹۵۲- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

"جس شخص کو چور وغیرہ کا خوف ہو تو وہ اپنی سواری پر اشارہ سے نماز پڑھ لے"۔

وفات اور طلاق کے کچھ احکام

وَالَّذِيْنَ يُتَوَفَّوْنَ مِنْكُمْ وَيَذَرُوْنَ اَزْوَاجًا ۚۖ وَّصِيَّةً لِّاَزْوَاجِهِمْ مَّتَاعًا اِلَى الْحَوْلِ غَيْرَ اِخْرَاجٍ ۚ

(اور جو لوگ تم میں سے وفات پا رہے ہوں اور پیچھے بیویاں چھوڑ رہے ہوں تو ان کو چاہیے کہ بیویوں کے حق میں یہ وصیت کر جائیں کہ انھیں ایک سال تک نان ونفقہ دیا جائے اور انھیں گھر سے نہ نکالا جائے)

۹۵۳- تفسیر عیاشی میں ابوبصیر سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا:

"یہ آیت منسوخ ہے اور اسے يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا (مرنے والوں کی بیویاں چار ماہ دس دن تک انتظار کریں) کی آیت اور آیت میراث نے منسوخ کر دیا ہے"۔

۹۵۴- معاویہ بن عمار نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی روایت نقل کی ہے۔

۹۵۵- الکافی میں حلبی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۖ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ (اور جن عورتوں کو طلاق دی گئی ہو انھیں بھی مناسب طور پر کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کیا جائے۔ یہ حق ہے متقی لوگوں پر) کی آیت مجیدہ پڑھ کر فرمایا:

"جب عورت کی عدت پوری ہو جائے تو شوہر کو چاہیے کہ اسے کچھ نہ کچھ دے کر رخصت کرے۔ مالدار اپنی حیثیت کے مطابق انھیں فائدہ پہنچائے اور غریب شخص اپنی حیثیت کے مطابق انھیں فائدہ پہنچائے۔ اس حکم کا تعلق ایامِ عدت سے نہیں ہے کیونکہ ایامِ عدت میں تو عورت کو شوہر کے رجوع کا اور شوہر کو بیوی کے رویہ تبدیل ہونے کا انتظار رہتا ہے۔ اگر طلاق دینے والا مرد مالدار ہو تو اپنی بیوی کو رخصت کرتے وقت غلام یا کنیز ہبہ کرے اور اگر غریب ہو تو وہ بھی بیوی کو خالی ہاتھ نہ روانہ کرے بلکہ گندم، منقّی، کپڑا اور کچھ درہم دے کر روانہ کرے"۔

امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے اپنی ایک طلاق یافتہ بیوی کو رخصت کرتے وقت ایک کنیز ہبہ کی تھی' اور آپؑ نے جس بھی بیوی کو طلاق دی تو اسے کچھ نہ کچھ دے دلا کر ہی رخصت کیا تھا۔

۹۵۶- سماعہ بیان کرتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَلِلْمُطَلَّقٰتِ مَتَاعٌۢ بِالْمَعْرُوْفِ ۭ حَقًّا عَلَى الْمُتَّقِيْنَ کی آیت پڑھ کر فرمایا:

''طلاق یافتہ عورت کو اس کی عدت ختم ہونے کے بعد کچھ فائدہ دیا جائے گا اور مالدار شخص اپنی حیثیت کے مطابق فائدہ پہنچائے اور غریب شخص اپنی حیثیت کے مطابق فائدہ پہنچائے۔ عدت کے دوران فائدہ پہنچانے کا حکم نہیں دیا گیا' کیونکہ عدت کے ایام میں عورت کو شوہر کے رجوع کا انتظار ہوتا ہے اور شوہر کو بیوی کے رویہ کی اصلاح کا انتظار ہوتا ہے۔ جب کہ فیصلہ خدا کرتا ہے۔ لہٰذا مالدار شخص جب بیوی کو رخصت کرے تو غلام یا کنیز اسے ہبہ کر کے رخصت کرے اور غریب آدمی جب بیوی کو جدا کرے تو اسے بھی چاہیے کہ گندم' منقّیٰ' کپڑا اور کچھ درہم دے دلا کر اسے رخصت کرے۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے ایک طلاق یافتہ عورت کو رخصت کرتے وقت ایک کنیز ہبہ کی تھی۔ اور آپؑ جب بھی کسی بیوی کو طلاق دیتے تو رخصت کرتے وقت اسے کچھ نہ کچھ دے دلا کر ہی رخصت کیا کرتے تھے۔

۹۵۷- امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا

''امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام نے جتنی بھی عورتوں کو طلاق دی تھی تو انھیں رخصت کرتے وقت کنیز ہبہ کی تھی''۔

۹۵۸- ابوبصیر کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ طلاق یافتہ عورت کو رخصت کرتے وقت کم از کم کیا دے دلا کر روانہ کرنا چاہیے جب کہ شوہر بھی مفلس ہو؟

آپؑ نے فرمایا: کم از کم ایک چادر یا اس جیسی کوئی چیز دے کر رخصت کرنا چاہیے۔

موت سے بھاگنے والوں کا انجام

۹۵۹- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام کا مختلف ادیان وملل رکھنے والوں سے ایک مناظرہ مرقوم ہے' جس میں مذکور ہے کہ امام عالی مقام علیہ السلام نے نصاریٰ سے فرمایا:

''اگر مُردے زندہ کرنے کی وجہ سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کو تم نے رب مانا ہے تو پھر ''الیسع'' اور ''حزقیل'' کو بھی رب مان لو کیونکہ انھوں نے بھی حضرت عیسٰی علیہ السلام کی طرح سے مُردے زندہ کیے تھے۔ بنی اسرائیل کی ایک قوم جو کہ

ہزاروں کی تعداد میں تھی انھوں نے طاعون کے ڈر سے اپنا علاقہ اور شہر چھوڑ دیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سب کو آن کی آن میں موت دے دی تھی۔ وہاں کے رہنے والوں نے ایک چار دیواری بنا کر ان کے اجسام کو وہاں ڈال دیا اور کچھ دنوں کے بعد ان کا گوشت گل سڑ گیا اور صرف ہڈیاں باقی رہ گئی تھیں۔ بنی اسرائیل کے ایک نبی کا وہاں سے گزر ہوا اور انھوں نے جنی بوسیدہ ہڈیاں دیکھیں تو انھیں بہت تعجب ہوا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی کی تھی کہ کیا تم پسند کرتے ہو کہ میں انھیں زندہ کروں اور پھر تم ان کو دین کی تبلیغ کرو؟

نبی نے عرض کیا: جی ہاں!

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: پھر تم ان کو صدا دو۔ میں انھیں زندہ کر دوں گا۔

نبی نے انھیں آواز دے کر فرمایا:

''اے بوسیدہ ہڈیو! اللہ کے حکم سے زندہ ہو جاؤ''۔

جیسے ہی نبی کی صدا بلند ہوئی قدرت خداوندی سے تمام مُردے بیک وقت اُٹھ بیٹھے۔ علاوہ ازیں حضرت حزقیل نے بھی پینتیس ہزار افراد کو ان کی موت کے ساٹھ سال گزرنے کے بعد زندہ کیا تھا اور یہ واقعات تمھاری الہامی کتابوں میں مذکور ہیں جن کا انکار کوئی کافر ہی کر سکتا ہے۔

۹۶۰- روضہ کافی میں امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے منقول ہے کہ انھوں نے یہ آیت پڑھی:

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۠ ثُمَّ اَحْيَاهُمْ

(کیا تم نے ان لوگوں کو نہیں دیکھا جو ہزاروں کی تعداد میں موت کے ڈر سے اپنے شہروں سے نکلے۔ اللہ نے ان سے کہا کہ تم مر جاؤ۔ پھر خدا نے انھیں زندہ کیا)

آیت پڑھنے کے بعد انھوں نے فرمایا کہ یہ لوگ شام کے علاقہ میں ایک شہر میں رہائش پذیر تھے اور ان لوگوں کی تعداد ستر ہزار تھی۔ ان کے شہر میں ہمیشہ طاعون کی وبا پھوٹا کرتی تھی اور جیسے ہی طاعون شروع ہوتا تو مالدار افراد شہر چھوڑ کر باہر چلے جاتے تھے اور غریب و مفلس لوگ اسی شہر میں رہ جاتے تھے۔

چنانچہ غریب زیادہ مرتے تھے اور مالدار افراد زیادہ تر طاعون سے محفوظ رہ جاتے تھے اور اس کے بعد مالدار افراد کہتے تھے کہ اگر ہم بھی اسی شہر میں قیام پذیر ہوتے تو یقیناً ہم بھی موت کا لقمہ بن جاتے اور غریب لوگ کہتے تھے کہ کاش اگر

ہم بھی اس شہر کو چھوڑ کر باہر چلے جاتے تو ہمارا جانی نقصان کم سے کم ہوتا۔

پھر ایک بار اس شہر کے تمام امیر و غریب لوگوں نے مل کر فیصلہ کیا کہ اگر آئندہ سال طاعون کی وبا پھوٹی تو ہم سب کے سب اس شہر کو خالی کر کے چلے جائیں گے۔

کچھ عرصہ بعد اس شہر میں طاعون پھر پھوٹ پڑا۔ جیسے ہی طاعون کی ابتدا ہوئی تو تمام لوگوں نے موت کے خوف سے شہر چھوڑ دیا اور دوسرے شہروں کا رخ کیا۔ وہ اپنی رہائش کے لیے کوئی شہر تلاش کر رہے تھے کہ راستے میں انھیں ایک شہر دکھائی دیا جس کے رہنے والے طاعون کی وجہ سے ہلاک ہو چکے تھے۔ چنانچہ پورا شہر خالی تھا۔ انھوں نے اس شہر میں رہائش اختیار کر لی۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے فرمایا کہ تم سب کے سب مر جاؤ۔

جیسے ہی فرمانِ الٰہی جاری ہوا تو وہ سب کے سب مر گئے اور انھیں کسی نے دفن تک نہ کیا۔ کچھ دنوں بعد ان کا گوشت گل سڑ گیا اور ان کی ہڈیاں ہی ہڈیاں باقی رہ گئیں۔ راہ گیروں نے ان بوسیدہ ہڈیوں کو ایک جگہ جمع کر کے ڈھیر بنا دیا۔ پھر کچھ عرصہ بعد وہاں سے بنی اسرائیل کے ایک نبی کا گزر ہوا جسے حزقیل کہا جاتا تھا۔ جب انھوں نے بوسیدہ ہڈیوں کا اتنا بڑا ڈھیر دیکھا تو وہ رو پڑے اور انھوں نے بارگاہِ خداوندی میں عرض کیا:

''خدایا! یہ تیرے بندے ہیں تو نے ان سب کو آنِ واحد میں ہلاک کیا ہے اور اگر تو چاہے تو تو انھیں آنِ واحد میں زندہ بھی کر سکتا ہے۔ خدایا! انھیں دوبارہ زندگی عطا کر تا کہ یہ تیرے شہروں کو آباد کریں اور تیرے بندوں کی پیدائش کا ذریعہ بنیں اور دوسرے عبادت گزاروں کے ساتھ مل کر تیری عبادت کریں''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''حزقیل! اگر تم انھیں زندہ کرنے کے خواہش مند ہو تو یہ یہ کلمات کہو''۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے حزقیل نبی کو اسم اعظم تعلیم فرمایا۔ حضرت حزقیل نے وہ اسم اعظم پڑھا۔ اس کے بعد انھوں نے دیکھا کہ ہڈیاں اُڑنے لگیں اور دوسری ہڈیوں سے پیوست ہونے لگ گئیں۔ کچھ دیر بعد وہ سب کے سب زندہ ہو گئے اور زندہ ہو کر انھوں نے حیرت اور تعجب سے ایک دوسرے کو دیکھا اور خدا کی تسبیح و تقدیس کی۔

جب حضرت حزقیل نے یہ منظر اپنی آنکھوں سے دیکھا تو انھوں نے بے ساختہ کہا:

''میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے''۔

عمر بن یزید راوی کا بیان ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ قرآن مجید کی یہ آیت انھی لوگوں کے متعلق

نازل ہوئی۔

۹۶۱- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ زرارہ نے امام محمد باقر علیہ السلام سے پوچھا کہ مولاؑ! آپ یہ بتائیں جب خدا نے انھیں زندہ کیا تھا تو زندہ کرنے کے بعد انھیں فی الفور مار دیا تھا یا انھیں دنیا میں بھیجا اور انھوں نے اپنے گھروں میں رہائش اختیار کی اور غذا کھائی؟

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ نے انھیں دنیا میں بھیجا جہاں انھوں نے اپنے گھروں میں رہائش اختیار کی اور کھانا کھایا اور عورتوں سے نکاح کیے۔ پھر وہ اپنے اپنے مقررہ وقت پر مرے''۔

۹۶۲- غوالی اللئالی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپؑ نے اہلِ فارس کے تہوار ''نوروز'' کی اہمیت بیان کرتے ہوئے فرمایا:

''بنی اسرائیل کے ایک نبی کا ان ہڈیوں کے پاس سے گزر ہوا اور یہ ہڈیاں ان لوگوں کی تھیں جو ہزاروں کی تعداد میں گھروں سے موت کے ڈر سے بھاگ نکلے تھے اور خدا نے ان سے فرمایا تھا کہ تم سب مر جاؤ۔ حکمِ الٰہی سے وہ سب مر گئے تھے اور ان کی ہڈیاں ایک مقام پر پڑی ہوئی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس نبی کو وحی فرمائی کہ تم ان پر پانی چھڑکو۔ نبی نے ان پر پانی چھڑکا تو وہ سب کے سب زندہ ہوگئے۔ ان کی تعداد تیس ہزار تھی۔ چنانچہ اس دن سے اہلِ فارس اس واقعہ کی نوروز کو یاد مناتے ہیں اور ایک دوسرے پر پانی چھڑکتے ہیں۔ اور نوروز کے دن پانی چھڑکنے کا سبب ''راسخون فی العلم'' کے علاوہ اور کسی کو معلوم نہیں ہے''۔

خدا کو قرضِ حسنہ دینے والے

مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً ؕ

(کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے تا کہ اللہ اسے بڑھا چڑھا کر کئی گنا اسے واپس کرے؟)

۹۶۳- من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ امام صادق علیہ السلام سے مَنْ ذَا الَّذِىْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا..... کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا: اس سے مراد امام کی مالی مدد کرنا ہے۔

۹۶۴- کتاب معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر یہ آیت نازل ہوئی: مَــنْ

جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ خَيْرٌ مِّنْهَا (جوکوئی ایک نیکی کرے گا تو اسے اس سے بہتر صلہ دیا جائے گا) نازل ہوئی تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ احدیت میں عرض کیا:

"پروردگار! کچھ اور اضافہ فرما"۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً (کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے تاکہ اللہ اسے بڑھا چڑھا کر کئی گنا اسے واپس کرے)۔

رسولِ خدا نے جب لفظ "کثیر" سنا تو آپ کو یقین ہوگیا کہ جسے اللہ کثیر کہے تو اس کی کوئی حد اور تعداد مقرر نہیں کی جاسکتی۔ (اسی لیے آپؐ نے مزید اصرار کرنا مناسب نہ سمجھا)

۹۶۵- اصولِ کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"کوئی عمل امام کی خدمت میں درہم پیش کرنے سے زیادہ خدا کو محبوب نہیں ہے۔ اور ایک درہم جسے کوئی شخص امام کی خدمت میں پیش کرے تو اللہ اس ایک درہم کو جنت میں کوہِ احد جتنا بنا دیتا ہے۔ اور مَنْ ذَا الَّذِيْ يُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً کی آیت بھی امام کی مالی امداد کے لیے نازل ہوئی ہے۔

۹۶۶- حمران بن اعین کہتے ہیں کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا:

کیا فضائل' احکام وحدود میں مومن کو مسلم پر کوئی فوقیت حاصل ہے یا نہیں ہے؟

آپؑ نے فرمایا: نہیں۔ ان چیزوں میں دونوں برابر ہیں یعنی احکام شرعیہ کے مکلف ہونے میں کوئی فرق نہیں ہے لیکن وہ قرابت خداوندی کے حصول کے لیے جو عمل کریں گے اس میں مومن کو مسلم پر برتری حاصل ہوگی۔

میں (راوی) نے عرض کیا: کیا اللہ کا یہ فرمان دونوں کے لیے یکساں نہیں ہے؟ مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا (جوکوئی ایک نیکی کرے اسے دس گنا اجر دیا جائے گا)

امام علیہ السلام نے فرمایا کہ مومن اور مسلم نماز' زکوٰۃ' حج اور روزہ میں تو یکساں ہیں لیکن درجات میں بڑا فرق ہے۔ اللہ تعالیٰ نے مومنین کے لیے فرمایا ہے: فَيُضٰعِفَهٗ لَهٗٓ اَضْعَافًا كَثِيْرَةً "خدا اس کے قرضِ حسنہ میں کئی گنا بنا کر اسے لوٹا دے گا"۔

اہلِ ایمان کو اللہ تعالیٰ ہر نیکی کے عوض ستر نیکیاں عطا کرتا ہے اور جتنا کسی کا ایمان مضبوط ہوتا ہے خداوند عالم اس کے درجات میں بھی اتنا ہی اضافہ کرتا ہے۔

۹۶۷- کتاب ثواب الاعمال میں اسحاق بن عمار سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا کہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰہَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗۤ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً (کون ہے جو اللہ کو قرضِ حسنہ دے تاکہ اللہ اسے کئی گنا بڑھا چڑھا کر اسے لوٹائے) کے متعلق سوال کیا تو آپؑ نے فرمایا: ''اس سے امام کی امداد مراد ہے''۔

رزق کی کمی اور فراخی خدا کے ہاتھ میں ہے

وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۝

(خدا رزق میں کمی بھی کرتا ہے اور اضافہ بھی کرتا ہے اور تم اسی کی طرف پلٹائے جاؤ گے)

۹۶۸- کتاب التوحید میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپؑ نے فرمایا:

''جب لفظ ''قبض'' اللہ کی طرف منسوب ہو تو اس سے رزق کی کمی کرنا مراد ہوتا ہے اور جب لفظ ''بسط'' کی نسبت اللہ کی طرف ہو تو اس سے رزق میں اضافہ کرنا مراد ہوتا ہے جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے: وَاللّٰهُ یَقْبِضُ وَیَبْصُۜطُ ۪ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ۔

مقصد آیت یہ ہے کہ اللہ رزق میں کمی کرتا ہے اور وہی رزق فراخ کرتا ہے اور تم سب اسی کی طرف لوٹائے جاؤ گے۔

قصہ طالوت و جالوت اور خدا کے انتخاب کا معیار

۹۶۹- کتاب احتجاج طبرسی میں مرقوم ہے کہ حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

''لوگو! سنو میں تمہارے سامنے اللہ کی کتاب کی چند آیات پڑھتا ہوں۔ ان آیات میں تمہارے لیے نصیحت کا سامان موجود ہے۔ لہٰذا اللہ کے مواعظ سے استفادہ کرو اور اس کی نافرمانی سے پرہیز کرو۔ اللہ نے تمھیں دوسری اقوام و ملل کے قصوں سے نصیحت کی ہے۔ چنانچہ اللہ نے اپنے نبی سے فرمایا:

اَلَمْ تَرَ اِلَی الْمَلَاِ مِنْۢ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ مِنْۢ بَعْدِ مُوْسٰی ۘ اِذْ قَالُوْا لِنَبِیٍّ لَّهُمُ ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ ؕ قَالَ هَلْ عَسَیْتُمْ اِنْ كُتِبَ عَلَیْكُمُ الْقِتَالُ اَلَّا تُقَاتِلُوْا ؕ قَالُوْا وَمَا لَنَاۤ اَلَّا نُقَاتِلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَقَدْ اُخْرِجْنَا مِنْ دِیَارِنَا وَاَبْنَآىِٕنَا ؕ فَلَمَّا كُتِبَ عَلَیْهِمُ الْقِتَالُ

تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِالظّٰلِمِيْنَ ۝ وَقَالَ لَهُمْ نَبِيُّهُمْ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ بَعَثَ لَكُمْ طَالُوْتَ مَلِكًا ۭ قَالُوْٓا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهُ الْمُلْكُ عَلَيْنَا وَنَحْنُ اَحَقُّ بِالْمُلْكِ مِنْهُ وَلَمْ يُؤْتَ سَعَةً مِّنَ الْمَالِ ۭ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰىهُ عَلَيْكُمْ وَزَادَهٗ بَسْطَةً فِي الْعِلْمِ وَالْجِسْمِ ۭ وَاللّٰهُ يُؤْتِيْ مُلْكَهٗ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ۝

''کیا تم نے موسیٰؑ کے بعد بنی اسرائیل کے سرداروں کو نہیں دیکھا جنہوں نے اپنے نبی سے کہا تھا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کریں تاکہ ہم اللہ کی راہ میں جنگ کریں۔ نبی نے کہا کہ کہیں ایسا تو نہ ہوگا کہ تم کو لڑائی کا حکم دیا جائے اور تم نہ لڑو؟ وہ کہنے لگے بھلا یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ ہم راہِ خدا میں جنگ نہ کریں جب کہ ہمیں اپنے گھروں سے نکال دیا گیا ہے اور ہمارے بال بچے ہم سے جدا کر دیئے گئے ہیں مگر جب ان کو جنگ کا حکم دیا گیا تو ایک قلیل تعداد کے علاوہ سب نے پیٹھ پھیرلی اور اللہ ظالموں کو جاننے والا ہے۔ ان کے نبی نے ان سے کہا کہ اللہ نے طالوت کو تمھارا بادشاہ مقرر کر دیا ہے۔ یہ سن کر وہ کہنے لگے کہ وہ ہم پر بادشاہ کیسے بن سکتا ہے جب کہ اس کی نسبت ہم بادشاہ بننے کے زیادہ حق دار ہیں۔ اس کے پاس تو دولت کی فراوانی نہیں ہے۔ نبی نے کہا کہ اللہ نے تمھارے مقابلہ میں اسی کو منتخب کیا ہے اور اُس کو علم اور جسم میں تم پر وسعت عطا کی ہے۔ اللہ جسے چاہتا ہے اپنا ملک دے دیتا ہے اور اللہ بڑی وسعت والا اور علم والا ہے''۔

لوگو! ان آیات میں تمھارے لیے درسِ عبرت ہے۔ تمھیں معلوم ہونا چاہیے کہ اللہ نے خلافت وحکومت کو انبیاء کے بعد ان کی نسل میں رکھا ہے اور اللہ نے طالوت کا انتخاب اس کے علم وطاقت کی وسعت کی وجہ سے کیا ہے۔ اب خدارا تم ہی مجھے بتاؤ کیا تمھیں کتابِ خدا میں یہ بات کہیں دکھائی دیتی ہے کہ اللہ نے بنی اُمیہ کو بنی ہاشم کی سرداری کے لیے منتخب کیا ہو اور اس نے علم وجسم کے اعتبار سے معاویہ کو مجھ پر وسعت دی ہو؟

۹۷۰۔ کتاب معانی الاخبار میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی: فَلَمَّا كُتِبَ عَلَيْهِمُ الْقِتَالُ تَوَلَّوْا اِلَّا قَلِيْلًا مِّنْهُمْ ۭ (جب ان پر جنگ فرض کی گئی تو ایک قلیل تعداد کے علاوہ باقی سب پیٹھ پھیر گئے) اور پھر فرمایا کہ پیٹھ پھیرنے والوں کی تعداد ۶۰ ہزار افراد پر مشتمل تھی۔

۹۷۱۔ مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ جس نبی کے دور میں یہ واقعہ رونما ہوا تھا اس کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کون

ے نبی تھے۔ ایک قول یہ ہے کہ وہ ''اشمویل'' تھے جس کا معرب ''اسماعیل'' ہے اور مفسرین کی اکثریت نے یہی نام بیان کیا ہے اور امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی یہی قول منقول ہے۔

۹۷۲-امالی طوسی میں حضرت علی علیہ السلام کی زبانی منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''میں نے چار باتیں کہی تھیں: اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں ان کی تصدیق کر دی۔ ان میں سے میں نے ایک بات یہ کہی تھی: قیمة کل امرئ ما یحسنه (ہر شخص کی قیمت وہ ہنر ہے جو اس میں پایا جاتا ہے) اللہ تعالیٰ کو میرے یہ جملے پسند آئے تو اس نے قصہ طالوت میں اپنے انتخاب کا معیار بیان کرتے ہوئے فرمایا:

اِنَّ اللهَ اصۡطَفٰهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ ''اللہ نے تمھارے مقابلہ میں اس کا انتخاب کیا ہے اور اس کو علم و جسم کے لحاظ سے وسعت عطا کی ہے''۔

۹۷۳- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام کی زبانی اوصاف امام بیان ہوئے ہیں۔ آپؑ نے اوصاف امام کے ضمن میں ارشاد فرمایا:

''انبیاءؑ اور ائمہؑ کو خدا توفیق دیتا ہے اور اپنے پوشیدہ علم و حکمت سے انھیں وہ کچھ عطا کرتا ہے جو ان کے علاوہ کسی کے پاس نہیں ہوتا۔ اسی لیے ان کا علم ان کے ہم عصر تمام افراد سے زیادہ ہوتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَفَمَنۡ يَّهۡدِىۡۤ اِلَى الۡحَـقِّ اَحَقُّ اَنۡ يُّتَّبَعَ اَمَّنۡ لَّا يَهِدِّىۡۤ اِلَّاۤ اَنۡ يُّهۡدٰى‌ ۚ فَمَا لَـكُمۡ كَيۡفَ تَحۡكُمُوۡنَ ○ (یونس:۳۵)

''کیا وہ جو حق کی ہدایت کرتا ہے وہ اتباع کے قابل ہے یا وہ قابل ہے جسے خود ہی راستہ معلوم ہی نہ ہو جب تک اس کی رہنمائی نہ کی جائے۔ تمھیں کیا ہو گیا ہے تم کیسے فیصلے کرتے ہو؟''

اللہ تعالیٰ نے قصہ طالوت میں فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ اصۡطَفٰٮهُ عَلَيۡكُمۡ وَزَادَهٗ بَسۡطَةً فِى الۡعِلۡمِ وَالۡجِسۡمِ‌ؕ وَاللّٰهُ يُؤۡتِىۡ مُلۡکَهٗ مَنۡ يَّشَآءُ‌ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيۡمٌ ۞

''اللہ نے تمھارے مقابلہ میں اس کا انتخاب کیا ہے اور اس کو علم و جسم کے لحاظ سے وسعت دی ہے اللہ جسے چاہتا ہے اپنی سلطنت عطا کر دیتا ہے اور اللہ صاحب وسعت اور صاحب علم ہے''۔

۹۷۴- تفسیر علی بن ابراہیم میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''موسیٰ علیہ السلام کے بعد بنی اسرائیل نے دل کھول کر خدا کی نافرمانیاں کیں۔ انھوں نے اللہ کے دین میں تغیر و تبدل کیا اور اپنے پروردگار کے حکم سے سرکشی کی۔ ان میں ایک نبی تھا جو انھیں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتا تو مگر انھوں نے اس کی اطاعت نہ کی''۔

۹۷۵- بیان کیا جاتا ہے کہ وہ ''ارمیا'' نبی تھا۔ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل پر اپنا عذاب نازل کیا اور ان پر جالوت بادشاہ کو مسلط کر دیا۔ اس کا تعلق قبطی خاندان سے تھا۔ اس نے اسرائیلیوں کو خوب ذلیل کیا اور انھیں ان کے شہروں سے جلاوطن کر دیا اور ان کی عورتوں کو کنیز بنالیا۔ اس کے بعد وہ لوگ اپنے نبی کے پاس گئے اور انھوں نے نبی سے درخواست کی کہ آپ خدا سے درخواست کریں کہ وہ ہمارے لیے کوئی بادشاہ مقرر کرے تا کہ اس کے پرچم کے نیچے ہم جمع ہو کر خدا کی راہ میں جنگ کر سکیں۔

اس زمانہ میں نبوت ایک گھرانے میں ہوتی تھی اور حکومت و سلطنت دوسرے گھرانے میں ہوتی تھی۔ نبوت و حکومت کبھی بھی ایک گھرانے میں جمع نہیں ہوتی تھیں۔ اسی لیے انھوں نے نبی سے کہا تھا کہ آپ ہمارے لیے ایک بادشاہ مقرر کریں تا کہ ہم سب اس کی قیادت و رہبری میں جمع ہو کر خدا کی راہ میں جہاد کریں۔

نبی نے ان سے فرمایا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ خدا تم پر جہاد فرض کرے اور تم جہاد سے منہ پھیر لو؟!

بنی اسرائیل نے کہا: ایسا ہرگز نہیں ہوگا۔ ہم راہِ خدا میں دل کھول کر جہاد کریں گے کیونکہ ہم کو آوارہ وطن بنایا جا چکا ہے اور ہماری بیوی بچوں کو ہم سے جدا کر دیا گیا ہے۔ اس دور کے نبی نے ان لوگوں سے فرمایا کہ اللہ نے ''طالوت'' کو تمھارا بادشاہ بنا دیا ہے لہٰذا تم سب اس کے پرچم کے نیچے آ جاؤ اور جہاد کی تیاری کرو۔

بنی اسرائیل کے مال دار سرداروں نے از راہ حیرانی کہا کہ طالوت ہمارا بادشاہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اس کی بہ نسبت بادشاہت کے زیادہ حق دار تو ہم ہیں۔ وہ بے چارہ تو غریب اور قلاش ہے اور ایک قلاش بادشاہ کیسے بن سکتا ہے؟!

نبی نے جواب میں فرمایا: اس کی بادشاہت کی بنیاد یہ ہے کہ اسے خدا نے تمھارے مقابلہ پر چن لیا ہے اور خدا نے اسے علم اور جسم کی قوتوں سے مالا مال کیا ہے۔ خدا جسے چاہتا ہے اپنا ملک اس کے سپرد کر دیتا ہے اور اللہ صاحب وسعت اور صاحب علم ہے۔

بنی اسرائیل میں نبوت ''لاوی'' کے گھرانے میں چلتی تھی اور حکومت یوسف علیہ السلام کی اولاد میں چلا کرتی تھی جب کہ طالوت کا تعلق نسل بن یامین سے تھا اور اس گھرانے میں کبھی حکومت و اقتدار نہیں رہا تھا۔ علاوہ ازیں طالوت

غریب تھا اسی لیے بنی اسرائیل کے سرداروں نے کہا تھا کہ وہ تو ایک مفلس اور قلاش شخص ہے۔ ایک مفلس انسان حاکم کیسے بن سکتا ہے؟

نبی نے جواب میں کہا تھا کہ خدا کی نظر میں دولت کی کوئی قدر و قیمت نہیں ہے۔ طالوت کو خدا نے علمی وسعت دی ہے اور اس کے ساتھ ساتھ جسمانی قوت سے بھی اسے سرفراز کیا ہے۔ طالوت اپنے دور کا بہادر انسان تھا اور اس کے ساتھ ساتھ باقی لوگوں سے زیادہ صاحبِ علم بھی تھا۔

نبی نے فرمایا کہ اس کی بادشاہت کی علامت یہ ہے کہ تمھارے پاس ایک صندوق آئے گا جسے ملائکہ اٹھا کر لے آئیں گے۔ اس صندوق میں تمھارے رب کی طرف سے تسکین کا سامان ہوگا اور اس میں آلِ موسیٰ اور آلِ ہارونؑ کے تبرکات ہوں گے۔

یہ صندوق دراصل ام موسیٰؑ پر اتارا گیا تھا۔ انھوں نے اس صندوق میں اپنے بیٹے حضرت موسیٰؑ کو رکھ کر لہروں کے حوالے کیا تھا۔ وہ صندوق بنی اسرائیل میں نہایت متبرک سمجھا جاتا تھا۔ حضرت موسیٰؑ نے وفات کے وقت تورات کی ٹوٹی ہوئی تختیاں اس میں رکھی تھیں اور اس کے علاوہ آپ نے اپنی زرہ اور نبوت کی دوسری علامت بھی اس صندوق میں رکھی تھیں اور وہ صندوق اپنے وصی یوشع بن نون کے حوالے کیا تھا۔ اس صندوق کو "تابوتِ سکینہ" بھی کہا جاتا تھا۔

ابتداء میں بنی اسرائیل اس صندوق کا احترام کرتے رہے لیکن بعد میں اسے بازیچہ اطفال بنا دیا گیا اور بچے اس صندوق کو گلیوں اور سڑکوں پر رکھ کر اس سے کھیلا کرتے تھے اور جب بنی اسرائیل میں اس صندوق کا احترام ختم ہوگیا تو اللہ نے وہ تابوت ان سے اٹھا لیا تھا۔ اور جب اسرائیلی سرداروں نے نبی سے بادشاہ مقرر کرنے کی درخواست کی تو اللہ نے طالوت کو ان کا بادشاہ مقرر فرمایا اور اس کی بادشاہت کی علامت کے طور پر اسی تابوت کو ان کے پاس دوبارہ بھیج دیا۔

فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ "اس میں تمھارے لیے تسکین ہے"۔

اس تابوت کو مسلمانوں اور دشمنوں کے درمیان رکھ دیا جاتا تھا۔ اس سے ایک خوشبو برآمد ہوتی تھی اور وہ خوشبو مجسم ہو کر یوں دکھائی دیتی تھی جیسے کسی انسان کا سر ہو۔

۹۷۶۔ تفسیر عیاشی میں اِنَّ اٰيَةَ مُلْكِهٖٓ اَنْ يَّاْتِيَكُمُ التَّابُوْتُ کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس صندوق میں الواح کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑے تھے جن میں علم و حکمت تھا۔ علم آسمان سے آیا اور الواح پر لکھا گیا اور تابوتِ سکینہ میں رکھا گیا۔

۹۷۷۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ اٰلُ مُوْسٰى وَاٰلُ هٰرُوْنَ کے متعلق پوچھا گیا تو آپؑ نے

فرمایا

"آلِ موسیٰ اور آلِ ہارونؑ سے ذریت انبیاء مراد ہے"۔

۹۷۸- علی بن اسباط نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ تابوتِ سکینہ میں کیا چیزیں ہوا کرتی تھیں؟

آپؑ نے فرمایا "اس میں تورات کی ٹوٹی ہوئی وہ تختیاں تھیں جو موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہوئی تھیں اور اس میں وہ تھال تھا جس میں انبیاء کے دلوں کو دھویا جاتا تھا"۔

ایک دھاگے سے زلزلہ بپا کرنا

۹۷۹- عیون المعجزات میں جابر بن یزید جعفی کی زبانی ایک روایت مرقوم ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جب بنی اُمیہ کے طاغوتی دور میں شیعیانِ آلِ محمدؑ ان کے ظلم و ستم سے تنگ آگئے تو وہ امام زین العابدین علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوئے اور انھوں نے بنی اُمیہ کے مظالم کی رو دکر شکایت کی۔

آپؑ نے ان کی مظلومیت کی داستان سن کر دعا مانگی' پھر آپؑ نے اپنے فرزند امام محمد باقر علیہ السلام کو بلا کر ان سے فرمایا

"کل صبح مسجد نبوی میں چلے جانا اور اپنے ساتھ اس دھاگے کو بھی لے جانا جسے جبریل امینؑ آپ کے نانا جانؐ کے پاس لائے تھے اور وہاں جا کر اس کو آہستہ سے حرکت دینا۔ زور سے حرکت نہ دینا ورنہ تمام لوگ ہلاک ہو جائیں گے"۔

جابر کہتے ہیں کہ امام علیہ السلام کا یہ فرمان سن کر مجھے بہت تعجب ہوا اور مجھے ساری رات نیند نہ آئی کہ خدا جانے کل کیا ہو جائے اور جیسے ہی صبح ہوئی تو میں آپؑ کے در دولت پر حاضر ہوا۔ اس وقت امام زین العابدینؑ نے امام محمد باقرؑ سے فرمایا:

"بیٹا! جبریلؑ کا لایا ہوا دھاگہ اٹھاؤ اور مسجد نبوی میں جا کر اسے معمولی سا ہلاؤ۔ دیکھو زیادہ حرکت نہ دینا ورنہ سب لوگ فنا ہو جائیں گے"۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے کہا:

"خدا کی قسم! اگر وقت مقرر نہ ہوتا اور تقدیر متعین نہ ہوتی تو میں اس اُلٹی عقل رکھنے والی مخلوق کو چشم زدن میں دفنا دیتا لیکن ہم خدا کے محترم بندے ہیں اس کے فرمان سے سبقت نہیں کر سکتے اور ہم اس کے حکم کے مطابق عمل کرتے ہیں"۔

جابر کہتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک دھاگہ لیا اور مجھے اپنے ساتھ مسجد نبویؐ میں لے آئے۔ آپؑ نے وہاں پہنچ کر دو رکعت نماز ادا کی اور اپنا رخسار زمین پر رکھا اور کچھ کلام کیا جسے میں سمجھ نہ سکا۔ پھر آپؑ نے سر سجدہ سے اٹھایا اور اپنی آستین سے ایک پتلا سا دھاگہ نکالا جس سے مشک کی خوشبو آ رہی تھی اور وہ عام سلائی کے دھاگوں سے پتلا تھا۔

آپؑ نے مجھ سے فرمایا:

جابر! اس کا ایک سرا پکڑ کر آہستہ آہستہ چلتے جاؤ۔ خبردار اسے حرکت نہ دینا۔ چنانچہ میں نے دھاگے کا سرا پکڑا اور آہستہ سے چل پڑا۔

پھر آپؑ نے فرمایا: رک جاؤ۔

میں رک گیا۔ پھر آپؑ نے اس دھاگے کو معمولی سی حرکت دی اور اس کے بعد آپؑ نے وہ دھاگہ سمیٹ لیا۔

میں نے کہا: میرے آقا! اس سے آپؑ نے کیا کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ذرا باہر جا کر دیکھو لوگوں کا کیا حشر ہو چکا ہے؟

جابر کہتے ہیں کہ میں مسجد نبوی سے باہر آیا تو ہر طرف چیخ و پکار کی صدائیں بلند تھیں اور مدینہ میں سخت بھونچال آ چکا تھا اور اکثر لوگوں کے مکان منہدم ہو گئے تھے اور اس زلزلہ سے تیس ہزار سے زیادہ مرد اور عورتیں ہلاک ہو چکی تھیں جب کہ بچوں کی تعداد اس کے علاوہ تھی۔

لوگ چیختے چلاتے مسجد کی طرف روانہ ہوئے۔ کوئی کہہ رہا تھا کہ یہ زلزلہ ہے اور کوئی کہہ رہا تھا کہ یہ زمین کے دھنسنے کا عمل ہے اور یہ عذاب تو ہم پر آنا ہی تھا کیونکہ مدت ہوئی ہم نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو چھوڑ دیا ہے اور ہم میں فسق و فجور رواج پا چکا ہے اور آلِ رسولؐ پر ظلم ہو رہا ہے۔

یہ منظر دیکھ کر میں مسجد نبویؐ میں امام علیہ السلام کے پاس آیا اور میں نے آپؑ کو تباہی سے آگاہ کیا اور میں نے آپؑ سے پوچھا:

مولاؑ! اس دھاگے کی کیا خصوصیت ہے؟

آپؑ نے فرمایا: یہ دھاگہ آلِ موسیٰؑ و آلِ ہارونؑ کی ان باقیات میں سے ہے جو تابوت سکینہ میں رکھے تھے اور اس تابوت کو ملائکہ اٹھاتے تھے۔

۹۸۰۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں امام رضا علیہ السلام کی زبانی منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''سکینہ'' جنت کی ایک خوشبو ہے جو مجسم دکھائی دیتی ہے اور انسان کے چہرے کی طرح سے نظر آتی ہے اور تابوت سکینہ کو مسلمانوں اور کفار کی صفوں کے درمیان رکھا جاتا تھا اور اگر کوئی شخص تابوت سے آگے ہو کر لڑتا تو وہ قتل ہو جاتا تھا یا مغلوب ہو جاتا تھا اور جو تابوتِ سکینہ کو پشت کر کے بھاگتا تو وہ کافر ہو جاتا تھا اور بنی اسرائیل کا رہبر اسے قتل کر دیتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس دور کے نبی کو وحی کی کہ جالوت کو وہ شخص قتل کرے گا جس کے جسم پر موسیٰ علیہ السلام کی زرہ پوری آئے گی اور وہ شخص لاوی بن یعقوب کی اولاد میں سے ہوگا اور اس کا نام ''داؤد بن ایٰ'' ہے۔

داؤد کا والد ایٰ چرواہا تھا اور خدا نے اسے دس بیٹے عطا کیے تھے اور داؤد سب سے چھوٹے بیٹے تھے۔ جب اللہ نے طالوت کو بنی اسرائیل کا حاکم مقرر کیا تو انھوں نے لوگوں کو جالوت سے جنگ کے لیے جمع کرنا شروع کیا۔ انھوں نے ایٰ کو پیغام بھیجا کہ ہمیں جالوت سے جنگ کرنا ہے لہٰذا تم خود بھی آؤ اور اپنے بیٹے کو بھی ساتھ لاؤ۔

ایٰ اپنے نو بڑے بیٹے لے کر طالوت کے پاس پہنچے۔ طالوت نے اس کے ایک ایک بیٹے کو بلا کر موسیٰ علیہ السلام کی زرہ پہنائی لیکن وہ زرہ ان میں سے کسی کو بھی پوری نہ ہوئی۔ کسی سے لمبی ہوگئی اور کسی سے چھوٹی ہوگئی۔

طالوت نے ایٰ سے کہا: کیا ان کے علاوہ بھی تمھارا کوئی بیٹا ہے؟

انھوں نے کہا: ہاں ایک بیٹا اور ہے جو کہ چھوٹا ہے میں اسے بکریوں کے پاس چھوڑ آیا ہوں۔ وہ بکریاں چرانے میں مصروف ہے۔

طالوت نے کہا: تم اسے یہاں لے آؤ۔ چنانچہ داؤد آئے۔ طالوت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زرہ پہنائی تو وہ ان کے جسم پر پوری آگئی۔ جب طالوت نے یہ معجزہ دیکھا تو داؤد سے کہا: تم ہمارے ساتھ جنگ میں چلو اور مجھے یقین ہے کہ جالوت کو خدا تمھارے ہی ہاتھوں سے قتل کرائے گا۔

داؤد لشکر کے ساتھ چل پڑے۔ راستے میں سے گزر رہے تھے کہ تین پتھر پڑے ہوئے تھے۔ پتھروں نے داؤد کو صدا دے کر کہا کہ ہمیں اپنے ساتھ لے چلو۔ اللہ ہمارے ذریعہ سے تمھیں کامیابی عطا کرے گا۔

داؤد نے وہ تین پتھر اٹھائے اور کہا: میں انھیں اپنی غلیل کے ساتھ استعمال کروں گا۔ جب طالوت کا لشکر جالوت کی طرف جا رہا تھا تو طالوت نے اپنے لشکر سے کہا کہ اللہ تمھارا امتحان لینے والا ہے۔ راستے میں ایک نہر آئے گی جو اس نہر کا پانی پیئے گا وہ جنگ کے قابل نہیں رہے گا اور اس کا مجھ سے کوئی تعلق نہ ہوگا اور جو اس نہر کا پانی نہیں پیئے گا وہ میدانِ جنگ میں ثابت قدم رہے گا اور وہ مجھ سے ہوگا۔ البتہ ایک چلو پانی لینے میں کوئی حرج نہیں ہے۔

جب طالوت کا لشکر اس نہر پر پہنچا تو طالوت کی ممانعت کے باوجود اکثریت نے جی بھر کر اس نہر کا پانی پیا۔ چند ہی افراد ایسے تھے جنہوں نے پانی نہیں پیا تھا اور اس کے مقابلہ میں پانی پینے والوں کی تعداد ۶۰ ہزار افراد پر مشتمل تھی۔

۹۸۱- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ قلیل جماعت جس نے طالوت کا فرمان تسلیم کرتے ہوئے پانی نہیں پیا تھا ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی اور جب طالوت کا لشکر نہر عبور کر کے جالوت کی افواج کے سامنے آیا تو پانی پینے والوں نے کہا کہ آج ہم میں جالوت اور اس کے لشکر سے جنگ کرنے کی طاقت نہیں ہے۔

جن لوگوں نے پانی نہیں پیا تھا انھوں نے کہا کہ گھبرانے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ کئی بار چھوٹے گروہ کامیاب ہوئے اور انھوں نے بڑے گروہوں کو شکست دی۔ اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

پھر انھوں نے خدا سے دعا مانگ کر کہا:

"اے ہمارے پروردگار! ہم پر صبر کا فیضان فرما اور میدان میں ہمیں ثابت قدم رکھ اور ہمیں کافروں پر فتح عطا فرما"۔

حضرت داؤد میدان میں آئے اور جالوت بادشاہ کے سامنے کھڑے ہوئے۔ جالوت ہاتھی پر سوار تھا۔ اس کے سر پر شاہی تاج تھا جس کے درمیان ایک یاقوت جگمگا رہا تھا اور اس کے سامنے اس کی فوجیں کھڑی تھیں۔ حضرت داؤد نے اپنی غلیل اٹھائی اور اس میں ایک پتھر رکھ کر اس کے لشکر کے میمنہ پر پھینکا۔ جیسے ہی وہ پتھر لشکر کے اس حصہ پر گرا تو لشکر میں بھگدڑ مچ گئی اور اس کا میمنہ بھاگ کھڑا ہوا۔ پھر آپ نے دوسرا پتھر غلیل میں رکھ کر فوج کے میسرہ پر پھینکا اور جب وہ پتھر گرا تو وہ پورا دستہ بھاگ کھڑا ہوا اور تھوڑے ہی وقت میں میدان بالکل صاف ہو گیا جہاں جالوت کے علاوہ اور کوئی بھی موجود نہیں تھا۔

حضرت داؤد نے اپنا آخری پتھر غلیل میں رکھ کر جالوت کو مارا تو وہ پتھر یاقوت پر لگا۔ یاقوت کے ٹکڑے اُڑے اور اس کے ٹکڑے جالوت کے دماغ کے اندرونی حصوں تک چلے گئے۔ جس کی وجہ سے وہ ہاتھی سے گرا اور تڑپ کر مر گیا۔ اسی واقعہ کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

فَهَزَمُوهُم بِإِذْنِ اللَّهِ وَقَتَلَ دَاوُدُ جَالُوتَ وَآتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ (انھوں نے حکمِ خدا سے انھیں شکست دی اور داؤد نے جالوت کو قتل کر دیا اور خدا نے اسے بادشاہت عطا کی)

۹۸۲- تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ طالوت کے ساتھ ۶۰ ہزار افراد تھے۔ ان میں سے

تین سو تیرہ افراد وہ تھے جنھوں نے یا تو پانی سرے سے پیا ہی نہیں تھا یا پیا تھا تو ایک چلو جتنا ہی پیا تھا۔ اوران کے علاوہ باقی افراد نے نہر سے پانی پیا تھا اور جب میدان میں پہنچے تو پانی پینے والوں نے کہا تھا کہ ہم آج جالوت اوراس کی افواج کا مقابلہ نہیں کر سکتے اور جن لوگوں نے پانی نہیں پیا تھا انھوں نے کہا تھا:

كَمْ مِّنْ فِئَةٍ قَلِيْلَةٍ غَلَبَتْ فِئَةً كَثِيْرَةً بِإِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَاللّٰهُ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ۝ (کتنے ہی چھوٹے گروہ اللہ کے حکم سے بڑے گروہوں پر غالب آگئے اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے)

۹۸۳- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''حضرت قائم "فئه" سے کم اصحاب کے ساتھ خروج نہیں کریں گے اور وہ "فئه" دس ہزار سے کم نہیں ہوگا''۔

۹۸۴- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ طالوت کے لشکر کے ساتھ داؤد جا رہے تھے کہ راستے میں وہ ایک پتھر کے پاس سے گزرے۔ پتھر نے داؤد سے کہا:

''داؤد! مجھے اٹھالے اور میرے ذریعہ سے جالوت کو قتل کر''۔

چنانچہ داؤد میدان میں آئے اور انھوں نے کہا کہ مجھے جالوت دکھاؤ۔ سپاہیوں نے انھیں جالوت دکھایا تو انھوں نے وہی پتھر اپنی غلیل میں رکھ کر اس کی پیشانی کا نشانہ لیا۔ جالوت کو پتھر لگا جس سے اس کا سر پھٹ گیا اور وہ اپنی سواری سے گر پڑا۔ پھر داؤد نے اس کا سر قلم کر دیا۔

حضرت داؤد کی بہادری کی بنی اسرائیل میں شہرت پھیل گئی جس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں نے طالوت کو نظرانداز کر دیا اور داؤد کو حاکم بنالیا۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر زبور نازل فرمائی اور اسے زرہ سازی کی تعلیم دی۔

۹۸۵- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ مسجد کوفہ میں ایک شخص نے امیرالمومنین علی علیہ السلام سے پوچھا کہ ہم لوگ بدھ کو نحس کیوں سمجھتے ہیں اور وہ ہمیں گراں اور بوجھل کیوں محسوس ہوتا ہے اور کون سا بدھ نحس ہوتا ہے؟

حضرتؑ نے فرمایا:

''وہ مہینے کا آخری بدھ ہے اور اسی میں قابیل نے اپنے بھائی ہابیل کو قتل کیا تھا اور بدھ کے دن ہی عمالقہ نے بنی اسرائیل سے تابوت لے گئے تھے''۔

۹۸۶- کتاب الخصال میں بزنطی سے روایت ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے کسی سے پوچھا کہ امام کی پہچان کیا ہوتی ہے؟

آپؑ نے اس کے جواب میں امام کے بہت سے اوصاف بیان فرمائے اور آخر میں فرمایا:

''جس طرح سے ''تابوت سکینہ'' بنی اسرائیل کے انبیاء وسلاطین کی حقانیت کی دلیل تھا اسی طرح سے ہمارے لیے رسولؐ خدا کے ہتھیار ہماری صداقت کی دلیل ہیں۔ اور پیغمبرؐ اسلام کے ہتھیار ہمیشہ امام کے ساتھ رہیں گے۔ امام جہاں بھی جائے گا تو رسول اکرمؐ کے ہتھیار بھی ادھر ہی جائیں گے''۔

۹۸۷- کتاب معانی الاخبار میں مرقوم ہے کہ یونس بن عبدالرحمٰن نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے پوچھا کہ تابوت موسیٰ کی لمبائی چوڑائی کیا تھی؟

امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا: وہ تین ہاتھ لمبا تھا اور دو ہاتھ چوڑا تھا۔

سائل نے کہا کہ اس میں کیا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اس میں موسیٰؑ کا عصا تھا اور ''سکینہ'' تھا۔

سائل نے کہا کہ ''سکینہ'' کیا چیز ہے؟

آپؑ نے فرمایا: وہ خدا کی بولتی ہوئی روح ہے۔ جب لوگ کسی بات میں اختلاف کرتے تو وہ ان سے کلام کرتی اور اختلاف کا فیصلہ کرتی اور ان کے ارادوں سے انھیں باخبر کرتی۔

۹۸۸- اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہتھیاروں کی مثال ہم میں وہی ہے جو بنی اسرائیل میں تابوتِ سکینہ کی تھی۔ جس گھر میں تابوتِ سکینہ ہوتا تھا اسی گھر میں منصب نبوت بھی ہوتا تھا۔ اور ہم میں سے جس کے پاس رسول اکرمؐ کے ہتھیار ہوتے ہیں منصب امامت بھی اسی کے پاس ہوتا ہے۔

۹۸۹- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''بنی اسرائیل کے جس گھر میں ''تابوتِ سکینہ'' ہوتا تھا۔ اسی گھر میں حکومت ہوتی تھی اور ہمارے اندر جس گھر میں رسولؐ خدا کے ہتھیار رہوں علم اسی گھر میں ہوگا''۔

۹۹۰- امام محمد باقر علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ رسولؐ خدا کے ہتھیاروں کو ہم میں وہی مقام حاصل ہے جو کہ بنی اسرائیل میں ''تابوتِ سکینہ'' کو حاصل تھا۔ جس گھر میں تابوتِ سکینہ جاتا تھا اسی گھر میں نبوت ہوتی تھی اور جس گھر میں رسول اکرمؐ کے ہتھیار جاتے ہیں وہاں امامت جاتی ہے۔

راوی کا بیان ہے کہ میں نے کہا کیا ہتھیار علم کو دُور کر دیتے ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: نہیں۔

۹۹۱- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہتھیاروں کو ہم میں وہی مقام حاصل ہے جو کہ تابوت سکینہ کو بنی اسرائیل میں حاصل تھا۔ جس گھر میں تابوت سکینہ جاتا وہاں حکومت جاتی اور ہمارے جس گھر میں ہتھیار جائیں گے وہاں علم جائے گا''۔

۹۹۲- امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ہتھیاروں کو ہم میں وہی مقام حاصل ہے جو کہ تابوت سکینہ کو بنی اسرائیل میں تھا۔ جس گھر میں ہتھیار جائیں گے تو اس کے ساتھ امامت بھی جائے گی''۔

۹۹۳- الکافی میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے۔ اس حدیث میں راوی کہتا ہے کہ میں نے امام علیہ السلام سے پوچھا کہ ''سکینہ'' کیا ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ جنت سے نکلنے والی ایک ہوا ہے جو کہ انسان کی صورت جیسی ہے۔ اس سے عمدہ خوشبو آتی ہے اور وہ سکینہ ابراہیم پر نازل ہوا۔ چنانچہ جب ابراہیم نے بیت اللہ بنانے کا ارادہ کیا تھا تو جنت کی وہ ہوا جنت سے برآمد ہوئی تھی اور بیت اللہ کے ارکان کے گرد چکر لگایا تھا اور اسی کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا: فِيهِ سَكِينَةٌ مِّن رَّبِّكُمْ وَبَقِيَّةٌ مِّمَّا تَرَكَ آلُ مُوسَىٰ وَآلُ هَارُونَ۔

تابوت میں سکینہ تھی اور اس میں وہ تھال بھی تھا جس میں انبیاء کے دلوں کو دھویا جاتا ہے اور وہ تابوت انبیاءؑ کے گھروں میں منتقل ہوتا رہا۔ پھر وہ ہماری طرف منتقل ہوا۔

حاضرین نے کہا: مولاؑ! آپؑ کے پاس کیسا تابوت ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

''ہمارے پاس رسولؐ خدا کے ہتھیاروں کا تابوت ہے''۔

۹۹۴- کتاب احتجاج میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علی علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

''خدا نے چاہا تو میں تمہیں راہِ نجات پر لے کر چلوں گا اگرچہ اس کے لیے تمہیں بہت محنت کرنا پڑے گی اور تکالیف جھیلنا پڑیں گی۔ دنیا بظاہر لذیذ محسوس ہوتی ہے لیکن چند دنوں بعد اس کی لذت حسرت میں تبدیل ہو جاتی ہے۔

بنی اسرائیل کو ان کے نبی نے حکم دیا تھا کہ وہ نہر کا پانی نہ پئیں لیکن انھوں نے نبی کی نافرمانی کی اور چند افراد کے علاوہ باقی لوگوں نے پانی پیا تھا۔ خدا تم پر رحم کرے تم ان لوگوں میں سے ہو جنہوں نے اپنے نبی کی اطاعت کی تھی اور ان لوگوں سے نہ ہو جنہوں نے نبی کی نافرمانی کی تھی۔

۹۹۵- روضہ کافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''بنی اسرائیل کے سرداروں نے طالوت کی بادشاہت پر اس لیے اعتراض کیا تھا کہ طالوت کا تعلق نہ تو نبوت کے خانوادے سے تھا اور نہ ہی حکومت کے خانوادے سے تھا''۔

نبی نے بنی اسرائیل سے فرمایا:

''اللہ نے اسے تمھارے مقابلہ میں چُن لیا ہے اور اسے علم وجسم کی قوت سے مالا مال کیا ہے۔ پھر طالوت اپنے لشکر کو ساتھ لے کر روانہ ہوئے تو انھوں نے کہا کہ اللہ تمھیں ایک نہر سے آزمائے گا۔ جو اس کا پانی پیئے گا اس کا مجھ سے کوئی واسطہ نہیں ہوگا اور جو پانی نہیں پیئے گا وہ مجھ سے ہوگا البتہ ایک چلّو پانی پینے میں کوئی حرج نہیں ہے''۔

طالوت کے اس واضح اعلان کے باوجود اکثریت نے پانی پیا۔ پورے لشکر میں ایسے افراد بہت کم تھے جنہوں نے پانی نہیں پیا تھا اور جب طالوت' جالوت کے لشکر کے مقابلہ پر اپنا لشکر لے کر گئے تھے تو جن لوگوں نے پانی پیا تھا انھوں نے کہا کہ آج ہم جالوت اور اس کی افواج سے مقابلہ نہیں کر سکتے۔

اور جن لوگوں نے پانی نہیں پیا تھا انھوں نے کہا کہ دنیا میں کئی چھوٹے گروہ ایسے بھی گزرے ہیں جنہوں نے اپنے سے بڑے گروہوں پر کامیابی حاصل کی تھی اور اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

۹۹۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''ملائکہ بیل کی شکل میں مجسم ہو کر تابوتِ سکینہ کو اٹھایا کرتے تھے''۔

۹۹۷- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ تابوتِ سکینہ میں تورات کی ٹوٹی ہوئی تختیاں تھیں جن میں علم وحکمت تھی۔

۹۹۸- مجمع البیان میں ہے کہ جب عمالقہ نے بنی اسرائیل پر غلبہ حاصل کیا تھا تو وہ تابوتِ سکینہ بھی اپنے ساتھ لے گئے تھے اور جب طالوت بادشاہ مقرر ہوئے تو فرشتے اس تابوت کو وہاں سے اٹھا کر لے آئے تھے۔ تابوت میں ''سکینہ'' تھا اور ''سکینہ'' کے متعلق اختلاف ہے کہ وہ کیا چیز ہے؟

بعض روایات کے مطابق وہ جنت کی ایک ہوا ہے جس کا چہرہ انسان جیسا ہے۔ اور یہ قول حضرت علی علیہ السلام

سے مروی ہے جب کہ کچھ دوسری روایات میں یہ کہا گیا ہے کہ "سکینہ" کے دو پر ہیں اور زبرجد اور زمرد سے بنا ہوا بلی کے سر جیسا اس کا ایک سر بھی ہے۔

۹۹۹- الکافی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپ نے فرمایا کہ داؤد "مسجد سہلہ" (کوفہ میں ایک تاریخی مسجد ہے) سے روانہ ہو کر جالوت کے مقابلہ پر گئے تھے۔

۱۰۰۰- کتاب الخصال میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا کہ حضرت نوح علیہ السلام کے بعد صرف چار انبیاء ایسے ہیں جنہیں نبوت کے ساتھ حکومت بھی ملی

۱- ذوالقرنین' اس کا اصلی نام عیاش ہے۔۲- داؤد ۳- سلیمان ۴- یوسف علیہم السلام

عیاش کی حکومت مشرق و مغرب تک پھیلی ہوئی تھی اور حضرت داؤد کی حکومت شام و لبنان کے علاقہ سے اصطخر فارس تک پھیلی ہوئی تھی اور حضرت سلیمان کی حکومت بھی وہیں تک تھی جہاں تک ان کے والد کی تھی' اور حضرت یوسفؑ کی حکومت مصر اور اس کے اردگرد کے علاقوں تک محدود تھی۔

۱۰۰۱- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

"اللہ نے ہر چیز میں سے چار کا انتخاب کیا ہے اور اس نے بزم انبیاء میں سے بھی تلوار کے لیے چار انبیاء کا انتخاب کیا ہے اور وہ ابراہیم' داؤد' موسٰی اور میں ہوں"۔

۱۰۰۲- کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں مرقوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

"حضرت داؤد کی عمر ایک سو برس تھی اور انھوں نے چالیس برس تک حکومت کی تھی"۔

۱۰۰۳- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ حضرت موسٰیؑ اور حضرت داؤدؑ کے درمیان پانچ سو سال کا فاصلہ تھا اور داؤد اور عیسٰی علیہما السلام کے درمیان گیارہ سو برس کا فاصلہ تھا۔

نیک لوگوں کی برکت

۱۰۰۴- اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"ہمارے غازی شیعہ کی وجہ سے اللہ ہمارے بے نماز شیعہ کو تحفظ فراہم کرتا ہے اور اگر سارے ہی تارک الصلاۃ بن جائیں تو پھر سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اللہ ہمارے زکوٰۃ کے پابند شیعہ کی وجہ سے تارکینِ زکوٰۃ شیعہ کو تحفظ

زام کرتا ہے اور اگر سارے ہی مانعین زکوٰۃ بن جائیں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اللہ حج کرنے والے ہمارے شیعوں کی وجہ سے حج نہ کرنے والے شیعوں کا تحفظ کرتا ہے اور اگر سارے ہی حج پر نہ جائیں تو سب کے سب ہلاک ہو جائیں گے اور اس مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے قرآن حکیم کی اس آیت میں یوں بیان کیا ہے:

وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ بِبَعْضٍ ۙ لَّفَسَدَتِ الْاَرْضُ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ ذُوْ فَضْلٍ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ۝

''اور اگر اللہ ایک گروہ کے ذریعہ سے دوسرے گروہ کا دفاع نہ کرتا تو زمین تباہ ہو جاتی لیکن اللہ تمام جہانوں پر فضل کرنے والا ہے''۔

خدا کی قسم یہ آیت صرف تمھارے لیے نازل ہوئی ہے اور اس سے تمھارے علاوہ اور کوئی مراد نہیں ہے۔

۱۰۰۵- تفسیر علی بن ابراہیم میں بھی امام جعفر صادق علیہ السلام سے یہ روایت انہی الفاظ سے منقول ہے۔

۱۰۰۶- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ وَلَوْلَا دَفْعُ اللّٰهِ النَّاسَ بَعْضَهُمْ کی آیت کے تین مطالب بیان کیے گئے ہیں اور اس کا دوسرا مفہوم یہ بیان کیا گیا کہ اللہ نیک شخص کی وجہ سے برے شخص کو ہلاکت سے بچا لیتا ہے''۔

حضرت علی علیہ السلام سے یہ مطلب منقول ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اس حدیث سے بھی اسی مطلب کا اثبات ہوتا ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:

لولا عباد لِلّٰه رکع وصبیان رضع وبهائم رتع لصب علیکم العذاب صبًا۔

''اگر خدا کے لیے جھکنے والے بندے نہ ہوتے اور شیر خوار بچے نہ ہوتے اور چرنے والے جانور نہ ہوتے تو تم پر عذاب کو بارش کی طرح سے برسا دیا جاتا''۔

۱۰۰۷- جابر بن عبداللہ کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ایک صالح مسلمان کی وجہ سے اس کی اولاد اور اس کی اولاد کی اولاد اور اس کے اہلِ خانہ اور اس کے ہمسایوں کی نگہبانی کرتا رہتا ہے جب تک وہ ان میں رہتا ہے اس وقت تک وہ تمام لوگ اللہ کی حفظ و امان میں رہتے ہیں''۔

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ

وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ؕ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۟ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝ اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَیُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ ؕ لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ مَنْ ذَا الَّذِيْ يَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ ؕ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ ۚ وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖۤ اِلَّا بِمَا شَآءَ ۚ وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ ۝۲۵۵ لَاۤ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ۙ قَدْ تَّبَيَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَيِّ ۚ فَمَنْ يَّكْفُرْ

بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۗ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۵۶﴾ اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓــئُهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۵۷﴾

"یہ سب رسول وہ ہیں جنہیں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے بعض وہ ہیں جن سے خدا خود ہم کلام ہوا اور بعض کے درجات بلند کیے ہیں اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی ہوئی نشانیاں دی ہیں اور روح القدس سے ان کی تائید کی ہے۔ اگر خدا چاہتا تو ان رسولوں کے بعد جو لوگ روشن نشانیاں دیکھ چکے تھے کبھی آپس میں نہ لڑتے لیکن انھوں نے اختلاف کیا۔ پھر کوئی ان میں سے ایمان لایا اور کسی نے کفر کی راہ اختیار کی اور اگر اللہ چاہتا تو وہ ہرگز نہ لڑتے لیکن خدا جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے۔ اے ایمان والو! جو کچھ ہم نے تمھیں مال و متاع دیا ہے اس میں سے خرچ کرو۔ قبل اس کے کہ وہ دن آئے جس میں نہ خرید و فروخت ہوگی' نہ دوستی کام آئے گی اور نہ سفارش چلے گی اور کفر کرنے والے ہی ظالم ہیں۔ اللہ' وہ زندہ جاوید ہستی' جو تمام کائنات کو سنبھالے ہوئے ہے' اس کے سوا کوئی خدا نہیں ہے۔ وہ نہ تو سوتا ہے اور نہ اسے اونگھ آتی ہے۔ زمین اور آسمانوں میں جو کچھ ہے' اسی کا ہے۔ کون ہے جو اس کی جناب میں اس کی اجازت کے بغیر سفارش کر سکے؟ جو کچھ بندوں کے سامنے ہے وہ اسے بھی جانتا ہے اور

جو کچھ ان سے اوجھل ہے وہ اس سے بھی واقف ہے اور اس کی معلومات میں سے کوئی چیز ان کی گرفتِ ادراک میں نہیں آ سکتی۔ اِلا یہ کہ کسی چیز کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے۔ اس کی حکومت، آسمانوں اور زمین پر چھائی ہوئی ہے اور ان کی نگہبانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے اور وہ بزرگ و برتر ہے۔ دین میں کوئی جبر نہیں ہے۔ ہدایت، گمراہی سے الگ اور واضح ہو چکی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آیا تو وہ اللہ کی مضبوط رسی سے متمسک ہو گیا جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں ہے اور اللہ سب کچھ سننے والا اور سب کچھ جاننے والا ہے۔ اللہ ایمان والوں کا حامی و مددگار ہے۔ وہ انھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں جو انھیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔ یہ دوزخ میں جانے والے لوگ ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے“۔

۱۰۰۸- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

”ایمان کے اضافہ کی وجہ سے مومنین کے درجات میں فرق ہے“۔

راوی نے کہا: مولاؑ! تو کیا ایمان کے بھی درجے اور منزلیں ہوا کرتی ہیں جس کی وجہ سے اہلِ ایمان کو ایک دوسرے پر فضیلت ملا کرتی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: جی ہاں، ایمان کے بھی درجات و منازل ہیں۔

راوی نے کہا: مولاؑ! اس کی وضاحت فرمائیں تا کہ مجھے سمجھ آ جائے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: ایمانی درجات کی وجہ سے تو اللہ نے اپنے اولیاء کے علیحدہ علیحدہ درجے مقرر کیے ہیں جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ......

(یہ سب رسول وہ ہیں جنھیں ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ان میں سے بعض وہ ہیں جن

سے خدا خود ہم کلام ہوا اور بعض کے درجات بلند کیے......)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَلَقَدْ فَضَّلْنَا بَعْضَ النَّبِيِّنَ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل:۵۵) ''اور ہم نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اُنْظُرْ كَيْفَ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ (بنی اسرائیل:۲۱) ''دیکھو ہم نے بعض کو بعض پر کس طرح فضیلت دی ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: هُمْ دَرَجٰتٌ عِنْدَ اللّٰهِ (آلِ عمران:۱۶۳) ''وہ خدا کے ہاں علیحدہ علیحدہ درجے ہیں''۔

۱۰۰۹- کتاب احتجاج طبرسی میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے' انھوں نے کہا کہ جنگِ جمل کے دن میں امیر المومنین علی علیہ السلام کے ساتھ کھڑا تھا۔ اتنے میں ایک شخص آ کر حضرتؑ کے سامنے کھڑا ہو گیا اور اس نے کہا:

''امیر المومنین! مخالف بھی اللہ اکبر کہتے ہیں اور ہم بھی اللہ اکبر کہتے ہیں اور مخالف بھی لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اور ہم بھی لا الہ الا اللہ کہتے ہیں اور مخالف بھی نماز پڑھتے ہیں اور ہم بھی نماز پڑھتے ہیں۔ آخر ہم ان سے کس بات پر جنگ کر رہے ہیں؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: ہم ان سے اللہ کی نازل کردہ کتاب کے تحت جنگ کر رہے ہیں۔

اس نے کہا: مجھے اللہ کی نازل کردہ ساری کتاب کا علم نہیں ہے۔ آپؑ مجھے تعلیم دیں۔

آپؑ نے فرمایا: ہم ان میں سے سورۃ البقرہ کی آیت کے تحت جنگ کر رہے ہیں۔

اس نے کہا: امیر المومنینؑ! مجھے پوری سورہ البقرہ کے معانی و مطالب کا علم نہیں ہے' آپؑ مجھے تعلیم دیں۔

اس کے جواب میں امیر المومنین علیہ السلام نے یہ آیت پڑھی:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ۭ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِيْنَ مِنْۢ بَعْدِهِمْ مِّنْۢ بَعْدِ مَا جَاۗءَتْهُمُ الْبَيِّنٰتُ وَلٰكِنِ اخْتَلَفُوْا فَمِنْهُمْ مَّنْ اٰمَنَ وَمِنْهُمْ مَّنْ كَفَرَ ۭ وَلَوْ شَاۗءَ اللّٰهُ مَا اقْتَتَلُوْا ۣ وَلٰكِنَّ اللّٰهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيْدُ ۝

(ان رسولوں میں سے بعض کو ہم نے بعض پر فضیلت دی ہے۔ ان میں سے کچھ وہ بھی ہیں جن سے خدا نے کلام کیا ہے اور بعض کے درجات بلند کیے ہیں اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو کھلی نشانیاں

دی تھیں اور ہم نے روح القدس سے اس کی تائید کی۔ اور اگر خدا چاہتا تو انبیاء کے بعد واضح نشانیاں آنے کے بعد وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے لیکن انھوں نے اختلاف کیا ان میں سے کچھ وہ ہیں جو ایمان لائے اور کچھ وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا اور اگر اللہ چاہتا تو وہ آپس میں نہ لڑتے لیکن خدا جو چاہتا ہے وہی کرتا ہے)

چنانچہ ہم وہ ہیں جو ایمان لائے ہیں اور مخالف وہ ہیں جنہوں نے کفر کیا ہے۔

مولاؑ کی یہ گفتگو سن کر اس شخص نے بے ساختہ کہا رب کعبہ کی قسم! ان لوگوں نے کفر کیا ہے۔ پھر اس نے مخالف فوج پر حملہ کر دیا اور لڑتے لڑتے شہید ہو گیا۔

۱۰۱۰- امالی طوسی میں بھی یہ روایت مرقوم ہے لیکن اس کے آخر میں یہ الفاظ ہیں کہ امیرالمومنین علیہ السلام نے فرمایا:

''جب اختلاف ہوا تو ہم نے اللہ' نبی' کتاب اور حق کی پیروی کی۔ ہم ایمان لانے والے لوگ ہیں اور ہمارے حریف کفر کرنے والے لوگ ہیں اور اگر خدا جبراً اس جنگ کو روکنا چاہتا تو وہ روک بھی سکتا تھا''۔

۱۰۱۱- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ نے مجھ سے افضل اور محترم فرد اور کوئی پیدا ہی نہیں کیا''۔

یہ سن کر حضرت علی علیہ السلام نے عرض کیا: یا رسولؐ اللہ! آپؐ افضل ہیں یا جبریلؑ؟

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''علی! اللہ تعالیٰ نے انبیائے مرسلین کو ملائکہ مقربین پر فضیلت دی ہے اور مجھے تمام انبیاء و مرسلین پر فضیلت دی ہے۔ میرے بعد خدا نے تجھے اور تیرے بعد ائمہ کو فضیلت دی ہے جب کہ ملائکہ تو ہمارے خادم ہیں اور وہ ہم سے محبت کرنے والوں کے خادم ہیں''۔

۱۰۱۲- اصول کافی میں بھی امام جعفر صادق علیہ السلام نے اس مفہوم کو ایک مؤید حدیث میں نقل کیا ہے۔

روح القدس

۱۰۱۳- حضرت اصبغ بن نباتہ نے امیرالمومنین علیہ السلام سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس کے کچھ کلمات

حسب ذیل ہیں:

''یہ جو سابقین کی بات بیان کی گئی تو وہ انبیائے مرسلین اور غیر مرسلین تھے۔ اللہ نے ان میں پانچ روحیں ودیعت فرمائی تھیں:

۱۔ روح القدس ۲۔ روح ایمان ۳۔ روح قوت ۴۔ روح شہوت ۵۔ روح بدن۔

۔ روح القدس کی وجہ سے اللہ نے انھیں مرسل اور غیر مرسل نبی بنایا اور اسی کے ذریعہ سے انھوں نے حقائق اشیاء کو معلوم کیا۔

۲۔ روح ایمان کی وجہ سے انھوں نے اللہ کی عبادت کی اور کسی چیز کو خدا کا شریک نہ قرار دیا۔

۳۔ روح قوت کی وجہ سے انھوں نے اپنے دشمنوں سے جہاد کیا اور اپنا رزق روزی حاصل کیا۔

۴۔ روح شہوت کی وجہ سے انھوں نے لذیذ کھانے کھائے اور عورتوں سے نکاح کیے۔

۵۔ روح بدن کی وجہ سے انھوں نے پرورش پائی اور زمین پر چلے پھرے۔

اللہ نے ان کی کوتاہیں معاف کی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے فرمایا:

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ ؕ

''یہ وہ رسول ہیں جن میں سے ہم نے بعض کو بعض پر فضیلت دی۔ ان میں وہ بھی ہیں جن سے اللہ نے کلام کیا اور بعض کے درجات بلند کیے اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح نشانیاں عطا کیں اور ہم نے روح القدس سے اس کی تائید کی''۔

پھر اللہ تعالیٰ نے جماعت انبیاء کے متعلق فرمایا: وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ ''اور خدا نے اپنے روح سے ان کی تائید کی''۔

اللہ نے انھیں عزت عطا کی اور دوسرے لوگوں پر انھیں فضیلت عطا کی۔ چنانچہ وہ بخشے ہوئے لوگ تھے اور ان کی کوتاہیاں معاف کر دی گئی تھیں۔

۱۰۱۴۔ روضہ کافی میں عمرو بن ابی المقدام سے منقول ہے کہ میں نے امام محمد باقر علیہ السلام سے عرض کیا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت پر لوگوں نے اجماع کیا تھا اور لوگوں کا اجماع اللہ کی رضا کا مظہر تھا کیونکہ یہ بات خدا کی شان سے

بعید ہے کہ وہ محمد مصطفیٰ کی وفات کے فوراً بعد اُمت کو فتنہ کے سپرد کردے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''کیا وہ لوگ اللہ کی کتاب کی تلاوت نہیں کرتے اور کیا اللہ نے اپنی کتاب میں یہ آیت نازل نہیں کی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ۚ أَفَإِنْ مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ ۚ وَمَنْ يَنْقَلِبْ عَلَىٰ عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَضُرَّ اللَّهَ شَيْئًا ۗ وَسَيَجْزِي اللَّهُ الشَّاكِرِينَ (آل عمران:۱۴۴)

''محمد تو بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے بھی بہت سے رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر وہ طبعی موت مرجائیں یا قتل کردیئے جائیں تو تم اپنی ایڑیوں کے بل پھر جاؤ گے اور جو بھی اپنی ایڑیوں کے بل پھرے گا تو وہ اللہ کو کچھ بھی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اللہ عنقریب شکرگزاروں کو جزا دے گا''۔

میں (راوی) نے کہا کہ لوگ تو اس آیت کی اور ہی انداز سے تفسیر کرتے ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''کیا اللہ تعالیٰ نے سابقہ اُمتوں کے متعلق یہ نہیں کہا کہ روشن اور واضح معجزات دیکھنے کے بعد انھوں نے اختلاف کیا تھا جیسا کہ اس آیت مجیدہ میں ہے:

وَآتَيْنَا عِيسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنَاتِ وَأَيَّدْنَاهُ بِرُوحِ الْقُدُسِ ۗ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلَ الَّذِينَ مِنْ بَعْدِهِمْ مِنْ بَعْدِ مَا جَاءَتْهُمُ الْبَيِّنَاتُ وَلَٰكِنِ اخْتَلَفُوا فَمِنْهُمْ مَنْ آمَنَ وَمِنْهُمْ مَنْ كَفَرَ ۚ وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ مَا اقْتَتَلُوا وَلَٰكِنَّ اللَّهَ يَفْعَلُ مَا يُرِيدُ

''اور ہم نے عیسیٰ بن مریم کو واضح نشانیاں دی تھیں اور ہم نے روح القدس سے اس کی تائید کی اور اگر خدا چاہتا تو انبیاء کے بعد واضح نشانیاں آنے کے بعد وہ لوگ آپس میں نہ لڑتے لیکن انھوں نے اختلاف کیا۔ ان میں سے کچھ ایمان لائے اور کچھ نے کفر کیا اور اگر خدا چاہتا تو وہ نہ لڑتے کیونکہ خدا جو چاہتا ہے وہ وہی کرتا ہے''۔

اس آیت مجیدہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اصحاب محمدؐ نے بھی آنحضرتؐ کے بعد اختلاف کیا تھا۔ ان میں سے کچھ وہ تھے جو ایمان لائے تھے اور کچھ وہ تھے جنہوں نے انکار کیا تھا۔

درندوں سے حفاظت کی عزیمت

۱۰۱۵- الخرائج والجرائح میں عبداللہ بن یحییٰ کاہلی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جب تمھارے سامنے کوئی درندہ آجائے تو اس وقت کیا پڑھتے ہو؟''

میں نے عرض کیا: مجھے معلوم نہیں کہ اس سے حفاظت کے لیے کیا پڑھنا چاہیے۔

امام نے فرمایا:

''جب کبھی تمھیں کوئی درندہ دکھائی دے تو اس کے سامنے آیت الکرسی پڑھ کر کہو:

عَزَمْتُ عَلَيْكَ بِعَزِيْمَةِ اللّٰهِ وَعَزِيْمَةِ رَسُوْلِهٖ وَعَزِيْمَةِ سُلَيْمَانَ بْنِ دَاوٗدَ وَعَزِيْمَةِ اَمِيْرِ الْمُؤْمِنِيْنَ وَالْاَئِمَّةِ مِنْ بَعْدِهٖ تَنَحَّ عَنْ طَرِيْقِنَا وَلَمْ تُؤْذِنَا فَاِنَّا لَا نُؤْذِيْكَ -

ان شاء اللہ درندوں سے محفوظ ہو گے۔

۱۰۱۶- تفسیر علی بن ابراہیم میں یعقوب بن جعفر سے منقول ہے، اس نے کہا کہ میں نے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے سنا آپؑ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے اپنے عبد حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر اللّٰہ لا الٰہ الا ھو العلی العظیم کی آیت نازل فرمائی اور پھر قرآن مجید کے متعدد مقامات پر اللہ نے اپنے اسمائے حسنیٰ مثلاً ''الرحمٰن الرحیم العزیز الجبار العلی العظیم'' بیان فرمائے تو کفار کی عقلیں چکرا گئیں اور ان کی فہم و ادراک کی سرحدیں ختم ہو گئیں۔ چنانچہ وہ خدا کے متعلق باتیں بنانے لگ گئے اور خدا کے شریک قرار دینے لگے اور مثالوں سے اس کی تشبیہ دینے لگ گئے اور تشبیہات سے اس کی مثالیں دینے لگے اور انھوں نے خدا کو زائل ہونے والا بتایا اور وہ ایسے گہرے سمندر میں ڈوب گئے جس کی گہرائی کا انھیں علم نہیں تھا اور اس کی کیفیت سے ناواقف تھے۔

آسیب سے نجات

۱۰۱۷- الکافی میں ابان بن عثمان سے منقول ہے کہ ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا:

مولا! میرے اہل خانہ کو جنات تنگ کرتے ہیں۔

آپؑ نے فرمایا: تمھارے مکان کی چھت کتنی اُونچائی پر ہے؟

اس نے عرض کیا: میرے مکان کی چھت دس ہاتھ بلند ہے۔

آپؑ نے فرمایا: تم آٹھ ہاتھ ناپ کر باقی دو ہاتھوں پر آیت الکرسی لکھو۔ یاد رکھو جس بھی مکان کی چھت آٹھ ہاتھ سے بلند ہوگی وہاں جنات کا ڈیرہ ہوگا۔

۱۰۱۸- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

''جب مکان کی اونچائی آٹھ ہاتھ ہو تو وہ انسانوں کی رہائش گاہ ہوگا اور جب آٹھ ہاتھ سے اونچائی زیادہ ہو تو آٹھ ہاتھ کے بعد والی بلندی پر آیت الکرسی لکھ لینی چاہیے۔

۱۰۲۰- من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علی علیہ السلام کو وصیت فرمائی کہ جس شخص کے پیٹ میں زرد پانی ہو تو اس کے پیٹ پر آیت الکرسی لکھی جائے اور آیت الکرسی لکھ کر بھی اسے پلائی جائے۔ اللہ کے حکم سے وہ تندرست ہو جائے گا۔

۱۰۲۱- کتاب الخصال میں حضرت ابوذر غفاری سے منقول ہے کہ میں مسجد نبویؐ میں گیا جہاں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تشریف فرما تھے۔ میں نے آپؐ سے کچھ باتیں دریافت کیں اور آپؐ نے مجھے ان کے جواب بتائے۔ میں نے آنحضرتؐ سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ نے آپ پر سب سے زیادہ عظیم آیت کون سی نازل کی ہے؟

آنحضرتؐ نے فرمایا: وہ آیت الکرسی ہے۔ پھر آپؐ نے فرمایا

''ابوذر! کرسی کے مقابلہ میں سات آسمانوں کی وہی حیثیت ہے جو ایک صحرا میں پڑے ہوئے ایک کڑے کی ہے''۔

۱۰۲۲- حضرت امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے اصحاب کو تعلیم دیتے ہوئے فرمایا:

''جب تم میں سے کسی کی آنکھوں میں کوئی تکلیف ہو تو وہ شفا کی نیت سے آیت الکرسی پڑھے۔ خدا نے چاہا تو تندرستی نصیب ہوگی''۔

۱۰۲۳- اصول کافی میں اصبغ بن نباتہ سے منقول ہے کہ ایک شخص نے امیر المومنین علیہ السلام سے عرض کیا:

مولاؑ! میرے پیٹ میں زرد پانی ہے کیا اس کے لیے بھی کوئی نسخہ ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔ اس کا نسخہ ہے جس پر درہم و دینار بھی خرچ نہیں ہوتے۔ تم اپنے پیٹ پر آیت الکرسی

لکھواؤ اور اسے دھو کر پی لو۔ خدا نے چاہا تو صحت یاب ہو جاؤ گے۔

اس شخص نے آپؑ کے فرمان پر عمل کیا اور تندرست ہو گیا۔

۱۰۲۴- ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام اپنے بائیں پاؤں کو داہنی ران پر رکھ کر بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک شخص نے آپؑ سے کہا: اس طرح سے بیٹھنا مکروہ ہے۔

آپؑ نے فرمایا: نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے۔ البتہ یہودیوں نے یہ کہا تھا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین پیدا کیے تو پھر تھک کر عرش پر اس طرح سے بیٹھ گیا اور اس طرح سے بیٹھ کر اس نے آرام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس قول کی تردید کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

"اللہ وہ ہے جس کے علاوہ کوئی لائق عبادت نہیں ہے وہ ہمیشہ زندہ رہنے والا ہے اور کائنات کو سنبھالنے والا ہے۔ اسے نہ تو اُونگھ آتی ہے اور نہ ہی اس پر نیند مسلط ہوتی ہے"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام اسی طرح سے بیٹھے رہے جیسے پہلے بیٹھے ہوئے تھے۔

فضائل آیت الکرسی

۱۰۲۵- مجمع البیان میں مذکور ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جب اللہ تعالیٰ نے سورۂ فاتحہ' آیت الکرسی' آیت شَهِدَ اللّٰهُ اور آیت اَللّٰهُمَّ مٰلِكَ الْمُلْكِ ... بِغَيْرِ حِسَابٍ کو زمین پر نازل کرنے کا ارادہ کیا تو وہ عرش سے چمٹ گئیں۔ ان آیات اور خدا کے درمیان کوئی حجاب نہ تھا۔ ان آیات نے عرض کیا:

"پروردگار! تو ہمیں گناہوں کے گھر میں بھیج رہا ہے اور ان لوگوں کے پاس بھیج رہا ہے جو تیری نافرمانی کرتے ہیں جب کہ ہم یہاں طہارت وتقدیس کے ساتھ معلّق ہیں!"

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"مجھے اپنی عزت وجلال کی قسم! جو بھی بندہ اپنی نماز کے بعد تمھیں پڑھے گا تو وہ جیسا بھی ہو گا میں اسے حظیرۃ القدس میں جگہ عنایت کروں گا اور میں اپنی پوشیدہ نگاہ سے روزانہ اس پر ستر بار نظر کروں گا اور میں ہر روز اس کی ستر حاجات پوری کروں گا جن میں سے کم ترین حاجت مغفرت ہو گی اور میں اسے ہر دشمن سے محفوظ رکھوں گا اور اسے اس

پر غلبہ عطا کروں گا اور موت کے علاوہ اسے دخولِ جنت سے کوئی چیز مانع نہ ہوگی۔

۱۰۲۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جس نے سو مرتبہ آیت الکرسی کو پڑھا تو گویا وہ اس شخص کی مانند ہے جس نے پوری زندگی خدا کی عبادت کی ہو''۔

۱۰۲۷- کتاب ثواب الاعمال میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''جو شخص سونے سے پہلے آیت الکرسی پڑھے تو وہ فالج سے بے خوف ہو جائے گا اور جو شخص ہر نماز کے بعد آیت الکرسی پڑھے تو اسے کوئی زہر نقصان نہیں پہنچائے گی''۔

حی و قیوم

۱۰۲۸- کتاب التوحید میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''خدا ازل سے حی ہے جب کہ حیات نہ تھی اور وہ حیات حادثہ سے پہلے ہی حی تھا''۔

۱۰۲۹- امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ کیفیت و مکان کی حدود کے بغیر حی تھا۔ وہ حیاتِ حادثہ کے بغیر ازل سے حی ہے وہ ''حی لنفسہٖ'' ہے''۔

۱۰۳۰- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''اللہ نور ہے اس میں کوئی ظلمت نہیں ہے اور وہ سراپا علم ہے اس میں جہالت نہیں ہے اور وہ سراپا حیات ہے اس میں موت نہیں ہے''۔

۱۰۳۱- محاسن برقی میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ مَنْ ذَا الَّذِیْ یَشْفَعُ عِنْدَهٗۤ اِلَّا بِاِذْنِهٖ (کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں شفاعت کر سکے) سے کون لوگ مراد ہیں؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ شفاعت کرنے والے ہم ہیں۔

۱۰۳۲- کتاب التوحید میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے' اس حدیث کا ایک حصہ یہ ہے:

سائل نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا کہ اَلرَّحْمٰنُ عَلَی الْعَرْشِ اسْتَوٰی (رحمٰن عرش پر ''مستوی'' ہوگیا) کا کیا مفہوم ہے؟

آپؑ نے فرمایا:

''ہم بھی تسلیم کرتے ہیں کہ وہ عرش پر ''مستولی'' ہے لیکن وہ عرش پر متمکن ہونے کے باوجود بھی اپنی مخلوق سے جدا ہے۔اور عرش اس کا حامل نہیں ہے اور عرش اس کو محیط نہیں ہے۔ وہ عرش کے زیر احاطہ نہیں ہے۔ اس مقام پر ہم یہ کہتے ہیں کہ یہ وہ عرش کا حامل ہے اور عرش کو روکے ہوئے ہے اور ہم اس کے متعلق وہی کہتے ہیں جو اس نے اپنے لیے خود فرمایا ہے: وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ''اس کی کرسی اقتدار آسمانوں اور زمین پر وسعت رکھتی ہے''۔

چنانچہ ہم عرش و کرسی کے اسی مفہوم کا اثبات کرتے ہیں جس کا اس نے خود اثبات کیا ہے اور ہم عرش و کرسی کے متعلق اس بات کی نفی کرتے ہیں کہ وہ اس کو محیط ہیں اور ہم اس بات کی بھی نفی کرتے ہیں کہ وہ کسی مکان یا اپنی مخلوق میں سے کسی چیز کا محتاج ہے۔ ہمارا عقیدہ یہ ہے کہ اس کی مخلوق اس کی محتاج ہے''۔

۱۰۳۳- کتاب التوحید میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا ایک حصہ حسب ذیل ہے:

''سات زمینیں، سات آسمان، رکا ہوا سمندر، برف کے پہاڑ اور ان سات کرّوں کی نور کے حجابات کے سامنے وہی حیثیت ہے جو ایک کڑے کی وسیع و عریض صحرا میں ہے اور نور کے حجابات کی تعداد ستر ہزار ہے۔ جن کے نور کی تاب آنکھیں نہیں لا سکتیں۔

اور پھر سات آسمانوں اور زمینوں اور رکے ہوئے سمندر اور برف کے پہاڑوں اور حجابات نور کی ہوا کے سامنے وہ حیثیت ہے جو ایک کڑے کی وسیع و عریض صحرا کے مقابلہ میں ہے۔ اور ہوا ایسی ہے جہاں دل سرگردان ہو جاتے ہیں۔

اور پھر سات آسمانوں اور سات زمینوں اور رُکے ہوئے سمندر اور برف کے پہاڑوں اور حجابات نور اور ہوا کی کرسی کے سامنے وہی حیثیت ہے جو ایک کڑے کی وسیع و عریض صحرا کے مقابلہ میں ہے''۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۝

''خدا کی کرسی اقتدار آسمانوں اور زمین پر وسعت رکھتی ہے اور ان کی نگہبانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے اور وہ بزرگ و برتر ہے''۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہ حدیث روضہ کافی میں بھی مرقوم ہے۔

عرش و کرسی

۱۰۳۴- کتاب التوحید میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا ایک حصہ یہ ہے

''عرش، کرسی سے ایک جداگانہ چیز ہے اور عرش و کرسی غیب کے دروازوں میں سے علیحدہ علیحدہ دروازے ہیں جب کہ دونوں غیب ہیں اور غیب ہونے کے لحاظ سے ایک دوسرے سے پیوستہ ہیں۔ کرسی اس غیب کا ظاہری دروازہ ہے جو کہ مخلوقات کا مقام ظہور ہے جس سے تمام اشیاء منصۂ شہود پر آتی ہیں جب کہ عرش غیب کا باطنی دروازہ ہے اور اس میں ''کیف' کون' قدر' حد' این' مشیت' صفت ارادہ' علم الالفاظ' علم الحرکات' علم ترک الحرکات' علم العود والبداء جیسی چیزیں پائی جاتی ہیں۔ علم کے لحاظ سے کرسی اور عرش ایک دوسرے سے پیوستہ دروازے ہیں۔ مگر عرش کا تعلق اور چیزوں سے ہے اور کرسی کا تعلق اور چیزوں سے ہے اور عرش کا علم کرسی کے علم کی بہ نسبت زیادہ غائب ہے اسی لیے اللہ نے لفظ عرش کی صفت لفظ ''عظیم'' سے بیان کی ہے اور اپنے آپ کو ''رب العرش العظیم'' کہا۔ اور عرش کی صفت' کرسی کی صفت سے زیادہ عظیم ہے۔

۱۰۳۵- حفص بن غیاث راوی ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کا مفہوم پوچھا کہ کرسی سے کیا مراد ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: کرسی سے علم مراد ہے۔

۱۰۳۶- عبداللہ بن سنان کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کی آیت مجیدہ پڑھ کر فرمایا:

''تمام آسمان اور زمین اور جو کچھ ان کے درمیان ہے وہ سب کچھ کرسی میں ہے اور عرش خدا کا وہ علم ہے جس کی مقدار کوئی شخص بیان نہیں کر سکتا۔

۱۰۳۷- فضیل بن یسار بیان کرتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کا مفہوم دریافت کیا تو آپؑ نے فرمایا:

''فضیل! تمام آسمان اور زمین اور ہر چیز کرسی میں ہے''۔

یہ روایت الکافی میں بھی انہی الفاظ سے موجود ہے۔

۱۰۳۸- کتاب التوحید میں زرارہ بن اعین سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کی آیت پڑھ کر ان سے دریافت کیا کہ کیا آسمان و زمین کرسی پر وسعت رکھتے ہیں یا کرسی آسمانوں اور زمین پر وسعت رکھتی ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''کرسی آسمانوں اور زمین پر وسعت رکھتی ہے۔ تمام آسمان اور زمین الغرض ہر چیز کرسی میں ہے۔

۱۰۳۹- زرارہ سے یہی روایت ایک اور سند سے بھی منقول ہے اور یہ روایت الکافی میں بھی مرقوم ہے۔

۱۰۴۰- کتاب التوحید میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''کرسی' عرش کے نور کا سترواں (۱/۷۰) حصہ ہے۔

۱۰۴۱- اصول کافی میں امیر المومنین علی علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''کرسی آسمانوں' زمین اور ان کے مابین جو کچھ بھی ہے اور جو کچھ تحت الثریٰ میں ہے وہ ان سب کو محیط ہے۔ اگر تم بلند آواز سے گفتگو کرو تو وہ مخفی اور انتہائی مخفی چیزوں کو بھی جانتا ہے''۔

اسی مفہوم کو اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے بیان کیا ہے:

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ

''اس کی کرسی آسمانوں اور زمین پر وسعت رکھتی ہے اور ان کی نگہبانی اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے''۔

۱۰۴۲- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ امام علی رضا علیہ السلام نے آیت الکرسی کی تشریح کرتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُ لَاۤ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ ۚ اَلْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۚ لَا تَاْخُذُهٗ سِنَةٌ وَّلَا نَوْمٌ

''اللہ کے علاوہ کوئی قابلِ عبادت نہیں ہے۔ وہ حی و قیوم ہے اسے نہ تو اونگھ آتی ہے اور نہ ہی نیند''۔

لَهٗ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسی کا ہے''۔

اور جو کچھ زمین و آسمان کے درمیان ہے اور جو کچھ تحت الثریٰ میں ہے وہ بھی اسی کا ہے۔ وہ حاضر و غائب کا

جاننے والا ہے وہ رحمٰن ورحیم ہے۔کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں شفاعت کر سکے۔

۱۰۴۳- روضہ کافی میں مرقوم ہے کہ امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

لَهُ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ''آسمانوں اور زمین میں جو کچھ بھی ہے وہ سب خدا کا ہے'' اور جو کچھ آسمان و زمین کے درمیان ہے اور جو کچھ تحت الثریٰ میں ہے وہ بھی اسی کا ہے۔ وہ حاضر و غائب کا جاننے والا ہے وہ رحمٰن اور رحیم ہے۔کون ہے جو اس کی بارگاہ میں اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کر سکے۔

۱۰۴۴- تفسیر علی بن ابراہیم سابقہ بیان سے متصل یہ بیان بھی مرقوم ہے:

يَعْلَمُ مَا بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ یعنی اللہ جانتا ہے جو کچھ لوگوں کے سامنے ہے یعنی اللہ انبیاء کے امور اور جو کچھ کائنات میں ہو چکا ہے وہ اسے جانتا ہے۔ وَمَا خَلْفَهُمْ ''اور جو کچھ ان کے پیچھے ہے اسے بھی جانتا ہے''۔ یعنی جو حالات و واقعات ابھی تک ظہور پذیر نہیں ہوئے خدا انھیں جانتا ہے۔

وَلَا يُحِيْطُوْنَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهٖٓ اِلَّا بِمَا شَآءَ ''خدا کی معلومات میں سے کسی چیز کو وہ اپنے ادراک کی گرفت میں نہیں لے سکتے مگر جس کا علم وہ خود ہی ان کو دینا چاہے'' یعنی جسے وحی کے ذریعے سے بیان کر دے تو وہ اسے جان سکتے ہیں۔

وَسِعَ كُرْسِيُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ ۚ وَلَا يَئُوْدُهٗ حِفْظُهُمَا ۚ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ۝ ''اس کی کرسی اقتدار آسمانوں اور زمین پر وسعت رکھتی ہے اور ان کی حفاظت اس کے لیے کوئی تھکا دینے والا کام نہیں ہے'' یعنی آسمانوں اور زمین کی مخلوقات کی حفاظت اس پر گراں نہیں ہے۔ لَآ اِكْرَاهَ فِي الدِّيْنِ ''دین میں جبر نہیں ہے'' یعنی ہدایت اور گمراہی کے واضح ہونے کے بعد اللہ کسی کو دین قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتا۔

فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَيُؤْمِنْۢ بِاللّٰهِ فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ۚ لَا انْفِصَامَ لَهَا ۚ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ۝ ''پس جو کوئی طاغوت کا انکار کر کے اللہ پر ایمان لے آئے تو وہ اللہ کی مضبوط رسی سے متمسک ہو جائے گا جو کبھی ٹوٹنے والی نہیں ہے۔ اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے''۔

آلِ محمدؐ کے حق کو غصب کرنے والے طاغوت میں شامل ہیں اور مضبوط رسی سے مراد عقیدہ ولایت ہے جو کہ ٹوٹنے والا نہیں ہے۔

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۗ اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ۝ ''اللہ اہلِ ایمان کا سرپرست ہے وہ انھیں تاریکیوں

سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے سرپرست طاغوت ہیں جو انھیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں لے جاتے ہیں وہی دوزخ میں جانے والے ہیں وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

"کَفَرُوْا" کے دائرہ میں آلِ محمد پر ظلم کرنے والے بھی شریک ہیں۔ "طاغوت" میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جنہوں نے غاصبوں کی پیروی کی ہے۔

۱۰۴۵- زرارہ بن اعین کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا: کیا آسمان وسیع ہیں یا کرسی وسیع ہے؟

"کرسی آسمانوں، زمین، عرش اور ہر چیز سے وسیع ہے۔ خدا نے جو کچھ بھی بنایا ہے وہ کرسی میں ہے"۔

۱۰۴۶- اصبغ بن نباتہ راوی ہیں کہ حضرت امیرالمومنین علیہ السلام سے وَسِعَ کُرْسِیُّهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ کا مفہوم پوچھا گیا تو آپؑ نے فرمایا:

"تمام آسمان، زمین اور تمام مخلوقات کرسی کے درمیان ہیں اور خدا کے حکم سے چار فرشتے اسے اٹھائے ہوئے ہیں۔ ان میں سے ایک فرشتہ انسانی شکل وصورت کا ہے اور وہ صورت خدا کو بڑی عزیز ہے وہ خدا سے دعا مانگتا رہتا ہے اور گڑگڑا کر بنی آدم کے لیے رزق طلب کرتا ہے"۔

دوسرا فرشتہ بیل کی شکل وصورت کا ہے اور وہ تمام بہائم کا سردار ہے۔ وہ اللہ سے تمام جانوروں اور بہائم کے لیے رزق طلب کرتا ہے۔ تیسرا فرشتہ گِدھ کی شکل وصورت کا ہے اور وہ پرندوں کا سردار ہے۔ وہ گڑگڑا کر خدا سے پرندوں کے لیے رزق طلب کرتا ہے اور چوتھا فرشتہ شیر کی شکل وصورت کا ہے اور وہ درندوں کا سردار ہے اور وہ ہمیشہ گڑگڑا کر خدا سے درندوں کے لیے رزق روزی طلب کرتا ہے۔

ان چاروں فرشتوں میں سے بیل انتہائی حسین وجمیل ہے۔ جب سامری نے بنی اسرائیل کو گمراہ کیا اور سونے کا بچھڑا بنا کر کہا کہ یہ تمھارا رب ہے اور یہی موسیٰ و ہارون کا رب ہے اور بنی اسرائیل نے گوسالہ کی عبادت کی تو اس دن سے بیل کی شکل وصورت رکھنے والے فرشتہ کو اتنی ندامت ہوئی کہ اس دن کے بعد سے اس نے آج تک اپنا سر اُٹھا کر کرسی کی طرف کبھی نہیں دیکھا۔ اسے آج تک یہ پریشانی ہے کہ اس کی شکل وصورت والے جانور کی لوگوں نے پوجا کیوں کی تھی اور اسے یہ خوف ہے کہ کہیں اس پر بھی اللہ کا عذاب نہ آجائے۔

۱۰۴۷- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ محمد بن سنان کہتے ہیں کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے پوچھا کہ کیا

مخلوق کو پیدا کرنے سے پہلے اللہ اپنے آپ کو جانتا تھا؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔

میں (راوی) نے کہا تو کیا وہ اپنے آپ کو دیکھتا اور اپنی آواز بھی سنتا تھا؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: وہ اس کا محتاج ہی نہیں تھا کیونکہ وہ اس سے کچھ سوال نہیں کرتا تھا اور اس کا نفس بھی اس سے کسی چیز کا طلب گار نہ تھا۔ اس کا نفس اس کی عین ذات ہے۔ اس کی قدرت اثرانداز تھی اور اسے اس چیز کی بھی ضرورت نہ تھی کہ وہ اپنا کوئی نام رکھتا البتہ اس نے اپنے لیے اس لیے نام رکھے تاکہ دوسرے اسے ان ناموں سے پکاریں کیونکہ اگر اس کی مخلوق اس کے نام سے نہ پکارتی تو انھیں اس کی پہچان ہی نہ ہوتی اور اللہ نے اپنے لیے سب سے پہلا جو نام منتخب کیا وہ ''العلی العظیم'' تھا کیونکہ وہ تمام اشیاء پر بلندی رکھتا ہے اور اس کا معنی وہی ہے جو اسم ''اللہ'' کا ہے اور اس کا نام ''العلی العظیم'' ہے اور یہ اس کا پہلا نام ہے کیونکہ وہ ہر چیز پر بلندی رکھتا ہے۔

اصول کافی میں بھی یہ روایت مرقوم ہے۔

۱۰۴۸- یہ روایت تھوڑے سے الفاظ کے تغیر کے ساتھ روضہ کافی میں بھی منقول ہے۔

۱۰۴۹- کتاب الخصال میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؐ نے فرمایا:

''امور تین طرح کے ہوتے ہیں. ۱- وہ امر جس کی صحت واضح ہو اس کی پیروی کرو۔ ۲- وہ امر جس کی گمراہی واضح ہو اس سے پرہیز کرو۔ ۳- وہ امر جس میں شک ہو تو اس کا علم خدا کے سپرد کرو۔

۱۰۵۰- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ کے متعلق مفسرین سے پانچ اقوال منقول ہیں۔ ان میں سے ایک قول یہ ہے کہ طاغوت سے شیطان مراد ہے اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہ مفہوم مروی ہے۔

عروۃ الوثقٰی

۱۰۵۱- اصول کافی میں محمد بن مسلم سے منقول ہے کہ صادقین علیہما السلام میں سے ایک بزرگوار نے فرمایا کہ ''عروۃ الوثقٰی'' (مضبوط رسی) سے ایمان مراد ہے۔

۱۰۵۲- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: فَقَدِ اسْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى (اس نے مضبوط رسی کو تھام لیا) سے اللہ وحدہ لاشریک پر ایمان ہے۔

۱۰۵۳- مناقب ابن شہر آشوب میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:
''عروۃ الوثقٰی (مضبوط رسی) سے ہم اہل بیتؑ کی مودت مراد ہے''۔
۱۰۵۴- محاسن برقی امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ خدا کی مضبوط رسی توحید ہے اور خدا کا رنگ اسلام ہے۔

۱۰۵۵- عیون الاخبار میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؐ نے فرمایا:
من احب ان یرکب سفینة النجاة ویستمسك بالعروة الوثقٰی ویعتصم بحبل الله المتین فلیوال علیا بعدی ولیعاد عدوه ولیأتم بالائمة الهداة من ولده
''جو کشتی نجات پر سوار ہونے اور خدا کی مضبوط رسی سے تمسک اور خدا کی مضبوط رسی کو مضبوطی سے تھامنے کا خواہش مند ہو تو اسے چاہیے کہ وہ میرے بعد علیؑ سے محبت کرے اور اس کے دشمن سے دشمنی رکھے اور اس کی اولاد کے ائمہ ہدیٰ کی پیروی کرے''۔
۱۰۵۶- حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:
الائمة من ولد الحسین من اطاعهم فقد اطاع الله ومن عصاهم فقد عصی الله هم العروة الوثقٰی وهم الوسیلة الی الله تعالٰی
''ائمہ کا تعلق اولادِ حسین سے ہوگا جس نے ان کی اطاعت کی اس نے اللہ کی اطاعت کی اور جس نے ان کی نافرمانی کی تو اس نے اللہ کی نافرمانی کی وہی خدا کی مضبوط رسی ہیں اور وہ خدا تک پہنچنے کا وسیلہ ہیں''۔
۱۰۵۷- امام علی رضا علیہ السلام کا تذکرہ کرتے ہوئے فرمایا کہ قرآن میں اللہ کی عظیم حجتیں ہیں اور قرآن کی نظم و زیب معجزہ ہے اور قرآن خدا کی مضبوط رسی اور عروۃ الوثقٰی اور خدا کا منتخب راستہ ہے۔
۱۰۵۸- امام علی رضا علیہ السلام نے مامون کے لیے ایک رسالہ تحریر کیا تھا جس میں آپؑ نے دین کے بنیادی عقائد و تعلیمات کا ذکر کیا تھا اور وہ شیخ صدوق نے اس رسالہ کو اپنی کتاب عیون الاخبار میں نقل کیا ہے۔ امام علیہ السلام نے اس رسالہ میں تحریر کیا:
''زمین مخلوق پر حجتِ خدا سے خالی نہیں ہوتی اور ہر دور میں حجتِ خدا کا وجود ضروری ہے اور خدا نے جنہیں حجت کا

درجہ دیا ہے وہ خدا کی مضبوط رسی اور ہدایت کے رہنما ہیں اور رہتی دنیا تک اہلِ دنیا پر حجت ہیں"۔

۱۰۵۹- کتاب الخصال میں عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور خطبہ کے آخر میں آپؐ نے فرمایا:

نحن كلمة التقوىٰ وسبيل الهدىٰ والمثل الاعلىٰ والحجة العظمىٰ والعروة الوثقىٰ

"ہم کلمہ تقویٰ اور ہدایت کا راستہ اور بلند شان رکھنے والے اور خدا کی سب سے بڑی حجت اور مضبوط رسی ہیں"۔

۱۰۶۰- کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا:

انا حبل الله المتين والعروة الوثقىٰ "میں اللہ کی مضبوط رسی اور عروۃ الوثقیٰ ہوں"۔

۱۰۶۱- کتاب کمال الدین واتمام النعمۃ میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

نحن حجج الله في ارضه ونحن كلمة التقوىٰ والعروة الوثقىٰ

"ہم خدا کی زمین پر اس کی حجت ہیں اور ہم کلمہ تقویٰ اور خدا کی مضبوط رسی ہیں"۔

۱۰۶۲- کتاب معانی الاخبار میں عبداللہ بن عباس سے منقول ہے کہ حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من احب ان يستمسك بالعروة الوثقى التي لاانفصام لها فليستمسك بولاية اخي ووصي علي بن ابي طالب فانه لايهلك من احبه وتولاه ولا ينجو من ابغضه وعاداه

"جس کی خواہش ہو کہ وہ خدا کی اس رسی سے تمسک رکھے جس نے ٹوٹنا نہیں ہے تو اسے چاہیے کہ میرے بھائی اور میرے وصی علی بن ابی طالبؑ کی ولایت سے تمسک کرے۔ علیؑ سے محبت کرنے والا کبھی ہلاک نہیں ہوگا اور اس سے بغض و عداوت رکھنے والا کبھی نجات حاصل نہیں کرے گا۔

نور وظلمت

۱۰۶۳- کتاب الخصال میں حضرت امیر المومنین علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"مومن ہمیشہ پانچ نوروں میں ہی الٹتا پلٹتا رہتا ہے۔ اس کے داخل ہونے کی جگہ نور ہے۔ اس کے خارج ہونے

کی جگہ نور ہے۔ اس کا علم نور ہے اور اس کا کلام نور ہے اور قیامت کے دن اس نے نور کا ہی مشاہدہ کرنا ہے"۔

۱۰۶۴- روضہ کافی میں حمران بن اعین کہتے ہیں کہ امام محمد باقر علیہ السلام کی قرأت میں **"اَوْلِیَاؤُهُمُ الطواغیت"** بھی منقول ہے

۱۰۶۵- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام کے متعلق منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"خیر و شر خدا کی پیدا کردہ چیزیں ہیں اور اس میں خدا کی مشیت کو دخل حاصل ہے اور مشیت کے تحت ہی کسی خیر و شر کے انجام کا فیصلہ ہوتا ہے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــھُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ۝

"اللہ ایمان والوں کا حامی اور مددگار ہے وہ انھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے آتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے حامی و مددگار طاغوت ہیں جو انھیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔ یہ لوگ دوزخ میں جانے والے ہیں جہاں یہ ہمیشہ رہیں گے"۔

چنانچہ نور آل محمدؐ ہیں اور ان کے دشمن مجسم تاریکیاں ہیں۔

۱۰۶۶- مہزم اسدی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے سنا آپؑ نے فرمایا:

"اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ میں ہر اس رعیت کو عذاب دوں گا جنہوں نے خود ساختہ امام کی پیروی کی ہوگی۔ اگرچہ ان کے اعمال اچھے بھی کیوں نہ ہوں اور میں ہر اس رعیت کے گناہ معاف کروں گا جو میرے مقرر کردہ امام کی پیروی کرے گا اگرچہ ان کے اعمال برے بھی کیوں نہ ہوں"۔

میں (راوی) نے کہا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اللہ ان کو (آپ کے پیروکاروں) معاف کر دے گا اور انھیں (آپ کے مخالفین) عذاب دے گا۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"جی ہاں! اللہ تعالیٰ فرما رہا ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ڛ وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

اَوْلِيٰٓـُٔهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ يُخْرِجُوْنَهُمْ مِّنَ النُّوْرِ اِلَى الظُّلُمٰتِ ۭ اُولٰۗىِٕكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ "اللہ اہلِ ایمان کا سرپرست ہے۔ وہ انھیں تاریکیوں سے نکال کر نور میں داخل کرتا ہے اور جن لوگوں نے کفر کیا ہے ان کے سرپرست طاغوت ہیں جو انھیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں لے جاتے ہیں۔ وہی دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے"۔

ابن یعفور اور محمد بن حسین کی بیان کردہ روایت میں ان الفاظ کا اضافہ ہے کہ علی امیرالمومنینؑ کے دشمن ہمیشہ دوزخ میں رہیں گے اگرچہ وہ کتنے ہی عابد و زاہد اور پرہیزگار کیوں نہ ہوں۔

۱۰۶۷- اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپؑ نے مومن اور کافر کی طینت پر گفتگو فرمائی اور اس ضمن میں فرمایا کہ جب طینت کو خمیر کیا گیا تو مومن کی طینت کافر کی طینت سے اور کافر کی طینت مومن کی طینت سے مخلوط ہوگئی۔ اللہ تعالیٰ اپنے کلمہ حق سے مومن کو تاریکیوں سے نجات دے کر روشنی میں لے آتا ہے اور کافر کو اس کی اصلی تاریکیوں کے سپرد کر دیتا ہے۔

۱۰۶۸- سورہ "انا انزلناه في ليلة القدر" کے متعلق امام محمد باقر علیہ السلام نے ایک طویل حدیث ارشاد فرمائی اور اس حدیث میں آپؑ نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ قدر میں فرمایا ہے کہ اس رات ملائکہ علم لے کر نازل ہوتے ہیں۔ اب اگر ہمارے مخالف یہ کہیں کہ فرشتے اس رات ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک اترتے ہیں تو ان کی یہ بات غلط ہوگی کیونکہ آسمانی مخلوق میں سے کوئی بھی ایسا نہیں جو اطاعت کو چھوڑ کر معصیت کو اختیار کرنے والا ہو۔ اور اگر ہمارے مخالف یہ کہیں کہ فرشتے آسمان سے زمین پر نازل ہوتے ہیں اور اہلِ ارض کو اس علم کی شدید احتیاج بھی ہے تو اس وقت تم ان سے کہو کہ کیا اہلِ ارض کا کوئی سردار بھی ہوتا ہے جس سے وہ اپنا فیصلہ حاصل کر سکیں؟

اگر وہ کہیں کہ خلیفہ ان کا حَکَم ہے تو تم ان کے جواب میں کہو کہ اللہ فرما رہا ہے: اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙيُخْرِجُهُمْ ...... ھُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ "مجھے اپنی بقا کی قسم! زمین و آسمان میں جو بھی خدا کا ولی ہے وہ تو خدا کی طرف سے تائید یافتہ ہے اور جو خدا کی طرف سے تائید یافتہ ہو اس سے خطا سرزد نہیں ہوتی اور خدا کا ہر دشمن راندۂ درگاہ اور بے توفیق ہوتا ہے اور جو ویسے ہی بے توفیق ہو تو کبھی صحیح کام نہیں کرتا۔ اگر آسمان سے خدا اس علم کو نازل کرتا ہے جس سے اہلِ زمین کے جھگڑوں کا فیصلہ ہو سکے تو پھر اس کے لیے خدا کی طرف سے مقرر کردہ حاکم کا ہونا بھی ضروری ہے۔ (اور وہ حاکم ہم ہیں)

منکرین ولایت کے عمل کی کوئی اہمیت نہیں ہے

۱۰۶۹- اصول کافی میں عبداللہ بن ابی یعفور سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا:

''میں بہت سے لوگوں سے نشست و برخاست رکھتا ہوں اور میں ان لوگوں کو دیکھ کر بڑا تعجب کرتا ہوں جو آپ کی ولایت کے قائل نہیں اور فلاں فلاں سے عقیدت رکھتے ہیں مگر مجھے ان میں امانت' صداقت اور وفا دکھائی دیتی ہے اور اس کے برعکس ان لوگوں کو دیکھتا ہوں جو آپ سے عقیدت رکھتے ہیں ان میں مخالفین جیسی امانت و صداقت اور وفا دکھائی نہیں دیتی''۔

میری یہ بات سن کر امام جعفر صادق علیہ السلام ناراض ہو کر اٹھ بیٹھے اور فرمایا:

''جو شخص کسی ظالم امام کی ولایت کا عقیدہ رکھے تو اس کا کوئی دین نہیں اور اس کا خدا سے کوئی تعلق نہیں ہے اور جو خدا کے مقرر کردہ امام کی امامت کا عقیدہ رکھے تو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے''۔

میں نے کہا تو اس کا یہ مطلب ہے کہ اُن کا کوئی دین نہیں اور ان پر کوئی ملامت نہیں ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں' ان کا کوئی دین نہیں اور ان پر کوئی ملامت نہیں ہے۔ کیا تم نے خدا کا یہ فرمان نہیں سنا:

اَللّٰهُ وَلِيُّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا ۙ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۗ

''اللہ اہل ایمان کا سرپرست ہے وہ انھیں تاریکیوں سے نکال کر روشنی میں لے جاتا ہے''۔

مقصد یہ ہے کہ اللہ اہلِ ایمان کو گناہوں کی تاریکیوں سے نکال کر توبہ اور مغفرت کی روشنی میں لے جاتا ہے کیونکہ وہ خدا کے مقرر کردہ امام عادل کی امامت پر عقیدہ رکھتے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَوْلِيٰۗـــُٔــهُمُ الطَّاغُوْتُ ۙ

''اور جن لوگوں نے کفر کیا ان کے سرپرست طاغوت ہیں جو انھیں روشنی سے نکال کر تاریکیوں میں لے جاتے ہیں''۔

میں نے کہا: یہ آیت کافروں کے لیے ہے کیونکہ اللہ نے فرمایا ہے: وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا

امام علیہ السلام نے فرمایا: اچھا یہ بتاؤ کہ کافر کے پاس نور ہوتا ہی کب ہے کہ طاغوت اسے نور سے نکال کر

تاریکیوں میں لے جائیں؟

اس سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ ہے کہ وہ لوگ پہلے نور اسلام پر تھے لیکن جب انھوں نے خدا کے غیر نامزد کردہ امام کی امامت کا عقیدہ رکھا تو وہ نور اسلام سے نکل کر کفر کی تاریکیوں میں چلے گئے اسی لیے اللہ نے انھیں کفار سے محشور کر کے فرمایا اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ''وہی لوگ دوزخ میں جانے والے ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے''۔

۱۰۷۰- امالی طوسی میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے آپ نے اُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ کی تلاوت کی۔ آپ سے پوچھا گیا

''یارسول اللہ! دوزخ میں ہمیشہ رہنے والے لوگ کون ہیں؟''

آپ نے فرمایا

من قتل عدوی [illegible] فهم مع الکفار فقد کفروا بالحق لما جآءهم

''جو لوگ میرے بعد [illegible] دوزخی ہوں گے اور وہ کافروں کے ساتھ ہوں گے انھوں نے حق آجانے کے بعد کفر کا ارتکاب کیا ہے''۔

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِىْ حَآجَّ اِبْرٰهٖمَ فِىْ رَبِّهٖٓ اَنْ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الْمُلْكَ ۘ اِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّىَ الَّذِىْ يُحْىٖ وَيُمِيْتُ ۙ قَالَ اَنَا اُحْىٖ وَاُمِيْتُ ؕ قَالَ اِبْرٰهٖمُ فَاِنَّ اللّٰهَ يَاْتِىْ بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَاْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ فَبُهِتَ الَّذِىْ كَفَرَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِى الْقَوْمَ الظّٰلِمِيْنَ ۟ اَوْ كَالَّذِىْ مَرَّ عَلٰى قَرْيَةٍ وَّهِىَ خَاوِيَةٌ عَلٰى عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰى يُحْىٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ

فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ ثُمَّ بَعَثَهٗ ؕ قَالَ كَمْ لَبِثْتَ ؕ قَالَ لَبِثْتُ يَوْمًا اَوْ بَعْضَ يَوْمٍ ؕ قَالَ بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ فَانْظُرْ اِلٰى طَعَامِكَ وَشَرَابِكَ لَمْ يَتَسَنَّهْ ۚ وَانْظُرْ اِلٰى حِمَارِكَ وَلِنَجْعَلَكَ اٰيَةً لِّلنَّاسِ وَانْظُرْ اِلَى الْعِظَامِ كَيْفَ نُنْشِزُهَا ثُمَّ نَكْسُوْهَا لَحْمًا ؕ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ ۙ قَالَ اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ﴿۲۵۹﴾ وَاِذْ قَالَ اِبْرٰهٖمُ رَبِّ اَرِنِیْ كَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰى ؕ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ ؕ قَالَ بَلٰى وَلٰكِنْ لِّیَطْمَىِٕنَّ قَلْبِیْ ؕ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَةً مِّنَ الطَّیْرِ فَصُرْهُنَّ اِلَیْكَ ثُمَّ اجْعَلْ عَلٰى كُلِّ جَبَلٍ مِّنْهُنَّ جُزْءًا ثُمَّ ادْعُهُنَّ یَاْتِیْنَكَ سَعْیًا ؕ وَاعْلَمْ اَنَّ اللّٰهَ عَزِیْزٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶۰﴾

''کیا تم نے اس کو نہیں دیکھا جس نے ابراہیمؑ سے اس کے پروردگار کے متعلق جھگڑا کیا تھا اور اس نے اس بنا پر جھگڑا کیا تھا کہ خدا نے اسے حکومت دے رکھی تھی۔ جب ابراہیمؑ نے کہا کہ میرا پروردگار وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔ اس نے کہا: میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ ابراہیمؑ نے کہا کہ اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا مغرب سے نکال لا۔ یہ سن کر وہ منکرِ حق ششدر رہ گیا۔ اللہ ظالموں کو راہِ راست نہیں دکھایا کرتا۔ یا پھر اس بندے کی مثال کو دیکھو جس کا گزر ایک ایسی بستی سے ہوا جو چھتوں

پر اوندھی گری پڑی تھی۔ اس نے کہا کہ اللہ انھیں دوبارہ کیسے زندگی بخشے گا؟ اس پر اللہ نے اسے موت دے دی اور وہ سو سال تک مُردہ پڑا رہا پھر اللہ نے اسے اٹھایا اور فرمایا: تم کتنی مدت پڑے رہو؟ اس نے کہا کہ ایک دن یا دن کا کچھ حصہ رہا ہوں۔ فرمایا: تم یہاں مردہ حالت میں سو سال تک پڑے رہے اور اب ذرا تم اپنے کھانے اور پانی کی طرف دیکھو اس میں ذرا بھی تغیّر پیدا نہیں ہوا اور دوسری طرف ذرا اپنے گدھے کو بھی دیکھو اور یہ ہم نے اس لیے کیا ہے کہ ہم تمھیں لوگوں کے لیے ایک نشانی بنا دینا چاہتے ہیں۔ پھر دیکھو ہم ہڈیوں کے اس پنجر کو کس طرح اٹھا کر اس پر گوشت چڑھاتے ہیں۔ اس طرح سے جب اس کے سامنے حقیقت کھل کر آ گئی تو اس نے کہا میں جانتا ہوں اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔ اور جب ابراہیمؑ نے کہا تھا میرے پروردگار! مجھے دکھادے تو مُردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے۔ خدا نے فرمایا تو کیا تو اس پر ایمان نہیں رکھتا؟ اس نے کہا کہ ایمان تو رکھتا ہوں مگر دل کا اطمینان درکار ہے۔ فرمایا کہ چار پرندے لے لے اور ان کو اپنے سے مانوس کر لے۔ پھر ان کا ایک ایک ٹکڑا پہاڑ پر رکھ دے پھر ان کو آواز دے وہ تیرے پاس دوڑے چلے آئیں گے اور خوب جان لے کہ اللہ نہایت بااقتدار اور حکیم ہے"۔

ابراہیمؑ و نمرود

۱۰۷۱۔ کتاب ثواب الاعمال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"قیامت کے روز سات افراد کو سخت ترین عذاب دیا جائے گا۔ ان میں سے پہلا آدم کا وہ بیٹا ہے جس نے اپنے بھائی کو قتل کیا تھا اور دوسرا نمرود ہے جس نے حضرت ابراہیمؑ سے ان کے رب کے متعلق جھگڑا کیا تھا"۔

مکمل حدیث سورہ فلق کی تفسیر میں بیان کی جائے گی۔

۱۰۷۲- امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کے آخر میں آپؑ نے فرمایا:

"اس سانپ کے پیٹ میں سات صندوق ہوں گے جن میں پانچ افراد سابقہ اُمتوں کے ہوں گے اور دو افراد اس اُمت کے ہوں گے"۔

میں (راوی) نے کہا: وہ کون ہوں گے؟

آپؑ نے فرمایا: ۱- پہلا قابیل ہوگا جس نے ہابیل کو قتل کیا تھا۔ ۲- دوسرا نمرود جس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے پروردگار کے متعلق جھگڑا کیا تھا اور کہا تھا کہ میں زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔ ۳- فرعون جس نے ربوبیت کا دعویٰ کیا تھا۔ ۴- یہود جس نے قومِ یہود کو غلط نظریات کی تعلیم دی تھی۔ ۵- پولس جس نے نصاریٰ میں عقیدہ تثلیث کی تبلیغ کی تھی۔ ۶-۷- اس اُمت کے دو اعرابی۔

۱۰۷۳- کتاب الخصال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

"پوری روئے زمین پر چار افراد نے حکومت کی تھی جن میں سے دو مومن تھے اور دو کافر تھے۔ چنانچہ حضرت سلیمان بن داؤد اور ذوالقرنین مومن تھے اور نمرود اور بخت نصر کافر تھے"۔

۱۰۷۴- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جب حضرت یوسفؑ زندان سے رہا ہو کر بادشاہ مصر کے پاس گئے تو اس نے آپؑ کو دیکھ کر کہا: ابراہیم! کیسے ہو؟

آپؑ نے فرمایا: میں ابراہیم نہیں ہوں میں یوسفؑ بن یعقوبؑ بن اسحاقؑ بن ابراہیمؑ ہوں۔

"یہ بادشاہ وہی تھا جس نے ابراہیمؑ سے ان کے پروردگار کے متعلق جھگڑا کیا تھا اور وہ چار سو برس کی عمر میں بھی جوان تھا"۔

۱۰۷۵- روضہ کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

"حضرت ابراہیمؑ نے اپنی قوم کے عقائد و نظریات سے اختلاف کیا اور ان کے معبودوں کا انکار کیا۔ لوگ انھیں نمرود بادشاہ کے دربار میں لے گئے۔ نمرود نے ان سے بحث کی تو آپؑ نے فرمایا:

میرا رب وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔

نمرود نے کہا: میں بھی زندہ کرتا اور مارتا ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ نے کہا: اللہ سورج کو مشرق سے نکالتا ہے تو ذرا اسے مغرب سے تو نکال کر دیکھ۔

یہ سن کر کافر حیران اور لاجواب ہوگیا۔ اللہ ظالم لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔

۱۰۷۶۔ مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ مفسرین نے اس مباحثہ کے وقت میں اختلاف کیا ہے۔ ایک قول یہ ہے کہ یہ مباحثہ اس وقت ہوا تھا جب ابراہیمؑ آگ سے سرخرو ہو کر باہر آئے تھے۔

حضرت صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ نمرود نے پھانسی پانے والے مجرم کو رہا کر دیا اور ایک بے گناہ کو مار کر ابراہیمؑ سے کہا: دیکھو! میں بھی زندہ کر سکتا ہوں اور مار سکتا ہوں۔

حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا: اگر یہی بات ہے تو زندہ کرنے اور مارنے کے اختیارات تیرے ہاتھ میں ہیں تو تو نے جسے ابھی قتل کیا ہے اسے زندہ کر کے دکھا دے۔

سو برس کی موت کے بعد زندہ ہونے والا

اَوْ كَالَّذِیْ مَرَّ عَلٰی قَرْیَةٍ وَّهِیَ خَاوِیَةٌ عَلٰی عُرُوْشِهَا ۚ قَالَ اَنّٰی یُحْیٖ هٰذِهِ اللّٰهُ بَعْدَ مَوْتِهَا ۚ فَاَمَاتَهُ اللّٰهُ مِائَةَ عَامٍ

(یا پھر اس بندے کی مثال کو دیکھو جس کا گزر ایک ایسی بستی پر سے ہوا جو چھتوں پر اوندھی پڑی تھی۔ اس نے کہا اللہ انھیں دوبارہ کیسے زندگی بخشے گا؟ اس پر اللہ نے اسے موت دے دی اور وہ پورے ایک سو سال تک مرا پڑا رہا......)

۱۰۷۷۔ تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اللہ نے ایک شخص کو بنی اسرائیل کا نبی بنا کر مبعوث کیا۔ اس کا نام ''ارمیا'' تھا۔ اللہ تعالیٰ نے اس کی طرف وحی کی کہ بنی اسرائیل سے کہہ دو کہ ''ایک ذات نے ایک بہترین شہر آباد کیا اور اس میں بہترین فصلات کے بیج ڈالے اور ہر طرح کی جڑی بوٹیوں سے بھی اسے محفوظ رکھا لیکن وہاں اچھے درخت پیدا نہ ہوئے۔ بس ہر طرف ''خرنوب'' کی بیکار بیلیں پیدا ہوئیں''۔

(اب اس کا حل یہی ہے کہ اس تمام کھیت کو ہی تلف کر دیا جائے) جب ارمیا نبی نے بنی اسرائیل کے مجمع میں اس تمثیل کو بیان کیا تو لوگوں نے ان کا مذاق اڑایا۔ حضرت ارمیا نے خدا سے ان کا شکوہ کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی فرمائی کہ ان لوگوں سے کہہ دو کہ وہ شہر بیت المقدس ہے اور کھیتی بنی اسرائیل ہیں جنھیں میں نے ہر طرح کی جڑی بوٹیوں سے محفوظ رکھا اور میں نے ہر قسم کے جابر سلاطین سے انھیں تحفظ فراہم کیا لیکن انھوں نے قدم قدم پر میری نافرمانی کی۔ اب میں ان

پر ایک ایسے شخص کو مسلط کروں گا جو ان کا خون بہائے گا اور ان کی دولت لوٹے گا۔ اگر وہ یہ گریہ کریں گے تو میں ان کے رونے پر ترس نہیں کروں گا اور اگر وہ مجھ سے دعا مانگیں گے تو میں ان کی دعاؤں کو قبول نہیں کروں گا۔ پھر میں ان کے اس شہر کو ایک سو سال تک ویران کر دوں گا۔ اس کے بعد میں اس شہر کو دوبارہ آباد کراؤں گا۔

جب بنی اسرائیل کے علماء نے خدا کا یہ فرمان سنا تو وہ گھبرا گئے اور انھوں نے کہا:

''اے اللہ کے رسول! ہمیں بتائیں ہمارا کیا قصور ہے۔ ہم لوگوں نے خدا کی نافرمانی نہیں کی۔ آپ ہمارے لیے خدا سے رجوع کریں''۔

چنانچہ ارمیا پیغمبر نے سات روزے رکھے مگر خدا کی طرف سے انھیں کوئی وحی نہ ہوئی۔ پھر انھوں نے اور سات روزے رکھے مگر پھر بھی کوئی وحی نازل نہ ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے پھر سات روزے رکھے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان پر وحی نازل کی۔ تم اس درخواست سے باز آ جاؤ۔ میں اس امر کا فیصلہ کر چکا ہوں۔ اب اس میں کسی طرح کی تبدیلی کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ اگر تم نے اصرار جاری رکھا تو میں تمھارا منہ پشت کی طرف پھیر دوں گا۔ تم ان نام نہاد علماء سے کہو کہ تمھارا جرم یہ ہے کہ تم نے برائیاں دیکھیں لیکن تم نے لوگوں کو ان سے منع نہ کیا۔

پھر اللہ نے ان پر بخت نصر بادشاہ کو مسلط کر دیا۔ اس نے انھیں تباہ و برباد کر دیا اور اس نے پورے شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور جو اسرائیلی اس کی تلوار سے بچ گئے اس نے انھیں غلام بنالیا۔ پھر بخت نصر نے حضرت ارمیا کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ نے اپنے پروردگار کی طرف سے بالکل سچی پیشین گوئی کی تھی اور آپ نے انھیں میری آمد سے قبل از وقت آگاہ کیا تھا۔ اب اگر آپ چاہیں تو میرے پاس قیام کریں اور اگر آپ یہاں سے کہیں باہر جانے کے خواہش مند ہوں تو آپ کو باہر جانے کی بھی اجازت ہے''۔

حضرت ارمیا نے کہا کہ میں یہ شہر چھوڑ کر باہر جانا چاہتا ہوں۔ پھر انھوں نے کچھ پانی اور انجیر ساتھ لیے اور شہر سے روانہ ہو گئے۔ جب انھوں نے کچھ فاصلہ طے کر لیا تو انھوں نے مڑ کر اجڑے ہوئے شہر کو دیکھا جو کہ مکمل طور پر تباہ ہو چکا تھا اور حد نظر تک لاشیں ہی لاشیں دکھائی دیتی تھیں۔ انھوں نے از راہ تعجب کہا کہ خدا انھیں دوبارہ کیسے زندگی دے گا؟

اللہ تعالیٰ نے ان پر موت مسلط کر دی اور وہ مر گئے۔ پھر سو سال بعد خدا نے انھیں دوبارہ زندہ کیا' چنانچہ جب وہ سوئے تھے تو صبح کا وقت تھا اور جب خواب مرگ سے بیدار ہوئے تو شام کا وقت تھا۔ خدا نے انھیں آواز دے کر فرمایا:

تم یہاں کتنی دیر تک پڑے رہے؟

انھوں نے کہا: خدایا ایک دن۔

پھر سورج کی طرف دیکھ کر کہا بلکہ دن کا بھی کچھ حصہ میں یہاں رہا۔

خدا نے فرمایا: تم پورے سو سال تک یہاں پڑے رہے اور اب ہماری قدرت کا کمال دیکھو۔ پانی اور انجیر جلد خراب ہونے والی چیزیں ہیں۔ اتنے برس گزرنے کے بعد بھی وہ باسی نہیں ہوئے اور اس کے ساتھ ساتھ اپنے گدھے کو بھی دیکھو اور دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کس طرح سے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیسے چڑھاتے ہیں۔

حضرت ارمیا نے جب یہ سارا منظر دیکھا تو اس وقت انھوں نے پکار کر کہا کہ میں جانتا ہوں کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔

۱۰۷۸- جابر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے بھی انہی الفاظ میں روایت نقل کی ہے۔

۱۰۷۹- کتاب احتجاج طبرسی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپؑ نے فرمایا:

ارمیا نبی نے بیت المقدس کی تباہی و بربادی کو دیکھا جس کو بخت نصر نے تباہ کر دیا تھا۔ ارمیا نے حیران ہو کر کہا: خدایا تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

اللہ تعالیٰ نے انھیں موت دے دی اور پھر سو سال بعد انھیں زندہ کیا اور اس سے فرمایا کہ اب اپنی آنکھوں سے دیکھ لو ہم مُردوں کو کیسے زندہ کرتے ہیں۔

حضرت ارمیا نے دیکھا کہ ان کے گدھے کی بوسیدہ ہڈیاں اُڑ اُڑ کر ایک دوسرے سے پیوست ہونے لگیں اور ان پر گوشت پوست چڑھنے لگا۔ چند ہی لمحات میں گدھا مجسم ہو کر زندہ ہو گیا۔ اس وقت ارمیا نے کہا کہ "میں جان گیا کہ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"۔

۱۰۸۰- مجمع البیان میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ اس واقعہ کا تعلق "عزیر" نبی سے تھا اور ایک قول ضعیف امام محمد باقر سے منقول ہے کہ وہ "ارمیا" نبی تھے۔

۱۰۸۱- حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

جب عزیر علیہ السلام گھر سے گدھے پر سوار ہو کر نکلے تھے تو اس وقت ان کی عمر پچاس سال تھی اور ان کی بیوی حاملہ تھی۔ اللہ نے انھیں سو سال تک کے لیے موت دے دی اور جب وہ سو برس بعد زندہ ہو کر اپنے گھر آئے تو ان کی عمر وہی

پچاس برس تھی جب کہ ان کے بیٹے کی عمر ایک سو سال تھی اور یہ خدا کی نشانی تھی''۔

۱۰۸۲- کتاب کمال الدین وتمام النعمۃ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل حدیث منقول ہے' آپؐ نے فرمایا:

اللہ تعالیٰ نے حضرت یحییٰ علیہ السلام کے قتل کے بدلے میں بخت نصر کو بنی اسرائیل پر مسلط کر دیا جس نے بیت المقدس شہر کو تباہ و برباد کر دیا اور ۷۰ ہزار افراد کو قتل کر دیا اور اس کی حکومت کے سینتالیسویں سال باقی بادشاہ ادھر ادھر نکل گئے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے حضرت عزیر کو نبی بنا کر بھیجا جہاں لوگ مرے پڑے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انھیں زندہ کیا اور حضرت عزیر نے انھیں دین کی تبلیغ کی اور زندہ ہونے والے افراد اپنی اپنی بستیوں کو چھوڑ کر اس شہر میں آ کر آباد ہو گئے جہاں حضرت عزیر رہائش پذیر تھے۔

ایک بار حضرت عزیر ایک دن کے لیے باہر گئے اور جب آپ واپس آئے تو دیکھا کہ وہ سب کے سب مر چکے تھے اور اوندھے پڑے ہوئے تھے۔ یہ منظر دیکھ کر انھیں سخت صدمہ پہنچا اور انھوں نے کہا کہ اللہ ان مُردوں کو کیسے زندہ کرے گا؟

اس وقت خدا نے انھیں سو سال تک کے لیے موت دے دی۔ پھر ایک ہی دن انھیں اور ان کی پوری اُمت کو زندہ کیا۔ اس وقت ان کی اُمت میں ایک لاکھ جنگجو افراد موجود تھے اور وہ سب کے سب بخت نصر کے ہاتھوں سے قتل ہوئے تھے۔

امام محمد باقرؑ اور ایک نصرانی پادری کا مباحثہ

۱۰۸۳- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ ہشام بن عبدالملک نے امام محمد باقر علیہ السلام کو اپنے پاس شام طلب کیا۔ چنانچہ آپ اپنے فرزند امام جعفر صادق علیہ السلام کو ساتھ لے کر دمشق پہنچے اور کچھ دن شام میں قیام کیا۔ ایک دن آپؐ نے دیکھا کہ لوگوں کے بڑے بڑے گروہ ایک پہاڑ کی جانب جا رہے تھے۔

آپؐ نے پوچھا کہ یہ کون لوگ ہیں اور کہاں جا رہے ہیں؟

آپ کو بتایا گیا کہ یہ عیسائی ہیں اور ان کا ایک بہت بڑا عابد پادری اس پہاڑ کی ایک غار میں رہتا ہے۔ وہ سال میں صرف ایک بار غار سے باہر آتا ہے اور یہ لوگ اس کی زیارت کے لیے جا رہے ہیں۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ آج میں بھی اسے دیکھنے کے لیے جاؤں گا۔ چنانچہ آپؐ نے منہ پر کپڑا لپیٹا اور

مجمع میں جا کر بیٹھ گئے۔ کچھ دیر بعد کچھ نوجوان اس پادری کو غار سے باہر لے آئے اور وہ اتنا بوڑھا تھا کہ اس کی بھنویں اس کی آنکھوں پر پڑی ہوئی تھیں۔ اس نے اپنی پیشانی پر پٹی باندھی تا کہ اپنے سامنے بیٹھے ہوئے افراد کو دیکھ سکے۔

اس نے پورے مجمع پر ایک طائرانہ نظر ڈالی جب اس کی نگاہ امام محمد باقر علیہ السلام پر پڑی تو اس کی نگاہ آپؑ کے چہرے پر رک گئی۔ پھر اس نے پورے مجمع میں سے صرف آپؑ کو مخاطب کر کے کہا:

آپؑ کا تعلق ہماری جماعت سے ہے یا آپؑ اُمت مرحومہ (اُمت اسلامیہ) کے فرد ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: میرا تعلق اُمت مرحومہ سے ہے۔

پادری: آپؑ عالم ہیں یا جاہل؟

امام علیہ السلام: میں جاہل نہیں ہوں۔

پادری: آپؑ مجھ سے سوال کریں گے یا میں آپ سے سوال کروں؟

امام علیہ السلام: آپؑ مجھ سے سوال کریں۔

جب پادری نے امام علیہ السلام کا جواب سنا تو اس نے نصرانیوں کی طرف رخ کر کے کہا: لوگو! تعجب ہے آج اُمت مرحومہ کا ایک فرد مجھ جیسے عالم سے کہہ رہا ہے کہ مجھ سے پوچھ لے۔

پادری: اچھا آپ یہ بتائیں کہ وہ کون سی گھڑی ہے جو نہ رات میں شمار کی جاتی ہے اور نہ ہی دن میں اس کا شمار ہوتا ہے؟

امام علیہ السلام: وہ طلوع فجر سے طلوع آفتاب کی درمیانی گھڑی ہے۔

پادری نے ایک بار پھر امام علیہ السلام سے کہا کہ اب آپ مجھ سے پوچھیں گے یا میں آپؑ سے کچھ پوچھوں؟

امام علیہ السلام: تم جو چاہو مجھ سے پوچھو میں تمھیں اس کا جواب دوں گا۔

پادری نے کہا: اچھا اب میں تم سے وہ مشکل ترین سوال پوچھنا چاہتا ہوں جسے سن کر تم گرداب میں پھنس جاؤ گے اور تم سے اس کا کوئی جواب نہیں بن سکے گا۔

اچھا یہ بتاؤ کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے مقاربت کی اور بیک وقت دو جڑواں بچوں کا حمل قرار پایا اور ایک ہی دن دونوں بچے پیدا ہوئے اور اتفاق یہ ہے کہ دونوں ایک ہی دن مرے اور ایک ہی قبر میں دفن ہوئے لیکن عجیب بات یہ تھی کہ موت کے وقت ایک کی عمر ڈیڑھ سو برس تھی اور دوسرے کی عمر پچاس برس تھی اب تم مجھے بتاؤ کہ وہ دو بھائی کون تھے؟

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا: وہ دو بھائی عزیر اور عزرہ تھے جن کا حمل ایک ہی رات قرار پایا تھا اور دونوں ایک ہی دن پیدا ہوئے تھے اور دونوں کی وفات بھی ایک ہی دن ہوئی تھی اور دونوں ایک ہی قبر میں دفن ہوئے تھے۔ عزیر اور عزرہ دونوں تیس برس تک اکٹھے رہے۔ پھر تیس برس کی عمر میں عزیر کی وفات ہوگئی اور وہ سو سال تک مرے پڑے رہے۔ سو سال بعد اللہ نے دوبارہ انھیں زندہ کیا اور وہ اپنے بھائی کے پاس آئے اس وقت ''عزرہ کی عمر ایک سو تیس برس ہو چکی تھی جب کہ عزیر تیس برس کے تھے۔ پھر بیس سال تک عزیر اور عزرہ دنیا میں زندہ رہے اور جب ان دونوں کی ایک ہی دن وفات ہوئی تو اس وقت عزیر پچاس سال کے تھے اور عزرہ ایک سو پچاس سال کا تھا۔

جب نصرانی پادری نے حضرتؑ کا یہ جواب سنا تو اس نے اپنے پیروکاروں سے کہا:

''گروہ نصاریٰ! میں نے آج تک اس شخص سے بڑا عالم اپنی زندگی میں کبھی نہیں دیکھا۔ جب تک یہ شام میں موجود ہیں اس وقت تک تم لوگ مجھ سے کوئی مسئلہ دریافت نہ کرو۔ اب مجھے دوبارہ غار میں لے چلو۔ چنانچہ عیسائی اسے غار میں لے گئے اور یوں امام محمد باقر علیہ السلام مظفر و منصور ہو کر وہاں سے واپس تشریف لائے۔

۱۰۸۴- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا

''جب بنی اسرائیل نے خدا کی نافرمانیاں کیں اور احکام الٰہی سے انحراف کیا تو خدا نے ارادہ کیا کہ انھیں عذاب دے اور ان پر ایک ایسے شخص کو مسلط کرے جو انھیں دنیا میں ذلیل و خوار کرے اور انھیں قتل کرے''۔

اللہ تعالیٰ نے اس دور کے نبی حضرت ارمیا کو وحی فرمائی کہ اے ارمیا! میں نے دنیا کے شہروں میں سے ایک شہر کا انتخاب کیا اور وہاں میں نے اچھے درختوں کا بیج بویا لیکن وہاں کے رہنے والوں نے میری مہربانیوں کی ناقدری کی اور وہاں اچھے درختوں کی جگہ ''خرنوب'' جیسے بیکار اور ردی پودے پیدا ہوئے۔

حضرت ارمیا نے بنی اسرائیل کے علماء کو خدا کی وحی سنائی تو انھوں نے کہا کہ تم خدا سے رابطہ کرو اور اس سے پوچھو کہ اس تمثیل کا کیا مقصد ہے؟

حضرت ارمیا نے سات روزے رکھے اور خدا سے عرض کیا: خدایا! اس تمثیل کا مطلب واضح فرما۔

اللہ تعالیٰ نے انھیں وحی فرمائی کہ ارمیا! وہ شہر بیت المقدس ہے اور وہاں میں نے جو بیج کاشت کیا اس سے بنی اسرائیل مراد ہیں لیکن انھوں نے میری نافرمانی کی اور میرے دین میں تبدیلیاں کیں اور انھوں نے کفرانِ نعمت سے کام لیا۔ اب میں نے اپنی ذات کی قسم کھائی ہے کہ میں انھیں ایک ایسی آزمائش میں مبتلا کروں گا جس میں صاحب حکمت

سرگردان ہو جائے گا اور میں ان پر ایک ایسے شخص کو مسلط کروں گا جس کی پیدائش انتہائی بدتر ماحول میں ہوئی ہے اور جو دنیا کی بدترین غذا کھا کر پل رہا ہے۔ وہ ان پر مسلط ہو جائے گا اور ان کے جنگ آزما افراد کو قتل کرے گا اور ان کی عورتوں کو قید کرے گا اور انھیں جس شہر کا ناز ہے وہ اس شہر کی اینٹ سے اینٹ بجا دے گا اور جس پتھر پر یہ فخر کیا کرتے ہیں وہ اس پتھر کو سو سال تک کے لیے اروڑیوں پر پھینک دے گا۔

حضرت ارمیا نے بنی اسرائیل کے علماء کو خدا کا یہ پیغام سنایا۔ بنی اسرائیل کے علماء نے یہ پیغام سننے کے بعد کہا کہ تم اپنے رب سے رابطہ کرو اور اس سے پوچھو کہ خدایا! اس میں ہم فقراء، ضعفاء و مساکین کا کیا قصور ہے؟

حضرت ارمیا نے سات روزے رکھے لیکن خدا کی طرف سے ان پر کوئی وحی نازل نہ ہوئی۔ اس کے بعد انھوں نے پھر اور سات روزے رکھے۔ اس کے بعد اللہ نے ان پر وحی کی اور فرمایا:

ارمیا! اس بات کو رہنے دو ورنہ میں تمھارے چہرے کو بھی پشت کی طرف کر دوں گا۔ اب تم بنی اسرائیل کے علماء تک میرا یہ پیغام پہنچاؤ کہ تمھارا جرم یہ ہے کہ تم نے دیکھا کہ لوگ برائیاں کر رہے ہیں لیکن تم نے لوگوں کو برائیوں سے نہیں روکا۔ اسی لیے میرا عذاب تم پر نازل ہوگا۔

ارمیا نے عرض کیا: پروردگار! مجھے اس جگہ کی نشان دہی کر جہاں وہ شخص پرورش پا رہا ہے تاکہ میں اس سے ملاقات کر کے اس سے اپنے اور اپنے خاندان کے لیے امان نامہ حاصل کر سکوں۔

خدا نے فرمایا: تم فلاں جگہ چلے جاؤ وہاں تمھیں ایک بچہ دکھائی دے گا جو چیچک میں مبتلا ہوگا اور اس کی پیدائش بدتر ہوگی اور اس کا جسم انتہائی کمزور ہوگا اور اس کی غذا انتہائی نجس ہوگی۔ جب تم اسے دیکھ لو تو پھر سمجھ لینا کہ میں عنقریب اسے ہی بنی اسرائیل پر مسلط کرنے والا ہوں۔

اللہ تعالیٰ کے فرمان کے تحت ارمیا اس جگہ گئے تو انھوں نے ایک سرائے کے کونے میں ایک لڑکے کو انتہائی بری حالت میں دیکھا جو کہ سرائے کے کونے میں پڑی ہوئی اروڑی پر پڑا ہوا تھا۔ ایک عورت آ کر ایک پیالہ میں چند نوالے مادہ خنزیر کے دودھ سے بھگو کر اسے کھلاتی تھی۔ جب حضرت ارمیا نے اس لڑکے کی یہ کیفیت و حالت دیکھی تو انھیں یقین ہو گیا کہ یہی وہ لڑکا ہے جسے خداوند عالم بنی اسرائیل پر مسلط کرنے کا ارادہ کر چکا ہے۔ آپ اس کے قریب تشریف لے گئے اور آپ نے اس سے اس کا نام پوچھا تو اس نے بتایا کہ میرا نام ''بخت نصر'' ہے۔

حضرت ارمیا نے اس کا علاج کرایا یہاں تک کہ وہ مکمل طور پر شفایاب ہو گیا۔

آپ نے اس سے فرمایا کیا تم مجھے جانتے ہو؟

اس نے کہا کہ میں آپ کو پہچانتا تو نہیں البتہ میں نے آپ کو ایک شریف النفس انسان پایا ہے۔

حضرت نے فرمایا: میں بنی اسرائیل کا نبی ہوں اور میرا نام ارمیا ہے۔ مجھے اللہ تعالیٰ نے یہ خبر دی ہے کہ وہ عنقریب تجھے بنی اسرائیل پر مسلط کرنے والا ہے اور تو ان کے مردوں کو قتل کرے گا اور ان کی عورتوں کو کنیز بنائے گا اور تو ان کے صدیوں سے قائم شہر کو تباہ و برباد کر کے رکھ دے گا۔

نبی کی زبانی وہ بچہ یہ بات سن کر ششدر رہ گیا۔ پھر حضرت ارمیا نے اس سے کہا کہ تم مجھے اپنی طرف سے امان نامہ لکھ کر دے دو۔ بخت نصر نے انھیں امان نامہ لکھ کر دیا۔

جب وہ جوان ہوا تو پہاڑ سے لکڑیاں کاٹ کر شہر میں بیچنے لگ گیا۔ پھر اس نے لوگوں کو بنی اسرائیل سے جنگ کی دعوت دی۔ چند ہی دنوں میں اس نے ہزاروں افراد جمع کر لیے اور ایک بہت بڑا لشکر تشکیل دینے میں کامیاب ہوگیا۔ پھر وہ اپنا عظیم لشکر لے کر بیت المقدس کی طرف روانہ ہوا۔ جب حضرت ارمیا نے سنا کہ بخت نصر بیت المقدس کی طرف نہ صرف بڑھ رہا ہے بلکہ قریب آ چکا ہے تو آپ امان نامہ لے کر اس کی طرف روانہ ہوئے مگر اس کے سپاہیوں نے انھیں بخت نصر تک نہ جانے دیا۔ حضرت ارمیا نے اس کے امان نامہ کو ایک لمبی سی لکڑی سے باندھ کر لہرایا تو بخت نصر کی اس پر نگاہ پڑی تو اس نے سپاہیوں سے کہا کہ اس بزرگ کو میرے پاس لے آؤ۔

حضرت ارمیا اس کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ آپ کون ہیں؟

آپ نے فرمایا: میں ارمیا نبی ہوں اور میں نے ایک عرصہ قبل تجھے بشارت دی تھی کہ خدا تجھے بنی اسرائیل پر مسلط کرے گا اور تو نے مجھے امان نامہ لکھ کر دیا تھا اور آج خدا کا وعدہ پورا ہونے کو ہے اور میں تیرا لکھا ہوا امان نامہ لے کر آیا ہوں۔

بخت نصر نے کہا: میں نے آپ کو امان دی لیکن یہ امان صرف آپ کی ذات کے لیے ہے۔ آپ کے اہلِ خانہ کے لیے میری طرف سے کوئی امان نہیں ہے۔

حضرت ارمیا نے اپنے خاندان کے لیے امان حاصل کرنے پر زور دیا تو اس نے کہا: اچھا اس کی بھی ایک مشروط صورت ہے۔ میں یہاں سے بیت المقدس کی طرف تیر پھینکتا ہوں اگر میرا تیر بیت المقدس تک پہنچ گیا تو پھر آپ کے خاندان کے لیے کوئی امان نہیں ہے اور اگر میرا تیر وہاں تک نہ پہنچا تو پھر انھیں میری طرف سے امان حاصل ہوگی۔

یہ کہہ کر اس نے تیر چلایا' حالانکہ وہ بیت المقدس سے کافی فاصلہ پر تھا اور عام حالات میں اس کے تیر کا شہر میں گرنا ناممکن تھا' لیکن اس نے جیسے ہی تیر پھینکا تو خدا نے ہوا کو حکم دیا کہ وہ اس کے تیر کو راستے میں کہیں نہ گرنے دے۔ چنانچہ اس کا چھوڑا ہوا تیر سیدھا بیت المقدس میں آ گرا۔

بخت نصر نے حضرت ارمیا سے کہا کہ آپ کے خاندان کے لیے کوئی امان نہیں ہے۔

پھر اس نے بیت المقدس کی طرف پیش قدمی کی اور جب اس کی فوج شہر کے وسط میں پہنچی تو اس نے وہاں ایک بہت بڑا مٹی کا ٹیلہ دیکھا جس کی چوٹی سے خون کا فوارہ جاری تھا اور اس پر لوگ جتنی بھی مٹی ڈالتے تھے وہ بند ہونے میں نہیں آتا تھا۔

بخت نصر نے پوچھا کہ اس خون کا کیا ماجرا ہے اور زمین سے خون کیوں نکل رہا ہے؟

لوگوں نے کہا: یہ خدا کے ایک پیغمبر کا خون ہے۔ جسے بنی اسرائیل کے ایک بادشاہ نے قتل کیا تھا اور جس دن سے وہ قتل ہوا ہے خون کا یہ فوارہ زمین سے جاری ہوا ہے اور یہ کسی طرح سے بھی بند ہونے میں نہیں آتا۔

بخت نصر نے کہا: میں اس خون ناحق کے رکنے تک بنی اسرائیل کو قتل کروں گا اور جب خون رک جائے گا تو میں ان کا قتل عام بند کروں گا"۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ وہ خون حضرت یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کا تھا۔ ان کے زمانہ میں اسرائیلیوں کا بادشاہ ایک بدکار اور زانی شخص تھا اور جب بھی وہ حضرت یحییٰ علیہ السلام کے پاس سے گزرتا تھا تو آپؑ اسے نصیحت کرتے تھے اور اسے کہتے تھے کہ خدا سے ڈرو اور بے حیائی سے باز آ جاؤ۔

ایک دن جب کہ بادشاہ نشہ میں دُھت تھا تو اس کی ایک محبوبہ نے کہا کہ تم یحییٰ کو قتل کیوں نہیں کرا دیتے۔ وہ ہمیشہ ہم سب کو رُسوا کرنے کے درپے رہتا ہے۔

اس وقت بادشاہ نے حکم دیا کہ یحییٰ کو قتل کر دیا جائے۔ چنانچہ ایک فوجی دستہ روانہ ہوا اور انھوں نے حضرت یحییٰ کا سر قلم کر دیا اور وہ آپؑ کا سر اٹھا کر بادشاہ کے پاس لے گئے۔

جب حضرت یحییٰ علیہ السلام کا سر ایک طشت میں رکھ کر بادشاہ کے سامنے پیش کیا گیا تو اس وقت سر نے آنکھیں کھولیں اور بادشاہ سے کہا کہ خدا سے ڈرو اور بے حیائی سے باز آ جاؤ' یہ بے حیائی حلال نہیں ہے۔

پھر طشت میں خون جوش مارنے لگا اور خون کا دائرہ اتنا بڑھا کہ طشت سے نکل کر زمین پر گرا اور زمین سے خون

جوش مارنے لگا۔ بادشاہ نے اس کو روکنے کے لیے وہاں پر مٹی ڈلوائی مگر خون پھر بھی بند نہ ہوا۔ آخرکار اتنی مٹی ڈالی گئی کہ وہاں پہاڑ جیسا ٹیلہ بن گیا مگر اس کی چوٹی سے حضرت یحییٰ علیہ السلام کا خون بدستور جوش مارتا رہا۔

حضرت یحییٰ علیہ السلام کی شہادت اور بخت نصر کے حملہ میں ایک سو سال کا فاصلہ ہے۔

بخت نصر نے بیت المقدس میں دھڑا دھڑ لوگوں کو قتل کیا مگر یحییٰ علیہ السلام کا خون رکنے میں نہ آیا۔ پھر اس نے وہاں کے مضافاتی علاقوں میں اسرائیلیوں کو قتل کیا مگر یحییٰ کا خون تھمنے میں نہ آیا۔ اس کے سپاہی پہاڑوں کی غاروں میں اسرائیلیوں کو تلاش کر کے قتل کرتے رہے۔ آخرکار ایک پہاڑ کی غار میں ایک بڑھیا چھپی ہوئی تھی جب سپاہیوں نے اسے نکال کر قتل کرنا چاہا تو اس نے تسلیم کیا کہ اس شہر کی بربادی کی موجب وہی ہے اور اسی کے ہی ایما پر یحییٰ نبی کو قتل کیا گیا تھا۔

چنانچہ جب بخت نصر کے سپاہیوں نے اس عورت کو قتل کیا تو اس وقت یحییٰ علیہ السلام کا خون تھم گیا۔ پھر بخت نصر بقیۃ السیف اسرائیلیوں کو غلام اور کنیز بنا کر انھیں عراق لے آیا اور بابل کے قریب پہنچ کر اس نے ایک شہر تعمیر کیا۔

پھر اس نے ایک کنواں کھود کر اس میں ایک شیرنی کو ڈالا اور حضرت دانیال کو گرفتار کر کے اس کنوئیں میں ڈال دیا۔ شیرنی نے حضرت دانیال کو کوئی اذیت نہ دی وہ مٹی چاٹتی تھی اور دانیال اس کا دودھ پیتے تھے۔ اسی حالت میں کچھ عرصہ گزر گیا۔ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کے نبی کو وحی کی کہ تم کھانا اور پانی لے کر دانیال کے پاس جاؤ اور اسے میرا سلام پہنچاؤ۔

نبی نے عرض کیا: پروردگار! وہ کہاں ہے؟

اللہ نے فرمایا: وہ فلاں مقام پر چاہ بابل میں ایک شیرنی کے ساتھ قید ہے۔ نبی وہاں آئے اور کنوئیں کی منڈیر پر انھوں نے دانیال پر سلام کیا۔

دانیال نے کہا: یہ نئی آواز محسوس ہوتی ہے۔ تم کون ہو؟

انھوں نے کہا کہ تمھارا پروردگار تمھیں سلام کہتا ہے اور اس نے میرے ذریعہ سے تمھارے لیے کھانا اور پانی روانہ کیا ہے۔ پھر نبی نے رسی کے ذریعہ سے وہ اشیاء اس کے پاس لڑھکائیں۔

اس وقت دانیال نے کہا:

"اس خدا کے لیے حمد ہے جو اپنے ذکر کرنے والے کو فراموش نہیں کرتا۔ اس خدا کے لیے حمد ہے جو دعا مانگنے والے کو نامراد نہیں لوٹاتا۔ اس خدا کے لیے حمد ہے جو بھی اس پر بھروسہ کرے تو وہ اس کی مدد کرتا ہے۔ اس خدا کے لیے حمد ہے جو اس پر توکل کرے تو اسے غیروں کے سپرد نہیں کرتا۔ اس خدا کے لیے حمد ہے جو نیکی کا بدلہ نیکی سے دیتا ہے۔ اس خدا کے

لیے حمد ہے جو صبر کے بدلے میں نجات دیتا ہے۔ اس خدا کے لیے حمد ہے جو ہماری مشکلات کو دُور کرتا ہے۔ اس خدا کے لیے حمد ہے جب ہماری تدبیریں ناکام ہوجاتی ہیں تو وہ ہماری مدد کرتا ہے۔ اس خدا کے لیے حمد ہے جب ہم اپنے اعمال کی وجہ سے بدگمانی میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ ہماری امید کا ذریعہ بنتا ہے"۔

اس کے ایک دن بعد بخت نصر رات کے وقت سویا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ گویا اس کا سر لوہے کا ہے اور اس کے پاؤں تانبے کے ہیں اور اس کا سینہ سونے کا ہے۔ اس نے اپنے درباری نجومیوں کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ مجھے بتاؤ کہ میں نے رات کیا خواب دیکھا تھا؟

نجومیوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں ہے کہ تم نے کیا خواب دیکھا تھا البتہ تم ہمیں اپنا خواب سناؤ ہم اس کی تعبیر بتائیں گے۔

بخت نصر نے کہا: میں کتنی مدت سے تمھیں بھاری بھرکم تنخواہیں دے رہا ہوں اور تمھاری یہ حالت ہے کہ تمھیں میرے خواب کا ہی علم نہیں ہے۔

پھر اس نے ان درباریوں کو قتل کرا دیا۔ اس وقت ایک درباری نے اس سے کہا کہ اگر آپ اپنا خواب اور اس کی تعبیر سننا پسند کریں تو آپ دانیال کو یہاں بلائیں۔ اس وقت صرف دانیال ہی ایک ایسا شخص ہے جو آپ کا خواب بتا سکتا ہے اس کے علاوہ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔

بخت نصر نے کہا: اس وقت وہ کہاں ہے؟

درباریوں نے کہا: "وہ اس وقت آپ کے حکم سے ایک کنوئیں میں ایک شیرنی کے ساتھ قید ہے۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ شیرنی اس کا خاتمہ کر دے گی لیکن شیرنی کنوئیں میں مٹی چاٹتی اور دانیال اس کا دودھ پیتا ہے"۔

الغرض بخت نصر نے حضرت دانیال کو کنوئیں سے باہر نکلوایا اور جب آپ بادشاہ کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ یہ بتائیں کہ میں نے رات کیا خواب دیکھا تھا؟

حضرت دانیال نے فرمایا: "تم نے دیکھا ہے کہ تمھارا سر لوہے کا اور سینہ سونے کا اور پاؤں تانبے کے ہیں"۔

بخت نصر نے کہا کہ واقعی میں نے یہی خواب دیکھا ہے۔ اب مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔

حضرت دانیال نے کہا: اس کا مقصد یہ ہے کہ تیری حکومت ختم ہونے کو ہے اور تم تین دنوں میں قتل ہوجاؤ گے اور فرزندانِ فارس میں سے ایک شخص تجھے قتل کرے گا۔

لیے حمد ہے جو صبر کے بدلے میں نجات دیتا ہے۔ اس خدا کے لیے حمد ہے جو ہماری مشکلات کو دُور کرتا ہے۔ اس خدا کے لیے حمد ہے جب ہماری تدبیریں ناکام ہوجاتی ہیں تو وہ ہماری مدد کرتا ہے۔ اس خدا کے لیے حمد ہے جب ہم اپنے اعمال کی وجہ سے بدگمانی میں مبتلا ہوتے ہیں تو وہ ہماری امید کا ذریعہ بنتا ہے''۔

اس کے ایک دن بعد بخت نصر رات کے وقت سویا تو اس نے خواب میں دیکھا کہ گویا اس کا سر لوہے کا ہے اور اس کے پاؤں تانبے کے ہیں اور اس کا سینہ سونے کا ہے۔ اس نے اپنے درباری نجومیوں کو اپنے پاس بلا کر کہا کہ مجھے بتاؤ کہ میں نے رات کیا خواب دیکھا تھا؟

نجومیوں نے کہا: ہمیں معلوم نہیں ہے کہ تم نے کیا خواب دیکھا تھا البتہ تم ہمیں اپنا خواب سناؤ ہم اس کی تعبیر بتائیں گے۔

بخت نصر نے کہا: میں کتنی مدت سے تمھیں بھاری بھرکم تنخواہیں دے رہا ہوں اور تمھاری یہ حالت ہے کہ تمھیں میرے خواب کا ہی علم نہیں ہے۔

پھر اس نے ان درباریوں کو قتل کرا دیا۔ اس وقت ایک درباری نے اس سے کہا کہ اگر آپ اپنا خواب اور اس کی تعبیر سننا پسند کریں تو آپ دانیال کو یہاں بلائیں۔ اس وقت صرف دانیال ہی ایک ایسا شخص ہے جو آپ کا خواب بتا سکتا ہے اس کے علاوہ کسی کو کچھ معلوم نہیں ہے۔

بخت نصر نے کہا: اس وقت وہ کہاں ہے؟

درباریوں نے کہا: ''وہ اس وقت آپ کے حکم سے ایک کنوئیں میں ایک شیرنی کے ساتھ قید ہے۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ شیرنی اس کا خاتمہ کر دے گی لیکن شیرنی کنوئیں میں مٹی چاٹتی اور دانیال اس کا دودھ پیتا ہے''۔

الغرض بخت نصر نے حضرت دانیال کو کنوئیں سے باہر نکلوایا اور جب آپ بادشاہ کے پاس پہنچے تو اس نے کہا کہ یہ بتائیں کہ میں نے رات کیا خواب دیکھا تھا؟

حضرت دانیال نے فرمایا: ''تم نے دیکھا ہے کہ تمھارا سر لوہے کا اور سینہ سونے کا اور پاؤں تانبے کے ہیں''۔

بخت نصر نے کہا کہ واقعی میں نے یہی خواب دیکھا ہے۔ اب مجھے اس خواب کی تعبیر بتاؤ۔

حضرت دانیال نے کہا: اس کا مقصد یہ ہے کہ تیری حکومت ختم ہونے کو ہے اور تم تین دنوں میں قتل ہو جاؤ گے اور فرزندانِ فارس میں سے ایک شخص تجھے قتل کرے گا۔

ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ایک دن۔ پھر سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا بلکہ دن کا بھی کچھ حصہ۔

اللہ تعالی نے فرمایا: بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ ''بلکہ تم ایک سو سال تک پڑے رہو''۔

اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جسے جلد خراب ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ خراب نہیں ہوا۔ وہ اس وقت بھی تر و تازہ حالت میں ہے۔ اور اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کیسے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیسے چڑھاتے ہیں۔

ارمیا علیہ السلام گدھے کی ترکیب جسمانی کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جب گدھے کا ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو خدا کے حکم سے وہ زندہ ہو گیا۔

جب ارمیا علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ''اب میں جان گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔

۱۰۸۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ بتائیں کوئی ایسی اولاد بھی ہے جو باپ کی زندگی میں اس سے زیادہ سن رسیدہ ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وہ عزیر کی اولاد ہے۔ جب عزیر گدھے پر سوار ہو کر ایک تباہ حال قریہ کے پاس سے گزرا اور انھیں وہاں مُردے ہی مُردے نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ پروردگار! تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

خدا نے انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ وہ تو مرے پڑے رہے جب کہ ان کے بیٹے بڑے ہوتے رہے۔ جب سو سال کے بعد عزیر خوابِ مرگ سے بیدار ہوئے تو اس وقت ان کی عمر وہی تھی جو موت کے وقت تھی اور جب یہ اپنے گھر واپس گئے تو ان کی اولاد ان سے زیادہ سن رسیدہ ہو چکی تھی۔

عصمت انبیاء اور ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کا زندہ ہونا

۱۰۸۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: ''فرزندِ رسولؐ! آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاءؑ معصوم تھے مگر یہ بتائیں اگر وہ معصوم تھے تو اللہ تعالی نے یوں کیوں کہا: ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار خدا کے حضور عرض کیا تھا:

ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ایک دن۔ پھر سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا بلکہ دن کا بھی کچھ حصہ۔

اللہ تعالی نے فرمایا: بَلْ لَبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ ''بلکہ تم ایک سو سال تک پڑے رہو''۔

اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جسے جلد خراب ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ خراب نہیں ہوا۔ وہ اس وقت بھی تروتازہ حالت میں ہے۔ اور اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کیسے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیسے چڑھاتے ہیں۔

ارمیا علیہ السلام گدھے کی ترکیب جسمانی کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جب گدھے کا ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو خدا کے حکم سے وہ زندہ ہو گیا۔

جب ارمیا علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ''اب میں جان گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔

۱۰۸۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ بتائیں کوئی ایسی اولاد بھی ہے جو باپ کی زندگی میں اس سے زیادہ سن رسیدہ ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وہ عزیر کی اولاد ہے۔ جب عزیر گدھے پر سوار ہو کر ایک تباہ حال قریہ کے پاس سے گزرا اور انھیں وہاں مُردے ہی مُردے نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ پروردگار! تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

خدا نے انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ وہ تو مرے پڑے رہے جب کہ ان کے بیٹے بڑے ہوتے رہے۔ جب سو سال کے بعد عزیر خوابِ مرگ سے بیدار ہوئے تو اس وقت ان کی عمر وہی تھی جو موت کے وقت تھی اور جب یہ اپنے گھر واپس گئے تو ان کی اولاد ان سے زیادہ سن رسیدہ ہو چکی تھی۔

عصمت انبیاء اور ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کا زندہ ہونا

۱۰۸۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: ''فرزندِ رسولؐ! آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاءؑ معصوم تھے مگر یہ بتائیں اگر وہ معصوم تھے تو اللہ تعالی نے یوں کیوں کہا: ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار خدا کے حضور عرض کیا تھا:

ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ایک دن۔ پھر سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا بلکہ دن کا بھی کچھ حصّہ۔

اللہ تعالی نے فرمایا: بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ ''بلکہ تم ایک سو سال تک پڑے رہو''۔

اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جسے جلد خراب ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ خراب نہیں ہوا۔ وہ اس وقت بھی تروتازہ حالت میں ہے۔ اور اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کیسے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیے چڑھاتے ہیں۔

ارمیا علیہ السلام گدھے کی ترکیب جسمانی کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جب گدھے کا ڈھانچہ مکمل ہوگیا تو خدا کے حکم سے وہ زندہ ہوگیا۔

جب ارمیا علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيۡءٍ قَدِيۡرٌ ''اب میں جان گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔

۱۰۸۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ بتائیں کوئی ایسی اولاد بھی ہے جو باپ کی زندگی میں اس سے زیادہ سن رسیدہ ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وہ عزیر کی اولاد ہے۔ جب عزیر گدھے پر سوار ہو کر ایک تباہ حال قریہ کے پاس سے گزرا اور انھیں وہاں مُردے ہی مُردے نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ پروردگار! تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

خدا نے انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ وہ تو مرے پڑے رہے جب کہ ان کے بیٹے بڑے ہوتے رہے۔ جب سو سال کے بعد عزیر خوابِ مرگ سے بیدار ہوئے تو اس وقت ان کی عمر وہی تھی جو موت کے وقت تھی اور جب یہ اپنے گھر واپس گئے تو ان کی اولاد ان سے زیادہ سن رسیدہ ہو چکی تھی۔

عصمت انبیاء اور ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کا زندہ ہونا

۱۰۸۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا:

''فرزندِ رسولؐ! آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاءؑ معصوم تھے مگر یہ بتائیں اگر وہ معصوم تھے تو اللہ تعالی نے یوں کیوں کہا: ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار خدا کے حضور عرض کیا تھا:

ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ایک دن۔ پھر سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا بلکہ دن کا بھی کچھ حصہ۔

اللہ تعالی نے فرمایا: بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ ''بلکہ تم ایک سو سال تک پڑے رہو''۔

اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جسے جلد خراب ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ خراب نہیں ہوا۔ وہ اس وقت بھی تروتازہ حالت میں ہے۔ اور اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کیسے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیسے چڑھاتے ہیں۔

ارمیا علیہ السلام گدھے کی ترکیب جسمانی کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جب گدھے کا ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو خدا کے حکم سے وہ زندہ ہو گیا۔

جب ارمیا علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اَعْلَمُ اَنَّ اللهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ''اب میں جان گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔

۱۰۸۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ بتائیں کوئی ایسی اولاد بھی ہے جو باپ کی زندگی میں اس سے زیادہ سن رسیدہ ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وہ عزیر کی اولاد ہے۔ جب عزیر گدھے پر سوار ہو کر ایک تباہ حال قریہ کے پاس سے گزرا اور انھیں وہاں مُردے ہی مُردے نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ پروردگار! تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

خدا نے انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ وہ تو مرے پڑے رہے جب کہ ان کے بیٹے بڑے ہوتے رہے۔ جب سو سال کے بعد عزیر خوابِ مرگ سے بیدار ہوئے تو اس وقت ان کی عمر وہی تھی جو موت کے وقت تھی اور جب یہ اپنے گھر واپس گئے تو ان کی اولاد ان سے زیادہ سن رسیدہ ہو چکی تھی۔

عصمت انبیاء اور ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کا زندہ ہونا

۱۰۸۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: ''فرزندِ رسولؐ! آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاءؑ معصوم تھے مگر یہ بتائیں اگر وہ معصوم تھے تو اللہ تعالی نے یوں کیوں کہا: ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار خدا کے حضور عرض کیا تھا:

ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ایک دن۔ پھر سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا بلکہ دن کا بھی کچھ حصّہ۔

اللہ تعالی نے فرمایا: بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ ''بلکہ تم ایک سو سال تک پڑے رہو''۔

اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جسے جلد خراب ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ خراب نہیں ہوا۔ وہ اس وقت بھی تر و تازہ حالت میں ہے۔ اور اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کیسے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیسے چڑھاتے ہیں۔

ارمیا علیہ السلام گدھے کی ترکیب جسمانی کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جب گدھے کا ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو خدا کے حکم سے وہ زندہ ہو گیا۔

جب ارمیا علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ''اب میں جان گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔

۱۰۸۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ بتائیں کوئی ایسی اولاد بھی ہے جو باپ کی زندگی میں اس سے زیادہ سن رسیدہ ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وہ عزیر کی اولاد ہے۔ جب عزیر گدھے پر سوار ہو کر ایک تباہ حال قریہ کے پاس سے گزرا اور انھیں وہاں مُردے ہی مُردے نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ پروردگار! تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

خدا نے انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ وہ تو مرے پڑے رہے جب کہ ان کے بیٹے بڑے ہوتے رہے۔ جب سو سال کے بعد عزیر خوابِ مرگ سے بیدار ہوئے تو اس وقت ان کی عمر وہی تھی جو موت کے وقت تھی اور جب یہ اپنے گھر واپس گئے تو ان کی اولاد ان سے زیادہ سن رسیدہ ہو چکی تھی۔

عصمت انبیاء اور ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کا زندہ ہونا

۱۰۸۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: ''فرزندِ رسولؐ! آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاءؑ معصوم تھے مگر یہ بتائیں اگر وہ معصوم تھے تو اللہ تعالی نے یوں کیوں کہا: ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار خدا کے حضور عرض کیا تھا:

ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ایک دن۔ پھر سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا بلکہ دن کا بھی کچھ حصّہ۔

اللہ تعالی نے فرمایا: بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ "بلکہ تم ایک سو سال تک پڑے رہو"۔

اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جسے جلد خراب ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ خراب نہیں ہوا۔ وہ اس وقت بھی تر و تازہ حالت میں ہے۔ اور اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کیسے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیے چڑھاتے ہیں۔

ارمیا علیہ السلام گدھے کی ترکیب جسمانی کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جب گدھے کا ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو خدا کے حکم سے وہ زندہ ہو گیا۔

جب ارمیا علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ "اب میں جان گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے"۔

۱۰۸۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ بتائیں کوئی ایسی اولاد بھی ہے جو باپ کی زندگی میں اس سے زیادہ سن رسیدہ ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وہ عزیر کی اولاد ہے۔ جب عزیر گدھے پر سوار ہو کر ایک تباہ حال قریہ کے پاس سے گزرا اور انھیں وہاں مُردے ہی مُردے نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ پروردگار! تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

خدا نے انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ وہ تو مرے پڑے رہے جب کہ ان کے بیٹے بڑے ہوتے رہے۔ جب سو سال کے بعد عزیر خوابِ مرگ سے بیدار ہوئے تو اس وقت ان کی عمر وہی تھی جو موت کے وقت تھی اور جب یہ اپنے گھر واپس گئے تو ان کی اولاد ان سے زیادہ سن رسیدہ ہو چکی تھی۔

عصمت انبیاء اور ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کا زندہ ہونا

۱۰۸۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: "فرزندِ رسولؐ! آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاءؑ معصوم تھے مگر یہ بتائیں اگر وہ معصوم تھے تو اللہ تعالی نے یوں کیوں کہا: ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار خدا کے حضور عرض کیا تھا:

ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ایک دن۔ پھر سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا بلکہ دن کا بھی کچھ حصہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ ''بلکہ تم ایک سو سال تک پڑے رہو''۔

اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جسے جلد خراب ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ خراب نہیں ہوا۔ وہ اس وقت بھی تر و تازہ حالت میں ہے۔ اور اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کیسے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیسے چڑھاتے ہیں۔

ارمیا علیہ السلام گدھے کی ترکیب جسمانی کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جب گدھے کا ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو خدا کے حکم سے وہ زندہ ہو گیا۔

جب ارمیا علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىْءٍ قَدِيْرٌ ''اب میں جان گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔

۱۰۸۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ بتائیں کوئی ایسی اولاد بھی ہے جو باپ کی زندگی میں اس سے زیادہ سن رسیدہ ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وہ عزیر کی اولاد ہے۔ جب عزیر گدھے پر سوار ہو کر ایک تباہ حال قریہ کے پاس سے گزرا اور انھیں وہاں مُردے ہی مُردے نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ پروردگار! تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

خدا نے انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ وہ تو مرے پڑے رہے جب کہ ان کے بیٹے بڑے ہوتے رہے۔ جب سو سال کے بعد عزیر خوابِ مرگ سے بیدار ہوئے تو اس وقت ان کی عمر وہی تھی جو موت کے وقت تھی اور جب یہ اپنے گھر واپس گئے تو ان کی اولاد ان سے زیادہ سن رسیدہ ہو چکی تھی۔

عصمت انبیاء اور ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کا زندہ ہونا

۱۰۸۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا:

''فرزندِ رسولؐ! آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاءؑ معصوم تھے مگر یہ بتائیں اگر وہ معصوم تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں کہا: ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار خدا کے حضور عرض کیا تھا:

ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ایک دن۔ پھر سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا بلکہ دن کا بھی کچھ حصّہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ "بلکہ تم ایک سو سال تک پڑے رہو"۔

اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جسے جلد خراب ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ خراب نہیں ہوا۔ وہ اس وقت بھی تر و تازہ حالت میں ہے۔ اور اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کیسے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیسے چڑھاتے ہیں۔

ارمیا علیہ السلام گدھے کی ترکیب جسمانی کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جب گدھے کا ڈھانچہ مکمل ہوگیا تو خدا کے حکم سے وہ زندہ ہوگیا۔

جب ارمیا علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ "اب میں جان گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے"۔

۱۰۸۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ بتائیں کوئی ایسی اولاد بھی ہے جو باپ کی زندگی میں اس سے زیادہ سن رسیدہ ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وہ عزیر کی اولاد ہے۔ جب عزیر گدھے پر سوار ہو کر ایک تباہ حال قریہ کے پاس سے گزرا اور انھیں وہاں مُردے ہی مُردے نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ پروردگار! تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

خدا نے انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ وہ تو مرے پڑے رہے جب کہ ان کے بیٹے بڑے ہوتے رہے۔ جب سو سال کے بعد عزیر خوابِ مرگ سے بیدار ہوئے تو اس وقت ان کی عمر وہی تھی جو موت کے وقت تھی اور جب یہ اپنے گھر واپس گئے تو ان کی اولاد ان سے زیادہ سن رسیدہ ہو چکی تھی۔

عصمت انبیاء اور ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کا زندہ ہونا

۱۰۸۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا:

"فرزندِ رسولؐ! آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاءؑ معصوم تھے مگر یہ بتائیں اگر وہ معصوم تھے تو اللہ تعالیٰ نے یوں کیوں کہا: ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار خدا کے حضور عرض کیا تھا:

ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ایک دن۔ پھر سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا بلکہ دن کا بھی کچھ حصّہ۔

اللہ تعالی نے فرمایا: بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ ''بلکہ تم ایک سو سال تک پڑے رہو''۔

اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جسے جلد خراب ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ خراب نہیں ہوا۔ وہ اس وقت بھی تروتازہ حالت میں ہے۔ اور اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کیسے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیسے چڑھاتے ہیں۔

ارمیا علیہ السلام گدھے کی ترکیب جسمانی کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جب گدھے کا ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو خدا کے حکم سے وہ زندہ ہو گیا۔

جب ارمیا علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ''اب میں جان گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔

۱۰۸۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ بتائیں کوئی ایسی اولاد بھی ہے جو باپ کی زندگی میں اس سے زیادہ سن رسیدہ ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وہ عزیر کی اولاد ہے۔ جب عزیر گدھے پر سوار ہو کر ایک تباہ حال قریہ کے پاس سے گزرا اور انھیں وہاں مُردے ہی مُردے نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ پروردگار! تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

خدا نے انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ وہ تو مرے پڑے رہے جب کہ ان کے بیٹے بڑے ہوتے رہے۔ جب سو سال کے بعد عزیر خوابِ مرگ سے بیدار ہوئے تو اس وقت ان کی عمر وہی تھی جو موت کے وقت تھی اور جب یہ اپنے گھر واپس گئے تو ان کی اولاد ان سے زیادہ سن رسیدہ ہو چکی تھی۔

عصمت انبیاء اور ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کا زندہ ہونا

۱۰۸۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا:

''فرزندِ رسولؐ! آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاءؑ معصوم تھے مگر یہ بتائیں اگر وہ معصوم تھے تو اللہ تعالی نے یوں کیوں کہا: ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار خدا کے حضور عرض کیا تھا:

ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ایک دن۔ پھر سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا بلکہ دن کا بھی کچھ حصّہ۔

اللہ تعالی نے فرمایا: بَلۡ لَّبِثۡتَ مِائَةَ عَامٍ ''بلکہ تم ایک سو سال تک پڑے رہو''۔

اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جسے جلد خراب ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ خراب نہیں ہوا۔ وہ اس وقت بھی تروتازہ حالت میں ہے۔ اور اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کیسے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیے چڑھاتے ہیں۔

ارمیا علیہ السلام گدھے کی ترکیب جسمانی کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جب گدھے کا ڈھانچہ مکمل ہوگیا تو خدا کے حکم سے وہ زندہ ہوگیا۔

جب ارمیا علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اَعۡلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَىۡءٍ قَدِيۡرٌ ''اب میں جان گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔

۱۰۸۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ بتائیں کوئی ایسی اولاد بھی ہے جو باپ کی زندگی میں اس سے زیادہ سن رسیدہ ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وہ عزیر کی اولاد ہے۔ جب عزیر گدھے پر سوار ہو کر ایک تباہ حال قریہ کے پاس سے گزرا اور انھیں وہاں مُردے ہی مُردے نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ پروردگار! تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

خدا نے انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ وہ تو مرے پڑے رہے جب کہ ان کے بیٹے بڑے ہوتے رہے۔ جب سو سال کے بعد عزیر خوابِ مرگ سے بیدار ہوئے تو اس وقت ان کی عمر وہی تھی جو موت کے وقت تھی اور جب یہ اپنے گھر واپس گئے تو ان کی اولاد ان سے زیادہ سن رسیدہ ہو چکی تھی۔

عصمت انبیاء اور ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کا زندہ ہونا

۱۰۸۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: ''فرزندِ رسولؐ! آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاءؑ معصوم تھے مگر یہ بتائیں اگر وہ معصوم تھے تو اللہ تعالی نے یوں کیوں کہا: ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار خدا کے حضور عرض کیا تھا:

ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ایک دن۔ پھر سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا بلکہ دن کا بھی کچھ حصّہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ ''بلکہ تم ایک سو سال تک پڑے رہو''۔

اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جسے جلد خراب ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ خراب نہیں ہوا۔ وہ اس وقت بھی ترو تازہ حالت میں ہے۔ اور اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کیسے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیے چڑھاتے ہیں۔

ارمیا علیہ السلام گدھے کی ترکیب جسمانی کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جب گدھے کا ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو خدا کے حکم سے وہ زندہ ہو گیا۔

جب ارمیا علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ''اب میں جان گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔

۱۰۸۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ بتائیں کوئی ایسی اولاد بھی ہے جو باپ کی زندگی میں اس سے زیادہ سن رسیدہ ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وہ عزیر کی اولاد ہے۔ جب عزیر گدھے پر سوار ہو کر ایک تباہ حال قریہ کے پاس سے گزرا اور انھیں وہاں مُردے ہی مُردے نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ پروردگار! تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

خدا نے انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ وہ تو مرے پڑے رہے جب کہ ان کے بیٹے بڑے ہوتے رہے۔ جب سو سال کے بعد عزیر خوابِ مرگ سے بیدار ہوئے تو اس وقت ان کی عمر وہی تھی جو موت کے وقت تھی اور جب یہ اپنے گھر واپس گئے تو ان کی اولاد ان سے زیادہ سن رسیدہ ہو چکی تھی۔

عصمت انبیاء اور ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کا زندہ ہونا

۱۰۸۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: ''فرزندِ رسولؐ! آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاءؑ معصوم تھے مگر یہ بتائیں اگر وہ معصوم تھے تو اللہ تعالیٰ نے یوں کیوں کہا: ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار خدا کے حضور عرض کیا تھا:

ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ایک دن۔ پھر سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا بلکہ دن کا بھی کچھ حصّہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ ''بلکہ تم ایک سو سال تک پڑے رہو''۔

اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جسے جلد خراب ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ خراب نہیں ہوا۔ وہ اس وقت بھی تروتازہ حالت میں ہے۔ اور اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کیسے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیسے چڑھاتے ہیں۔

ارمیا علیہ السلام گدھے کی ترکیب جسمانی کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جب گدھے کا ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو خدا کے حکم سے وہ زندہ ہو گیا۔

جب ارمیا علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ''اب میں جان گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔

۱۰۸۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ بتائیں کوئی ایسی اولاد بھی ہے جو باپ کی زندگی میں اس سے زیادہ سن رسیدہ ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وہ عزیر کی اولاد ہے۔ جب عزیر گدھے پر سوار ہو کر ایک تباہ حال قریہ کے پاس سے گزرا اور انھیں وہاں مُردے ہی مُردے نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ پروردگار! تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

خدا نے انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ وہ تو مرے پڑے رہے جب کہ ان کے بیٹے بڑے ہوتے رہے۔ جب سو سال کے بعد عزیر خوابِ مرگ سے بیدار ہوئے تو اس وقت ان کی عمر وہی تھی جو موت کے وقت تھی اور جب یہ اپنے گھر واپس گئے تو ان کی اولاد ان سے زیادہ سن رسیدہ ہو چکی تھی۔

عصمت انبیاء اور ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کا زندہ ہونا

۱۰۸۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا: ''فرزندِ رسولؐ! آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاءؑ معصوم تھے مگر یہ بتائیں اگر وہ معصوم تھے تو اللہ تعالیٰ نے یوں کیوں کہا: ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار خدا کے حضور عرض کیا تھا:

ان سے پوچھا: تم کتنی دیر یہاں رہے ہو؟

انھوں نے کہا: ایک دن۔ پھر سورج کی طرف دیکھ کر فرمایا بلکہ دن کا بھی کچھ حصّہ۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: بَلْ لَّبِثْتَ مِائَةَ عَامٍ ''بلکہ تم ایک سو سال تک پڑے رہو''۔

اب اپنے کھانے اور پانی کو دیکھو جسے جلد خراب ہو جانا چاہیے تھا۔ وہ خراب نہیں ہوا۔ وہ اس وقت بھی تر و تازہ حالت میں ہے۔ اور اب ذرا اپنے گدھے کو دیکھو کہ ہم اس کی ہڈیوں کو کیسے جمع کرتے ہیں اور ان پر گوشت پوست کیسے چڑھاتے ہیں۔

ارمیا علیہ السلام گدھے کی ترکیب جسمانی کا عمل اپنی آنکھوں سے دیکھتے رہے۔ جب گدھے کا ڈھانچہ مکمل ہو گیا تو خدا کے حکم سے وہ زندہ ہو گیا۔

جب ارمیا علیہ السلام نے یہ منظر دیکھا تو پکار کر کہا: اَعْلَمُ اَنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ ''اب میں جان گیا کہ خدا ہر چیز پر قادر ہے''۔

۱۰۸۵- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ ابن کواء نے حضرت علی علیہ السلام سے کہا کہ یہ بتائیں کوئی ایسی اولاد بھی ہے جو باپ کی زندگی میں اس سے زیادہ سن رسیدہ ہو؟

امیر المومنین علیہ السلام نے فرمایا: وہ عزیر کی اولاد ہے۔ جب عزیر گدھے پر سوار ہو کر ایک تباہ حال قریہ کے پاس سے گزرا اور انھیں وہاں مُردے ہی مُردے نظر آئے تو انھوں نے کہا کہ پروردگار! تو انھیں کیسے زندہ کرے گا؟

خدا نے انھیں سو سال کے لیے موت دے دی۔ وہ تو مرے پڑے رہے جب کہ ان کے بیٹے بڑے ہوتے رہے۔ جب سو سال کے بعد عزیر خوابِ مرگ سے بیدار ہوئے تو اس وقت ان کی عمر وہی تھی جو موت کے وقت تھی اور جب یہ اپنے گھر واپس گئے تو ان کی اولاد ان سے زیادہ سن رسیدہ ہو چکی تھی۔

عصمت انبیاء اور ابراہیمؑ کے لیے چار پرندوں کا زندہ ہونا

۱۰۸۶- عیون الاخبار میں مرقوم ہے کہ ایک مرتبہ مامون الرشید عباسی نے امام علی رضا علیہ السلام سے کہا:

''فرزندِ رسولؐ! آپ یہ عقیدہ رکھتے ہیں کہ انبیاءؑ معصوم تھے مگر یہ بتائیں اگر وہ معصوم تھے تو اللہ تعالیٰ نے یہ کیوں کہا: ابراہیم علیہ السلام نے ایک بار خدا کے حضور عرض کیا تھا:

يَّشَآءُ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَلِاَنۡفُسِكُمۡ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡنَ اِلَّا ابۡتِغَآءَ وَجۡهِ اللّٰهِ ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ يُّوَفَّ اِلَيۡكُمۡ وَاَنۡتُمۡ لَا تُظۡلَمُوۡنَ ﴿۲۷۲﴾ لِلۡفُقَرَآءِ الَّذِيۡنَ اُحۡصِرُوۡا فِىۡ سَبِيۡلِ اللّٰهِ لَا يَسۡتَطِيۡعُوۡنَ ضَرۡبًا فِى الۡاَرۡضِ يَحۡسَبُهُمُ الۡجَاهِلُ اَغۡنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعۡرِفُهُمۡ بِسِيۡمٰهُمۡ ۚ لَا يَسۡـَٔلُوۡنَ النَّاسَ اِلۡحَافًا ؕ وَمَا تُنۡفِقُوۡا مِنۡ خَيۡرٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِيۡمٌ ﴿۲۷۳﴾ اَلَّذِيۡنَ يُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ بِالَّيۡلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمۡ اَجۡرُهُمۡ عِنۡدَ رَبِّهِمۡ ۚ وَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ﴿۲۷۴﴾

”وہ لوگ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں ان کی مثال ایسی ہے جیسے ایک دانہ بویا جائے اور اس سے سات بالیاں پیدا ہوں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں۔ خدا جس کے لیے چاہتا ہے دوگنا کر دیتا ہے اور اللہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی ہے۔ جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے اور اذیت بھی نہیں دیتے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔ ایک میٹھا بول اور کسی ناگوار بات پر ذرا سی چشم پوشی اس خیرات سے بہتر ہے جس کے پیچھے دُکھ ہو اور خدا بے نیاز اور بُردبار ہے۔ اے ایمان والو! اپنے صدقات کو احسان جتا کر اور دُکھ دے کر اس شخص کی طرح سے خاک میں نہ

ملاؤ جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے اور وہ نہ اللہ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت پر۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی چٹان پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی ہو جب اس پر زور کا مینہ برسے تو ساری مٹی بہہ جائے اور وہ صاف چٹان کی چٹان رہ جائے۔ یہ لوگ اپنی کمائی پر کوئی اختیار نہیں رکھتا اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں فرماتا۔ اور جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضاجوئی کے لیے دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال اس باغ کی سی ہے جو کسی بلندی پر واقع ہو اور زور کی بارش ہو جائے تو وہ باغ دوگنا پھل لائے اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اس کے لیے کافی ہو جائے۔ تم جو کچھ کر رہے ہو خدا اسے دیکھ رہا ہے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس ایک ہرا بھرا باغ ہو' نہروں سے سیراب' کھجوروں اور انگوروں اور ہر قسم کے پھلوں سے لدا ہوا' اور وہ عین اس وقت ایک تیز بگولے کی زد میں آ کر جھلس جائے جب کہ وہ خود بوڑھا ہو اور اس کے بچے کمزور ہوں۔

خدا اس طرح سے اپنی آیات کو واضح کر کے بیان کرتا ہے کہ شاید تم غور و فکر کرو۔

اے ایمان والو! جو مال تم نے کمائے ہیں اور جو کچھ ہم نے زمین سے تمھارے لیے نکالا ہے اس میں سے بہتر حصہ راہِ خدا میں خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ خدا کی راہ میں دینے کے لیے بُری سے بُری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو' حالانکہ اگر وہی چیز کوئی تمھیں دے تو تم اسے لینا گوارا نہ کرو گے۔ البتہ یہ الگ بات ہے کہ تم اغماض برت جاؤ اور جان لو کہ اللہ بے نیاز اور لائق حمد ہے۔ شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور تمھیں شرمناک طرزِ عمل اپنانے کی ترغیب دیتا ہے جب کہ خدا مغفرت اور فضل و احسان کا تم سے وعدہ کرتا ہے اور خدا بڑا فراخ دست اور دانا ہے۔ وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور

جس کو حکمت عطا کر دی جائے اسے خیر کثیر عطا کر دیا گیا۔ ان باتوں سے وہی لوگ سبق لیتے ہیں جو دانش مند ہیں۔ تم نے جو کچھ بھی خرچ کیا ہے اور جو بھی نذر مانی ہے اللہ کو اس کا علم ہے اور ظالموں کا کوئی مددگار نہیں ہے۔ اگر تم اپنے صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے اور اگر تم چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمھارے لئے زیادہ بہتر ہے اس طرزِ عمل سے تمھاری بہت سی برائیاں محو ہو جاتی ہیں اور اللہ کو تمھارے اعمال کی خبر ہے۔ اے نبی ان کے ہدایت پا جانے کی ذمہ داری آپ پر نہیں ہے بلکہ خدا جسے چاہتا ہے ہدایت دیتا ہے اور تم جو راہِ خدا میں خرچ کرو گے وہ تمھارے اپنے لیے ہی بھلا ہے اور تم تو صرف اللہ کی رضا کی تلاش میں دولت خرچ کر رہے ہو اور تم جو کچھ بھی خرچ کرو گے وہ تمھاری طرف پورا پورا لوٹا دیا جائے گا اور تمھاری ہرگز حق تلفی نہ کی جائے گی۔ خاص طور پر مدد کے مستحق وہ تنگ دست ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنی ذاتی کسبِ معاش کے لیے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ ان کی خودداری دیکھ کر ناواقف آدمی گمان کرتا ہے کہ یہ خوش حال ہیں۔ تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو۔ مگر وہ لوگ ایسے نہیں کہ لوگوں کے پیچھے مڑ کر کچھ مانگیں۔ ان کی اعانت میں جو کچھ مال تم خرچ کرو گے خدا سے خوب جانتا ہے۔ جو لوگ اپنے اموال شب و روز کھلے اور چھپ کر خرچ کرتے ہیں ان کے لیے ان کے پروردگار کے پاس اجر ہے اور ان پر نہ تو کوئی خوف ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

انفاق فی سبیل اللہ

مَثَلُ الَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنْۢبَتَتْ سَبْعَ سَنَابِلَ فِيْ كُلِّ سُنْۢبُلَةٍ

مِائَةُ حَبَّةٍ ؕ وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿۲۶۱﴾

(وہ لوگ جو اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں جیسے ایک دانا بویا جائے اور اس سے سات بالیاں پیدا ہوں اور ہر بالی میں سو دانے ہوں اور اللہ جس کے لیے چاہتا ہے دگنا کر دیتا ہے اور اللہ فراخ دست بھی ہے اور علیم بھی ہے)

جب بھی کوئی مومن اللہ کی راہ میں کچھ خرچ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اسے اس کے بدلے میں کم از کم دس نیکیاں عطا کرتا ہے اور نیکیوں کا سلسلہ صرف دس تک محدود نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کرنے والوں کے لیے یہ مثال بیان کی ہے کہ راہِ خدا میں ایک شخص کا صرف کردہ ایک درہم اس بیج کی مانند ہے جسے زمین میں بویا جائے اور اس سے پودا پیدا ہو اور ہر پودے پر سات بالیاں لگ جائیں اور ہر بالی میں ایک سو دانہ ہو۔ مقصد یہ ہے کہ اللہ بعض اوقات انفاق فی سبیل اللہ کے ایک درہم پر سات سو نیکیاں عطا کرتا ہے اور پھر اللہ نے اسے سات سو تک محدود بھی نہیں رکھا بلکہ یہ بشارت بھی دی ہے کہ وہ جس کے لیے چاہتا ہے اسے دگنا عطا کرتا ہے اور اس میں افزونی کر دیتا ہے یعنی ایک درہم کے عوض سات سو نیکیوں کی بجائے چودہ سو نیکیاں بھی عطا کرتا ہے۔

مشہور تابعی سعید بن جبیر کہتے ہیں کہ یہ ثواب ہر طرح کی اطاعت الٰہی کے لیے ہے جب کہ ابن عباس کا بیان ہے کہ یہ ثواب جہاد اور حج کے لیے خرچ کی گئی دولت کے لیے ہے۔ ایک شخص نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی خدمت میں ایک اُونٹنی پیش کی اور کہا کہ یہ اونٹنی اللہ کی راہ میں دے رہا ہوں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ اس کے بدلے تمھیں جنت میں سوار ہونے کے لیے سات سو اُونٹنیاں عطا کرے گا۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؐ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ ایک نیکی کے بدلے دس گنا عطا کرتا ہے اور کبھی سات سو گنا عطا کرتا ہے اور کبھی چودہ سو گنا عطا کرتا ہے مگر روزہ ایک ایسی عبادت ہے جس کے اجر کا کوئی حساب نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ روزہ میرے لیے ہے اور میں خود ہی اس کی جزا دوں گا اور روزہ دار کو دو خوشیاں نصیب ہوتی ہیں ایک خوشی افطار کے وقت نصیب ہوتی ہے اور دوسری خوشی اسے قیامت کے دن نصیب ہوگی اور روزہ دار کے منہ کی ناگوار بُو خدا کو کستوری کی خوشبو سے بھی زیادہ بھلی معلوم ہوتی ہے''۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو شخص راہِ خدا میں خرچ کرے تو اللہ تعالیٰ اسے سات سو گنا سے لے کر چودہ سو گنا تک اجر عطا کرے گا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے کہ جب انفاق فی سبیل اللہ کے ساتھ نماز، روزہ اور ذکر شامل ہو تو اس کا اجر چودہ سو گنا ہو جاتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے مروی ایک حدیث میں بیان کیا گیا کہ جو شخص جہاد کے لیے خود نہ جائے اور مالی امداد فراہم کرے تو اسے ہر درہم کے عوض سات سو گنا اجر دیا جاتا ہے اور اگر جہاد کے لیے رقم بھی دے اور خود بھی جہاد میں شرکت کرے تو اسے سات ہزار گنا اجر دیا جاتا ہے۔

روایات میں مذکور ہے کہ جب اس آیت مجیدہ کے ذریعے سے اللہ تعالیٰ نے انفاق فی سبیل اللہ کا اجر سات سو گنا سے چودہ سو گنا تک مقرر کیا تو اس وقت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہِ احدیت میں عرض کیا:

"خدایا! اس سے بھی اجر زیادہ فرما"۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ اَضْعَافًا كَثِیْرَةً "کوئی ہے جو خدا کو قرضِ حسنہ دے، خدا اسے کثیر گنا بنا کر اسے واپس کرے؟"

اس آیت سے اگرچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یقین ہو گیا کہ خدا جس کو کثیر کہہ دے تو اس کی کوئی حد نہیں ہوتی مگر آپ چاہتے تھے کہ اس سے بھی زیادہ واضح الفاظ میں قدرت کی زبان سے اجر بیان ہو اسی لیے آپؐ نے عرض کیا:

"خدایا! اجر میں اور اضافہ فرما"۔ اس وقت یہ آیت نازل ہوئی:

اِنَّمَا یُوَفَّى الصّٰبِرُوْنَ اَجْرَهُمْ بِغَیْرِ حِسَابٍ "صبر کرنے والوں کو ان کا اجر بغیر حساب کے دیا جائے گا"۔ (اضافہ من المترجم نقلاً عن کتب الحدیث)

علاوہ ازیں بعض کتب حدیث میں بطور تاویل باطنی ایک روایت یہ بھی مروی ہے۔

۱۱۰۲۔ تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ مفضل بن محمد جعفی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ وہ کون سا دانہ ہے، جس سے سات بالیاں نکلی ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: وہ دانہ حضرت فاطمہ زہراءؑ ہیں اور سات بالیوں سے ان کی نسل کے سات امام مراد ہیں جن کا آخر ان کا قائم ہوگا۔

میں نے عرض کیا تو حسنؑ مجتبیٰ بھی ان سات بالیوں میں شامل ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: حسنؑ امام معصوم ہیں۔ اللہ نے ان کی اطاعت کو فرض کیا ہے لیکن سات بالیوں میں وہ شامل نہیں۔

ہیں۔ان میں سے پہلی بالی امام حسین علیہ السلام اور آخری بالی قائم علیہ السلام ہیں۔

میں نے کہا کہ ہر بالی میں سو دانے کی کیا تاویل ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اسی خاندان کا ایک فرد کوفہ میں رہائش پذیر ہوگا اور اس کی صلب سے سو افراد پیدا ہوں گے۔

(عرض مترجم: یہ روایت از لحاظ سند و متن مضطرب ہے کیونکہ اگر امام حسین علیہ السلام سے قائم آل محمد تک ائمہ ہدیٰ کو شمار کیا جائے تو ان کی تعداد دس بنتی ہے سات کسی طور بھی نہیں بنتی اور پھر ہر بالی سے سو دانے پیدا ہونے کا جہاں تک تعلق ہے تو اس کے لیے بھی اس روایت میں کوئی خاص اشارہ موجود نہیں ہے اور جو ہے وہ بھی موہوم ہے)

۱۱۰۶- کتاب ثواب الاعمال میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''جب کوئی مومن بھلائی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے عمل کے بدلے میں اسے سات سوگنا سے لے کر چودہ سوگنا تک اجر عطا فرماتا ہے اور اسی چیز کو اللہ نے وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (اللہ جس کے لیے چاہتا ہے افزونی کر دیتا ہے) کے الفاظ سے بیان کیا ہے۔

۱۱۰۷- تفسیر علی بن ابراہیم میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

وَاللّٰهُ يُضٰعِفُ لِمَنْ يَّشَآءُ (اللہ جس کے لیے چاہتا ہے افزونی کر دیتا ہے) کی آیت مجیدہ اس شخص کے لیے ہے جو رضائے الٰہی کی جستجو میں اپنی دولت خرچ کرے۔

احسان جتلانے اور دکھ دینے سے نیکی برباد ہو جاتی ہے

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ لَا يُتْبِعُوْنَ مَآ اَنْفَقُوْا مَنًّا وَّلَآ اَذًى ۙ لَّهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ۝

(جو لوگ اپنے مال اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں اور خرچ کر کے پھر احسان نہیں جتاتے اور اذیت بھی نہیں دیتے ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے اور ان پر کوئی خوف نہیں اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے)

۱۱۰۸- کتاب الخصال میں حضرت علی علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے کہا: حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اے میری اُمت! یاد رکھو اللہ تعالیٰ نے تمھارے لیے چوبیس خصلتوں کو ناپسند کیا ہے اور تمھیں ان سے منع کیا ہے۔اللہ کو صدقہ دینے کے بعد احسان جتانا ناپسند ہے''۔

۱۱۰۹- حضرت ابوذر کہتے ہیں کہ جناب رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''تین قسم کے لوگوں سے اللہ کلام تک نہیں کرے گا:

۱-احسان جتانے والا شخص جب وہ کسی کو کچھ دے تو اس پر احسان جتائے۔

۲-اپنی تہ بند کو گھسیٹ کر چلنے والا۔

۳-جھوٹی قسمیں کھا کر اپنا سودا بیچنے والا''۔

۱۱۱۰- حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے میرے لیے چھ قسم کی عادات ناپسند کی ہیں اور انھیں میرے اوصیاء کے لیے بھی ناپسند کیا ہے:

۱- نماز میں اِدھر اُدھر ہاتھ مارتے رہنا۔ ۲- حالت روزہ میں جماع کرنا ۳- صدقہ کے بعد احسان جتانا۔ .... ''

۱۱۱۱- مجمع البیان میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؐ نے فرمایا:

''جب کوئی سائل سوال کرے تو اس کی صدا کو قطع نہ کرو اور جب وہ پوری صدا دے لے تو پھر جو کچھ دے سکتے ہو اسے اچھے طریقے سے دے دو یا پھر اسے مہذبانہ انداز سے رخصت کرو۔ سائل کو جھڑکا نہ کرو کیونکہ بعض اوقات تمھارے پاس تمھارے امتحان کے لیے وہ بھی سائل کا روپ دھار کر آجاتے ہیں جو نہ تو انسان ہوتے ہیں اور نہ ہی جن ہوتے ہیں۔ وہ صرف یہ دیکھنے کے لیے آتے ہیں کہ جو کچھ خدا نے تمھیں عطا کیا ہے کیا تم اس میں سے کچھ خرچ بھی کرتے ہو یا نہیں''۔

۱۱۱۲- رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''جو شخص اپنے مومن بھائی سے احسان کرے پھر اپنی کلام سے اسے اذیت دے یا اس پر احسان جتائے تو اللہ اس کے صدقہ کو ختم کر دیتا ہے''۔

۱۱۱۳- تفسیر عیاشی میں ہے کہ یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُبْطِلُوْا صَدَقٰتِكُمْ بِالْمَنِّ وَالْاَذٰی (اے اہل ایمان! احسان جتانے اور اذیت دینے سے اپنے صدقات کو ضائع نہ کرو) کی آیت مجیدہ کے متعلق امام محمد باقر علیہ السلام اور امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ یہ آیت مجیدہ حضرت علیؑ کے ایک دولت مند سیاسی حریف کے متعلق نازل ہوئی اور پھر

قاعدہ ''جری'' کے تحت اس کے رشتہ دار شامی حاکم اور اس کے پیروکاروں کو بھی مشتمل ہے''۔

۱۱۱۴- امام محمد باقر علیہ السلام سے مروی ایک روایت کا ماحصل یہ ہے کہ زمانہ پیغمبرؐ میں ایک دولت مند شخص جو کہ بعد میں حضرت علیؑ کا سیاسی حریف بھی بنا تھا' وہ کچھ رقم نبی اکرمؐ کی خدمت میں پیش کرتا تھا اور پھر وہ احسان جتایا کرتا تھا کہ میں نے فلاں موقع پر اتنی رقم خرچ کی تھی اور فلاں موقع پر اتنی رقم خرچ کی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس پر یہ آیت نازل فرمائی کہ اے اہلِ ایمان! احسان جتانے اور اذیت دینے سے اپنے صدقات ضائع نہ کرو۔

جذبہ ریا سے دی جانے والی خیرات قابلِ قبول نہیں ہے

۱۱۱۵- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ جذبہ ریا سے دی جانے والی خیرات قابلِ قبول نہیں ہے اور اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کسی چٹان پر کچھ مٹی جمع ہوگئی ہو اور اس پر بارش برسے تو چٹان سے ساری مٹی دھل جائے لہٰذا ریاکاری سے بچو۔

پھر آپؑ نے فرمایا: كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ کی آیت ہمارے دشمنوں کے متعلق نازل ہوئی۔

۱۱۱۶- تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ ریاکاری سے خرچ کرنے والوں کی مثال بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

كَالَّذِيْ يُنْفِقُ مَالَهٗ رِئَآءَ النَّاسِ وَلَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ۭ فَمَثَلُهٗ كَمَثَلِ صَفْوَانٍ عَلَيْهِ تُرَابٌ فَاَصَابَهٗ وَابِلٌ فَتَرَكَهٗ صَلْدًا ۭ لَا يَقْدِرُوْنَ عَلٰي شَيْءٍ مِّمَّا كَسَبُوْا ۭ وَاللّٰهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكٰفِرِيْنَ ۝

(اپنے خرچ کو اس شخص کی طرح سے باطل نہ کرو جو اپنا مال محض لوگوں کو دکھانے کے لیے خرچ کرتا ہے جب کہ اس کا ایمان نہ تو خدا پر ہے اور نہ ہی روزِ آخرت پر ہے۔ اس کے خرچ کی مثال ایسی ہے جیسے کسی چٹان پر مٹی کی تہہ جمی ہوئی ہو اور جب اس پر زور کا مینہ برسے تو ساری مٹی بہہ جائے اور صاف چٹان کی چٹان رہ جائے۔ یہ لوگ اپنی کمائی پر کوئی اختیار نہیں رکھتے اور اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا)

لہٰذا جو شخص کسی کو کچھ دینے کے بعد اس پر احسان جتائے تو اس کی نیکی بھی اس مٹی کی طرح سے زائل ہو جاتی ہے

جیسا کہ تیز بارش کی وجہ سے چٹان کی مٹی زائل ہو جاتی ہے۔
امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ میں کسی سے نیکی کرنا پسند کرتا ہوں اور احسان جتا کر اپنی نیکی کو برباد کرنا پسند نہیں کرتا۔

۱۱۱۷- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:
''جن اہلِ ایمان نے بھی رضائے الٰہی کی جستجو کے لیے اللہ کی راہ میں مال خرچ کیا ہے ان سب کے لیے اجرِ عظیم ہے اور ان کا سردار حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام ہے''۔

۱۱۱۸- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:
''اَلَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ (اور جو لوگ رضائے الٰہی کی جستجو کے لیے اپنے مال خرچ کرتے ہیں) کی آیت مجیدہ کے مظہرِ اتم حضرت علی بن ابی طالبؑ ہیں۔ پھر اللہ نے ان لوگوں کی نیکیوں کی بڑھوتری اور افزونی کو اس مثال سے واضح کیا ہے:

وَمَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَہُمُ ابۡتِغَآءَ مَرۡضَاتِ اللّٰہِ وَتَثۡبِیۡتًا مِّنۡ اَنۡفُسِہِمۡ کَمَثَلِ جَنَّۃٍۭ بِرَبۡوَۃٍ اَصَابَہَا وَابِلٌ فَاٰتَتۡ اُکُلَہَا ضِعۡفَیۡنِ ۚ فَاِنۡ لَّمۡ یُصِبۡہَا وَابِلٌ فَطَلٌّ ؕ وَاللّٰہُ بِمَا تَعۡمَلُوۡنَ بَصِیۡرٌ ﴿۲۶۵﴾

(اور جو لوگ اپنے مال محض اللہ کی رضاجوئی کے لیے دل کے پورے ثبات و قرار کے ساتھ خرچ کرتے ہیں ان کے خرچ کی مثال اس باغ کی سی ہے جو بلندی پر واقع ہو اور زور کی بارش ہو جائے تو وہ باغ دگنا پھل لائے اور اگر زور کی بارش نہ بھی ہو تو ایک ہلکی پھوار ہی اس کے لیے کافی ہو جائے اور خدا تمہارے اعمال کو دیکھ رہا ہے)

آپؑ نے فرمایا: ''وابل'' موسلا دھار بارش کو کہا جاتا ہے اور ''طل'' اس ہلکی سی شبنمی پھوار کو کہا جاتا ہے جو رات کے وقت درختوں اور نباتات پر گرے۔

۱۱۱۹- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:
''جو شخص اپنا مال خدا کی رضاجوئی کے لیے خرچ کرے تو خدا اسے کئی گنا زیادہ اجر دے گا اور جو خدا کی رضاجوئی کے لیے اپنا مال خرچ کر کے پھر احسان جتائے تو اس کی تمام نیکیاں تباہ ہو جائیں گے اور وہ ایک ایک نیکی کے لیے ترستا رہے گا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے احسان جتا کر صدقات برباد کرنے والوں کے لیے یہ تمثیل بیان کی ہے۔

اَيَوَدُّ اَحَدُكُمْ اَنْ تَكُوْنَ لَهٗ جَنَّةٌ مِّنْ نَّخِيْلٍ وَّاَعْنَابٍ تَجْرِيْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ لَهٗ فِيْهَا مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ ۙ وَاَصَابَهُ الْكِبَرُ وَلَهٗ ذُرِّيَّةٌ ضُعَفَآءُ ۚ فَاَصَابَهَآ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ فَاحْتَرَقَتْ ۗ كَذٰلِكَ يُبَيِّنُ اللّٰهُ لَكُمُ الْاٰيٰتِ لَعَلَّكُمْ تَتَفَكَّرُوْنَ ﴿۲۶۶﴾

(کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ اس کے پاس ہرا بھرا باغ ہو نہروں سے سیراب' کھجوروں' انگوروں اور ہر قسم کے پھلوں سے لدا ہوا' اور وہ عین اس وقت تیز بگولے کی زد میں آ کر جھلس جائے جب کہ وہ خود بوڑھا ہو اور اس کے بچے کمزور ہوں۔ خدا اس طرح سے اپنی آیات کو واضح کر کے بیان کرتا ہے کہ شاید تم غور وفکر کرو)

۱۱۲۰- تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ اِعْصَارٌ فِيْهِ نَارٌ سے ہوا کا بگولہ مراد ہے۔

اللہ کی راہ میں حلال اور عمدہ چیز خرچ کرو

۱۱۲۱- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"جب کھجوریں پک جاتیں اور ان کی زکوٰۃ کا وقت آ جاتا تو مدینہ کے کچھ لوگ ردی اور بے کار قسم کی کھجوریں زکوٰۃ میں دیا کرتے تھے اور عمدہ کھجوریں اپنے پاس رکھ لیتے تھے۔ اور کھجوروں کی ان اقسام کو "جعرور اور معافاراۃ" کہا جاتا تھا۔ اس کی گٹھلی موٹی ہوتی تھی اور کھانے کے لیے انتہائی کم حصہ ہوتا تھا۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے لوگوں سے فرمایا کہ اس طرح کی کھجوریں زکوٰۃ میں نہ دیا کرو اور ایسے ہی لوگوں کے متعلق یہ آیت نازل ہوئی:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ وَلَسْتُمْ بِاٰخِذِيْهِ اِلَّآ اَنْ تُغْمِضُوْا فِيْهِ ۗ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۲۶۷﴾

"اے ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور جو کچھ ہم نے تمھارے لیے زمین سے نکالا ہے اس میں سے بھی خرچ کرو۔ ایسا نہ ہو کہ خدا کی راہ میں دینے کے لیے بُری سے بُری چیز چھانٹنے کی کوشش کرنے لگو' حالانکہ اگر وہی چیز کوئی تمھیں دے تو تم اسے لینا گوارا نہ کرو گے البتہ یہ الگ بات ہے کہ تم چشم پوشی سے کام لو اور جان لو کہ اللہ بے نیاز اور لائق حمد ہے"۔

۱۱۲۲- امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''زمانہ جاہلیت میں لوگ حرام پیشوں سے دولت کماتے تھے اور جب انھوں نے اسلام قبول کیا تو انھوں نے ناجائز ذرائع سے جمع کردہ دولت میں سے کچھ حصہ راہِ خدا میں دینے کا ارادہ کیا تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس سے روک دیا اور فرمایا کہ اللہ کی راہ میں پاکیزہ رزق خرچ کرو۔ حرام دولت کو اللہ قبول نہیں کرتا''۔

۱۱۲۳- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے اس آیت مجیدہ کے شانِ نزول کے متعلق منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''رسولؐ خدا کے دور میں کچھ لوگ صدقۃ الفطر کے لیے ''جعرور'' اور ''معافاراۃ'' کھجوریں لے کر آئے اور وہ مدینہ کی ردی ترین کھجوریں تھیں جن کی گٹھلی موٹی تھی اور کھانے میں بھی انتہائی بدمزہ تھیں۔ رسولؐ خدا نے اپنے عامل سے فرمایا کہ ان کی ناقص کھجوروں کو علیحدہ رکھ دو تاکہ کھجوریں لانے والوں کو حیا آئے اور آئندہ اس طرح کی بیکار چیز نہ لے آئیں۔ اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی:

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠ وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ

(ایمان والو! اپنی پاکیزہ کمائی میں سے اللہ کی راہ میں خرچ کرو اور ہم نے تمھارے لیے جو کچھ زمین سے نکالا ہے اس میں سے بھی خرچ کرو اور خدا کی راہ میں دینے کے لیے بُری سے بُری چیز کا انتخاب مت کرو)

۱۱۲۴- مجمع البیان میں ہے کہ یہ آیت ان لوگوں کے متعلق نازل ہوئی جو بے کار کھجوریں لاکر صدقہ کی کھجوروں میں شامل کیا کرتے تھے۔ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ صدقات قبول کرتا ہے لیکن وہ اس صدقہ کو قبول کرتا ہے جو بہتر ہو''۔

۱۱۲۵- اصول کافی میں یونس بن داؤد کی زبانی منقول ہے اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ رسولؐ خدا کی اس حدیث کا مطلب بیان فرمائیں؟

اذا زنى الرجل فارقه روح الايمان

''جب کوئی شخص زنا کرتا ہے تو اس سے روح ایمان جدا ہو جاتی ہے''۔

آپؑ نے فرمایا: اس کی نظیر اس آیت میں بھی موجود ہے: وَلَا تَيَمَّمُوا الْخَبِيْثَ مِنْهُ تُنْفِقُوْنَ "خدا کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے بُری چیز کا انتخاب نہ کرو"۔

پھر آپؑ نے فرمایا: اس سے زیادہ وضاحت اس آیت میں کی گئی ہے: وَاَيَّدَهُمْ بِرُوْحٍ مِّنْهُ "اور خدا نے اپنی روح سے ان کی تائید فرمائی اور یہی روح ایمان زنا کے وقت جدا ہو جاتی ہے"۔

شیطان غربت سے ڈراتا ہے

۱۱۲۶- کتاب علل الشرائع میں ابوعبدالرحمٰن سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا:

مولا! بعض اوقات ایسا ہوتا ہے کہ میں غمگین ہو جاتا ہوں جب کہ میں تندرست ہوتا ہوں اور میرے گھر اور خاندان میں بھی ہر طرح کی خیریت ہوتی ہے اور بعض اوقات میں ویسے ہی بلا وجہ دل میں خوشی محسوس کرتا ہوں جب کہ اس خوشی کا مجھے کوئی سبب بھی معلوم نہیں ہوتا۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ہر شخص کے ساتھ شیطان اور ایک فرشتہ ہوتا ہے۔ جب فرشتہ دل کے قریب ہوتا ہے تو انسان کو خوشی محسوس ہونے لگتی ہے اور جب ابلیس دل کے قریب ہوتا ہے تو دل میں غم پیدا ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلشَّيْطٰنُ يَعِدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَاْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَآءِ ۚ وَاللّٰهُ يَعِدُكُمْ مَّغْفِرَةً مِّنْهُ وَفَضْلًا ۗ وَاللّٰهُ وَاسِعٌ عَلِيْمٌ ﴿٢٦٨﴾

(شیطان تمھیں مفلسی سے ڈراتا ہے اور تمھیں شرمناک طرزِ عمل اپنانے کی تلقین کرتا ہے جب کہ خدا تم سے مغفرت اور فضل و احسان کا وعدہ کرتا ہے۔ خدا بڑا فراخ دست اور داتا ہے)

۱۱۲۷- تفسیر علی بن ابراہیم میں ہے کہ انسان جب بھی خدا کی راہ میں کچھ خرچ کرنے کا ارادہ کرتا ہے تو شیطان اس کے دل میں وسوسہ ڈال کر کہتا ہے کہ خرچ نہ کر ورنہ مفلس ہو جائے گا۔ آج تو لوگوں کی مدد کر رہا ہے لیکن کل تیری مدد کون کرے گا۔ اگر اس وقت انسان شیطان کے وسوسہ کو ٹھکرا کر رضائے الٰہی کے لیے خرچ کرے تو وہ اللہ کی مغفرت اور فضل کا مستحق بن جاتا ہے۔

حکمت خیر کثیر ہے

۱۱۲۸- اصول کافی میں ہشام بن الحکم سے مروی ہے کہ مجھ سے امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

''ہشام! اللہ تعالیٰ نے اہلِ دانش کا اچھے الفاظ سے تذکرہ کیا اور انھیں حسین ترین خصلت سے نوازا ہے۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ۗ وَمَا يَذَّكَّرُ إِلَّا أُولُوا الْأَلْبَابِ ﴿٢٦٩﴾

(وہ جس کو چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جس کو حکمت عطا کردی جائے تو اسے خیر کثیر عطا کیا گیا ہے۔ان باتوں سے وہی لوگ سبق حاصل کرتے ہیں جو دانش مند ہیں۔)

۱۱۲۹- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

''وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا (جسے حکمت ملی اسے خیر کثیر ملا) اور حکمت کے بنیادی نکتے دو ہیں:

۱-اللہ کی اطاعت ۲-امام کی معرفت۔

۱۱۳۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے فرمایا ہے:

وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا ''جسے حکمت ملی اسے خیر کثیر ملا''۔ اور حکمت دو بنیادوں پر قائم ہے:

۱-امام کی معرفت ۲-ان گناہوں سے پرہیز کرنا' جن پر اللہ نے دوزخ کا وعدہ کیا ہے۔

۱۱۳۱- حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''قرآن کے عجائب کو شمار نہیں کیا جا سکتا اور اس کے غرائب کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔قرآن ہدایت کا چراغ اور حکمت کا مینار ہے''۔

۱۱۳۲- تفسیر علی بن ابراہیم میں اس آیت مجیدہ کے ضمن میں مرقوم ہے کہ امیر المومنینؑ اور ان کے بعد والے ائمہ کی معرفت خیر کثیر ہے۔

۱۱۳۳- حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''حکمت کی بنیاد خوفِ خدا ہے''۔

۱۱۳۴- تفسیر عیاشی میں سلیمان بن خالد سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا کا مطلب پوچھا۔

آپؑ نے فرمایا: حکمت معرفت اور دین کی سمجھ کا نام ہے۔ تم میں سے جسے دین کا فہم نصیب ہو جائے تو وہ حکیم ہے۔ ابلیس کسی فقیہ کی موت پر بہت زیادہ خوش ہوتا ہے۔

۱۱۳۵- محاسن برقی میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ حکمت کیا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس سے مراد اللہ کی اطاعت اور اسلام کی معرفت ہے۔

۱۱۳۶- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے مجھے قرآن عطا کیا ہے اور قرآن جیسی مجھے دوسری حکمت بھی عطا کی ہے اور جس گھر میں کچھ نہ کچھ حکمت نہ ہو تو وہ ویران ہو جاتا ہے۔ تم لوگ دین کی سمجھ حاصل کرو اور علم حاصل کرو اور جاہل بن کر نہ مرو''۔

۱۱۳۷- مصباح الشریعہ میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''حکمت ضیائے معرفت' میزان تقویٰ اور ثمرہ صداقت ہے۔ اور اگر میں یہ کہوں کہ اللہ تعالیٰ نے حکمت سے زیادہ باعظمت اور زیادہ قیمتی چیز بندوں میں تقسیم ہی نہیں کی اور حکمت ہی خدا کی طرف سے بہت بڑا انعام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا

''وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت ملی تو اسے خیر کثیر ملا''۔

اس آیت مجیدہ سے اللہ تعالیٰ نے یہ پیغام دیا ہے کہ میں حکمت کا تحفہ اسے عطا کرتا ہوں جسے اپنے لیے چُن لیتا ہوں اور جسے اپنے لیے مخصوص کر لیتا ہوں حکمت سراپا نجات ہے۔ حکمت کی صفت یہ ہے کہ امور کے آغاز میں ثبات ہوتا ہے اور اس کے انجام پر ٹھہراؤ ہوتا ہے۔ حکمت خدا کی طرف مخلوق کی ہدایت کرنے والی چیز ہے۔

۱۱۳۸- کتاب الخصال میں امام زین العابدین علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''حضرت خضر علیہ السلام جب حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جدا ہوئے تھے تو انھوں نے رخصت ہوتے وقت انھیں کچھ نصیحتیں کی تھیں اور ان کی آخری وصیت تھی:

راس الحکمة فخافة اللّٰه "حکمت کی بنیاد خدا کا خوف ہے"۔

۱۱۳۹- امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے فرمایا:

"دین کی سمجھ بوجھ کی علامات میں سے حلم اور خاموشی بھی ہے اور خاموشی حکمت کے دروازوں میں سے ایک دروازہ ہے۔ خاموشی محبت پیدا کرنے کا ذریعہ ہے اور وہ ہر بھلائی کی رہنما ہے"۔

۱۱۴۰- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک بار حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کہیں سفر پر جا رہے تھے کہ راستے میں چند افراد ان سے ملے اور انھوں نے السلام علیک یا رسول اللہ کہہ کر آپؐ کو سلام کیا۔ آپؐ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا: تم کون ہو؟

انھوں نے کہا: ہم مومن ہیں۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: تمھارے ایمان کی کیا حقیقت ہے؟

انھوں نے کہا کہ خدا کی قضا پر راضی رہنا، امرالٰہی کے سامنے سر تسلیم خم کرنا اور معاملات کو خدا کے سپرد کرنا یہ ہمارے ایمان کی حقیقت ہے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: یہ لوگ عالم ہیں، حکیم ہیں اور قریب ہے کہ حکمت کی وجہ سے انبیاء بن جائیں۔

پھر آپؐ نے ان سے فرمایا:

"اگر تم سچے ہو تو وہ عمارتیں کھڑی نہ کرو جہاں تم نے رہنا نہیں ہے اور اسے جمع نہ کرو جسے تم نے کھانا نہیں ہے اپنے اس رب سے ڈرتے رہو جس کی طرف تم نے پلٹ کر جانا ہے"۔

علانیہ اور مخفی صدقات

إِنْ تُبْدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِيَ ۚ وَإِنْ تُخْفُوهَا وَتُؤْتُوهَا الْفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ ۚ وَيُكَفِّرُ عَنْكُمْ مِّنْ سَيِّاٰتِكُمْ ۗ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُونَ خَبِيرٌ ۝

(اگر تم اپنے صدقات علانیہ دو تو یہ بھی اچھا ہے اور اگر تم چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمھارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ اس طرزِ عمل سے تمھاری بہت سی برائیاں محو ہو جاتی ہیں۔ اللہ کو تمھارے اعمال کی سب خبر ہے)

۱۱۴۱- الکافی میں ابوبصیر سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام کے سامنے اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ ... کی آیت پڑھی تو آپؑ نے فرمایا: اس آیت کا تعلق زکوٰۃ سے نہیں ہے۔ صلہ رحمی کا تعلق زکوٰۃ سے نہیں ہے۔

۱۱۴۲- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جن صدقات کے لیے اللہ نے فرمایا ہے کہ اگر تم انھیں چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمھارے لئے زیادہ بہتر ہے۔ ان صدقات کا تعلق زکوٰۃ سے نہیں ہے کیونکہ زکوٰۃ چھپا کر نہیں دی جاتی بلکہ علی الاعلان دی جاتی ہے''۔

۱۱۴۳- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''خدا نے تم پر جو بھی چیزیں واجب کی ہیں تو انھیں علانیہ بجا لانا چھپا کر بجالانے سے بہتر ہے اور جہاں تک غیر واجب عبادات کا تعلق ہے تو ان کا چھپانا ان کے اظہار سے بہتر ہے۔ اگر کوئی شخص اپنی واجب زکوٰۃ اپنے کندھے پر رکھ کر لوگوں کی موجودگی میں فقراء و مساکین میں تقسیم کرے تو اس کا یہ فعل اچھا اور بہتر ہوگا۔

۱۱۴۴- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

اِنۡ تُبۡدُوا الصَّدَقٰتِ فَنِعِمَّا هِیَ (اگر تم صدقات علانیہ دو تو یہ اچھا ہے) کے تحت واجب زکوٰۃ دینی چاہیے اور زکوٰۃ واجب کے علاوہ دیگر صدقات کے لیے وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ (اور اگر تم چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے) پر عمل کرنا چاہیے۔ انفاق فی سبیل اللہ کا اصول یہ ہے کہ فرائض کو علانیہ ادا کیا جائے اور نوافل کو چھپا کر ادا کیا جائے۔

۱۱۴۵- عمار ساباطی کہتے ہیں کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے مجھ سے کہا:

''عمار! خدا کی قسم مخفی صدقہ ظاہری صدقہ سے افضل ہے اور خدا کی قسم مخفی عبادت ظاہری عبادت سے افضل ہے''۔

۱۱۴۶- تفسیر عیاشی میں حلبی سے روایت ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے وَاِنۡ تُخۡفُوۡهَا وَتُؤۡتُوۡهَا الۡفُقَرَآءَ فَهُوَ خَيۡرٌ لَّكُمۡ (اور اگر تم انھیں چھپا کر حاجت مندوں کو دو تو یہ تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے) کی آیت مجیدہ کے متعلق پوچھا۔

آپؑ نے فرمایا: اس سے واجب زکوٰۃ مراد نہیں ہے کیونکہ واجب زکوٰۃ علانیہ ادا کی جاتی ہے، چھپا کر نہیں دی جاتی۔

۱۱۴۷- تفسیر علی بن ابراہیم میں امام موسیٰ کاظم علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

''فقراء'' حاجت مند افراد کا وہ طبقہ ہے جو لوگوں سے سوال نہیں کرتا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ صفت بیان کی ہے:

لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ لَا يَسْتَطِيْعُوْنَ ضَرْبًا فِي الْاَرْضِ ۡ يَحْسَبُهُمُ الْجَاهِلُ اَغْنِيَآءَ مِنَ التَّعَفُّفِ ۚ تَعْرِفُهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ۚ لَا يَسْـَٔلُوْنَ النَّاسَ اِلْحَافًا ؕ

(مدد کے خصوصی مستحق وہ تنگ دست ہیں جو اللہ کے کام میں ایسے گھر گئے ہیں کہ اپنے ذاتی کسب معاش کے لیے زمین میں کوئی دوڑ دھوپ نہیں کر سکتے۔ ان کی خودداری دیکھ کر ناواقف سمجھتا ہے کہ یہ خوش حال ہیں۔ تم ان کے چہروں سے ان کی اندرونی حالت پہچان سکتے ہو مگر وہ لوگ ایسے نہیں کہ لوگوں کے پیچھے پڑ کر کچھ مانگتے پھریں)

۱۱۴۸- مجمع البیان میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے کہ لِلْفُقَرَآءِ الَّذِيْنَ اُحْصِرُوْا کی آیت ''اصحاب صفہ'' کے متعلق نازل ہوئی تھی۔

۱۱۴۹- نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا فرمان ہے:

''اللہ کو یہ بات پسند ہے کہ وہ اپنی نعمت کا اثر اپنے بندے پر دیکھے۔ اللہ تعالیٰ خواہ مخواہ کی مسلط کردہ غربت کو پسند نہیں کرتا اور وہ اپنے بندوں میں سے بُردبار اور خوددار بندے کو پسند کرتا ہے اور منہ پھٹ اور لپٹ کر سوال کرنے والے سے نفرت کرتا ہے''۔

۱۱۵۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے تمھارے لیے تین چیزوں کو ناپسند کیا ہے۔

آپؑ سے پوچھا گیا کہ وہ کون سی چیزیں ہیں؟

آپؑ نے فرمایا: ۱- کثرت سوال اور بُردباری مال ۲- ماں کی نافرمانی ۳- بیٹیوں کو زندہ درگور کرنا۔

۱۱۵۱- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''ہاتھ تین طرح کے ہیں: ۱- اللہ کا ہاتھ اور وہ سب سے بلند وارفع ہے۔ ۲- عطا کرنے والے شخص کا ہاتھ اور وہ رتبہ میں خدا کے ہاتھ کے بعد ہے۔ ۳- سائل کا ہاتھ اور وہ روزِ قیامت تک پست رہے گا۔ جس کے پاس ضرورت کا رزق موجود ہو اور پھر بھی وہ سوال کرے تو وہ قیامت کے دن اس طرح سے آئے گا کہ اس کے چہرے پر گوشت نہیں ہوگا''۔

پوچھا گیا کہ ضرورت کے رزق کی کیا مقدار ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جس کے پاس پچاس درہم یا اس کے مساوی سونا موجود ہو تو اسے ہاتھ دراز نہیں کرنا چاہیے۔

کرم پیشہ شاہِ مرداں علیؑ

۱۱۵۲- تفسیر عیاشی میں ابی اسحاق سے منقول ہے' اس نے کہا کہ ایک مرتبہ حضرت علی علیہ السلام کے پاس کل چار درہم تھے۔ آپؑ نے ایک درہم خدا کے نام پر رات کو دیا اور ایک درہم خدا کے نام پر دن کو دیا اور ایک درہم علانیہ دیا اور ایک درہم چھپا کر دیا۔ جب رسولؐ خدا نے یہ سنا تو انھوں نے حضرت علیؑ سے فرمایا: ''تم نے ایسا کیوں کیا؟

آپؑ نے عرض کیا: میں نے خدا کا وعدہ پورا کرنے کے لیے ایسا کیا۔

اللہ تعالیٰ کو حضرت علیؑ کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اللہ تعالیٰ نے اسے قرآن مجید کی آیت بنا کر بھیج دیا اور فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً

(وہ لوگ جو اپنے مال رات اور دن کو خرچ کرتے ہیں چھپ کر اور علانیہ طور پر)

۱۱۵۳- الکافی میں ابو بصیر سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً (وہ لوگ جو اپنے اموال رات اور دن کو چھپ کر اور علانیہ خرچ کرتے ہیں) کے متعلق پوچھا تو آپؑ نے فرمایا: اس آیت کا تعلق زکوٰۃ واجبہ سے نہیں ہے۔

۱۱۵۴- حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

صدقة السر تطفئ غضب الرب تبارك وتعالٰی

''مخفی صدقہ رب کے غضب کو بجھا دیتا ہے''۔

۱۱۵۵- من لا یحضرہ الفقیہ میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؐ نے فرمایا:

اَلَّذِیْنَ یُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّیْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِیَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَیْهِمْ وَلَا هُمْ یَحْزَنُوْنَ ۝ (وہ لوگ جو اپنے مال رات اور دن کو چھپ کر اور علانیہ خرچ کرتے ہیں ان کا اجر ان کے رب کے پاس ہے ان پر کوئی خوف نہ ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے) کی آیت مجیدہ جہاد کی تیاری کے لیے خرچ ہونے والی رقم کے متعلق نازل ہوئی۔

مصنف کتاب کہتا ہے کہ روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام کے پاس چار درہم تھے۔ آپؑ نے

یک درہم دن کو دیا اور ایک رات کو دیا۔ ایک کو چھپا کر دیا اور ایک درہم علانیہ دیا جس پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل
زمائی لیکن یہاں پر یہ عمومی نکتہ ذہن نشین رہنا چاہیے کہ کسی بھی آیت کو صرف شانِ نزول سے محدود نہیں کیا جا سکتا۔ قاعدہ
"جری و مطابقت" کے تحت وہ آیت اس کردار کے حامل افراد پر بھی منطبق ہوتی ہے لہٰذا تفسیر عیاشی کی روایت اور من
لایحضرہ الفقیہ کی روایت میں کوئی تضاد نہیں ہے۔ پہلی روایت میں آیت کا شانِ نزول بیان کیا گیا ہے اور دوسری روایت
میں آیت کے انطباق کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ انتہیٰ

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ؕ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْۤا اِنَّمَا الْبَيْعُ مِثْلُ الرِّبٰوا ۘ وَ اَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَ حَرَّمَ الرِّبٰوا ؕ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَ اَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ وَ مَنْ عَادَ فَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ ﴿۲۷۵﴾ يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا وَ يُرْبِي الصَّدَقٰتِ ؕ وَ اللّٰهُ لَا يُحِبُّ كُلَّ كَفَّارٍ اَثِيْمٍ ﴿۲۷۶﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَ اٰتَوُا الزَّكٰوةَ لَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَ لَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۷﴾ يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰۤوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ﴿۲۷۸﴾ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ

رُءُوسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ﴿۲۷۹﴾ وَاِنْ كَانَ
ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ؕ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ
اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸۰﴾ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۗ
ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿۲۸۱﴾ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا تَدَايَنْتُمْ بِدَيْنٍ اِلٰۤى اَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوْهُ ؕ
وَلْيَكْتُبْ بَّيْنَكُمْ كَاتِبٌۢ بِالْعَدْلِ ۠ وَلَا يَاْبَ كَاتِبٌ اَنْ يَّكْتُبَ
كَمَا عَلَّمَهُ اللّٰهُ فَلْيَكْتُبْ ۚ وَلْيُمْلِلِ الَّذِيْ عَلَيْهِ الْحَقُّ وَلْيَتَّقِ
اللّٰهَ رَبَّهٗ وَلَا يَبْخَسْ مِنْهُ شَيْـًٔا ؕ فَاِنْ كَانَ الَّذِيْ عَلَيْهِ
الْحَقُّ سَفِيْهًا اَوْ ضَعِيْفًا اَوْ لَا يَسْتَطِيْعُ اَنْ يُّمِلَّ هُوَ فَلْيُمْلِلْ
وَلِيُّهٗ بِالْعَدْلِ ؕ وَاسْتَشْهِدُوْا شَهِيْدَيْنِ مِنْ رِّجَالِكُمْ ۚ فَاِنْ
لَّمْ يَكُوْنَا رَجُلَيْنِ فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ
الشُّهَدَآءِ اَنْ تَضِلَّ اِحْدٰىهُمَا فَتُذَكِّرَ اِحْدٰىهُمَا الْاُخْرٰى ؕ
وَلَا يَاْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا ؕ وَلَا تَسْـَٔمُوْۤا اَنْ تَكْتُبُوْهُ
صَغِيْرًا اَوْ كَبِيْرًا اِلٰۤى اَجَلِهٖ ؕ ذٰلِكُمْ اَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰهِ

وَاَقْوَمُ لِلشَّهَادَةِ وَاَدْنٰۤى اَلَّا تَرْتَابُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ تَكُوْنَ تِجَارَةً حَاضِرَةً تُدِيْرُوْنَهَا بَيْنَكُمْ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ اَلَّا تَكْتُبُوْهَا ؕ وَاَشْهِدُوْۤا اِذَا تَبَايَعْتُمْ ۪ وَلَا يُضَآرَّ كَاتِبٌ وَّلَا شَهِيْدٌ ؕ۬ وَاِنْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّهٗ فُسُوْقٌۢ بِكُمْ ؕ وَاتَّقُوا اللّٰهَ ؕ وَيُعَلِّمُكُمُ اللّٰهُ ؕ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۲﴾ وَاِنْ كُنْتُمْ عَلٰى سَفَرٍ وَّلَمْ تَجِدُوْا كَاتِبًا فَرِهٰنٌ مَّقْبُوْضَةٌ ؕ فَاِنْ اَمِنَ بَعْضُكُمْ بَعْضًا فَلْيُؤَدِّ الَّذِى اؤْتُمِنَ اَمَانَتَهٗ وَلْيَتَّقِ اللّٰهَ رَبَّهٗ ؕ وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ؕ وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ ؕ وَاللّٰهُ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۲۸۳﴾ لِلّٰهِ مَا فِى السَّمٰوٰتِ وَمَا فِى الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْۤ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَآءُ ؕ وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ﴿۲۸۴﴾

''جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس شخص کی طرح سے اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو اور اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں: ''تجارت بھی تو آخر سود ہی جیسی چیز ہے'' جب کہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود کو حرام کیا ہے۔ جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچے اور وہ آئندہ کے لیے سود خواری سے رک جائے تو وہ جو کچھ

وہ پہلے کھا چکا' سو کھا چکا' اس کا معاملہ اللہ کے حوالے ہے اور جو اس کے بعد اس حرکت کا اعادہ کرے وہ دوزخی ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔ اللہ سود کو برباد کرتا ہے اور صدقات میں اضافہ کر دیتا ہے۔ خدا کسی ناشکرے بدعمل انسان کو پسند نہیں کرتا۔ بے شک جو لوگ ایمان لے آئے اور نیک عمل کیے اور نماز قائم کی اور زکوٰۃ ادا کی ان کا اجر ان کے پروردگار کے یہاں محفوظ ہے' ان پر کوئی خوف نہیں ہے اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گے۔

ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور تمھارا جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی مومن ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ ہے اگر تم توبہ کر لو تو اصل مال تمھارا ہی رہے گا نہ تم کسی پر ظلم کرو گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے گا۔ اگر تمھارا مقروض تنگ دست ہو تو فراخی تک اسے مہلت دو اور اگر تم معاف کر دو تو تمھارے لیے زیادہ بہتر ہے بشرطیکہ تم اسے سمجھ سکو۔ اس دن کی ذلت اور رسوائی سے بچو جب تمھیں پلٹا کر اللہ کی بارگاہ میں پیش کیا جائے گا اور وہاں ہر شخص کو اس کی کمائی ہوئی نیکی یا بدی کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا اور کسی پر ظلم نہیں کیا جائے گا۔

ایمان والو! جب تم آپس میں مقررہ وقت کے لیے قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو۔ فریقین کے درمیان ایک شخص عدل پر مبنی قرض کی دستاویز لکھے۔ جسے اللہ نے لکھنے کی صلاحیت بخشی ہو تو اسے لکھنے سے انکار نہ کرنا چاہیے چنانچہ وہ لکھے' اور جس کے ذمہ حق آتا ہے (مقروض) وہ شخص دستاویز تحریر کرائے اور اسے اپنے رب سے ڈرنا چاہیے اور جتنا بھی قرض ہے اس میں کوئی کمی نہ کرے۔ لیکن اگر مقروض نادان یا ضعیف ہو تو اِملا نہ کرا سکتا ہو تو اس کا ولی انصاف کے ساتھ املاء کرائے۔ پھر اپنے دو مردوں کو

اس دستاویز کا گواہ بناؤ اور اگر دو مرد نہ ہوں تو ایک مرد اور دو عورتیں ہونی چاہئیں تا کہ ایک بھول جائے تو دوسری اسے یاد دلا دے۔ یہ گواہ ایسے لوگوں میں سے ہونے چاہئیں جن کی گواہی تمھارے درمیان مقبول ہو اور جب گواہوں کی گواہی کے لیے طلب کیا جائے تو انھیں انکار نہیں کرنا چاہیے۔ معاملہ خواہ چھوٹا ہو یا بڑا' میعاد کی تعیّن کے ساتھ ساتھ اس کی دستاویز لکھوا لینے میں سُستی نہ کیا کرو۔ اللہ کے ہاں یہ طریقہ زیادہ انصاف پر مبنی ہے اور اس سے شہادت قائم ہونے میں زیادہ سہولت رہتی ہے اور تمھارے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کا امکان کم رہ جاتا ہے۔ ہاں جو تجارتی لین دین دست بدست تم لوگ آپس میں کرتے ہو۔ اگر اس کو نہ لکھا جائے تو کوئی حرج نہیں ہے مگر تجارتی معاملات طے کرتے وقت گواہ کر لیا کرو۔ کاتب اور گواہ کو ستایا نہ جائے اور اگر ایسا کرو گے تو تم گناہ کا ارتکاب کرو گے اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ وہ تمھیں صحیح طریق عمل کی تعلیم دیتا ہے اور اللہ کو ہر چیز کا علم ہے۔ اور اگر تم سفر میں ہو اور تمھیں کوئی کاتب نہ ملے تو رہن بالقبض پر معاملہ کر لو۔ اگر تم میں سے کوئی شخص دوسرے پر بھروسہ کر کے اس کے ساتھ کوئی معاملہ کرے تو جس پر بھروسہ کیا گیا ہے اسے چاہیے کہ امانت ادا کرے اور اللہ یعنی اپنے رب سے ڈرتا رہے اور شہادت ہرگز نہ چھپاؤ جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہ میں آلودہ ہے اور اللہ کو تمھارے تمام اعمال کا علم ہے۔

آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ سب خدا کی ملکیت ہے۔ تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے ان کا حساب لے گا۔ پھر اسے اختیار ہے جسے چاہے معاف کر دے اور جسے چاہے عذاب دے۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے"۔

سود اور سود خواروں کو تنبیہ

اَلَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا یَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا یَقُوْمُ الَّذِیْ یَتَخَبَّطُهُ الشَّیْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ

(جو لوگ سود کھاتے ہیں وہ اس شخص کی طرح سے اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو)

۱۱۵۶- من لا یحضرہ الفقیہ میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؐ نے فرمایا:

''جب مجھے آسمان کی سیر کرائی گئی تو مجھے وہاں کچھ ایسے افراد دکھائی دیئے جن کے پیٹ اتنے بڑے تھے کہ وہ اٹھ کر کھڑے ہونا چاہتے تھے لیکن پیٹ کی وجہ سے اٹھ نہیں سکتے تھے۔ میں نے جبریل امینؑ سے کہا: یہ کون لوگ ہیں؟ انھوں نے کہا کہ یہ سود کھانے والے لوگ ہیں۔ یہ اس شخص کی طرح سے اٹھیں گے جسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو''۔

۱۱۵۷- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''سود خوار اس وقت تک دنیا سے رخصت نہ ہوگا جب تک شیطان اسے چھو کر باؤلا نہ کر دے''۔

۱۱۵۸- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ سود صرف ان اشیاء میں ہے جن کا وزن کیا جاتا ہے یا جنھیں ناپا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَیْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا

(جب کہ اللہ نے تجارت کو حلال کیا ہے اور سود خواری کو حرام کیا ہے؟)

سود کیوں حرام ہے؟

۱۱۵۹- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام کا ایک خط نقل کیا گیا ہے جسے آپؑ نے محمد بن سنان کے سائل کے جواب میں تحریر کیا تھا اور اس خط میں آپؑ نے کچھ شرعی امور کے علل و اسباب تحریر کیے تھے اس خط میں سود کی حُرمت کے متعلق آپؑ نے لکھا:

سود کی حرمت کی وجہ یہ کہ اس سے اموال کا ضیاع لازم آتا ہے کیونکہ جب کوئی شخص ایک درہم کو دو درہموں کے

وہ خریدے گا تو درہم کے بدلے ایک درہم تو صحیح ہوگا جب کہ دوسرا درہم باطل ہوگا۔ اسی لیے سودی خرید و فروخت ہر لحاظ سے خریدار اور بیچنے والے کے لیے نقصان کا سبب ہے۔

دینے والے کے لیے دنیاوی خسارہ کا سبب ہے اور سود لینے والے کے لیے اخروی خسارہ کا سبب ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اموال کے ضیاع کو بچانے کے لیے سود سے منع کیا اور اموال کے تحفظ کے لیے اللہ نے ''سفیہ'' کو بھی اس کا مال سپرد کرنے سے منع کیا ہے کیونکہ اگر ''سفیہ'' کو مال دے دیا جائے تو وہ اپنے مال کو تباہ و برباد کر بیٹھے گا۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے کہ سفیہ کو مال اسی وقت واپس کرو جب تمھیں اس میں عقل و شعور دکھائی دے۔

چنانچہ اموال کے تحفظ اور ان کو ضیاع سے بچانے کے لیے خدا نے سود کو حرام قرار دیا اور ایک درہم کو دست بدست سودے میں دو درہموں کے بدلے میں فروخت کو ناجائز قرار دیا۔ اور خدا کی طرف سے سود کی واضح حرمت کے اعلان کے بعد اگر کوئی سود خواری پر اصرار کرتا ہے تو وہ حکمِ خداوندی کو حقیر سمجھتا ہے اور حکم خداوندی حقیر سمجھنے والا کفر میں داخل ہو جاتا ہے۔

علاوہ ازیں سود کی حرمت کی ایک اور وجہ یہ بھی ہے کہ اس سے معاشرے میں رحم دلی اور باہمی تعاون کا جذبہ ختم ہوتا ہے اور لوگوں کے اموال تلف ہوتے ہیں جس معاشرے میں سود رائج ہوگا وہاں کے لوگ زراندوزی کے ضبط میں مبتلا ہو جائیں گے اور لوگ ایک دوسرے کو قرضِ حسنہ دینا چھوڑ دیں گے اور ایک دوسرے کی مالی امداد ترک کر دیں گے۔ الغرض سود فساد، ظلم اور اموال کی تباہی کا ذریعہ ہے۔

۱۱۶۰- الکافی میں عیسیٰ بن سماعہ سے منقول ہے کہ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا: اللہ تعالیٰ نے ایک سے زائد آیات میں سود کی حُرمت کا اعلان کیا ہے۔ آخر اس کی حرمت پر اتنا زیادہ زور دینے کی خدا کو کیا ضرورت تھی؟

آپؑ نے فرمایا: اللہ نے سود کی حرمت پر اس لیے زور دیا تاکہ معاشرہ میں باہمی تعاون قائم رہے۔

۱۱۶۱- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: اللہ نے سود کو اس لیے حرام کیا تاکہ لوگ باہمی تعاون کو کہیں خیر باد نہ کہہ دیں۔

۱۱۶۲- تفسیر عیاشی میں ہے کہ ایک شخص سودی کاروبار کرتا تھا اور اس کاروبار کی وجہ سے وہ بے حد مالدار بن گیا۔ پھر اس نے سوچا کہ میں خدا کے حضور توبہ کروں۔ چنانچہ اس نے فقہاء سے رجوع کیا تو تمام فقہاء نے کہا کہ تم نے آج تک جتنا سود لیا ہے پہلے وہ واپس کرو اس کے بغیر تمھاری توبہ قبول نہیں ہے۔

پھر وہ شخص امام محمد باقر علیہ السلام کی خدمت میں پیش ہوا اور اس نے یہ مسئلہ آپؑ کے سامنے پیش کیا۔ آپؑ نے اس سے فرمایا:

''تیرے لیے اللہ کی کتاب میں رہنمائی موجود ہے۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ فَانْتَهٰى فَلَهٗ مَا سَلَفَ ؕ وَاَمْرُهٗۤ اِلَى اللّٰهِ ؕ

(جس شخص کو اس کے رب کی طرف سے نصیحت پہنچے اور وہ سود سے باز آ جائے تو وہ جو پہلے سود کھا چکا' سو کھا چکا)

موعظہ سے مراد توبہ ہے۔ (لہٰذا تم توبہ کرو اور آئندہ زندگی میں کبھی سود نہ کھانا اور جو کھا چکا ہے اس کے واپس کرنے کی خاص ضرورت نہیں ہے)

۱۱۶۳- اصول کافی میں صادقین علیہما السلام میں سے ایک بزرگوار سے منقول ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت مجیدہ فَمَنْ جَآءَهٗ مَوْعِظَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ...... میں لفظ ''موعظہ'' سے توبہ مراد ہے۔

۱۱۶۴- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''جن لوگوں نے ناواقفیت کی وجہ سے سود کھایا ہو اگر وہ سچی توبہ کرلیں تو ان کی توبہ قابلِ قبول ہے۔ اور اگر کوئی شخص بہت سی دولت اکٹھی کرلے اور اس دولت کا بڑا حصہ سود پر مشتمل ہو لیکن اسے معلوم نہ ہو پھر جب اسے معلوم ہو جائے تو وہ اس کاروبار کو ہی ختم کرنا چاہے تو جتنا سود وہ لے چکا ہے سو لے چکا ہے آئندہ کے لیے سود سے مکمل پرہیز کرے''۔

۱۱۶۵- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے سابقہ سود سے درگزر کیا تھا اور آئندہ کے لیے سود خوری کو حرام قرار دیا تھا۔ لہٰذا جو مسئلہ سے ناواقف ہو تو اس کی جہالت اس کے لیے عذر کا کام دے گی اور جب اسے معلوم ہو جائے کہ سود خوری حرام ہے تو وہ سود کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دے اور اگر وہ جاننے کے بعد بھی سودی کاروبار کرے تو اس پر وہی تعزیر نافذ کی جائے گی جو دوسرے سود خوروں پر نافذ ہوتی ہے''۔

۱۱۶۶- ابوالربیع شامی کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا اگر کسی شخص نے مسئلہ سے ناواقفیت کی وجہ سود کھایا ہو تو اسے کیا کرنا چاہیے؟

آپؑ نے فرمایا: جیسے ہی اسے حرمت کا پتہ چلے تو سود کھانا بند کردے اور جو گزر چکا وہ گزر چکا۔

وَمَنْ عَادَ فَأُولٰٓئِكَ أَصْحٰبُ النَّارِ ۚ هُمْ فِيهَا خٰلِدُونَ ۝

(اور جو کوئی دوبارہ سود کھانے لگ جائے تو ایسے افراد دوزخی ہیں اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے)

۱۱۶۷- الکافی میں ہشام بن سالم سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے عرض کیا:

"ایک شخص کو سود کی حرمت کا علم نہیں ہے اور وہ اسے حلال سمجھ کر کھاتا ہے تو اس کا کیا حکم ہے؟"

آپؑ نے فرمایا:

"اسے کوئی نقصان نہیں پہنچے گا البتہ جب اسے معلوم ہو جائے کہ سود حرام ہے اور جاننے کے بعد پھر وہ سود کھائے تو وہ دوزخی بن جائے گا جہاں وہ ہمیشہ رہے گا"۔

۱۱۶۸- عیون الاخبار میں امام علی رضا علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"جو شخص خدا کے واضح فرمان کے بعد بھی سود سے باز نہ آیا تو ایسا شخص دراصل خدا کے فرمان کی توہین کا مرتکب ہے اور فرمانِ خدا کو حقیر سمجھنے سے انسان کفر میں داخل ہو جاتا ہے"۔

سود بربادی کا ذریعہ اور صدقات رزق میں اضافہ کا ذریعہ ہیں

۱۱۶۹- من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے کہا:

مولا! اللہ تعالیٰ نے تو قرآن میں فرمایا ہے: يَمْحَقُ اللّٰهُ الرِّبٰوا (اللہ سود کو برباد کر دیتا ہے) لیکن میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ سود خوروں کے پاس دولت کی ریل پیل ہے!!

امام علیہ السلام نے فرمایا:

"بھلا اس سے بڑھ کر بربادی اور کیا ہو سکتی ہے کہ کسی انسان کے پاس چند درہم تو موجود ہوں لیکن دین سے تہی دامن ہو اور اگر سود خور توبہ کر لے تو اس کی دولت چلی جاتی ہے اور وہ مفلسی میں مبتلا ہو جاتا ہے"۔

۱۱۷۰- امالی صدوق میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

"جو شخص ماہ شعبان میں صدقہ دے تو اللہ اس کے صدقہ کو اس طرح سے پروان چڑھاتا ہے جیسا کہ تم لوگ اونٹنی کے بچے کو خوراک دے کر پروان چڑھاتے ہو اور جب قیامت کا دن ہوگا تو اس کے ہاتھ کا دیا ہوا صدقہ احد کے پہاڑ جتنا بڑا ہوگا"۔

۱۱۷۱- مجمع البیان میں حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؐ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ صدقات قبول کرتا ہے اور وہ پاکیزہ رزق کے علاوہ اور رزق میں سے دیا ہوا صدقہ قبول نہیں کرتا اور خدا صدقہ کو اس طرح سے پروان چڑھاتا ہے جیسا کہ تم اپنے گھوڑے کے بچھیرے اور ناقہ کے بچے کو پروان چڑھاتے ہو۔ اور خدا صدقہ کو اتنا پروان چڑھائے گا یہاں تک کہ ایک لقمہ احد کے پہاڑ کے برابر ہو جائے گا''۔

۱۱۷۲- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے کہا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''جتنی بھی اشیاء ہیں میں نے ان کے لیے پکڑنے والے مقرر کیے ہیں مگر صدقہ ان سے جداگانہ چیز ہے۔ میں خود اپنے ہاتھ سے تیزی سے صدقہ کو پکڑتا ہوں یہاں تک کہ ایک مرد یا ایک عورت ایک کھجور یا کھجور کے دانے کا کچھ حصہ بھی صدقہ میں دیتا ہے تو میں اس کو یوں پروان چڑھاتا ہوں جیسا کہ لوگ گھوڑے کے بچھیرے اور اُونٹ کے بچے کو پروان چڑھاتے ہیں اور جب صدقہ دینے والا قیامت کے دن اپنے صدقہ کو دیکھے گا تو وہ جبل احد بلکہ اس سے بھی کہیں بڑا دکھائی دے گا''۔

۱۱۷۳- امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے:

''میں ہر چیز کا خالق ہوں۔ میں نے تمام چیزیں دوسروں کے سپرد کر دی ہیں مگر صدقہ میرے اپنے ہاتھ میں ہے۔

۱۱۷۴- حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''ہر چیز کے لیے اللہ نے کوئی نہ کوئی فرشتہ مقرر کیا ہے مگر اللہ نے صدقہ پر کسی فرشتہ کو مقرر نہیں کیا۔ اللہ تعالیٰ صدقہ خود اپنے ہاتھ سے لیتا ہے اور اس کو یوں پروان چڑھاتا ہے جیسا کہ تم اپنی اولاد کو پروان چڑھاتے ہو۔ جب انسان قیامت کے دن اپنے صدقہ کو دیکھے گا تو وہ احد کے پہاڑ کے برابر دکھائی دے گا''۔

سود کو چھوڑنا شرطِ ایمان ہے

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝

(ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور تمہارا جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی مومن ہو)

۱۱۷۵- تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ جب اللہ تعالیٰ نے سود خوروں کی مذمت میں یہ آیت نازل فرمائی:

اَلَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ الرِّبٰوا لَا يَقُوْمُوْنَ اِلَّا كَمَا يَقُوْمُ الَّذِيْ يَتَخَبَّطُهُ الشَّيْطٰنُ مِنَ الْمَسِّ ...... (وہ لوگ جو سود کھاتے ہیں''

اس شخص کی طرح اٹھیں گے، جیسے شیطان نے چھو کر باؤلا کر دیا ہو) تو اس وقت خالد بن ولید نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے عرض کیا:

یارسولؐ اللہ! میرے باپ نے بنی ثقیف کے افراد کو سود پر رقم دی تھی اور اس نے اپنی موت کے وقت مجھے وصیت کی تھی کہ میں ان سے سود وصول کروں۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائیں:

یَاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ذَرُوْا مَا بَقِیَ مِنَ الرِّبٰوا اِنْ کُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ ۚ وَ اِنْ تُبْتُمْ فَلَکُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِکُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَ لَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَ اِنْ کَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰی مَیْسَرَةٍ ؕ وَ اَنْ تَصَدَّقُوْا خَیْرٌ لَّکُمْ اِنْ کُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَ اتَّقُوْا یَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِیْهِ اِلَی اللّٰهِ ۟ ثُمَّ تُوَفّٰی کُلُّ نَفْسٍ مَّا کَسَبَتْ وَ هُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ۝

(ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور تمھارا جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی مومن ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور اگر تم توبہ کرلو تو اصل مال تمھارا ہی رہے گا۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے گا)

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

”جو سود لے اس کا قتل کرنا واجب ہو جاتا ہے اور جو سود دے اس کو بھی قتل کرنا واجب ہو جاتا ہے۔ (یعنی دونوں واجب القتل ہیں)

۱۱۷۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

”سود کا ایک درہم لینا خدا کی نظر میں ایسے ستر زنا سے بھی زیادہ جرم ہے جو کسی نے اپنی محرم عورتوں کے ساتھ بیت اللہ میں کیا ہو“۔

آپؑ نے فرمایا:

”سود کے جرم کے ستر حصے ہیں اور اس کا کم ترین حصے کا اتنا جرم ہے جتنا کہ کسی شخص نے بیت اللہ میں بیٹھ کر اپنی

ماں سے زنا کیا ہو"۔

۱۱۷۷- تفسیر عیاشی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا:

"توبہ گناہوں کی کثافت کو پاک کر دیتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے بھی سود خوروں کو توبہ کا موقع دیا ہے جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے:

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَذَرُوْا مَا بَقِيَ مِنَ الرِّبٰوٓا اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِيْنَ ۝ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاْذَنُوْا بِحَرْبٍ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ۚ وَاِنْ تُبْتُمْ فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝ وَاتَّقُوْا يَوْمًا تُرْجَعُوْنَ فِيْهِ اِلَى اللّٰهِ ۟ ثُمَّ تُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا كَسَبَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ۝

(ایمان والو! اللہ سے ڈرتے رہو اور تمھارا جو سود باقی رہ گیا ہے اسے چھوڑ دو اگر تم واقعی مومن ہو۔ اگر تم نے ایسا نہ کیا تو آگاہ ہو جاؤ کہ اللہ اور اس کے رسولؐ کی طرف سے تمھارے خلاف اعلانِ جنگ ہے اور اگر تم توبہ کر لو تو اصل مال تمھارا ہی رہے گا۔ نہ تم کسی پر ظلم کرو گے اور نہ تم پر کوئی ظلم کیا جائے گا)

اور جو شخص خدا کے فرمان کے تحت توبہ نہ کرے اور خدا کے فرمان کی حکم عدولی کرے تو اللہ اس پر ناراض ہوگا اور وہ دوزخ کا حق دار بن جائے گا۔

۱۱۷۸- الکافی میں حلبی سے منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام سے کسی نے پوچھا:

"ایک شخص نے کسی سے ایک مقررہ مدت کے لیے قرض لیا۔ اس کا قرض خواہ اس کے پاس آیا اور اس نے کہا: تم مجھے اتنی رقم لوٹا دو باقی رقم میں تمھیں معاف کرتا ہوں یا اس نے کہا: تم فی الحال کچھ رقم مجھے واپس کر دو اور باقی رقم کے لیے میں قرض کی میعاد میں توسیع کر دیتا ہوں۔ تو کیا ایسا کرنا جائز ہے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا: اگر وہ اصل زر میں اضافہ نہ کرے تو مجھے اس میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: فَلَكُمْ رُءُوْسُ اَمْوَالِكُمْ ۚ لَا تَظْلِمُوْنَ وَلَا تُظْلَمُوْنَ ۝ "اصل زر تمھاری ہی ملکیت ہے نہ تم کسی پر ظلم کرو گے اور نہ ہی تم پر ظلم کیا جائے گا"۔

من لایحضرہ الفقیہ میں بھی یہ روایت انہی الفاظ سے مروی ہے۔

۱۱۷۹- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''اگر کسی شخص کو باپ سے ورثہ ملے اور اسے معلوم ہو کہ اس میں سود کی آمیزش بھی ہے لیکن سود مال حلال سے اس طرح مخلوط ہو چکا ہو کہ اس کا جدا کرنا ممکن نہ ہو تو وہ اسے حلال اور پاکیزہ سمجھ کر کھا سکتا ہے۔ اور اگر معلوم ہو کہ اس مال میں سود کی ملاوٹ اتنی مقدار میں ہے تو پھر اصل زر اپنے پاس رکھ لے اور سود واپس کر دے''۔

۱۱۸۰- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک شخص میرے والد علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے کہا:

''مجھے کچھ مال وراثت میں ملا ہے جب کہ مجھے یہ بھی علم ہے کہ جس کی میراث مجھ تک پہنچی ہے وہ سود لیا کرتا تھا اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ جو مال مجھے ملا ہے اس میں حرام کی آمیزش موجود ہے اور مجھے یہ بات نہ صرف معلوم ہے بلکہ مجھے اس کا یقین بھی ہے اور سود کی آمیزش کی وجہ سے میرے لیے اس مال کا کھانا حلال نہیں ہے۔ میں نے عراق و حجاز کے فقہاء سے بھی یہ مسئلہ پوچھا ہے انھوں نے یہی کہا ہے کہ یہ مال تیرے لیے حلال نہیں ہے۔

میرے والد امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

''اگر تجھے سود کی مقدار معلوم ہے اور جن لوگوں سے سود لیا گیا ہے اگر تجھے ان کا علم ہے تو پھر اصل زر اپنے پاس رکھ اور سود کی رقم لوگوں کو واپس کر دے اور اگر حلال و حرام آپس میں مخلوط ہو چکا ہے تو اسے خوشگوار سمجھ کر خود ہی کھا لے۔ اب وہ مال تیرا مال ہے اور جو کچھ اس کا اصل مالک کرتا تھا تو اس سے پرہیز کر''۔

تنگ دست مقروض کو مہلت دینی چاہیے

۱۱۸۱- امام جعفر صادق علیہ السلام نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے بیان کیا کہ ایک مرتبہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور آپ نے خدا کی حمد و ثنا کی اور انبیاء پر درود و سلام بھیجنے کے بعد فرمایا:

''لوگو! حاضر کو چاہیے کہ وہ غائب تک میرا یہ پیغام پہنچا دے۔ آگاہ رہو جو کوئی کسی تنگدست کو مہلت دے تو ہر دن اسے اس مال کی مقدار میں صدقہ کا ثواب دیا جائے گا''۔

پھر امام جعفر صادق علیہ السلام نے قرآن کریم کی یہ آیت پڑھی:

وَاِنْ كَانَ ذُوْ عُسْرَةٍ فَنَظِرَةٌ اِلٰى مَيْسَرَةٍ ۭ وَاَنْ تَصَدَّقُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ۝

(اور اگر مقروض تنگ دست ہو تو پھر فراخی تک اسے مہلت دو اور اگر معاف کر دو تو یہ تمھارے لیے

زیادہ بہتر ہے اگر تم علم رکھتے ہو)

۱۱۸۲- اہلِ جزیرہ کے ایک شخص سے جس کی کنیت ابومحمد تھی' روایت ہے۔ اس نے کہا کہ میں امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نے ان سے پوچھا:

''مولاؑ! اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ مقروض کو فراخی تک مہلت دو۔ تو کیا اس مہلت کی کوئی مدت بھی ہے۔ آخر اسے کتنے عرصہ کے لیے مہلت دی جائے جب کہ مقروض اپنے مسلمان بھائی کا مال لے کر کھا گیا ہے اور اپنے بچوں کو بھی کھلا چکا ہے اور حالت یہ ہے کہ مقروض بیمار نہیں ہے کہ اس کی شفایابی تک اسے مہلت دی جائے اور اس کا کہیں سے مال بھی نہیں آنا جس کا انتظار کیا جائے اور اس نے کسی سے قرض بھی نہیں لینا کہ اس قرض کی ادائیگی تک اسے مہلت دی جائے۔ آخر اس مہلت کی کوئی حد بھی ہے؟''

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

''جی ہاں۔ اس کی حد یہ ہے کہ اس کے افلاس وقرض کی خبر حاکمِ مسلمین تک پہنچ جائے۔ حاکم مسلمین کا فرض ہے کہ وہ یہ دیکھے کہ اس شخص نے قرض کی رقم لے کر اطاعتِ خدا میں صرف کی تھی یا خدا کی نافرمانی میں صرف کی تھی۔ اگر اس نے رقم لے کر جائز ضروریات پوری کی تھیں تو زکوٰۃ کے ''سہم غارمین'' میں سے اس کی مدد کرے اور اسے قرض سے نجات دلائے' اور اگر اس نے قرض کی رقم اللہ کی نافرمانی میں خرچ کی ہو تو پھر حاکم پر اس کی امداد ضروری نہیں ہے''۔

سائل نے پھر کہا کہ اگر مقروض کے متعلق یہ علم نہ ہو سکے کہ اس نے رقم لے کر جائز مقام پر خرچ کی تھی یا ناجائز مقام پر خرچ کی تھی تو اس صورت میں کیا کرنا چاہیے؟

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''اس شکل میں بہرصورت اس سے قرض کی رقم وصول کی جائے گی خواہ اس کے لیے اسے ذلیل ہی کیوں نہ کرنا پڑے''۔

۱۱۸۳- تفسیر علی بن ابراہیم میں سعید بن میتب سے روایت ہے۔ انھوں نے کہا کہ میں نے ام المومنین بی بی عائشہ سے سنا' انھوں نے کہا کہ میں نے حضرت رسولؐ خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

''جب کوئی قرض خواہ اپنے مقروض کو مسلمان حاکم کے پاس لے جائے اور مسلمان حاکم کی عدالت میں یہ ثابت ہو جائے کہ مقروض مفلس ہے اور قرض ادا کرنے کے قابل نہیں ہے تو مقروض اس قرض کی ادائیگی سے بری الذمہ ہو جائے

گا۔اس قرض کو مسلمان حاکم بیت المال سے ادا کرے گا''۔

سعید بن مسیب کہتے تھے: جس شخص نے کسی کو اُدھار دیا ہو اور قرض لینے والے نے اس کی رقم کو فضول خرچی اور خدا کی نافرمانی میں خرچ نہ کیا ہو اور پھر وہ تنگدستی کی وجہ سے قرض ادا کرنے کے قابل نہ ہو تو قرض خواہ کو چاہیے کہ وہ اس کی فراخی تک اسے مہلت دے اور جب خدا اس کا ہاتھ فراخ کرے تو وہ قرض ادا کر دے۔ اور اگر امام عادل موجود ہو تو اسے چاہیے کہ بیت المال سے اس کا قرض ادا کرے کیونکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرمایا کرتے تھے:

''جو ترکہ چھوڑ کر مرے، تو وہ اس کے وارثوں کا ہے اور جو کوئی قرض چھوڑ کر مرے تو میں اس کا قرض ادا کروں گا کیونکہ میں مسلمانوں کا والی ہوں''۔

آنحضرتؐ کے بعد قرض ادا کرنا ولاۃِ مسلمین پر فرض ہے۔

۱۱۸۴- مجمع البیان میں مرقوم ہے کہ تنگدستی کی حد کے متعلق اختلاف ہے۔ امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے آپؑ نے فرمایا:

''جب کوئی شخص اپنے اور اپنے اہل وعیال کے خورد ونوش میں ہی پورا ہو اور اس کے پاس باقی کچھ نہ بچتا ہو تو وہ تنگدست ہے اور قرض خواہ کی طرف سے اسے مہلت ملنی چاہیے''۔

تنگدست کو مہلت دینے کے وجوب کے متعلق تین اقوال مروی ہیں:

ایک قول یہ ہے کہ مہلت ہر قسم کے قرض میں واجب ہے اور امام محمد باقر اور امام جعفر صادق علیہما السلام سے یہی قول منقول ہے۔

۱۱۸۵- الکافی میں عامر بن جذاعہ سے منقول ہے کہ ایک شخص امام جعفر صادق علیہ السلام کے پاس آیا اور اس نے کہا کہ مجھے فراخ دستی تک قرض مطلوب ہے۔

امام علیہ السلام نے فرمایا: کیا تجھے کسی کھیت سے غلہ آنے کی امید ہے؟

اس شخص نے کہا: خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔

امامؑ نے فرمایا: تو کیا تجھے کسی تجارت سے نفع کی امید ہے؟

اس شخص نے کہا: خدا کی قسم ایسا نہیں ہے۔

امامؑ نے فرمایا: کیا تم کوئی جائیداد فروخت کرنے والے ہو؟

اس نے کہا: مولاؑ! ایسا بھی نہیں ہے۔

یہ سن کر امام علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ نے ہمارے اموال میں تیرا حق مقرر کیا ہے پھر آپ نے دراہم کی تھیلی منگوائی اور اس میں سے مٹھی بھر کر اس کے دامن میں ڈال دی۔

۱۱۸۶- معاویہ بن عمار بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جو شخص یہ چاہے کہ خدا اسے اس دن سایہ نصیب کرے جس دن کوئی سایہ نہ ہوگا۔ آپؑ نے تین بار یہ جملہ دہرایا اور پھر فرمایا

''جو اس دن کے سائے کا خواہش مند ہو تو تنگدست مقروض کو مہلت دے یا اپنا حق اسے معاف کر دے''۔

۱۱۸۷- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''تنگ دست مقروض کو جس طرح سے خدا نے معافی دی ہے تم بھی اسے معاف کر دو''۔

۱۱۸۸- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ ایک دن جب کہ کڑاکے کی گرمی پڑ رہی تھی رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اصحاب سے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

''تم میں سے کوئی ہے جو دوزخ کے شعلوں سے آزادی کا خواہش مند ہو؟''

تمام حاضرین نے کہا کہ یا رسولؐ اللہ! ہم دوزخ کے شعلوں سے آزادی چاہتے ہیں۔

رسول اکرمؐ نے تین بار یہی سوال کیا اور ہر بار صحابہ نے یہی جواب دیا۔ پھر آپؐ نے فرمایا:

''جس نے تنگدست مقروض کو مہلت دی یا کسی تنگدست مقروض کا قرض معاف کیا تو وہ دوزخ کے شعلوں سے آزاد ہو جائے گا''۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ عبداللہ بن کعب نے اپنے باپ سے روایت کی' اس نے کہا کہ میرا والد اپنے مقروض کو مسجد نبویؐ میں لے آیا اور آنحضرتؐ سے کہا: یا رسولؐ اللہ! اس نے میرا قرض دینا ہے اور یہ ٹال مٹول سے کام لے رہا ہے۔

آنحضرتؐ نے مقروض سے پوچھا تو اس نے کہا: یا رسولؐ اللہ! میں تنگدست ہوں اور میرے پاس ادائیگی کے لیے کچھ بھی نہیں ہے۔

یہ سن کر آنحضرتؐ اپنے گھر تشریف لے گئے اور کچھ دیر بعد گھر سے باہر آئے اور آپؐ نے نصف رقم دے کر فرمایا

کہ تم اپنا آدھا قرض مجھ سے لے لو اور آدھا اسے معاف کردو۔ چنانچہ قرض خواہ نے آدھی رقم لے لی اور آدھی معاف کردی۔

قرض کو لکھنا چاہیے اور گواہ مقرر کرنے چاہئیں

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓاْ إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيۡنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٖ مُّسَمّٗى فَٱكۡتُبُوهُۚ

(ایمان والو! تم جب بھی مقررہ میعاد کے لیے قرض کا لین دین کرو تو اسے لکھ لیا کرو)

۱۱۸۹- کتاب علل الشرائع میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے سامنے انبیاء کے نام اور ان کی عمریں پیش کیں۔ جب انھوں نے داؤد علیہ السلام اور ان کی عمر کو دیکھا تو انھیں ان کی عمر چالیس برس دکھائی دی۔ اس وقت انھوں نے بارگاہ احدیت میں عرض کیا:

''پروردگار! داؤد کی عمر تو بہت تھوڑی ہے جب کہ میری عمر بہت زیادہ ہے۔ میں اپنی عمر میں سے تیس سال داؤد کو دیتا ہوں''۔

اللہ تعالیٰ نے ان کی اس پیش کش کو قبول کیا اور لوح محو و اثبات میں سے آدم علیہ السلام کی عمر کو تیس سال کم کیا اور حضرت داؤد علیہ السلام کی عمر میں تیس برس کا اضافہ کر دیا۔ جب حضرت آدمؑ کی زندگی کے دن پورے ہوئے اور ملک الموت ان کی روح قبض کرنے کے لیے آیا تو انھوں نے ملک الموت سے کہا کہ ابھی تو میری عمر کے تیس برس باقی ہیں۔

ملک الموت نے ان سے کہا: اس وقت کو یاد کریں جب آپ ''وادی دحیا'' میں تھے اور آپ کے سامنے انبیاء کے نام اور ان کی عمریں پیش کی گئی تھیں تو آپؑ نے اپنے ایک فرزند داؤدؑ کے لیے اپنی عمر کے تیس سال انھیں دیئے تھے۔

حضرت آدمؑ نے فرمایا: مگر مجھے تو یہ بات یاد نہیں ہے۔

ملک الموت نے کہا: ممکن ہے آپ کو یہ بات یاد نہ ہو مگر خدا نے اسے لوح محو و اثبات میں لکھ دیا ہے۔

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ حضرت آدمؑ سچے تھے انھیں بات فراموش ہو چکی تھی۔ اس کے بعد اللہ نے بندوں کو حکم دیا کہ جب بھی وہ آپس میں کوئی معاہدہ طے کریں تو اسے لکھ لیا کریں اور اس پر گواہوں کی گواہی بھی ثبت کرلیا کریں تاکہ کوئی فریق اپنے معاہدہ سے روگردانی نہ کرسکے''۔

۱۱۹۰- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''جب آدم علیہ السلام کو ان کی نسل دکھائی گئی اور ان کی نظر حضرت داؤدؑ پر پڑی تو انھیں ان سے محبت ہوگئی۔ انھوں نے اپنی زندگی کے پچاس سال ان کے نام کر دیئے۔ جبریل و میکائیل کی موجودگی میں ملک الموت نے پچاس سال کی دستاویز تحریر کی اور جب ان کی وفات کا وقت آیا اور ملک الموت ان کی روح قبض کرنے کے لیے ان کے پاس گیا تو انھوں نے کہا کہ ابھی تو میری عمر کے پچاس سال باقی ہیں۔

ملک الموت نے کہا: وہ پچاس سال تو آپؑ نے داؤد کو ہبہ کر دیئے تھے۔ معلوم ہوتا ہے آپ کو یہ بات بھول چکی ہے۔ اس وقت جبریل و میکائیل نازل ہوئے اور انھوں نے آکر گواہی دی۔ اس کے بعد ملک الموت نے ان کی روح قبض کی۔

امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا: ''یہ دنیا میں لکھی جانے والی پہلی دستاویز تھی''۔

ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ داؤد کی عمر چالیس سال تھی اور حضرت آدمؑ نے اپنی زندگی میں سے انھیں ساٹھ سال دیئے تھے۔

۱۱۹۱- تفسیر عیاشی میں ابن سنان سے منقول ہے۔ اس نے کہا کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ یتیم بچے کو مال کب دیا جائے؟

آپؑ نے فرمایا: جب وہ بالغ اور عاقل ہو جائے تو اس کا مال اس کے سپرد کر دینا چاہیے اور اس کے ساتھ یہ بھی دیکھنا چاہیے کہ وہ ''سفیہ'' اور ''ضعیف'' نہ ہو۔

میں (راوی) نے عرض کیا کہ سفیہ وضعیف سے کیا مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ''سفیہ'' سے شرابی اور ''ضعیف'' سے دو کے بدلے ایک درہم لینے والا شخص مراد ہے۔

۹۲- تہذیب الاحکام میں عبداللہ بن سنان سے مروی ہے۔ اس نے کہا کہ میرے والد نے میری موجودگی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ حَتّٰی اِذَا بَلَغَ اَشُدَّهٗ (یہاں تک کہ وہ اپنی جوانی کو پہنچا) سے کیا مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: اس سے احتلام مراد ہے اور عام طور پر سولہ یا سترہ برس کی عمر میں احتلام شروع ہو جاتا ہے۔ جب کہ تیرہ برس کے شخص کے نامہ اعمال میں نیکیاں اور برائیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کا کیا ہوا سودا دُرست شمار کیا جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ''سفیہ'' یا ''ضعیف'' نہ ہو۔

میرے والد نے کہا کہ سفیہ اور ضعیف سے کیا مراد ہے؟

آپؑ نے فرمایا: ''سفیہ'' وہ ہے جو دوگنی رقم میں درہم خرید کرے اور ضعیف سے احمق مراد ہے۔

۱۱۹۳- کتاب الخصال میں عبداللہ بن سنان سے منقول ہے کہ میری موجودگی میں ایک شخص نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ یتیم کو معاملہ کرنے کا حق کس عمر میں ملتا ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جب وہ جوان ہو جائے تو اسے اس کا حق ملتا ہے۔

اس شخص نے کہا کہ جوانی کی ابتدا کس عمر سے ہوتی ہے؟

آپؑ نے فرمایا: جب اسے احتلام ہونے لگے۔

اس شخص نے کہا کہ بعض اوقات اٹھارہ سال تک کی عمر کے جوان کو بھی احتلام نہیں ہوتا؟

آپؑ نے فرمایا: جب وہ بالغ ہو جائے تو اسے معاملہ کا اختیار مل جاتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ وہ ''سفیہ'' اور ''ضعیف'' نہ ہو۔

۱۱۹۴- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا:

''چار افراد ایسے ہیں جن کی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ان میں سے ایک وہ ہے جو کسی کو قرض دے لیکن دستاویز نہ لکھوائے اور گواہ مقرر نہ کرے اور پھر جب مقروض مکر جائے اور قرض خواہ اس کے خلاف بددعا کرے تو اس وقت خدا کی طرف سے یہ جواب آتا ہے کہ تیری یہ بددعا قبول نہیں ہے کیا میں نے یہ نہیں کہا تھا کہ لین دین کو لکھ لیا کرو اور گواہ مقرر کیا کرو؟''

۱۱۹۵- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے کہ جو شخص کسی دستاویز اور گواہوں کے بغیر کسی کو قرض دے اور رقم ڈوب جائے اور قرض خواہ خدا سے دعا کرے تو اللہ تعالیٰ اس کی دعا قبول نہیں کرتا اور جب وہ قرض کی واپسی کی دعا مانگتا ہے تو خدا کی طرف سے ندا بلند ہوتی ہے کہ کیا میں نے لکھنے اور گواہ مقرر کرنے کا حکم نہیں دیا تھا؟

۱۱۹۶- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

''جس کا حق دستاویز نہ لکھنے اور گواہ مقرر نہ ہونے کی وجہ سے ضائع ہو جائے تو وہ خدا کی طرف سے کسی اجر کا حق دار نہیں ہوتا''۔

۱۱۹۷- تہذیب الاحکام میں داؤد بن حصین سے منقول ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا:

''اگر عورت انکاری ہو تو کیا اس کے نکاح کے اثبات کے لیے دو عورتوں کی گواہی قابلِ قبول ہے جب کہ کوئی مرد گواہ موجود نہ ہو؟''

آپؑ نے فرمایا: جی ہاں۔ اس میں کوئی عیب نہیں ہے۔ امیر المومنین علیہ السلام نکاح کے لیے دو عورتوں کی گواہی کو قبول کرتے تھے جب کہ طلاق کے لیے دو عادل گواہوں کو ضروری سمجھتے تھے۔

میں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تو قرآن مجید میں فرمایا ہے: فَرَجُلٌ وَّامْرَاَتٰنِ (ایک مرد اور دو عورتیں گواہ بنیں)

آپؑ نے فرمایا یہ حکم قرض کے لیے ہے جہاں دو مرد موجود نہ ہوں تو وہاں ایک مرد اور دو عورتوں کو گواہ مقرر کرنا چاہیے اور اگر صرف ایک مرد گواہ ہو اور دو عورتیں نہ ہوں تو ایک گواہ کی گواہی کے ساتھ مدعی سے قسم لی جائے گی۔ حضرت رسول اکرمؐ اور حضرت علیؑ نے بھی اس بنیاد پر فیصلے کیے تھے۔

گواہی سے انکار کرنا جرم ہے

وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا

(اور جب گواہوں کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ انکار نہ کریں)

۱۱۹۸- الکافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''جب گواہ کو گواہی کے لیے بلایا جائے تو وہ یہ نہ کہے کہ میں گواہی نہیں دوں گا''۔

۱۱۹۹- ابی الصباح الکنانی سے بھی امام جعفر صادق علیہ السلام کی زبانی یہی روایت مروی ہے۔

۱۲۰۰- امام موسیٰ کاظم علیہ السلام نے وَلَا يَأْبَ الشُّهَدَآءُ اِذَا مَا دُعُوْا کی آیت مجیدہ پڑھ کر فرمایا:

''جب تجھے کسی قرض یا کسی حق کی گواہی کے لیے بلایا جائے تو تمھارے لئے لیت ولعل کرنا جائز نہیں ہے''۔

۱۲۰۱- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ گواہوں کا گواہی کے لیے پیش نہ ہونا گناہ ہے۔

۱۲۰۲- امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا کہ دستاویز کی لکھائی سے قبل بھی گواہوں کو گواہ بننے سے انکار نہیں کرنا چاہیے۔

۱۲۰۳- تفسیر عیاشی میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''قبضہ کے بغیر رہن صحیح نہیں ہے''۔

۱۲۰۴- الکافی میں امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَنْ يَّكْتُمْهَا فَاِنَّهٗۤ اٰثِمٌ قَلْبُهٗ -''اور جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہوں سے آلودہ ہے''۔

مقصد یہ ہے کہ جو شہادت کے بعد چھپائے تو اس کا دل گناہ گار ہے۔

۱۲۰۵- حضرت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا۔

''جو شخص گواہی چھپائے یا جھوٹی گواہی دے کر کسی مسلمان کے خون کو رائیگاں کرے یا کسی مسلمان کے مال کو ضائع کرے تو قیامت کے دن وہ اس حال میں محشور ہوگا کہ حد نظر تک اس کے سامنے تاریکی ہی تاریکی ہوگی اور اس کے چہرے پر خراشوں کے نشان ہوں گے۔ تمام لوگ اس کے نام و نسب سے اسے پہچان لیں گے''۔

۱۲۰۶- من لایحضرہ الفقیہ میں امام محمد باقر علیہ السلام سے منقول ہے، آپؑ نے فرمایا کہ گواہی چھپانے والے کے دل کے گناہ گار ہونے کا مقصد یہ ہے کہ اس کا دل کافر ہے۔

۱۲۰۷- امالی صدوق میں مرقوم ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے گواہی چھپانے سے منع کیا اور فرمایا کہ جو گواہی چھپائے گا اللہ تعالیٰ تمام مخلوقات کے سامنے اس کے گوشت کے ٹکڑے کٹوا کر اسے کھانے کو کہے گا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَا تَكْتُمُوا الشَّهَادَةَ ۚ وَمَنْ يَكْتُمْهَا فَإِنَّهُ آثِمٌ قَلْبُهُ

''اور گواہی مت چھپاؤ اور جو شہادت چھپاتا ہے اس کا دل گناہوں میں آلودہ ہے''۔

۱۲۰۸- من لایحضرہ الفقیہ میں مرقوم ہے کہ امیر المومنین علیہ السلام نے اپنے فرزند محمد حنفیہ کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا:

''اللہ نے قلب پر ایمان فرض کیا ہے۔ قلب ہی تمام اعضاء و جوارح کا حکمران ہے اور انسانی عقل و فہم کا تعلق بھی قلب سے ہے۔ انسان کے تمام اعضاء قلب کے احکام کی تعمیل کرتے ہیں اور خدا نے اسی قلب کا احتساب کرنا ہے جیسا کہ فرمانِ الٰہی ہے:

وَإِنْ تُبْدُوا مَا فِي أَنْفُسِكُمْ أَوْ تُخْفُوهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللَّهُ ۖ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَشَاءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَشَاءُ ۗ وَاللَّهُ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝

''تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے ان کا حساب لے گا پھر اسے اختیار ہے جسے چاہے معاف کر دے اور جسے چاہے عذاب دے۔ اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے''۔

۱۲۰۹- نہج البلاغہ میں امیر المومنین کا یہ فرمان مرقوم ہے:

''سینوں میں چھپی ہوئی باتوں پر بندوں کو بدلہ دیا جائے گا''۔

ایمان کا وہ حصّہ جو دل سے مخصوص ہے

۱۲۱۰۔ اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس میں آپؑ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جسم کے اعضاء و جوارح پر ایمان کے مختلف تقاضے واجب کیے ہیں۔ چنانچہ کچھ تقاضے زبان کے لیے مخصوص ہیں اور کچھ تقاضے آنکھ سے مخصوص ہیں۔ اسی طرح سے کچھ تقاضوں کا تعلق ہاتھ سے ہے اور ایمان کے کچھ تقاضوں کا تعلق دل سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے دل کے لیے ایمان کا جو حصّہ مقرر کیا ہے تو وہ یہ ہے کہ دل اقرار کرے' معرفت وعقیدہ اور تسلیم ورضا کے ساتھ اللہ کی توحید اور لاشریک ہونے کا عقیدہ رکھے اور اس کے ساتھ یہ عقیدہ رکھے کہ خدا کے یہاں نہ تو بیوی ہے اور نہ ہی اولاد ہے اور اس کے ساتھ دل میں محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی عبدیت اور رسالت کا اقرار کرے اور خدا کی طرف سے آنے والے تمام انبیاء اور کتابوں کی صداقت کا عقیدہ رکھے۔ الغرض اللہ نے دل پر اقرار و معرفت کو واجب کیا ہے اور یہی دل کے لیے ایمان کا تقاضا ہے اور ان آیات میں اللہ نے دل ہی کے متعلق بیان کیا ہے:

مَنْ كَفَرَ بِاللّٰهِ مِنْ بَعْدِ اِيْمَانِهٖٓ اِلَّا مَنْ اُكْرِهَ وَقَلْبُهٗ مُطْمَئِنٌّۢ بِالْاِيْمَانِ وَلٰكِنْ مَّنْ شَرَحَ بِالْكُفْرِ صَدْرًا فَعَلَيْهِمْ غَضَبٌ مِّنَ اللّٰهِ وَلَهُمْ عَذَابٌ عَظِيْمٌ ○ (النحل:۱۰۶)

(جو شخص ایمان لانے کے بعد خدا کا انکار کرے وہ اگر مجبور کیا گیا ہو اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تب تو خیر مگر جس نے دل کی رضامندی سے کفر کو قبول کرلیا اس پر اللہ کا غضب ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

اَلَا بِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ ○ (الرعد: ۲۸)

''آگاہ رہو اللہ کے ذکر سے ہی دلوں کو اطمینان ملتا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الرَّسُوْلُ لَا يَحْزُنْكَ الَّذِيْنَ يُسَارِعُوْنَ فِي الْكُفْرِ مِنَ الَّذِيْنَ قَالُوْٓا اٰمَنَّا بِاَفْوَاهِهِمْ وَلَمْ تُؤْمِنْ قُلُوْبُهُمْ ......

''اے پیغمبر! وہ لوگ تمھارے لیے باعثِ رنج نہ بنیں جو راہِ کفر میں تیزی کر رہے ہیں خواہ ان کا تعلق اس گروہ سے ہو جو منہ سے کہتے ہیں کہ ہم ایمان لائے ہیں جب کہ ان کے دل ایمان نہیں لائے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰی كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ○

''تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کرو یا چھپاؤ' اللہ تم سے ان کا حساب لے گا۔ پھر اسے اختیار ہے جسے چاہے بخش دے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے''۔

اللہ نے قلب پر ایمانی تقاضوں میں سے اقرار و معرفت کو واجب کیا ہے اور یہی اس کا عمل ہے اور اقرار و معرفت ایمان کی بنیاد ہے۔

۱۲۱۱- تفسیر عیاشی میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِیْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ کی آیت مجیدہ پڑھ کر فرمایا

''اللہ پر حق ہے جس کے دل میں بھی حضرت علی علیہ السلام کے حریفوں کی رائی کے دانہ برابر محبت ہو گی وہ اسے جنت میں داخل نہیں کرے گا''۔

۱۲۱۲- کتاب التوحید میں مرقوم ہے کہ حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

''میری اُمت کو نو چیزیں معاف کر دی گئی ہیں:

۱- خطا ۲- نسیان ۳- جس پر انھیں مجبور کر دیا گیا ہو ۴- جس کی انھیں طاقت نہ ہو ۵- جو ان کے علم میں نہ ہو ۶- جس کی طرف مجبور کر دیے جائیں ۷- حسد ۸- بدشگونی ۹- خلق کے متعلق کسی وسوسہ کے متعلق دل میں سوچنا اور اسے زبان پر نہ لانا''۔

۱۲۱۳- حمزہ بن حمران کا بیان ہے کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے پوچھا کہ استطاعت کیا ہے؟

آپؑ نے مجھے اس کا کوئی جواب نہ دیا۔ پھر میں دوسری بار ان کی خدمت میں گیا اور میں نے ان سے کہا: اللہ آپ کی صلاحیتوں میں اضافہ کرے۔ میرے دل میں ایک خیال واقع ہو چکا ہے اور مجھے نجات اس وقت ملے گی جب آپؑ کے

منہ سے کچھ سنوں گا۔

آپؑ نے فرمایا: جو چیز تمھارے دل میں ہو وہ تمھیں نقصان نہیں دے گی۔

ہم مکمل حدیث ان شاء اللہ جلد نقل کریں گے۔ (من المترجم)

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَیْهِ مِنْ رَّبِّهٖ وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۫ لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ ۫ وَقَالُوْا سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ۗ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَیْكَ الْمَصِیْرُ ﴿۲۸۵﴾ لَا یُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَیْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِیْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَیْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ٚ وَاغْفِرْ لَنَا ٚ وَارْحَمْنَا ٚ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِیْنَ ﴿۲۸۶﴾

”رسول اس پر ایمان لایا ہے جو اس کے رب سے اس پر نازل ہوا ہے اور مومن بھی ایمان لائے ہیں۔ سب کے سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں۔ ان کا قول یہ ہے کہ ہم اللہ کے رسولوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتے۔ ہم نے حکم سنا اور اطاعت قبول کی۔ مالک! ہم تجھ سے خطا بخشی

کے طالب ہیں اور ہمیں تیری طرف ہی پلٹنا ہے۔ اللہ کسی بھی جان پر اس کی وسعت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے اس کا پھل اس کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال اسی پر ہے۔

اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر ہماری گرفت نہ کر۔ مالک! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے۔ پروردگار! جس بار کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم پر نہ رکھ۔ ہمارے ساتھ نرمی کر۔ ہم سے درگزر فرما' ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا مولیٰ ہے۔ کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما''۔

۱۲۱۴- احتجاج طبرسی میں حضرت علی علیہ السلام سے ایک طویل حدیث منقول ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۭ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ۭ فَيَغْفِرُ لِمَنْ يَّشَاۗءُ وَيُعَذِّبُ مَنْ يَّشَاۗءُ ۭ وَاللّٰهُ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ؁ (آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ خدا کی ملکیت ہے۔ تم اپنے دل کی باتیں ظاہر کرو یا چھپاؤ اللہ تم سے ان کا حساب لے گا۔ پھر اسے اختیار ہے جسے چاہے معاف کر دے اور جسے چاہے عذاب دے اور اللہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے) کی آیت مجیدہ کو حضرت آدم سے لے کر حضرت خاتم الانبیا علیہ السلام تک تمام انبیاء پر نازل کیا مگر تمام اُمتوں نے اس آیت کے مضمون کو ثقیل سمجھ کر اسے قبول کرنے سے انکار کر دیا جب کہ رسول اکرمؐ نے اس آیت کو قبول کیا اور آپؐ نے اس کا مفہوم اپنی اُمت پر پیش کیا تو انھوں نے بھی اس ثقیل مفہوم کو قبول کیا۔ پھر جب آنحضرتؐ سفر معراج پر تشریف لے گئے اور ساقِ عرش پر پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے انھیں اس آیت کی یاد دہانی کراتے ہوئے فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ (رسول ایمان لایا ہے اس پر جو اس کے رب کی طرف سے اس کی طرف نازل کیا گیا ہے)

اس وقت رسولؐ خدا نے عرض کیا: وَالْمُؤْمِنُوْنَ ۭ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰۗىِٕكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۣ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ۔

مقصد یہ تھا کہ خدایا صرف میں ہی اس پر ایمان نہیں لایا بلکہ تمام مومن بھی اس پر ایمان لائے ہیں اور وہ سب اللہؐ

اس کے ملائکہ اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ہم خدا کے رسولوں میں سے کسی میں بھی فرق نہیں کرتے۔

اس وقت اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اگر انھوں نے ایسا کیا تو ان کے لیے جنت ہے۔

پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

خدایا! اگر تو نے یہ احسان کیا ہے تو پھر میری درخواست یہ ہے: غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَإِلَيْكَ الْمَصِيرُ ''مالک! ہم تجھ سے خطا بخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری طرف ہی پلٹنا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''میں سب کچھ آپ کو اور آپ کی اُمت کو دے چکا ہوں۔ میں نے دل کے خیالات کے محاسبہ کی آیت کو تمام اُمتوں پر پیش کیا تھا لیکن انھوں نے اسے قبول کرنے سے معذرت کر لی تھی جب کہ تیری اُمت نے اسے قبول کر لیا تھا اسی لیے اب میری شان کریمی کا تقاضا یہ ہے کہ میں ان سے اس سختی کو اٹھا لوں۔

پھر اللہ نے کہا: لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا إِلَّا وُسْعَهَا ۚ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ۔ ''اللہ کسی بھی جان کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو کسی نے بدی سمیٹی ہے اس کا وبال اسی پر ہے''۔

۱۲۱۳- بصائر الدرجات میں عبدالصمد بن بشیر کی زبانی منقول ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے سفر معراج کے دوران اذان کی شروعات کو بیان فرمایا' پھر آپؑ نے کہا:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سدرۃ المنتہٰی پر پہنچے۔ جب آپؐ نے مقام سدرہ کو عبور کیا تو اس وقت سدرہ سے آواز آئی کہ آج تک کسی مخلوق نے مجھے عبور نہیں کیا تھا۔ پھر آپ قریب ہوئے مزید قریب ہوئے یہاں تک کہ آپؐ مقام قَابَ قَوْسَيْنِ أَوْ أَدْنٰى پر پہنچے وہاں معبود نے اپنے عبد کو جو وحی کرنی تھی کر دی۔ پھر ان کے سامنے اصحاب الیمین (جنتی) اور اصحاب الشمال (دوزخی) کے دفتر پیش کیے گئے۔ آپؐ نے اصحاب الیمین کے دفتر کو اپنے دائیں ہاتھ میں لے کر کھولا اور اس میں نگاہ کی تو اس میں اہلِ جنت کے نام ان کی ولدیت اور قبیلہ سمیت لکھے ہوئے تھے۔ اس وقت خدا نے اپنے حبیبؐ سے فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ ''جو کچھ رسول پر اس کے رب کی طرف سے اتارا گیا ہے رسول اس پر ایمان

لایا"۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فوراً عرض کیا: وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ "اور مومن بھی ایمان لائے ہیں۔ سب کے سب اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان لائے ہیں"۔

پھر رسولؐ خدا نے عرض کیا: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ "پروردگار! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر ہماری گرفت نہ کرنا"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تمھاری دعا قبول کی۔

پھر رسولؐ خدا نے عرض کیا: رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ "اے ہمارے پروردگار! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تمھاری یہ دعا بھی قبول فرمائی۔ اس وقت رسول اکرمؐ نے عرض کیا:

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ۝

"اے ہمارے پروردگار! جس بوجھ کو اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم پر نہ رکھ۔ ہمارے ساتھ نرمی کر، ہم سے درگزر فرما۔ ہم پر رحم کر۔ تو ہمارا مولیٰ ہے۔ کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تمھاری تمام دعائیں قبول کی ہیں۔

پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اس صحیفہ کو لپیٹ کر اپنے دائیں ہاتھ میں لیا۔ اس کے بعد آپؐ نے "اصحاب الشمال" (دوزخیوں) کا دفتر کھولا تو اس میں دوزخیوں کے نام ولدیت اور قبیلہ سمیت لکھے تھے۔

۱۲۱۶۔ غیبت طوسی میں ابا سلمیٰ سے منقول ہے۔ واضح رہے کہ یہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا چرواہا تھا اور آپ کے مویشیوں کو چرایا کرتا تھا۔ اس نے کہا کہ میں نے نبی اکرمؐ سے سنا، آپؐ نے فرمایا:

"جس رات مجھے آسمانوں پر لے جایا گیا تو وہاں اللہ کی طرف سے یہ آواز آئی:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ "رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس کی طرف

نازل کیا گیا''۔

میں نے فوراً کہا: وَالْمُؤْمِنُوْنَ یعنی صرف میں اکیلا ہی ایمان نہیں لایا بلکہ دوسرے مومن بھی میرے ساتھ ایمان لانے میں شریک ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: محمد! تم نے صحیح کہا۔

۱۲۱۷۔ تفسیر علی بن ابراہیم میں مرقوم ہے کہ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ سے لے کر عَلَی الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ کی یہ دو آیات وہ ہیں جو براہِ راست خدا نے اپنے نبی پر نازل کی ہیں اور یہ آیات اللہ اور اس کے حبیبؐ کے درمیان ایک مکالمہ ہیں اور یہ مکالمہ شب معراج ہوا تھا۔

حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا

''جب مجھے آسمانوں کی سیر کرائی گئی اور میں ''سدرۃ المنتہیٰ'' پر پہنچا اور میں نے دیکھا کہ اس بیر کے پتے اتنے بڑے تھے کہ ایک پتہ کے سائے میں ایک اُمت آسکتی تھی اور میں مقامِ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰی پر پہنچا۔ اس وقت میرے رب نے مجھے ندا دی اور فرمایا

اٰمَنَ الرَّسُوْلُ بِمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْهِ مِنْ رَّبِّهٖ (رسول اس پر ایمان لایا جو اس کے پروردگار کی طرف سے اس کی طرف نازل کیا گیا)

اس وقت میں نے اپنی اور اپنی اُمت کی طرف سے کہا

وَالْمُؤْمِنُوْنَ ؕ كُلٌّ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَمَلٰٓئِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ ۟ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْ رُّسُلِهٖ (اور مومن بھی اس پر ایمان لائے ہیں) سب کے سب اللہ اس کے فرشتوں اس کی کتابوں اور اس کے رسولوں پر ایمان رکھتے ہیں ہم اس کے رسولوں کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کرتے)

پھر میں نے بارگاہ احدیت میں عرض کیا:

سَمِعْنَا وَاَطَعْنَا ٭ غُفْرَانَكَ رَبَّنَا وَاِلَيْكَ الْمَصِيْرُ (ہم نے حکم سنا اور اطاعت کی۔ مالک! ہم تجھ سے خطابخشی کے طالب ہیں اور ہمیں تیری طرف ہی پلٹنا ہے)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا ؕ لَهَا مَا كَسَبَتْ وَعَلَيْهَا مَا اكْتَسَبَتْ ؕ (اللہ کسی بھی جان پر اس کی وسعت سے زیادہ

بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص نے جو نیکی کمائی ہے اس کا پھل اسی کے لیے ہے اور جو بدی سمیٹی ہے اس کا وبال بھی صرف اسی پر ہے)

اس وقت میں نے بارگاہ احدیت میں عرض کیا:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذْنَآ اِنْ نَّسِيْنَآ اَوْ اَخْطَاْنَا ۚ (اے ہمارے پروردگار! ہم سے بھول چوک میں جو قصور ہو جائیں ان پر ہماری گرفت نہ کر)

خدا نے کہا کہ میں گرفت نہیں کروں گا۔ اس وقت میں نے پھر عرض کیا:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا ۚ (اے ہمارے پروردگار! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلے لوگوں پر ڈالے تھے)

خدا نے کہا: ٹھیک ہے میں تم پر وہ بوجھ نہیں لادوں گا۔

پھر میں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ۚ وَاعْفُ عَنَّا ۥ وَاغْفِرْ لَنَا ۥ وَارْحَمْنَا ۥ اَنْتَ مَوْلٰىنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ﴿﴾ (اے پروردگار جو بوجھ اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ ہم پر نہ رکھ ہمارے ساتھ نرمی کر ہم سے درگزر فرما اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہی ہمارا مولیٰ ہے۔ کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما)

اللہ تعالیٰ نے جواب دیا: میں نے یہ دعا قبول کرلی ہے۔ تم نے جو کچھ اپنے اور اپنی اُمت کے لیے طلب کیا ہے میں نے دے دیا ہے۔

حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام فرمایا کرتے تھے کہ رسولؐ خدا نے جس طرح اُمت کے لیے احسن انداز میں خدا سے درخواست کی ہے اس انداز سے کسی نبی نے اپنی اُمت کے لیے درخواست پیش نہیں کی تھی۔

۱۲۱۸۔ تفسیر عیاشی میں عبدالصمد بن شیبہ کی سند سے امام جعفر صادق علیہ السلام سے بھی یہی حدیث انہی الفاظ سے مروی ہے۔

۱۲۱۹۔ قتادہ کا بیان ہے کہ البقرہ کی یہ آخری دو آیات عرش کے اُوپر محفوظ تھیں۔ اللہ نے ان آیات کو البقرہ کی اختتامی آیات بنا کر نازل کیا۔ جس گھر میں یہ آیات پڑھی جائیں گی وہاں شیطان داخل نہ ہوگا۔

۱۲۲۰۔ احتجاج طبرسی میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی طویل خطبہ غدیر مرقوم ہے اور اس خطبہ غدیر

میں یہ جملے بھی موجود ہیں:

''لوگو! وہی کچھ کہو جو میں نے تم سے کہا ہے کہ علیؑ کو امیر المومنین کہہ کر سلام کرو۔ اور میرا فرمان سن کر یہ الفاظ کہو:

سَمِعۡنَا وَ اَطَعۡنَا ۔ غُفۡرَانَکَ رَبَّنَا وَ اِلَیۡکَ الۡمَصِیۡرُ ○

۱۲۲۱۔ کتاب التوحید میں حضرت امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپؑ نے فرمایا:

''بندوں پر ان کی وسعت سے کم احکام فرض کیے گئے ہیں اور خدا نے لوگوں پر جتنے بھی واجبات فرض کیے ہیں بندوں کو ان کے بجالانے کی استطاعت ہے او. جس کی ان میں استطاعت نہیں تھی اللہ نے ان پر وہ چیز فرض ہی نہیں کی لیکن لوگوں میں کوئی بھلائی نہیں ہے''۔

۱۲۲۲۔ عبدالسلام بن صالح الہروی کا بیان ہے کہ میں نے امام علی رضا علیہ السلام سے سنا' آپؑ فرمایا کرتے تھے:

''جو''. .. '' کا عقیدہ رکھتا ہو اسے زکوۃ نہ دو اور اس کی گواہی قبول نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ کسی جان کو بھی اس کی حیثیت و وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا اور کسی کی طاقت سے زیادہ اس پر بوجھ نہیں ڈالتا۔ ہر شخص اپنے ہی اعمال کا ذمہ دار ہے۔ کوئی کسی دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا''۔

۱۲۲۳۔ حمزہ بن حمران کہتے ہیں کہ میں نے امام جعفر صادق علیہ السلام سے ''استطاعت'' کے متعلق سوال کیا اور میں نے کہا:

''اللہ آپ کی صلاحیتوں میں اضافہ فرمائے' میں تو یہ عقیدہ رکھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو اتنی ہی تکلیف دی ہے جس کی ان میں استطاعت موجود تھی اور ان پر شریعت کا اتنا ہی بوجھ لادا ہے جس کے اٹھانے کی ان میں طاقت موجود تھی اور لوگ جو کچھ کرتے ہیں وہ اللہ کے ارادہ' مشیت اور قضا و قدر سے کرتے ہیں''۔

امام علیہ السلام نے فرمایا:

''یہ خدا کا وہ دین ہے جس کا میں عقیدہ رکھتا ہوں اور میرے آبائے طاہرینؑ کا بھی یہی عقیدہ تھا۔

۱۲۲۴۔ تفسیر عیاشی میں محمد بن مسلم سے منقول ہے۔ اس نے صادقین علیہم السلام میں سے ایک بزرگوار سے نقل کیا' انھوں نے فرمایا:

''لوگو! تمھیں شریعت کے جن احکام کا حکم دیا گیا ہے ان پر عمل کرو اور خدا نے صرف ایسے ہی احکام نازل کیے ہیں جن کے ادا کرنے کی بندوں میں استطاعت ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

لَا یُکَلِّفُ اللّٰهُ نَفۡسًا اِلَّا وُسۡعَهَا ''اللہ کسی بھی متنفس کو اس کی وسعت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا''۔

اور پھر جو کچھ کوئی شخص کرے گا اسے اس کے عمل کا بدلہ دیا جائے گا۔

۱۲۲۵- اصول کافی میں امام جعفر صادق علیہ السلام سے منقول ہے' آپ نے اپنے آبائے طاہرینؑ کی سند سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی' آپؐ نے فرمایا:

''اللہ نے میری اُمت کو چار چیزیں معاف کی ہیں:

۱-خطا ۲-نسیان ۳-جس کام پر انھیں مجبور کر دیا جائے ۴-جس کام کی ان میں طاقت نہ ہو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَآ اِنۡ نَّسِيۡنَآ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تَحۡمِلۡ عَلَيۡنَاۤ اِصۡرًا كَمَا حَمَلۡتَهٗ عَلَى الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِنَا ۚ رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلۡنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ

''اے ہمارے پروردگار! ہم سے جو بھول چوک میں قصور ہو جائیں ان پر ہماری گرفت نہ کر۔ اے ہمارے مالک! ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جو تو نے ہم سے پہلی اُمتوں پر ڈالے تھے۔ اے ہمارے مالک! جس بوجھ کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں ہے وہ ہم پر نہ رکھ''۔

اور ''اکراہ'' کی معافی کے لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا

اِلَّا مَنۡ اُكۡرِهَ وَقَلۡبُهٗ مُطۡمَئِنٌّۢ بِالۡاِيۡمَانِ ''البتہ جو مجبور کر دیا جائے اور اس کا دل ایمان پر مطمئن ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں ہے''۔

امم سابقہ کے وہ بوجھ جو اُمت مصطفیٰؐ سے ہٹائے گئے ہیں

۱۲۲۵- کتاب احتجاج طبرسی میں منقول ہے کہ شب معراج جب اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو بہت سے انعامات سے نوازا تو حبیبؐ خدا نے بارگاہ احدیت میں عرض کیا:

''پروردگار! اگر تو نے مجھے اتنی نعمات عطا کی ہیں تو ان میں مزید اضافہ فرما''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حبیب! تم مانگو میں عطا کروں گا۔

اس وقت رسولؐ خدا نے عرض کیا: رَبَّنَا لَا تُؤَاخِذۡنَآ اِنۡ نَّسِيۡنَآ اَوۡ اَخۡطَاۡنَا ''اے ہمارے رب! ہم سے بھول چوک

میں جو قصور ہو جائیں ان پر ہماری گرفت نہ کرنا"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"تمھاری عظمت کے پیش نظر نسیان و خطا پر تیری اُمت کا مؤاخذہ نہیں کروں گا جب کہ اُمم سابقہ میں یہ رعایت نہیں تھی۔ جب وہ ان تعلیمات کو بھلاتے تھے جس کی انھیں نصیحت کی جاتی تھی تو میں ان پر عذاب کے دروازے کھول دیتا تھا' لیکن تیری وجہ سے تیری اُمت کو نسیان معاف کر رہا ہوں۔ سابقہ امتیں جب خطا کرتی تھیں تو خطا پر ان کا مؤاخذہ کیا جاتا تھا اور انھیں سزا دی جاتی تھی اور آپؐ کی وجہ سے میں نے آپ کی اُمت سے خطا کا مؤاخذہ نہیں کروں گا"۔

نبی اکرم نے بارگاہ خداوندی میں عرض کیا:

"پروردگار! اگر تو نے مجھے اتنا کچھ عطا کیا ہے تو مجھے مزید نعمات بھی عطا فرما"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حبیب! تم مانگو میں تمھیں عطا کروں گا۔

اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا:

رَبَّنَا وَلَا تَحْمِلْ عَلَيْنَآ اِصْرًا كَمَا حَمَلْتَهٗ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِنَا "اے ہمارے رب! ہم پر وہ بوجھ نہ رکھ جو تو نے پہلی اُمتوں پر رکھے تھے۔ یعنی ہم پر وہ سختیاں نہ کرنا جو اُمم سابقہ پر کی گئی تھیں"۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"میں نے اُمم سابقہ کی سختیاں تیری اُمت سے ہٹا دی ہیں:

۱- سابقہ امتوں کے لیے حکم ہوا کرتا تھا کہ وہ ایک مخصوص مقرر کردہ جگہ پر نماز ادا کریں خواہ وہ عبادت کی جگہ دُور ہی کیوں نہ ہو۔ میں نے آپؐ کی اُمت کے لیے آسانی کی ہے اور میں نے اپنی پوری زمین کو تیری اُمت کے لیے سجدہ کی جگہ اور طہارت کا ذریعہ بنایا ہے۔

۲- سابقہ اُمتوں کے لیے حکم تھا کہ اگر ان کے جسم کو نجاست لگ جاتی تھی تو وہ اپنا جسم زمین سے رگڑتے تھے اور جب تک نجاست دُور نہ ہوتی تھی وہ جسم کو زمین سے رگڑتے رہتے تھے' جب کہ میں نے آپ کی اُمت کے لیے یہ سہولت دی ہے کہ وہ اپنے جسم کو پانی سے پاک کرلیں۔

۳- سابقہ اُمتوں کے لیے حکم تھا کہ وہ قربانی کا جانور اپنے کندھوں پر لاد کر قربان گاہ تک لے آتے تھے اور قربان گاہ صرف بیت المقدس میں تھی اور میں جس قربانی کو قبول کرتا تھا تو اس پر آسمان سے آگ بھیج کر اسے جلا دیتا تھا اور قربانی

لانے والا خوش ہو کر اپنے گھر چلا جاتا تھا اور جس کی قربانی مجھے قبول نہ ہوتی تھی تو اس پر آگ نہیں آتی تھی اور اس کا مالک ذلیل وخوار ہو کر اپنے گھر کو روانہ ہوتا تھا۔

جب کہ میں نے آپ کی اُمت کے لیے یہ سہولت دی ہے کہ وہ جہاں چاہیں میرے نام پر جانور ذبح کر کے خود بھی کھائیں اور فقراء و مساکین کو بھی کھلائیں۔ جس کی قربانی منظور کروں گا اسے کئی گنا زیادہ ثواب عطا کروں گا اور جس کی قربانی مجھے منظور نہ ہوگی اس سے بھی دنیا کی تکالیف دُور کروں گا۔

۴- سابقہ اُمتوں پر رات کی تاریکی اور دن کو دوپہر کے وقت نماز فرض ہوا کرتی تھی اور یہ اوقات انتہائی مشکل ہیں' جب کہ آپ کی اُمت کے لیے دن رات کے اطراف میں نماز پڑھنے کا حکم ہے۔

۵- سابقہ اُمتوں پر پچاس نمازیں فرض تھیں' جب کہ آپ کی اُمت پر صرف پانچ نمازیں فرض کی گئی ہیں۔ آپ کی اُمت پانچ نمازیں ادا کرے گی میں انھیں پچاس نمازوں کا ثواب عطا کروں گا۔

۶- سابقہ اُمتیں ایک نیکی کرتیں تو انھیں ایک نیکی کا ثواب دیا جاتا تھا اور اگر ایک برائی کرتیں تو انھیں ایک برائی کی سزا دی جاتی تھی' جب کہ آپ کی اُمت پر میں نے یہ انعام کیا ہے کہ ایک نیکی کے عوض دس نیکیاں لکھواتا ہوں اور ایک برائی کے عوض ایک برائی لکھواتا ہوں۔

۷- سابقہ اُمتوں کے افراد اگر نیکی کا ارادہ کرتے تھے تو ان کے نامہ اعمال میں اس وقت تک نیکی نہ لکھی جاتی تھی جب تک وہ اس پر عمل نہ کرتے تھے۔ جب کہ آپ کی اُمت پر میں نے یہ انعام کیا ہے کہ جب وہ نیکی کا ارادہ کریں تو ان کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھ دی جاتی ہے اور جب وہ عمل کرتے ہیں تو پھر باقی نو نیکیاں لکھی جاتی ہیں۔

۸- امم سابقہ کے افراد اگر برائی کا ارادہ کرتے تو ان کے نامہ اعمال میں اس وقت تک برائی نہ لکھی جاتی تھی جب تک وہ برائی پر عمل نہیں کرتے تھے اور اگر وہ برائی کو چھوڑتے تو ان کے نامہ اعمال میں کچھ بھی نہیں تحریر کیا جاتا تھا۔ جب کہ آپ کی اُمت کے افراد کے لیے میرا انعام یہ ہے کہ اگر کوئی برائی کا ارادہ کر کے اس ارادے سے باز آجائے تو اس کے نامہ اعمال میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے۔

۹- سابقہ اُمتوں کے افراد کوئی گناہ کرتے تو وہ گناہ ان کے دروازوں پر لکھ دیا جاتا تھا جب کہ آپ کی اُمت کے افراد اگر گناہ کریں گے تو ان کے دروازے پر ان کا گناہ لکھ کر انھیں رسوا نہیں کیا جائے گا۔

۱۰- سابقہ اُمتوں کے افراد میں سے اگر میں کسی کی توبہ قبول کرتا تھا تو اس کے لیے اس کا پسندیدہ کھانا حرام

کر دیتا تھا۔ جب کہ آپ کی اُمت کی توبہ بھی قبول کروں گا اور ان کے لیے کوئی اضافی شرط بھی نہیں لگاؤں گا۔

۱۱۔ امم سابقہ سے وابستہ کوئی فرد ایک گناہ بھی مجھ سے معاف کراتا تو اسے برسہا برس تک توبہ کرنی پڑتی تھی۔ جب کہ آپ کی اُمت کو میں نے رعایت دی ہے وہ چاہیں تو کئی سالوں کے گناہوں کی توبہ بیک وقت کریں اور ندامت محسوس کریں تو میں ان کے گناہ معاف کر دوں گا۔

جب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خدا کی طرف سے اتنے انعامات سنے تو آپؐ نے عرض کیا:

''پروردگار! میں اس سے بھی زیادہ کا خواہش مند ہوں''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حبیب! آپ مانگیں میں عطا کروں گا۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا:

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ''اے ہمارے رب! جس بوجھ کے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں وہ بوجھ ہم پر نہ رکھنا''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: تمھاری یہ دعا بھی قبول ہے۔ میں کسی کی طاقت واستطاعت سے بڑھ کر کسی کو تکلیف نہیں دوں گا۔

اس وقت رسولؐ خدا نے عرض کیا: پروردگار! میں اس سے بھی زیادہ کا خواہش مند ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حبیب آپ مانگیں میں عطا کروں گا۔

اس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا:

وَاعْفُ عَنَّا وَاغْفِرْ لَنَا وَارْحَمْنَا أَنْتَ مَوْلٰىنَا ''ہمارے ساتھ نرمی کر، ہمیں معاف فرما اور ہم پر رحم فرما تو ہی ہمارا آقا ہے''۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تمھاری یہ تینوں دعائیں قبول کیں۔

اس کے بعد رسولؐ خدا نے عرض کیا: پروردگار! میں اس سے بھی زیادہ کا خواہش مند ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: حبیب! مانگو میں تمھیں عطا کروں گا۔

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے عرض کیا:

فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ ''کافروں کے مقابلے میں ہماری مدد فرما''۔

اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''تیری اُمت اگرچہ باقی لوگوں کے مقابلے افرادی لحاظ سے کم ہوگی اور وہ سیاہ بیل کے اندر سفید نقطے کی طرح ہوگی لیکن تیری اُمت کو قدرت وسلطنت دوں گا اور تیری وجہ سے انھیں اتنا مرتبہ دوں گا کہ باقی اُمتیں ان کی خدمت پر مامور ہوں گی اور وہ ان کی خدمت نہیں کریں گے۔ اور میں تیرے دین کو باقی ادیان پر غالب کروں گا اور ایک ایسا وقت بھی آئے گا جب مشرق ومغرب میں صرف تیرا ہی دین ہوگا اور باقی اقوام وملل تیرے دین کے ماننے والوں کو جزیہ ادا کریں گی''۔

۱۲۲۷- کتاب ثواب الاعمال میں حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے منقول ہے' آپؐ نے فرمایا:

''جو شخص سورہ بقرہ کی پہلی چار آیات اور آیت الکرسی اور اس کے بعد کی دو آیات اور البقرہ کی آخری تین آیات پڑھے گا تو وہ اپنی جان و مال میں کوئی ناپسندیدہ چیز نہیں دیکھے گا اور شیطان اس کے قریب نہ جائے گا اور وہ قرآن کو فراموش نہیں کرے گا''۔

۱۲۲۸- حضرت جابر بن عبداللہ نے رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے ایک طویل حدیث نقل کی ہے جس میں آپؐ نے یہ جملے بھی ارشاد فرمائے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے فرمایا:

''میں نے تجھے اور تیری اُمت کو اپنے عرش کے خزانوں میں سے خزانہ عطا کیا ہے اور وہ خزانہ سورہ فاتحہ اور سورہ البقرہ کی آیات ہیں''۔

ادارہ منہاج الصالحین کی کتب پر ایک نظر

سوگنامہ آل محمدؐ

سوگنامہ آل محمدؐ علامہ محمد محمدی اشتہاردی کی تالیف مستطاب ہے جس کا اردو ترجمہ علامہ ریاض حسین جعفری فاضل قم نے فرمایا ہے: تقریباً ہزار صفحات پر مشتمل اس کتاب میں چہاردہ معصومینؑ کے فضائل ومصائب کونہایت جامعیت سے بیان کیا گیا ہے۔ بالخصوص مصائب محمدؐ وآل محمدؐ پر دور حاضر کے خطباؑ اور ذاکرین کے لئے یہ ایک نہایت مفید اور مستند پیش کش ہے۔ دو سال کے قلیل عرصے میں اسی کا تیسرا ایڈیشن شائع ہونے کو ہے۔ ہدیہ/225 روپے۔

سردار کربلا

یہ کتاب مستطاب محقق عالی قدر حجۃ الاسلام والمسلمین عباس اسماعیلی یزدی کا تاریخ کربلا کے موضوع پر بہترین سرمایہ تحقیق ہے۔ سحاب رحمت کے نام سے جسے پروفیسر مظہر عباس صاحب نے خوبصورت سلیس اور رواں دواں اردو کے قالب میں ڈھالا ہے۔ یہ بات وثوق کے ساتھ کہی جاسکتی ہے کہ کتب مقاتل میں تحقیق عمیق اور اسلوب بیان کے حوالے سے یہ کتاب بلند ترین مقام کی حامل ہے، جس کی تالیف میں سینکڑوں قدیم کتب سے استفادہ کیا گیا ہے۔ یہ منفرد، تجزیاتی، تاریخ، حوالہ جاتی کتب تاریخ میں خصوصی امتیاز کی حامل ہے۔ مصائب کی دنیا میں اس کتاب کی آمد سے ہر ذی شعور اور باضمیر قاری کے ذہن میں جہان درد آباد ہونے کو ہے۔ ہدیہ: 300 روپے

فلسفہ غیبت مہدیؑ

شیخ صدوق علیہ الرحمہ مذہب تشیع کے نہایت بلند پایہ علمائے اعلام میں سے ہیں جنہوں نے شیعیت کو حیات نو بخشی۔ شیخ موصوف امام زمانہؑ کی دعا سے پیدا ہوئے اور انہی کے حکم سے کمال الدین و تمام النعمہ نامی کتاب عربی میں تالیف کی۔ غیبت کے موضوع پر یہ معتبر ترین کتاب ہے۔ اس کی اہمیت و

افادیت کے پیش نظر دانشمند گرامی پروفیسر مظہر عباس صاحب نے نہایت تدقیق سے تصحیح و تنقیح کے بعد اس کا انتخاب و اختصار اردو زبان میں پیش کیا ہے۔ یہ انتخاب و اختصار اپنی مثال آپ ہے، جو عربی کتاب کی دونوں جلدوں کے مطالعے سے بے نیاز کر دیتا ہے۔ منتظرین امام کے لئے یہ بیش بہا تحفہ، نہایت پرکشش اور جاذب نظر و قلب انداز میں منصہ شہود پر آیا ہے۔ یقیناً یہ بھی امام زمانہؑ ہی کا اعجاز ہے کہ غیبت امام کے فلسفہ کو اس قدر سلیس، رواں دواں اور جامع انداز میں پیش کیا گیا ہے۔ ہدیہ: 135 روپے

جنت

کتاب لاجواب ''جنت'' آیت اللہ دستغیب شہید کی طرف سے کی گئی ''سورہ واقعہ'' کی تفسیر ہے۔ تفسیر قرآن کی اگرچہ بے شمار کتابیں میسر ہیں لیکن آیت اللہ موصوف کی تفسیر کا ہر نسخہ معلومات کا سمندر اور تحقیقات کا خزانہ ہوتا ہے۔ اس کتاب کے مطالعہ سے آپ ان شاء اللہ جنت کے مناظر کو اپنے سامنے مصور پائیں گے...... انذار و تبشیر لازم و ملزوم ہیں، لہٰذا مومنوں کے مقام جنت کے ساتھ ساتھ اسی تفسیر میں آیات قرآنی کے مطابق آیت اللہ موصوف نے دوزخ کی ہولناکیوں کا بھی منظر کشی (فرمودات معصومینؑ کی روشنی میں) کی ہے۔

مولانا ریاض حسین جعفری فاضل قم کے قلم سے اس کا خوبصورت اردو ترجمہ انتہائی قابل رشک ہے۔ خوبصورت ٹائٹل، نفیس کاغذ، اعلیٰ طباعت کا نمونہ ہے۔ ہدیہ: 150 روپے

نصائح

''نصائح'' آیت اللہ دستغیب شہید کی طرف سے سورہ القمر کی تفسیر کا بیش بہا ارمغان ہے۔ اس سورہ کی تفسیر میں آقائے دستغیب اعلی اللہ مقامہٗ نے اپنے اسلوب خاص کے مطابق نہ صرف معلومات دینے کے انبار لگائے ہیں، بلکہ بے شمار نصائح ایزدی کو بھی منظر عام پر لائے ہیں۔

مولانا ریاض حسین جعفری صاحب فاضل قم نے اس کتاب کا ترجمہ کر کے اردو کے دامن کو قرآن فہمی کے خصوصی شاہکار سے ہمکنار کیا ہے۔ نصائح ایک ایسی کتاب ہے جس کو ایک دفعہ پڑھنے کے بعد بار بار پڑھنے کو جی چاہتا ہے۔ خوبصورت طباعت سے بہترین کتاب کا ہدیہ: 135 روپے۔

بحرالمصائب

اردو میں مصائب کا زیادہ تر ذخیرہ عربی فارسی کتب سے منتقل ہوا ہے۔ علامہ ...... واعظی دہلوی نے بحرالمصائب کو اردو میں رقم فرمایا۔ یہ کتاب تقریباً سو سال پہلے منصۂ شہود پر آئی۔ دور حاضر میں اس کی ادق زبان اور مقفی و مسجع انداز بیان کو سلیس اسلوب میں ڈھالنے کی ضرورت تھی۔ مولانا ریاض حسین جعفری صاحب فاضل قم نے اس کتاب کو دورِ حاضر کے تقاضوں کے مطابق جدید شکل وصورت سے نواز کر شائع کیا۔

بحرالمصائب واقعی مصائب کا سمندر ہے۔ واقعات کربلا اور شہادت ہائے شہداء کو نہایت پرسوز انداز سے قلمبند کیا گیا۔ ہدیہ: 165 روپے

آفتاب ولایت

کتاب ولایت فارسی کتاب ''امام علیؑ ..... خورشید بے غروب، کا اردو ترجمہ ہے۔ جس کے مصنف محمد ابراہیم سراج ہیں جب کہ اس کا اردو ترجمہ انجینئر سید علی شیر نقوی صاحب کے قلم سے زیب قرطاس ہوا ہے۔

انجینئر صاحب نہ صرف دنیاوی و سائنسی علوم کے ماہر ہیں بلکہ دینی علوم میں بھی گہری دلچسپی رکھتے ہیں۔ موصوف نے اپنی ترجمہ نگاری کی ابتداء ہی ایک ''غیر متنازعہ'' علمی کتاب سے کی ہے جس میں حضرت علیؑ کے بارے میں مختلف مکاتب فکر اور طبقات انسانی کی آراء کو نہایت شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ آپ کو جو مولائے کائنات کے بارے میں علمی وتحقیقی مواد کا ایک ذخیرہ مہیا کردے گا۔ امیر المومنین کی سیرت مبارکہ پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنی دنیا وآخرت سنوار سکتے ہیں۔ ہدیہ 150 روپے